مزید اضافہ عنوانات و تصحیح، نظر ثانی شدہ جدید ایڈیشن

اشرف الہدایہ

شرح اردو

ہدایہ

تالیف

مولانا جمیل احمد سکروڈھوی

اضافہ عنوانات

مولانا محمد عظمت اللہ



مع اضافۂ عنوانات و تخریج، نظرثانی شدہ جدید ایڈیشن

وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَاۤءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (القرآن)

اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں راہ راست بتلا دیتے ہیں

اشرف الہدایہ

شرح اردو

هداية

جلد دوم

باب صفة الصلوٰة

تا

باب الصلوٰة فی الکعبة

تالیف: مولانا جمیل احمد سکروڈھوی

مدرس دارالعلوم دیوبند

اضافۂ عنوانات: مولانا محمد عظمت اللہ

رفیق دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

دارالاشاعت

اردو بازار ایم اے جناح روڈ

کراچی پاکستان 2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : مئی ۲۰۰۶ء علمی گرافکس
ضخامت : 379 صفحات
کمپوزنگ : منظور احمد

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

.... ملنے کے پتے ....

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

Azhar Academy Ltd.
At Continenta (London) Ltd.
Cooks Road, London E15 2PW

فہرست عنوانات

فصلٌ فی قیام رمضان

باب فی سجدة التلاوة

باب صلوة الجمعة

فصل فی الغسل ۳۴۳

فصل فی التکفین ۳۴۸

فصل فی الصلوٰۃ علی المیت ۳۵۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

باب صفة الصلوٰة

ترجمہ ...... (یہ) باب نماز کی صفت (کے بیان میں) ہے

تشریح ...... اب تک نماز کے وسائل اور مقدمات کا بیان تھا اب یہاں سے مقصود یعنی نماز کو ذکر کریں گے۔

اہل لغت کے نزدیک وصف اور صفت دونوں مترادف ہیں اور دونوں مصدر ہیں جیسے وعد اور عدۃ۔ اور متکلمین میں سے ہمارے علماء کے نزدیک وصف واصف کا کلام ہے اور صفت وہ معنی ہے جو موصوف کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ پس زید عالم' زید کا وصف ہے نہ کہ صفت اور اس کا علم جو اس کے ساتھ قائم ہے صفت ہے نہ کہ وصف۔

رہا یہ کہ یہاں صفت سے کیا مراد ہے۔ سو اس بارے میں اختلاف ہے۔ صاحب عنایہ نے کہا کہ ظاہر یہ ہے کہ صفت سے مراد نماز کی وہ ہیئت ہے جو اس کے ارکان اور عوارض سے حاصل ہو اور بعض کا خیال یہ ہے کہ صفت سے مراد وہ امور ہیں جو اس باب میں مذکور ہیں یعنی واجبات' فرائض' سنن اور مندوبات' پس اس صورت میں صفت کی اضافت صلوٰۃ کی طرف' اضافت جز الی الکل کے قبیلہ سے ہوگی' کیونکہ صفات مذکورہ میں سے ہر صفت نماز کا جز ہے۔

اور بعض نے کہا کہ یہاں مضاف محذوف ہے تقدیری عبارت ہے باب صفۃ اجزاء الصلوٰۃ اس صورت میں صفت سے مراد کیفیت ہوگی یعنی یہ باب نماز کے اجزاء کی کیفیت (وجوب' فرضیت وغیرہ) کے بیان میں ہے۔

نماز کے فرائض

فرائض الصلاة ستة: التحريمة لقوله تعالىٰ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ والمراد به تكبيرة الافتتاح والقيام لقوله تعالىٰ وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ والقراءة لقوله تعالىٰ فَاقْرَءُوْا مَاتَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ والركوع والسجود لقوله تعالىٰ واركعوا واسجدوا والقعدة فى اخر الصلوٰة مقدار التشهد لقوله عليه السلام لابن مسعودؓ حين علمه التشهد اذا قلت هذا او فعلت هذا فقد تمت صلاتك علق التمام بالفعل قرأ اولم يقرأ

ترجمہ ...... اور نماز کے فرائض چھ ہیں (۱) تحریمہ کیونکہ باری تعالیٰ نے فرمایا اور اپنے رب کی بزرگی بیان کر۔ اور تکبیر سے مراد نماز شروع کرنے کی نیت ہے (۲) قیام اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور کھڑے ہو اللہ تعالیٰ کے واسطے بحالت خشوع۔ (۳) قرأت اس لئے کہ اللہ رب العزت نے فرمایا قرآن جس قدر آسان ہو پڑھو (۴-۵) رکوع اور سجود کیونکہ باری تعالیٰ نے فرمایا ہے اور رکوع کرو اور سجدہ کرو۔ (۶) آخر نماز میں تشہد کی مقدار قعدہ ہے اس لئے کہ حضور ﷺ نے جب عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تشہد کی تعلیم دی تو فرمایا کہ جب تو نے یہ کہا یا اس کو کر لیا تو تیری نماز پوری ہوگی۔ حضور ﷺ نے نماز کا پورا ہونا فعل پر معلق کیا ہے (خواہ) کچھ پڑھا ہو یا نہ پڑھا ہو۔

تشریح ...... یہاں قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ امام قدوریؒ فرائض الصلوٰۃ ستۃ فرماتے لیکن تین سے نو تک اعداد کے استعمال کا قاعدہ یہ ہے کہ معدود اگر مذکر ہو تو عدد مؤنث ہوگا اور اگر معدود مؤنث ہے تو عدد مذکر ہوگا۔ اور اس جگہ فرائض (معدود) فریضۃ کی جمع ہے اور فریضۃ مؤنث ہے اس وجہ سے عدد مذکر آنا چاہیے تھا۔

جواب: یہاں فرائض فروض کی تاویل میں کرلیا گیا اور فروض جمع ہے فرض کی اور فرض مذکر ہے لہٰذا ستۃ کو مونث لانا قاعدے کے مطابق ہوا۔ صاحب عنایہ نے لکھا ہے کہ بعض نسخوں میں فرائض الصلوٰۃ ست ہے پس اس نسخہ کی بنا پر سرے سے کوئی اشکال واقع نہیں ہوگا۔

رہی یہ بات کہ مصنفؒ نے فرائض الصلوٰۃ کیوں کہا ارکان الصلاۃ کیوں نہیں ذکر کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ فرائض عام ہے جو ارکان اور غیر ارکان (شرائط) سب کو شامل ہے۔ اور یہاں تحریمہ جو مذکور ہے وہ رکن صلاۃ نہیں بلکہ جواز صلاۃ کی شرط ہے اور قعدۂ اخیرہ اگر چہ فرض ہے لیکن رکن اصلی نہیں اور رکن اصلی نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ قعدۂ اخیرہ پہلی رکعت میں مشروع نہیں کیا گیا۔ بہر حال مصنف اگر لفظ فرائض کی جگہ ارکان ذکر کرتے تو یہ تحریمہ وغیرہ کو شامل نہ ہوتا۔ اس لئے ایسا لفظ ذکر کیا گیا جو سب کو عام ہو۔

فرض ...... وہ ہے جس کا کرنا دلیل قطعی سے لازم ہو عام اس سے کہ وہ رکن ہے یا شرط اور رکن وہ ہے جو نماز کی ماہیت میں داخل جزو ہو۔ (بحر الرائق) اور کبھی اس کو بھی فرض کہہ دیا جاتا ہے جو نہ رکن ہو اور نہ شرط ہو۔

نماز کا پہلا فرض: نماز کے فرائض میں سے اول تحریمہ ہے اور لغت میں تحریمہ کہتے ہیں جعل الشیٔ محرما کو یعنی کسی کو محرم بنانا۔ یہاں تحریمہ تکبیر اولی کا نام ہے کیونکہ تکبیر اولی ان تمام چیزوں کو حرام کردیتی ہے جو اس سے پہلے مباح تھیں۔ اس کے برخلاف دوسری تکبیروں کی یہ شان نہیں ہے۔

علامہ ابن الہمامؒ نے کہا کہ تکبیر کو تحریمہ کہنا مجازی ہے اس لئے کہ تحریم بذات خود تکبیر نہیں بلکہ اس سے تحریم ثابت ہو جاتی ہے اور اسی کی طرف اس حدیث کا اشارہ ہے مفتاح الصلوٰۃ الطہور و تحریمھا التکبیر وتحلیلھا التسلیم (ابوداؤد و ترمذی) نماز کی کنجی تو طہور ہے اور تحریم اس کی تکبیر ہے اور اس کی تحلیل تسلیم ہے۔

تکبیر تحریمہ کی فرضیت پر چند دلیلیں ہیں۔ اول تکبیر تحریمہ پر حضور ﷺ کا ہمیشگی فرمانا ہے اور بغیر ترک کے کسی چیز پر آپ ﷺ کا ہمیشگی فرمانا وجوب کی علامت ہے دوم اجماع ہے کیونکہ آپ ﷺ کے زمانے سے آج تک تکبیر اولی کے وجوب میں کسی کا اختلاف منقول نہیں ہے۔

تیسری دلیل باری تعالی کا قول وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ آیت میں اللہ اکبر کہنا مراد ہے کیونکہ مروی ہے انہ لما نزل قال رسول اللہ ﷺ اللہ اکبر فکبرت خدیجۃ وفرحت وایقنت انہ الوحی یعنی جب یہ آیت اتری تو رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ اللہ اکبر پس حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا نے بھی تکبیر کہی اور خوش ہوئیں اور یقین کیا کہ یہ وحی ہے۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ اس سے مراد تکبیر تحریمہ ہے نیز کبر صیغہ امر ہے اور امر کا موجب وجوب ہے اور یہ بات بالاجماع ثابت ہے کہ خارج صلاۃ کوئی تکبیر واجب نہیں ہے پس متعین ہوگیا کہ اس سے تکبیر نماز مراد ہے اور تکبیر تحریمہ کے علاوہ بالاجماع نماز میں کوئی تکبیر واجب نہیں ہے پس متعین ہوگیا کہ اس سے مراد تکبیر تحریمہ ہے۔

دوسرا فرض: قیام ہے یعنی فرض نماز اور وتر اور جو ملحق بفرض ہوں مثلاً نماز نذر ان کو کھڑے ہو کر پڑھنا فرض ہے بشرطیکہ قیام اور سجدہ

کرنے پر قادر ہو۔اور اگر قیام کر سکتا ہے مگر سجدہ نہیں کر سکتا تو اس کے لئے بیٹھ کر اشارہ سے پڑھنا بہتر ہے۔قیام کے فرض ہونے کی دلیل باری تعالیٰ کا قول قُوْمُوْا لِلّٰہِ قَانِتِیْنَ ہے یعنی کھڑے ہو اللہ تعالے کے واسطے بحالت خضوع یا خاموشی قنوت کے معنی اطاعت کرنا، اور بعض کے نزدیک خشوع اور بعض کے نزدیک سکوت اور خاموشی۔

اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ قنوت کے معنی نماز میں طول قیام کے ہیں۔آیت سے استدلال اس طور ہوگا کہ خداوند قدوس نے قیام کا امر فرمایا ہے اور امر وجوب کے لئے آتا ہے اور خارج نماز بالاتفاق قیام واجب نہیں پس ثابت ہو گیا کہ قیام نماز میں واجب (فرض) ہے۔

تیسرا فرض: قرأت ہے دلیل اللہ تعالیٰ کا قول فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ہے۔وجہ استدلال یہ ہے کہ قرأت کا حکم بصیغۂ امر ہے اور امر وجوب کے لئے آتا ہے اور نماز سے باہر بالاجماع قرأت فرض نہیں پس نماز میں قرأت کا فرض ہونا ثابت ہو گیا رہی یہ بات کہ کتنی مقدار پڑھنا فرض ہے؟ سو اس بارے میں فصل القرأۃ میں مفصل کلام کیا جائے گا۔

چوتھا فرض رُکوع اور پانچواں سجود ہے دلیل باری تعالیٰ کا قول وارکعوا واسجدوا ہے یعنی رکوع کرو اور سجدہ کرو۔

وجہ استدلال وہی ہے جو سابق میں گذر چکی کہ رکوع اور سجود کا حکم بصیغۂ امر ہے اور امر کا موجب وجوب ہے بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اسلام کے شروع زمانے میں کچھ لوگ سجدہ کرتے تھے مگر رکوع نہیں کرتے تھے اور کچھ رکوع کرتے تھے مگر سجدہ نہیں کرتے تھے پس ان کو حکم کیا گیا کہ رکوع اور سجدہ کے ساتھ نماز پڑھو۔

فائدہ......نماز کے ارکان کتاب اللہ میں متفرق کر کے مشروع کئے گئے ہیں چنانچہ کسی آیت میں رکوع اور سجود کا بیان ہے اور کسی میں قرأت کا اور کسی میں قیام کا وغیرہ۔صاحب شرح نقایہ نے لکھا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ دوسرا سجدہ واجب یعنی فرض عملی ہے کیونکہ اس کا ثبوت دلیل قطعی سے نہیں ہوا۔

اور بعض فقہاء کا قول ہے کہ دوسرے سجدہ کی فرضیت بالاجماع ثابت ہے حتیٰ کہ اگر ان دونوں میں سے کسی ایک کو ترک کر دیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔پھر فرمایا کہ ہر رکعت میں تکرار سجود نہ کہ تکرار رکوع امر تعبدی ہے یعنی خلاف قیاس ثابت ہے۔

اور بعض نے کہا کہ پہلا سجدہ (آقا) کے حکم کی تعمیل کے لئے ہے اور دوسرا ابلیس کو رسوا اور ذلیل کرنے کے لئے ہے کیونکہ اس نے اللہ کے حکم کے باوجود ازراہ تکبر سجدہ نہیں کیا تھا۔

اور بعض کا قول یہ ہے کہ پہلا سجدہ للاھو اور دوسرا الشکر ہے۔بعض نے کہا کہ پہلا سجدہ ایمان کی وجہ سے ہے اور دوسرا بقائے ایمان کی وجہ سے۔

اور بعض نے کہا کہ پہلے سجدے سے انسان کی ابتداء پیدائش کی طرف اشارہ ہے اور دوسرے سے اس کی حالت بقاء کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ باری تعالیٰ کے قول مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

چھٹا فرض: بقدر تشہد قعدۂ اخیرہ ہے یعنی اتنی مقدار بیٹھنا فرض ہے جس میں التحیات سے عبدہ ورسولہ تک پڑھنا ممکن ہو۔ دلیل یہ ہے کہ امام احمدؒ امام ابوداؤدؒ اور امام طحاویؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ان النبی ﷺ اخذ بیدہ

وعلم التشهد پھر آخر حدیث میں ہے اذا قلت هذا او قضيت هذا فقد قضيت صلوتک ان شئت ان تقوم فقم وان تقعد فاقعد، صاحب ہدایہ اسی کے ہم معنی یہ الفاظ نقل کرتے ہیں اذا قلت هذا او فعلت هذا فقد تمت صلوتک یعنی حضور ﷺ نے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر ان کو تشہد کی تعلیم دی اور آخر میں فرمایا کہ جب تو نے یہ کہہ لیا یا یہ کر لیا تو اپنی نماز پوری کر لے اگر کھڑا ہونا چاہے تو کھڑا ہو جا اور اگر بیٹھنا چاہے تو بیٹھ۔

اس حدیث سے استدلال اس طور پر ہوگا کہ اللہ کے پیارے نبی ﷺ نے نماز کے پورا ہونے کو قعود مع قرأت التشهد پر معلق فرمایا کیونکہ اذا قلت هذا کے معنی یہ ہیں کہ اگر تو نے قعود میں تشہد پڑھا۔ اس لئے کہ تشہد کا پڑھنا بغیر قعود کے معتبر نہیں ہے اور او قضيت هذا یا او فعلت هذا کے معنی ہیں کہ یا تو نے نفس قعود کیا یعنی بیٹھنا پایا گیا مگر تشہد کا پڑھنا نہیں پایا گیا تو تیری نماز پوری ہو گئی۔ حاصل یہ کہ نماز کا پورا ہونا قعود پر موقوف ہے خواہ کچھ پڑھا ہو یا نہ پڑھا ہو۔ پس معلوم ہوا کہ تشہد پڑھنے کی مقدار بیٹھنا فرض ہے۔

نیز عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں انه قال اذا رفع رأسه من السجدة الاخيرة قعد قدر التشهد ثم احدث فقد تمت صلوته حضور ﷺ نے فرمایا جب وہ آخری سجدے سے اپنا سر اٹھالے اور تشہد کی مقدار بیٹھ جائے پھر اس نے حدث کیا تو اس کی نماز پوری ہو گئی۔

اس حدیث میں بھی حضور ﷺ نے نماز پورا ہونے کو بقدر تشہد بیٹھنے پر معلق کیا ہے لہٰذا اس سے بھی ثابت ہوا کہ بقدر تشہد بیٹھنا فرض ہے۔ (حاشیہ شرح نقایہ از شیخ الادب)

نماز کے واجبات

قال وما سوى ذلك فهو سنة، اطلق اسم السنة وفيها واجبات كقراءة الفاتحة وضم السورة معها ومراعات الترتيب فيما شرع مكررا من الافعال والعقدة الاولىٰ وقراءة التشهد في الاخيرة والقنوت في الوتر وتكبيرات العيدين والجهر فيما يجهر والمخافتة فيما تخافت فيه ولهذا يجب عليه سجدتا السهو بتركها هذا هو الصحيح وتسميتها سنة في الكتاب لما انه ثبت وجوبها بالسنة

ترجمہ..... فرمایا کہ اور جو افعال ان کے علاوہ ہیں، وہ سنت ہیں قدوریؒ نے سنت کا اطلاق کیا حالانکہ ان افعال میں واجبات بھی ہیں جیسے سورۂ فاتحہ پڑھنا اور اس کے ساتھ کسی سورت کا ملانا۔ اور ان افعال میں ترتیب کی رعایت رکھنا جو مکرر مشروع ہوئے ہیں اور پہلا قعدہ اور قعدۂ اخیرہ میں تشہد پڑھنا اور وتر میں قنوت پڑھنا اور عیدین کی تکبیریں اور جن میں جہر واجب ہے ان میں جہر کرنا اور جن میں اخفاء واجب ہے ان میں اخفاء کرنا اور اسی واسطے مصلی پر ان میں سے ہر ایک کے ترک سے سہو کے دو سجدے واجب ہوتے ہیں یہی صحیح ہے اور کتاب میں ان کا سنت نام رکھنا اس لئے ہے کہ ان کا وجوب سنت سے ثابت ہے۔

تشریح..... شیخ قدوریؒ نے کہا کہ مذکورہ چیزوں یعنی فرائض کے علاوہ سب سنت ہیں۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ قدوریؒ نے لفظ سنت استعمال کیا ہے حالانکہ ان افعال میں واجبات بھی ہیں لہٰذا یہاں لفظ سنت کا اطلاق صحیح نہیں ہوگا۔

صاحب ہدایہ نے اس عبارت کے آخر میں جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ سنت سے مراد ماثبت بالسنتہ ہے اور چونکہ واجب بھی سنت سے ثابت ہوتا ہے اس لئے واجبات پر سنت کا اطلاق کر دیا گیا۔

لیکن صاحب ہدایہ کا یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں جمع بین الحقیقۃ والمجاز لازم آتا ہے اس طور پر کہ سنت سے سنن مراد لینا بطریق حقیقت ہے اور واجبات مراد لینا بطریق مجاز ہے پس چونکہ یہاں دونوں مراد ہیں اس لئے حقیقت اور مجاز کو جمع کرنا لازم آئے گا۔

جواب مصنف قدوریؒ کے قول فھو سنتہ سے مراد ثابت بالسنتہ ہے اور واجبات اور سنن جو اس باب میں مذکور ہیں وہ اس لفظ کے تحت بطریق حقیقت داخل ہیں پس جمع بین الحقیقۃ والمجاز کا اشکال واقع نہیں ہوگا۔

مصنف ہدایہ نے واجبات شمار کراتے ہوئے فرمایا کہ جیسے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے اور فاتحہ کے ساتھ سورت ملانا واجب ہے۔

اور جو افعال ایک رکعت میں مکرر شروع ہوئے ہیں ان میں ترتیب کی رعایت رکھنا بھی واجب ہے چنانچہ اگر کسی نے بھول کر رکعت اولیٰ کا دوسرا سجدہ چھوڑ دیا اور کھڑے ہو کر نماز پوری کر لی پھر اس کو یاد آیا تو وہ متروکہ سجدہ ادا کرے اور ترک ترتیب کی وجہ سے سجدۂ سہو کرے۔ یہ یاد آنا سلام سے پہلے ہو یا سلام کے بعد بشرطیکہ کوئی مفسد صلوٰۃ امر پیش نہ آیا ہو۔

اور پہلا قعدہ' قعدۂ اخیرہ میں تشہد پڑھنا' وتر میں دعاءِ قنوت پڑھنا' عیدین کی تکبیریں اور جہری نمازوں میں جہر کرنا اور سری نمازوں میں اخفاء کرنا بھی واجب ہے یہی وجہ ہے کہ اگر ان میں سے کوئی ایک ترک ہو گیا تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

فائدہ...... یہاں واجب سے مراد یہ ہے کہ جس کے بغیر نماز درست ہو جائے لیکن اس کے سہواً ترک سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے۔ اور سنت سے مراد یہ ہے کہ جس کو حضور ﷺ نے مواظبت کے ساتھ کیا ہو اور بغیر عذر کبھی ترک نہ کیا ہو جیسے ثناء تعوذ تکبیرات رکوع و سجود۔

نماز کے کچھ آداب ہیں اور نماز میں ادب وہ ہے جس کو حضور ﷺ نے کبھی کبھار کیا اور اس پر مواظبت نہ فرمائی ہو۔ جیسے رکوع اور سجدے میں تین پر تسبیحات کی زیادتی اور قرأت مسنونہ سے زائد قرأت کرنا۔

نماز کا طریقہ، تکبیر تحریمہ شرط ہے یا نہیں، اقوالِ فقہاء

واذا شرع فی الصلوٰۃ کبر لما تلونا وقال علیہ السلام تحریمھا التکبیر وھو شرط عندنا خلافا للشافعیؒ حتی ان من یحرم للفرض کان لہ ان یؤدی بھا التطوع وھو یقول انہ یشترط لھا ما یشترط لسائر الارکان وھذا اٰیۃ الرکنیۃ ولنا انہ عطف الصلوٰۃ علیہ فی قولہ تعالیٰ وَ ذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی ومقتضاہ المغایرۃ ولھذا لایتکرر کتکرر الارکان ومراعاۃ الشرائط لما یتصل بہ من القیام

ترجمہ...... اور جب نماز شروع کرے تو تکبیر کہے اس آیت کی وجہ سے جو ہم نے تلاوت کی اور حضور ﷺ نے فرمایا نماز کی تحریم تکبیر ہے اور یہ ہمارے نزدیک شرط ہے امام شافعیؒ کا خلاف ہے حتی کہ جو کوئی فرض کا تحریمہ باندھے تو اس کو جائز ہے کہ اس تحریمہ سے نفل ادا کرے اور امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ تحریمہ کے لئے ہر وہ چیز شرط ہے جو دوسرے ارکان کے لئے شرط ہے اور یہ بات اس کے رکن ہونے کی علامت ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ باری تعالیٰ کے قول وَ ذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی میں تکبیر مذکور پر نماز کا عطف کیا گیا ہے اور عطف کا مقتضی مغایرت ہے اور اسی وجہ سے تکبیر مکرر نہیں ہوتی جیسا کہ دوسرے ارکان مکرر ہوتے ہیں۔ اور شرائط کی رعایت اس

قیام کی وجہ سے ہے جو اس کے ساتھ متصل ہے۔

تشریح ..... مسئلہ، جب نماز شروع کرنے کا ارادہ کرے نماز خواہ فرض ہو خواہ نفل تو تکبیر تحریمہ کھڑے ہو کر کہے پس اگر کسی نے بیٹھ کر تکبیر کہی پھر کھڑا ہو گیا تو وہ نماز شروع کرنے والا نہیں ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص نماز میں شرکت کے ارادے سے آیا حالانکہ امام رکوع میں پس اس نے اپنی پشت جھکاتے ہوئے تکبیر کہی تو اس صورت میں اگر یہ شخص تکبیر کہتے وقت قیام سے قریب تر ہے تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ اگر کسی نے امام کو رکوع میں پایا پھر اس نے تکبیر رکوع کے ارادے سے کھڑے ہو کر تکبیر کہی تو بھی جائز ہے کیونکہ اس کا ارادہ لغو ہے حالت قیام میں اس کی تکبیر تحریمہ کے لئے قرار دی جائے گی۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ تکبیر تحریمہ ہمارے نزدیک شرط ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک رکن ہے ثمرہ اختلاف اس طرح ظاہر ہوگا کہ ہمارے نزدیک چونکہ تحریمہ شرط ہے اس لئے فرض کے تحریمہ سے نفل ادا کرنا جائز ہوگا۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک چونکہ رکن ہے اس لئے فرض کے تحریمہ سے نفل ادا کرنا جائز نہیں ہے وجہ یہ ہے کہ ایک شرط کے ساتھ متعدد نمازیں ادا کرنا جائز ہے لیکن ایک رکن کے ساتھ جائز نہیں۔ بہر حال تکبیر تحریمہ کے رکن ہونے پر امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے لئے ہر وہ چیز شرط ہے جو دوسرے ارکان کے لئے شرط ہے جیسے طہارت، ستر عورت، استقبال قبلہ، نیت اور وقت، یعنی یہ چیزیں جس طرح قیام، قرأت، رکوع اور سجدہ وغیرہ ارکان کے لئے شرط ہیں اس طرح تکبیر تحریمہ کے لئے بھی شرط ہیں اور جس چیز کے لئے وہ باتیں شرط ہوں جو تمام ارکان کے لئے شرط ہیں تو اس چیز کے رکن ہونے کی علامت ہے یعنی دوسرے ارکان پر قیاس کر کے اس کو بھی رکن قرار دیا جائے گا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ باری تعالیٰ کے قول وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى میں نماز کا عطف ذکر اسم رب یعنی تکبیر تحریمہ پر کیا ہے اور عطف تقاضا کرتا ہے مغایرت کا یعنی معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان تغایر ضروری ہے۔ پس اگر تکبیر کو رکن مانا جائے تو کل کا عطف جزء پر لازم آئے گا اور چونکہ کل اس جزء کو بھی شامل ہے اس لئے عطف شئی علیٰ نفسہ لازم آئے گا اور یہ ناجائز ہے۔ اس وجہ سے ہم نے کہا کہ تکبیر تحریمہ رکن نہیں بلکہ شرط ہے اور چونکہ شرط شئی، شئی سے خارج ہوتی ہے اس لئے تکبیر تحریمہ اور نماز کے درمیان تغایر ہوگا اور عطف درست ہوگا پس ثابت ہو گیا کہ تکبیر تحریمہ نماز کی شرط ہے نہ کہ رکن۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ جس طرح دوسرے ارکان نماز میں مکرر ہوتے ہیں تکبیر تحریمہ مکرر نہیں ہوتی پس یہ اس بات کی علامت ہے کہ تکبیر تحریمہ رکن نہیں ورنہ دوسرے ارکان کی طرح تکبیر تحریمہ مکرر ہوتی۔

ومراعاة الشرائط سے امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ مذکورہ شرائط (طہارت، ستر عورت وغیرہ) کی رعایت نفس تحریمہ کے لئے نہیں ہے بلکہ قیام جو تحریمہ سے متصل ہے اس کے لئے ہے اور وہ رکن ہے پس اس سے تحریمہ کا رکن ہونا ثابت نہیں ہوگا۔

ہاتھوں کو تکبیر کے ساتھ اٹھانا سنت ہے

و يرفع يديه مع التكبير وهو سنة لان النبى عليه السلام و اظب عليه و هذا اللفظ يشير الىٰ اشتراط المقارنة

وهو المروى عن ابى يوسفؒ والمحكى عن الطحاوىؒ والاصح انه يرفع يديه اولا ثم يكبر، لان فعله نفى الكبرياء عن غير الله تعالىٰ، والنفى مقدم.

ترجمہ..... اور (مرد) اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے تکبیر کے ساتھ اور یہ سنت ہے کیونکہ حضور ﷺ نے اس پر مواظبت فرمائی ہے۔ اور یہ لفظ مقارنت کے شرط ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے اور یہی ابو یوسفؒ سے مروی ہے اور یہی طحاویؒ سے حکایت کیا گیا ہے اور اصح یہ ہے کہ پہلے دونوں ہاتھ اٹھائے پھر تکبیر کہے کیونکہ اس کا فعل اللہ تعالیٰ کے علاوہ سے کبریائی کی نفی ہے اور نفی مقدم ہوتی ہے۔

تشریح..... فرمایا کہ مرد اپنے دونوں ہاتھ تکبیر کے ساتھ ساتھ اٹھائے اور یہ نماز کے شروع میں ہاتھوں کا اٹھانا مسنون ہے کیونکہ حضور ﷺ نے کبھی کبھار ترک کے ساتھ اس پر ہمیشگی فرمائی ہے۔ اور یہ مسنون ہونے کی علامت ہے۔ پھر اس بارے میں اختلاف ہے کہ ہاتھ اٹھانے کا افضل وقت کونسا ہے۔

شیخ الاسلام وقاضی خاں نے کہا کہ ہاتھ اٹھانا اور تکبیر کہنا دونوں ملے ہوئے ساتھ ساتھ ہوں، قدوریؒ کی عبارت بھی اسی طرف مشیر ہے کیونکہ علامہ قدوریؒ نے کہا ویرفع یدیہ مع التکبیر اور لفظ مع مقارنت پر دلالت کرتا ہے۔ یہی امام ابو یوسف کا قول ہے۔ اور امام طحاویؒ نے بھی اسی پر عمل کیا ہے۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ مذہب میں اصح یہ ہے کہ پہلے دونوں ہاتھ اٹھائے پھر تکبیر کہے اسی کے قائل عامۃ المشائخ ہیں، دلیل یہ ہے کہ اس کے فعل میں نفی کے معنی اور اس کے قول میں اثبات کے معنی ہیں اس طور پر کہ جب یہ شخص ہاتھ اٹھاتا ہے تو غیر اللہ سے کبریائی کی نفی کرتا ہے اور جب اللہ اکبر کہتا ہے تو اللہ کے لئے کبریائی ثابت کرتا ہے۔ اور نفی اور اثبات میں نفی اثبات پر مقدم ہوتی ہے جیسے کلمۂ شہادت میں نفی مقدم ہے اس وجہ سے افضل یہ ہے کہ پہلے دونوں ہاتھ اٹھائے پھر تکبیر کہے۔

قول اصح کی تائید وائل بن حجرؓ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے الفاظ حدیث یہ ہیں ان النبی ﷺ حین قام الی الصلوٰۃ یرفع یدیہ ثم یکبر یعنی حضور ﷺ جس وقت نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے پھر تکبیر کہتے۔

لیکن صاحب ہدایہ نے اس حدیث سے استدلال اس لئے نہیں کیا کہ حدیث انسؓ اس کے معارض ہے حدیث یہ ہے عن انس قال کان رسول اللہ ﷺ اذا افتتح الصلوٰۃ کبر ثم رفع یدیہ۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے پھر اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے۔ (شرح نقایہ)

ہاتھوں کو کانوں کی لو کے برابر یا کندھوں تک اٹھایا جائے گا..... اقوالِ فقہاء

ويرفع يديه حتى يحاذى بابهاميه شحمة اذنيه، وعند الشافعىؒ يرفع الى منكبيه، وعلى هذا تكبيرة القنوت والاعياد والجنازة، له حديث ابى حميد الساعدىؓ قال: كان النبى عليه السلام اذا كبّر رفع يديه الى منكبيه، ولنا رواية وائل بن حجر والبراء وانس ان النبى عليه السلام كان اذا كبّر رفع يديه حذاء اذنيه ولان رفع اليد لإعلام الاصم، وهو بما قلناه، ومارواه يحمل على حالة العذر

ترجمہ..... اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ اپنے دونوں انگوٹھوں کو اپنے دونوں کانوں کی لو سے محاذی کر دے۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک اپنے دنوں کندھوں تک اٹھائے اور اسی اختلاف پر قنوت کی تکبیر' عیدین کی تکبیر اور جنازہ کی تکبیر ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل ابوحمید الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے فرمایا کہ حضور ﷺ جب تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ دونوں کندھوں تک اٹھاتے۔ اور ہماری دلیل وائل بن حجر' براء اور انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ جب تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں کانوں کے مقابل اٹھایا کرتے اور اس وجہ سے کہ ہاتھ کا اٹھانا بہرے آدمی کو خبر دینے کے واسطے ہے اور یہ اسی طریقہ پر ہوگی جو ہم نے کہا ہے اور وہ حدیث جس کو ابوحمید نے روایت کیا اس کو عذر کی حالت پر محمول کیا جائے گا۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کو اس قدر اٹھائے کہ دونوں انگوٹھے دونوں کانوں کی لو کے محاذی (مقابل) ہو جائیں۔ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ نے کہا کہ کندھوں تک اٹھائے یہی ایک روایت امام احمدؒ سے ہے۔ یہی اختلاف قنوت عیدین اور جنازہ کی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھانے میں ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل حدیث ابی حمید ہے عن محمد بن عمر وبن عطاء انه كان جالسامع نفرمن اصحاب النبى ﷺ قال فذ كرنا صلاة رسول الله ﷺ فقال ابو حميد الساعدى انا كنت احفظكم لصلاة رسول الله ﷺ رأيته' اذا كبر جعل يديه حذاء منكبيه (بخاری) محمد بن عمرو بن عطاء سے روایت ہے کہ وہ اصحاب نبی ﷺ کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے محمد بن عمرو کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی نماز کا ذکر کیا تو ابوحمید الساعدی نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کو محفوظ کر لیتا تھا میں نے آپ کو دیکھا کہ جب آپ تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں کندھوں کے مقابل کرتے۔

صاحب ہدایہ نے یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ ذکر کی ہے كان النبى ﷺ اذا كبر رفع يديه الى منكبيه' ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے تھے۔

ہماری دلیل وہ حدیث ہے جس کو وائل بن حجر' براء بن عازب اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے روایت کیا ہے ان النبى ﷺ كان اذا كبر رفع يديه حذاء اذنيه یعنی حضور ﷺ جب تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے کانوں کے مقابل کر کے اٹھاتے۔ (حاکم)

اور دارقطنی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے قال كان رسول الله ﷺ اذا افتتح الصلوة كبرثم رفع يديه حتى يحاذى ابهاميه اذنيه' جب رسول اللہ ﷺ نماز شروع فرماتے تو تکبیر کہتے پھر اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ اپنے دونوں انگوٹھوں کو دونوں کانوں کے مقابل کر لیتے۔ ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ تکبیر تحریمہ کے وقت آپ نے دونوں ہاتھ اس قدر اٹھائے کہ کانوں کے محاذی ہو گئے۔

ہمارے مذہب کی تائید میں عقلی دلیل یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانا بہرے آدمی کو نماز شروع ہونے کی اطلاع دینے کے لئے ہے اور یہ اطلاع اسی طریقہ کے ساتھ ہوگی جو ہم نے کہا یعنی کانوں تک ہاتھ اٹھانے کے ساتھ' کیونکہ جب امام کانوں تک ہاتھ لائے گا تو بہرہ آدمی جان لے گا کہ تکبیر کہی گئی لہٰذا وہ خود بھی تکبیر کہہ کر نماز شروع کر دے گا۔

اعتراض: اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھانا اگر بہرے آدمی کو باخبر کرنے کے لئے ہے تو منفرد کانوں تک ہاتھ نہ

اٹھائے کیونکہ اس کے حق میں یہ علت نہیں پائی گئی۔

جواب: تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ اصل تو جماعت کے ساتھ ادا کرنا ہے ارشاد باری ہے وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ پس منفرداً نماز ادا کرنا نادر ہوگا اور شئی نادر کا اعتبار نہیں کیا جاتا کیونکہ قاعدہ ہے النادر کالمعدوم اشکال: لیکن پھر اشکال ہوگا کہ اچھا تو مقتدی کے حق میں کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

جواب: ممکن ہے کہ بہرہ آدمی آخری صف میں ہو اور وہ امام کو نہیں دیکھ سکتا تو ایسی صورت میں وہ اپنے سے آگے والے مقتدیوں کو دیکھ کر ہی نماز شروع کرے گا اس لئے مقتدیوں کے لئے بھی کانوں تک ہاتھ اٹھانا ضروری ہے۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ امام شافعیؒ کی پیش کردہ حدیث ابی حمید عذر کی حالت پر محمول ہے، چنانچہ وائل بن حجر سے روایت ہے انه قال قدمت المدينة فوجدتهم يرفعون ايديهم الى الاذنين ثم قدمت عليهم من قابل وعليهم الاكسية والبرانس من شدة البرد فوجدتهم يرفعون ايديهم الى المناكب، وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ میں حاضر خدمت ہوا تو میں نے دیکھا کہ لوگ (تکبیر کے وقت) اپنے ہاتھ اپنے کانوں تک اٹھاتے ہیں پھر اگلے سال حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور لوگ سخت سردی کی وجہ سے کمبل اوڑھتے اور ایسا لباس پہنتے تھے جس کا کچھ حصہ ٹوپی کی جگہ کام دے تو میں نے ان کو دیکھا وہ کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے ہیں۔

وائل بن حجرؓ نے اس حدیث میں واضح کر دیا کہ ان لوگوں کا مونڈھوں تک ہاتھ اٹھانے میں اکتفا کرنا ان کے لباس کی وجہ سے تھا پس معلوم ہوا کہ حدیث الی المناکب حالت عذر پر محمول ہے۔

صاحب شرح نقایہ نے دونوں حدیثوں میں تطبیق دی ہے اس طور پر کہ یہ (ہاتھ) کا اطلاق ہتھیلی اور اس سے اوپر کے حصہ پر ہوتا ہے پس ہو سکتا ہی کہ ہتھیلی کا کنارہ اور گٹا مونڈھوں کے مقابل رہتا ہو اور نفس ہتھیلی کانوں کی محاذات میں رہتی ہو اب دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں رہے گا۔

عورت کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھائے گی

والمرأة ترفع يديها حذاء منكبيها هو الصحيح، لانه أستر لها

ترجمہ...... اور عورت اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اپنے مونڈھوں کے مقابل یہی صحیح ہے کیونکہ یہ طریقہ عورت کے لئے زیادہ پردہ کا ہے۔

تشریح...... تکبیر تحریمہ کے وقت عورت اپنے مونڈھوں تک ہاتھ اٹھائے صحیح قول یہی ہے اور حسن بن زیادؒ نے امام اعظمؒ سے روایت کی کہ عورت اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھائے روایت حسن بن زیادؒ کی وجہ یہ ہے کہ رفع یدین ہتھیلیوں سے متحقق ہوتا ہے اور سابق میں گذر چکا کہ عورت کی ہتھیلی عورت نہیں ہے پس کانوں تک ہاتھ اٹھانے میں عورت اور مرد دونوں برابر ہیں۔

اور قول صحیح کی وجہ یہ ہے کہ مونڈھوں تک ہاتھ اٹھانے میں عورت کے واسطے زیادہ پردہ ہے اس لئے عورت کے واسطے مونڈھوں تک ہاتھ اٹھانا مناسب ہے۔

اللہ اکبر کی جگہ دوسرے اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ لینے کا حکم ...... اقوالِ فقہاء

فان قال بدل التكبير الله اجل او اعظم او الرحمٰن اكبر او لا اله الا الله او غيره من اسماء الله تعالىٰ اجزأه عند ابى حنيفة و محمد وقال ابويوسف ان كان يحسن التكبير لم يجز الا قوله الله اكبر او الله الأكبرا و الله الكبير وقال الشافعى لا يجوز الا بالاولين وقال مالك لا يجوز الا بالاول لانه هو المنقول والاصل فيه التوقيف والشافعى يقول ادخال الالف واللام ابلغ فى الثناء فقام مقامه وابويوسف يقول ان افعل وفعيلا فى صفات الله تعالىٰ سواء بخلاف ما اذا كان لا يحسن لانه لايقدر الا على المعنى ولهما ان التكبير هو التعظيم لغة وهو حاصل

ترجمہ ...... پھر اگر اس نے تکبیر کے بدلے اللہ اجل یا اللہ اعظم کہا یا الرحمٰن اکبر یا لا الٰہ الا اللہ یا اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے (کوئی اور اسم لایا) تو طرفین کے نزدیک کافی ہے اور ابو یوسفؒ نے کہا کہ اگر اچھی تکبیر کہہ سکتا ہو تو جائز نہیں مگر اس کا قول اللہ اکبر یا اللہ الاکبر یا اللہ الکبیر، اور امام شافعیؒ نے کہا کہ صرف پہلے دو کلموں کے ساتھ جائز ہے۔ اور امام مالکؒ نے کہا کہ صرف پہلے کلمہ کے ساتھ جائز ہے کیونکہ یہی منقول ہے اور اصل اس میں توقیف ہے۔ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ الف اور لام کا داخل کرنا ثناء میں زیادہ مبالغہ کرتا ہے تو الاکبر اکبر کے قائم مقام ہوا۔ اور ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ افعل اور فعیل اللہ تعالےٰ کے صفات میں برابر ہیں۔ برخلاف اس کے جب وہ شخص اچھی طرح نہیں کہہ سکتا کیونکہ وہ صرف معنیٰ پر قادر ہے اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ تکبیر لغت میں تعظیم کا نام ہے اور یہ تعظیم حاصل ہے۔

تشریح ...... اس عبارت میں افتتاح کے الفاظ کا بیان ہے چنانچہ طرفین کے نزدیک ہر اس لفظ سے نماز شروع کرنا جائز ہے جو اللہ تعالیٰ کی تعظیم پر دلالت کرے خواہ اللہ اکبر ہو یا اللہ الاکبر یا اللہ الکبیر یا اللہ اجل یا اللہ اعظم یا الرحمٰن اکبر یا لا الٰہ الا اللہ یا الحمد للہ یا سبحان اللہ یا اللہ کے اسماء میں سے اور کسی اسم سے شروع کرے سب جائز ہے امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اگر اچھی طرح تکبیر کہنے پر قادر ہو تو صرف تین الفاظ (اللہ اکبر، اللہ الاکبر، اللہ الکبیر) میں سے کسی ایک لفظ کے ساتھ نماز شروع کرنا جائز ہے ان کے علاوہ کسی لفظ کے ساتھ جائز نہیں ہے۔

امام شافعیؒ نے فرمایا کہ صرف اللہ اکبر اور اللہ الاکبر کے ساتھ شروع کرنا جائز ہے اور امام مالکؒ نے کہا کہ فقط اللہ اکبر کے ساتھ جائز ہے یہی امام احمد بن حنبل کا قول ہے۔

امام مالکؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ سے صرف اللہ اکبر منقول ہے۔ اور اصل اس میں توقیف ہے یعنی شارع علیہ السلام کا واقف کرانا اور شارع علیہ السلام سے صرف اللہ اکبر منقول ہے لہٰذا اس کے علاوہ دوسرے الفاظ کے ساتھ نماز شروع کرنا درست نہیں ہوگا۔

امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ بلاشبہ حضور ﷺ سے اللہ اکبر منقول ہے لیکن اللہ الاکبر الف لام کے ساتھ مفید حصر ہونے کی وجہ سے ثناء باری میں ابلغ ہے اس لئے یہ بھی اللہ اکبر کے قائم مقام ہوگا۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں افعل کے وزن پر اسم تفضیل اور فعیل بمعنی فاعل سب برابر ہیں کیونکہ اللہ

تعالیٰ کی صفات میں زیادتی ثابت کرنا مراد نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ اصل کبریائی میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کا کوئی مساوی نہیں یہاں تک کہ افعل کے صیغہ کو زیادتی کے لئے قرار دیا جائے جیسا کہ بندوں کے اوصاف میں ہوتا ہے لہٰذا افعل اور فعیل صفات باری میں دونوں برابر ہوں گے اس کے برخلاف اگر وہ شخص اچھی طرح تکبیر نہیں کہہ سکتا تو جس طرح اس سے ہو سکے تعظیم کے معنی ادا کردے کیونکہ یہ شخص صرف معنی پر قادر ہے الفاظ تکبیر پر قادر نہیں۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ لغت میں تکبیر کے معنی تعظیم کے ہیں باری تعالیٰ کا قول ہے وربک فکبر یعنی فعظم اور فلما رأینہ اکبرنہ یعنی عظمنہ اور تعظیم کے معنی ان تمام الفاظ سے حاصل ہو جاتے ہیں جو ہم نے ذکر کئے ہیں اس لئے نماز کا افتتاح ہر اس لفظ سے ہو سکتا ہے جو اللہ کی تعظیم پر دلالت کرے۔

فارسی میں قرأت کرنے کا حکم، اقوال فقہاء و دلائل

فان افتتح الصلوٰة بالفارسية او قرأ فيها بالفارسية او ذبح وسمى بالفارسية وهو يحسن العربية اجزأه عند ابي حنيفة وقالا لا يجزيه الا في الذبيحة وان لم يحسن العربية اجزأه اما الكلام في الافتتاح فمحمد مع ابي حنيفةً في العربية ومع ابي يوسف في الفارسية لان لغة العرب لها من المزية ماليس لغيرها واما الكلام في القراءة فوجه قولهما ان القران اسم لمنظوم عربي كما نطق به النص الا ان عند العجز يكتفي بالمعنى كالايماء بخلاف التسمية لان الذكر يحصل بكل لسان ولابي حنيفةً قوله تعالى وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ولم يكن فيها بهذه اللغة ولهذا يجوز عند العجز الا انه يصير مسيأً لمخالفة السنة المتوارثة ويجوز باي لسان كان سوى الفارسية هو الصحيح لما تلونا والمعنى لايختلف باختلاف اللغات والخلاف في الاعتداد ولاخلاف في انه لافساد ويروى رجوعه في اصل المسئلة الى قولهما وعليه الاعتماد والخطبة والتشهد على هذا الاختلاف وفي الاذان يعتبر التعارف

ترجمہ ...... پس اگر نماز شروع کی فارسی زبان میں یا نماز میں قرأت کی فارسی زبان میں یا جانور ذبح کیا اور تسمیہ فارسی میں کہا حالانکہ یہ شخص عربی میں ادا کر سکتا ہے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کو کافی ہوگا۔ اور صاحبین نے کہا کہ جائز نہیں مگر ذبیحہ میں۔ بہر حال کلام افتتاح میں تو عربی زبان میں امام محمدؒ امام ابوحنیفہ کے ساتھ ہیں اور فارسی زبان میں امام ابو یوسفؒ کے ساتھ ہیں کیونکہ عربی زبان کو ایک خاص فضیلت ہے جو دوسری زبان کو حاصل نہیں۔ اور رہا کلام قرأت میں تو صاحبین کے قول کی دلیل یہ ہے کہ قرآن نام ہے کلام عربی کا جیسا کہ اس کے ساتھ نص ناطق ہے مگر عجز کے وقت معنی پر اکتفا کیا جائے جیسے اشارے پر اکتفاء ہوتا ہے برخلاف تسمیہ کے کیونکہ ذکر تو ہر زبان میں حاصل ہو جاتا ہے۔ اور ابوحنیفہ کی دلیل باری تعالیٰ کا قول وانہ لفی زبر الاولین ہے اور پہلی کتابوں میں اس زبان میں قرآن نہیں تھا اور اسی وجہ سے عجز کے وقت جائز ہے مگر سنت متوارثہ کی مخالفت کی وجہ سے گنہگار ہوگا اور فارسی کے علاوہ بھی ہر زبان کے ساتھ جائز ہے یہی قول صحیح ہے اس آیت کی وجہ سے جو ہم نے تلاوت کر دی اور معنی زبان کے اختلاف سے مختلف نہیں ہوتے اور اختلاف اس کے معتبر ہونے میں ہے اور عدم فساد میں کوئی اختلاف نہیں اور اصل مسئلہ میں امام صاحب کا رجوع صاحبین کے قول کی طرف روایت کیا جاتا ہے

اور اسی پر اعتماد ہے اور خطبہ اور تشہد میں ایسا ہی اختلاف ہے اور اذان میں تعارف معتبر ہے۔

تشریح ...... فارسی زبان میں نماز شروع کرنا اور نماز کے اندر فارسی میں قرأت کرنا ذبیحہ پر فارسی زبان میں تسمیہ کہنا مثلاً بنام خدائے بزرگ کہنا حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک جائز ہے خواہ عربی زبان پر قدرت ہو یا قدرت نہ ہو۔ اور صاحبینؒ نے کہا کہ اگر عربی زبان پر قادر ہے تو فارسی میں ادا کرنا جائز نہیں ہے البتہ ذبیحہ پر فارسی زبان میں بلکہ ہر زبان میں تسمیہ جائز ہے اور اگر عربی زبان پر قدرت نہ ہو تو فارسی میں سب جائز ہیں۔

تکبیر تحریمہ میں کلام یہ ہے کہ حضرت امام محمدؒ عربی زبان میں ادا کرنے میں امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہیں یعنی جس طرح امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہر اس کلمہ سے نماز شروع کرنا جائز ہے جو تعظیم باری تعالیٰ پر دلالت کرے اسی طرح امام محمدؒ کے نزدیک بھی ہر کلمہ تعظیم کے ساتھ افتتاح نماز جائز ہے اور فارسی زبان میں ادا کرنے میں امام ابو یوسفؒ کے ساتھ ہیں حتیٰ کہ سوائے عربی کے دوسری زبان میں تکبیر کہنا امام محمدؒ کے نزدیک بھی ناجائز ہے حاصل یہ کہ عربی پر قدرت کی صورت میں غیر عربی میں تکبیر تحریمہ کہنا صاحبینؒ کے نزدیک ناجائز ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ عربی زبان کو ایک خاص فضیلت حاصل ہے جو کسی اور زبان کو حاصل نہیں ہے۔ حضور ﷺ کا قول ہے تفضیل لسان العرب علی سائر الالسنة انا عربی والقران عربی ولسان اهل الجنة عربی زبان عرب کو تمام زبانوں پر فضیلت حاصل ہے میں عربی ہوں، قرآن عربی ہے اور اہل جنت کی زبان عربی ہے۔

رہا کلام قرأت تو صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ جس چیز کا نماز میں امر کیا گیا ہے وہ قرأت قرآن ہے اور قرآن اس نظم عربی کا نام ہے جو معنی پر دلالت کرے اور مصاحف میں مکتوب ہے اور ہماری طرف نقل تواتر کے ساتھ منقول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا انا جعلناه قرانا عربيا اور فرمایا قرانا عربيا غير ذى عوج حاصل یہ کہ مامور بہ قرأت قرآن ہے اور وہ عربی میں ہے اس لئے عربی زبان میں قرأت کرنا فرض ہوگا اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ حالت عجز میں بھی نظم عربی کو ترک نہ کیا جائے مگر بات یہ ہے کہ عجز کے وقت معنی پر اکتفاء اس لئے کیا گیا تاکہ تکلیف مالا يطلق لازم نہ آئے جیسے اگر کوئی شخص رکوع سجدہ پر قادر نہ ہو تو اس کے لئے رکوع اور سجدے کا اشارہ کافی ہے یعنی رکوع اور سجدہ ضروری نہیں۔

برخلاف ذبح کے وقت تسمیہ کے کہ وہ فارسی میں جائز ہے اگر چہ وہ عربی پر قدرت رکھتا ہو کیونکہ مقصود تسمیہ سے ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ولا تاكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه اور ذکر ہر زبان میں حاصل ہو جاتا ہے خواہ عربی پر قادر ہو یا قادر نہ ہو۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے فرمایا وانه لفى زبر الاولين یعنی قرآن پہلی کتابوں میں موجود ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ قرآن پہلی کتابوں میں نظم عربی کے ساتھ موجود نہیں تھا پس متعین ہو گیا کہ پہلی کتابوں میں اس کے معنی موجود تھے پس ثابت ہوا کہ قرآن معنی کا نام ہے نہ کہ نظم کا، اور جب قرآن علی سبیل الترجمہ فارسی میں پڑھا جائے تو وہ اس کے معنی پر مشتمل ہونے کی وجہ سے جائز ہوگا کیونکہ قرأت قرآن پائی گئی اور چونکہ قرآن پہلی کتابوں میں نظم عربی کے ساتھ موجود نہیں تھا اسی لئے نظم عربی پر عدم قدرت کے وقت فارسی زبان میں قرأت کرنا جائز ہے لیکن گنہ گار ہوگا کیونکہ اس نے سنت متوارثہ کی مخالفت کی ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اہل فارس نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ ان کے لئے فارسی زبان میں سورہ فاتحہ لکھ کر بھیج

دیں۔ سلمان فارسیؓ نے فارسی زبان میں سورۂ فاتحہ لکھ کر بھیج دی وہ لوگ اس کو نماز میں پڑھتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے عربی زبان سیکھ لی۔ سلمان فارسیؓ نے لکھنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کی تھی آپ نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ نماز میں بزبان فارسی قرأت کرنا جائز ہے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ جس طرح فارسی زبان میں نماز کے اندر قرأت کرنا جائز ہے اسی طرح فارسی کے علاوہ ہر زبان میں قرأت جائز ہے یہی صحیح قول ہے۔

اور ابوسعید کا قول یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے صرف فارسی زبان میں قرأت کرنا جائز قرار دیا ہے فارسی کے علاوہ دوسری زبانوں میں اجازت نہیں دی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ فارسی زبان کو عربی سے قرب ہے اس لئے فارسی میں قرأت کی اجازت دی گئی اور دوسری زبانوں کو چونکہ یہ قرب حاصل نہیں اس لئے ان میں قرأت کرنا جائز نہیں۔

اور قول صحیح کی دلیل آیت وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ ہے کیونکہ قرآن پہلی کتابوں میں جس طرح عربی زبان میں نہیں تھا اسی طرح فارسی زبان میں بھی نہیں تھا۔ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن کو دوسری زبان میں منتقل کرتے وقت اعتماد معنی پر ہوگا اور معنی زبانوں کے اختلاف سے نہیں بدلتے لہٰذا ترکی، ہندی وغیرہ ہر زبان میں جائز ہے۔

مصنف ہدایہ نے کہا کہ امام صاحب اور صاحبین کے درمیان غیر عربی میں قرأت کے جواز وعدم جواز کا جو اختلاف ہے وہ اس بارے میں ہے کہ غیر عربی میں قرأت معتبر ہوگی یا نہیں؟ حتی کہ امام صاحب کے نزدیک اگر غیر عربی میں قرأت کی تو فرض قرأت ادا ہو جائے گا اور صاحبین کے نزدیک ادا نہ ہوگا۔ اور اس میں کچھ اختلاف نہیں کہ غیر عربی میں قرأت سے نماز فاسد نہیں ہوگی یعنی غیر عربی میں اگر قرأت کی تو بالاتفاق نماز فاسد نہ ہوگی۔

علامہ ابن الہمام نے لکھا ہے کہ نجم الدین نسفی اور قاضی خان نے لکھا ہے کہ صاحبین کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔

ابوبکر رازی نے روایت کیا کہ اصل مسئلہ میں امام صاحب نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کیا یعنی حضرت امام اعظمؒ بھی آخر میں اس کے قائل ہو گئے تھے کہ نماز کے اندر غیر عربی میں قرأت جائز نہیں ہے اور اسی پر اعتماد ہے۔

خطبہ اور التحیات میں یہی اختلاف ہے یعنی امام صاحب کے نزدیک غیر عربی میں جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک ناجائز ہے اور اذان میں تعارف معتبر ہے مبسوط میں مذکور ہے کہ حسن بن زیاد نے امام ابوحنیفہؒ سے روایت کیا ہے کہ اگر فارسی زبان میں اذان دی اور لوگ جانتے ہیں کہ یہ اذان ہے تو جائز ہے اور اگر لوگ اس کے اذان ہونے سے واقف نہ ہوں تو جائز نہیں اس لئے مقصود اذان سے اعلام ہے اور لوگوں کے نہ جاننے کی وجہ سے یہ مقصود حاصل نہیں ہوا۔

اللّٰھم اغفرلی کے ساتھ نماز شروع کرنے کا حکم

وان افتتح الصلوٰۃ باللّٰھم اغفرلی لاتجوز لانہ مشوب بحاجتہ فلم یکن تعظیما خالصا وان افتتح بقولہ اللّٰھم فقد قیل یجزیہ لان معناہ یا اللہ وقد قیل لایجزیہ لان معناہ یا اللہ امنا بخیر فان سؤالا

ترجمہ ...... اور اگر اللّٰھم اغفرلی سے نماز شروع کی تو جائز نہیں ہے اس لئے کہ وہ اس کی حاجت کے ساتھ مخلوط ہے تو خالص تعظیم نہ ہوئی۔ اور اگر اللّٰھم سے شروع کی تو کہا گیا کہ کافی ہے۔ کیونکہ اس کے معنی ہیں یا اللہ اور کہا گیا کہ کافی نہیں ہے کیونکہ اس کے معنی ہیں اے اللہ ہمارا قصد فرما خیر کے ساتھ پس یہ سوال ہوا۔

تشریح ...... اور اگر نماز اللّٰھم اغفرلی کے ساتھ شروع کی تو جائز نہیں ہے کیونکہ وہ اس کی حاجت کے ساتھ مخلوط ہے پس چونکہ یہ خالص تعظیم کے لئے نہیں رہا اس لئے اس کے ساتھ نماز شروع کرنا جائز نہیں ہوگا۔ یہی حال ان تمام الفاظ کا ہے جو خالص تعظیم پر دلالت نہ کریں بلکہ صراحتاً یا معنیً سوال کو متضمن ہوں جیسے استغفر اللّٰہ، اعوذ باللّٰہ، انا للّٰہ، ماشاء اللّٰہ، لاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ اور بسم اللّٰہ

اور اگر فقط اللّٰھم کے ساتھ نماز شروع کی تو اس میں اختلاف ہے ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ جائز ہے کیونکہ اللّٰھم کے معنی ہیں یا اللّٰہ اور یہ محض ذکر اللہ ہے اس میں حاجت وغیرہ کی کوئی آمیزش نہیں ہے یہ قول اہل بصرہ کا ہے اور ایک جماعت کا خیال ہے اللّٰھم کے ساتھ نماز شروع کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس کے معنی ہیں یا اللّٰہ امنا بخیر یعنی اقصد نا بخیر اے اللہ! ہمارے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرما ظاہر ہے کہ اس صورت میں یہ کلمہ خالص تعظیم پر دلالت کرنے والا نہیں ہوا اس لئے اس کلمہ کے ساتھ نماز شروع کرنا جائز نہیں ہے یہ قول اہل کوفہ کا ہے۔ (عنایہ)

نماز میں ہاتھ باندھنے کا طریقہ اور ہاتھ کہاں باندھے جائیں ...... اقوالِ فقہاء

قال ویعتمد بیدہ الیمنی علی الیسری تحت السرۃ، لقولہ علیہ السلام من السنۃ وضع الیمین علی الشمال تحت السرۃ وھو حجۃ علی مالک فی الارسال وعلی الشافعی فی الوضع علی الصدر ولان الوضع تحت السرۃ اقرب الی التعظیم وھو المقصود ثم الاعتماد سنۃ القیام عند ابی حنیفۃ و ابی یوسف حتی لایرسل حالۃ الثناء والاصل ان کل قیام فیہ ذکر مسنون یعتمد فیہ ومالا فلا ھو الصحیح فیعتمد فی حالۃ القنوت وصلوۃ الجنازۃ ویرسل فی القومۃ وبین تکبیرات الاعیاد

ترجمہ ...... مصنفؒ نے کہا کہ ٹیک لے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ ناف کے نیچے دائیں ہاتھ کا بائیں پر رکھنا سنت ہے اور یہ حدیث امام مالکؒ کے خلاف حجت ہے ہاتھ چھوڑنے میں اور امام شافعیؒ کے خلاف حجت ہے سینہ پر ہاتھ باندھنے میں اور اس لئے کہ زیر ناف رکھنا تعظیم کے زیادہ قریب ہے اور تعظیم ہی مقصود ہے پھر اعتماد شیخینؒ کے نزدیک قیام کی سنت ہے حتی کہ ثناء کی حالت میں ہاتھوں کو نہیں چھوڑے گا۔ اور اصل یہ ہے کہ ہر وہ قیام جس میں کوئی ذکر مسنون ہو اس میں ہاتھ باندھے اور جو قیام اس صفت کا نہ ہو اس میں مسنون نہیں ہے یہی قول صحیح ہے پس ہاتھ باندھے حالت قنوت میں اور جنازہ کی نماز میں اور ہاتھ چھوڑے قومہ میں اور عیدین کی تکبیروں میں۔

تشریح ...... اس عبارت کے تحت اعتماد میں چار مسئلے ہیں:

۱) کیا نماز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھے یا نہیں؟

۲) کس طرح رکھے؟ ۳) کہاں رکھے؟ ۴) کب رکھے؟

پہلے مسئلہ میں ہمارے علماء ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ نماز میں دایاں ہاتھ بائیں پر رکھنا مسنون ہے اور امام مالک نے کہا کہ ارسال کرے یعنی نماز میں ہاتھ چھوڑے رکھے اور جی چاہے تو باندھ لے پس امام مالک کے نزدیک ارسال عزیمت اور اعتماد (ہاتھ رکھنا) رخصت ہے۔

ہمارے علماء کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس پر مداومت فرمائی اور فرمایا انا معشر الانبیاء امرنا بان ناخذ شمائلنا بایماننا فی الصلاۃ یعنی ہم انبیاء کی جماعت کو حکم دیا گیا کہ ہم نماز میں اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑیں۔

اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا من السنۃ ان یضع المصلی یمینہ علی شمالہ تحت السرۃ فی الصلاۃ صاحب ہدایہ نے یہ اثر ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ان من السنۃ وضع الیمین علے الشمال تحت السرۃ دونوں کا حاصل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نماز میں دائیں ہاتھ کا بائیں ہاتھ پر رکھنا مسنون ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہدایہ کے اصل نسخہ میں یہ عبارت یوں تھی لقول علیؓ ان من السنۃ الخ لیکن نادان لکھنے والوں نے اس کو قولہ علیہ السلام کر دیا۔

اور ابوداؤد میں ہے عن ابن مسعود انہ کان یصلی فوضع یدہ الیسری علی الیمنی فراہ النبی ﷺ فوضع یدہ الیمنی علی الیسری۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نماز پڑھتے تھے پس انہوں نے اپنا بایاں ہاتھ دائیں پر رکھا حضور ﷺ نے دیکھا تو ابن مسعودؓ کا دایاں ہاتھ بائیں پر رکھ دیا۔ بہر حال ان روایات سے ثابت ہوا کہ مسنون دائیں ہاتھ کا بائیں پر رکھنا ہے پس یہ احادیث امام مالک کے خلاف حجت ہوں گی اور ہمارا مذہب ثابت ہوگا۔

دوسرا مسئلہ: کیفیت وضع کا ہے یعنی دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنے کی کیفیت کیا ہے سو اس کی کیفیت یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر رکھے اور دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور چھنگلی انگلی سے بائیں ہاتھ کا گٹا (پہنچا) پکڑے۔ (عنایہ)

تیسرا مسئلہ: ہاتھ رکھنے کی جگہ کا ہے پس ہمارے نزدیک افضل یہ ہے کہ زیر ناف ہاتھ باندھے اور امام شافعی کے نزدیک سینہ پر ہاتھ رکھنا افضل ہے امام شافعی کی دلیل باری تعالیٰ کا قول فصل لربک وانحر ہے یعنی اپنے رب کے واسطے نماز پڑھ اور دایاں ہاتھ بائیں پر سینہ پر رکھ علامہ ابن الہمامؒ اور صاحب عنایہ نے فرمایا کہ مفسرین نے کہا کہ وانحر سے دائیں ہاتھ کا بائیں پر سینہ پر رکھنا مراد ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ سینہ نور ایمان کی جگہ ہے لہٰذا نماز کے اندر اپنے ہاتھ سے اس کی حفاظت کرنا اولیٰ ہے ہماری دلیل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اثر ہے یعنی ان من السنۃ وضع الیمین علی الشمال تحت السرۃ اور لفظ سنت سے بالعموم رسول اللہ ﷺ کی سنت مراد ہوتی ہے پس ثابت ہوا کہ زیر ناف ہاتھ باندھنا مسنون ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے زیر ناف ہاتھ باندھنے میں تعظیم ہے اور نماز کے اندر تعظیم ہی مقصود ہوتی ہے اس لئے بھی زیر ناف ہاتھ باندھنا افضل ہے۔

صاحب کفایہ نے لکھا ہے کہ زیر ناف ہاتھ باندھنے میں اہل کتاب کے ساتھ تشبہ سے بعد ہو جاتا ہے اور ستر عورت سے قرب ہو جاتا ہے اس لئے بھی زیر ناف ہاتھ باندھنا اولیٰ ہے اور امام شافعی کا لفظ وانحر سے استدلال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ آیت میں وانحر سے مراد عید کی نماز کے بعد قربانی کے جانور کا نحر (ذبح) کرنا ہے۔ (کفایہ)

چوتھا مسئلہ: یہ ہے کہ نمازی ہاتھ کب باندھے سو اس بارے میں شیخینؒ کا مذہب یہ ہے کہ ہاتھ باندھنا قیام کی سنت ہے اور امام محمدؒ

سے مروی ہے کہ قرأت کی سنت ہے چنانچہ ثناء میں شیخین کے نزدیک ہاتھ باندھنا مسنون ہوگا۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک حالت ثناء میں ہاتھ چھوڑے رکھے اور قرأت شروع ہونے پر ہاتھ باندھ لے۔

صاحب ہدایہ نے ہاتھ باندھنے اور چھوڑنے کے بارے میں یہ ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ ہر وہ قیام (خواہ حقیقی ہو یا حکمی) جس میں کوئی ذکر مسنون ہو تو ایسے قیام میں ہاتھ باندھے اور جو قیام ایسا نہ ہو اس میں ہاتھ باندھنا مسنون نہیں ہے یہی قول صحیح ہے۔ اسی قول پر شمس الائمہ السرخسی صدر الکبیر برہان الائمہ اور صدر الشہید حسام الائمہ فتویٰ دیا کرتے تھے پس اس اصول کے ماتحت حالت قنوت اور نماز جنازہ میں ہاتھ باندھنا مسنون ہوگا اور قومہ (رکوع اور سجدہ کے درمیان) اور عیدین کی تکبیروں کے درمیان ہاتھ چھوڑنا مسنون ہوگا۔

ثناء میں کیا پڑھا جائے ...... اقوالِ فقہاء

ثم یقول سبحانک اللّٰھم وبحمدک الی اخرہ وعن ابی یوسف انہ یضم الیہ قولہ انی وجھت وجھی الی اخرہ لروایۃ علی ان النبی علیہ السلام کان یقول ذلک ولھما روایۃ انسؓ ان النبی علیہ السلام کان اذا افتتح الصلوٰۃ کبر وقرأ سبحانک اللّٰھم وبحمدک الی اخرہ ولم یزد علی ھذا ومارواہ محمول علی التھجد وقولہ وجل ثناؤک یذکر فی المشاھیر فلا یأتی بہ فی الفرائض والاولی ان لایاتی بالتوجہ قبل التکبیر لیتصل النیۃ بہ ھو الصحیح

ترجمہ ... پھر سبحانک اللّٰھم وبحمدک آخر تک پڑھے۔ اور ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ اس ثناء کے ساتھ انی وجھت وجھی آخر تک ملا دے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی کہ حضور اس کو کہا کرتے تھے اور طرفین کی دلیل حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو اس کو کہتے اور سبحانک اللّٰھم وبحمدک آخر تک پڑھتے اور اس پر زیادہ نہیں کیا۔ اور جو ابو یوسفؒ نے روایت کیا وہ تہجد پر محمول ہے۔ اور اس کا قول وجل ثناؤک مشہور روایتوں میں مذکور نہیں پس اس کو فرائض میں نہ لائے اور اولیٰ یہ ہے کہ تکبیر سے پہلے توجہ (انی وجھت) نہ پڑھے تاکہ نیت تکبیر کے ساتھ متصل ہو جائے یہی صحیح ہے۔

تشریح ...... امام قدوریؒ نے کہا کہ نمازی ہاتھ باندھنے کے بعد ثناء پڑھے اور ثناء یہ ہے سبحانک اللّٰھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الٰہ غیرک۔ اور بعض روایات غیر مشہورہ میں وتعالیٰ جدک وجل ثناؤک ولا الٰہ غیرک ہے لیکن چونکہ جل ثناؤک مشہور روایات میں مذکور نہیں ہے اس لئے اس کو فرائض میں نہ کہے

رہی یہ بات کہ ثناء کے ساتھ کسی اور دعا کو ملائے یا نہیں تو اس بارے میں طرفین کا مذہب اور امام ابو یوسف کا قول اول یہ ہے کہ ثناء کے ساتھ اور کوئی دعا نہ ملائے۔ اور امام ابو یوسف کا قول ثانی یہ ہے کہ مصلی ثناء کے ساتھ یہ دعا ملائے انی وجھت وجھی للذی فطر السمٰوات والارض حنیفا وما انا من المشرکین. ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین لاشریک لہ وبذلک امرت وانا من المسلمین اور بعض روایات میں من المسلمین کے بعد یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں اللّٰھم انت الملک لاالٰہ الاانت انت ربی وانا عبدک ظلمت نفسی واعترفت ذنبی فاغفرلی ذنوبی جمیعا

لايغفر الذنوب الاانت واهدني لاحسن الاخلاق لايهدي لاحسنها الاانت واصرف عني سيها لايصرف عني سيها الاانت لبيك وسعديك والخير كله في يديك والشرليس اليك انابك واليك تباركت وتعاليت استغفرك واتوب اليک" فقہاء کی اصطلاح میں اس دعا کا نام توجہ ہے۔

حضرت امام ابو یوسف کی دلیل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ ثناء کے ساتھ اس دعا کو بھی پڑھا کرتے تھے۔

طرفین کی دلیل حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے ان النبی ﷺ کان اذا افتتح الصلوٰة کبرو قرأسبحانک اللهم وبحمدک الی اخره۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے زیادہ کچھ بیان نہیں کیا اس معلوم ہوا کہ ثناء کے بعد توجہ یعنی انی وجهت الخ پڑھنا ثابت نہیں ہے۔

مصنف ہدایہ نے کہا کہ امام ابو یوسف کی پیش کردہ روایت تہجد کی نماز پر موقوف ہے یعنی حضور ﷺ نفل نماز میں اس کو پڑھا کرتے تھے اور فرائض میں ثناء کے علاوہ کوئی دعا پڑھنا منقول نہیں ہے۔ فاضل مصنف نے کہا کہ اولیٰ یہ ہے کہ نیت کے بعد اور تکبیر سے پہلے بھی انی وجهت الخ نہ پڑھے تاکہ نیت کا تکبیر کے ساتھ اتصال ہو جائے اور درمیان میں انی وجهت وجهی الخ فاصل نہ ہو۔ یہی صحیح ہے۔ اور بعض متاخرین جن میں فقیہ ابو اللیث بھی ہیں فرماتے ہیں کہ نیت اور تکبیر کے درمیان اس کا پڑھنا جائز ہے۔

تعوذ کی شرعی حیثیت، موضع تعوذ، تعوذ کے الفاظ

ويستعيذ بالله من الشيطان الرجيم، لقوله تعالى فاذا قرأت القُرآن فاستعذ بالله من الشَّيطانِ الرَّجيم معناه اذا اردت قراءة القران، والاولى ان يقول استعيذ بالله ليوافق القران و يقرب منه اعوذ بالله ثم التعوذ تبع للقراءة دون الثناء عند ابي حنيفة و محمد لما تلونا حتى ياتي به المسبوق دون المقتدي و يؤخر عن تكبيرات العيد خلافا لابي يوسف

ترجمہ اور پناہ طلب کرے اللہ کے ساتھ شیطان مردود سے کیونکہ باری تعالیٰ نے فرمایا ہے پھر جب تو قرآن پڑھے تو پناہ ڈھونڈ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شیطان مردود سے اذا قرأت کے معنی یہ ہیں کہ جب تو قرأت قرآن کا ارادہ کرے اور اولیٰ یہ ہے کہ استعيذ بالله من الشيطان الرجيم کہے تاکہ قرآن سے موافق ہو جائے اور اس کے قریب اعوذ باللہ بھی ہے۔ پھر تعوذ طرفین کے نزدیک قرأت کے تابع ہے نہ کہ ثناء کے اس آیت کی وجہ سے جو ہم تلاوت کر چکے حتیٰ کہ اس کو مسبوق پڑھے گا نہ کہ مقتدی اور امام تعوذ کو عید کی تکبیروں میں مؤخر کرے گا۔ اس میں ابو یوسف کا اختلاف ہے۔

تشریح ..... اس جگہ تین بحثیں ہیں:۔

۱) اصل تعوذ میں یعنی نماز کے شروع میں تعوذ کی شرعی حیثیت کیا ہے۔

۲) موضع تعوذ میں، ۳) تعوذ کے الفاظ میں۔

پہلی بحث کا حاصل یہ ہے کہ ہمارے نزدیک نماز کے شروع میں تعوذ مسنون ہے۔ (فتح القدیر) اور صاحب شرح نقایہ نے لکھا ہے

کہ عامۃ السلف کے نزدیک مستحب ہے اور جمہور خلف بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام مالکؒ نے فرمایا کہ نماز کے شروع میں تعوذ نہ کیا جائے۔ سفیان ثوریؒ اور عطاءؒ وجوب تعوذ کے قائل ہیں۔ سفیان ثوریؒ اور عطاءؒ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اذا قرات القران فاستعذ باللہ اور استعذ امر کا صیغہ ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے لیکن ہم کہتے ہیں کہ وجوب کا قول خلاف اجماع ہونے کی وجہ سے قابل قبول نہیں ہوگا۔

امام مالکؒ کی دلیل حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا صلیت خلف رسول اللہ ﷺ وخلف ابی بکر وعمرؓ کانوا یفتتحون القراۃ بالحمد للہ رب العالمین اس روایت سے معلوم ہوا کہ اللہ کا رسول اور شیخینؓ الحمد للہ رب العالمین سے قرأت شروع کرتے تھے اور اس سے پہلے اعوذ باللہ اور بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے۔

ہماری دلیل باری تعالیٰ کا قول فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ ہے آیت میں استعذ صیغہ امر کا تقاضا اگرچہ یہ ہے کہ تعوذ واجب ہو جیسا کہ عطاءؒ اور ثوریؒ کہتے ہیں مگر چونکہ اسلاف نے اس کے سنت ہونے پر اجماع کیا ہے اس لئے ہمارے علما تعوذ کے مسنون ہونے کے قائل ہیں۔

دوسری بحث کا حاصل یہ ہے کہ ہمارے نزدیک تعوذ قرأت قرآن سے پہلے ہے اور اصحاب ظواہر کے نزدیک قرأت کے بعد ہے اصحاب ظواہر ظاہر آیت سے استدلال کرتے ہیں اور آیت کا ظاہر یہ ہے کہ جب تو قرأت قرآن کر چکے تو استعاذہ کر اس سے معلوم ہوا کہ استعاذہ قرأت کے بعد ہے۔

لیکن ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ اذا قرأت کے معنی ہیں اذا اردت قرأت القران فاستعذ باللہ یعنی جب قرأت قرآن کا ارادہ ہو تو استعاذہ کر۔ رہی یہ بات کہ تعوذ قرأت کے تابع ہے یا ثناء کے تو اس بارے میں ہمارے علماء کا اختلاف ہے۔ چنانچہ طرفین کے نزدیک تعوذ قرأت کے تابع ہے نہ کہ ثناء کے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ثناء کے تابع ہے پس طرفین کے نزدیک جس شخص پر قرأت واجب ہوگی وہ تعوذ کرے گا حتی کہ مسبوق تعوذ کرے گا کیونکہ اس پر فوت شدہ رکعات میں قرأت کرنا واجب ہے البتہ مقتدی تعوذ نہ کرے کیونکہ اس پر قرأت واجب نہیں۔

اور عیدین کی نماز میں تعوذ عید کی تکبیروں سے مؤخر کرے گا کیونکہ عیدین کی پہلی رکعت میں قرأت تکبیرات عید سے مؤخر ہوتی ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جو ثناء پڑھے گا وہ تعوذ بھی کرے گا۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ تعوذ ثناء کی جنس سے ہے کیونکہ جس طرح ثناء دعا ہے اسی طرح تعوذ بھی ایک دعا ہے اور شئی کا تابع شئی کے بعد ہوتا ہے پس ثابت ہوا کہ تعوذ ثناء کا تابع ہے نہ کہ قرأت کا اور طرفین کی دلیل باری تعالیٰ کا قول فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ ہے۔

تیسری بحث کا حاصل یہ ہے کہ تعوذ کے الفاظ میں اولیٰ یہ ہے کہ استعیذ باللہ من الشیطان الرجیم کہے تاکہ باری تعالیٰ کے قول فاستعذ باللہ کے موافق ہو جائے۔

لیکن اکثر اخبار و آثار میں اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم وارد ہے اسی وجہ سے صاحب ہدایہ نے کہا کہ استعیذ کے قریب

اعوذ باللہ بھی ہے اور مذہب مختار بھی یہی ہے اور اسی پر فتویٰ دیا جائے۔ اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اعوذ باللہ العظیم السمیع العلیم من الشیطان الرجیم پڑھا ہے لہذا اسی کو اختیار کیا جائے۔

تسمیہ

وقرأ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ھکذا نقل فی المشاھیر

ترجمہ — اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے۔ ایسا ہی مشہور حدیثوں میں مروی ہے۔

تشریح — تسمیہ کے اندر چند باتوں میں کلام ہے

۱) واضح ہو کہ سورۂ نمل کی آیت وانہ من سلیمان وانہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں بسم اللہ بالاتفاق قرآن کا جز ہے اور سورۂ نمل کا بھی لیکن دو سورتوں کے درمیان جو بسم اللہ مذکور ہے اس میں اختلاف ہے کہ وہ قرآن کا جز ہے یا نہیں پس ہمارے علماء احناف کے نزدیک قرآن کا جز ہے اور امام مالک قرآن کا جز ہونے کے قائل نہیں ہیں۔

۲) بسم اللہ ہمارے نزدیک نہ فاتحہ کا جز ہے اور نہ کسی دوسری سورت کا بلکہ سورتوں کی درمیان فصل کرنے کے لئے نازل کی گئی ہے۔
امام شافعیؒ نے کہا کہ بسم اللہ سورۂ فاتحہ کا جز ہے اور باقی سورتوں کا جز ہونے میں امام شافعیؒ کے دو قول ہیں۔

۳) بسم اللہ کے ساتھ جہر ہوگا یا سر اس کی تفصیل اگلی سطور میں آرہی ہے۔

تعوذ، تسمیہ، آمین سراً کہی جائے یا جہراً ..... اقوالِ فقہاء و دلائل

ویسر بھما لقول ابن مسعودؓ اربع یخفیھن الامام وذکر من جملتھا التعوذ والتسمیۃ وامین وقال الشافعیؒ یجھر بالتسمیۃ عند الجھر بالقراءۃ لماروی ان النبی علیہ السلام جھر فی صلوٰتہ بالتسمیۃ قلنا ھو محمول علی التعلیم لان انساً اخبر انہ علیہ السلام کان لایجھر بھا ثم عن ابی حنیفۃؒ انہ لایاتی بھا فی اول کل رکعۃ کالتعوذ وعنہ انہ یاتی بھا احتیاطا وھو قولھما ولایأتی بھا بین السورۃ والفاتحۃ الاعند محمد فانہ یأتی بھا فی صلوۃ المخافتۃ

ترجمہ — اور بسم اللہ اور تعوذ کے ساتھ خفاء کرے کیونکہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ چار چیزیں ہیں جن کو امام آہستہ پڑھے اور ذکر کیا منجملہ ان میں سے تعوذ، تسمیہ اور آمین کو، اور امام شافعیؒ نے کہا کہ تسمیہ کو جہر سے پڑھے جب قرأت سے جہر کرے کیونکہ مروی ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی نماز میں بسم اللہ کے ساتھ جہر کیا ہم کہتے ہیں کہ یہ تعلیم پر محمول ہے کیونکہ حضرت انسؓ نے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ بسم اللہ کا جہر نہیں کیا کرتے تھے پھر امام ابو حنیفہؒ سے روایت ہے کہ بسم اللہ کو ہر رکعت کے شروع میں نہ لائے جیسے تعوذ کا حکم ہے اور ابو حنیفہؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ بسم اللہ کو احتیاطاً (ہر رکعت کے اول میں) لائے اور یہی صاحبین کا قول ہے اور بسم اللہ کو فاتحہ اور سورت کے درمیان نہ لائے مگر امام محمدؒ کے نزدیک اس لئے کہ اس کو سری نماز میں پڑھے۔

تشریح — صاحب قدوریؒ نے فرمایا کہ تسمیہ اور تعوذ میں سر کرے یعنی نماز کے اندر ان کو آہستہ پڑھے۔ امام شافعیؒ نے کہا کہ جہری نماز میں بسم اللہ کو جہر کے ساتھ پڑھے۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا کہ حضور ﷺ اپنی نماز

میں بسم اللہ کو بالجہر پڑھتے تھے چنانچہ صحیح ابن خزیمہ ابن حبان اور نسائی میں نعیم المجمر سے روایت ہے کہ صلیت وراء ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقراء بسم اللہ الرحمان الرحیم ثم قراء بام القران حتی بلغ ولا الضالین فقال امین ثم یقول اذا سلم والذی نفسی بیدہ انی لاشبھکم صلاۃ برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (فتح القدیر) یعنی نعیم المجمر سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی پس ابو ہریرہ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی پھر ام القرآن یعنی سورۂ فاتحہ پڑھی حتی کہ ولا الضالین پر پہنچے تو آمین کہی پھر سلام کے بعد کہا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ میں نماز میں رسول اللہ ﷺ کے زیادہ مشابہ ہوں۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے بسم اللہ سورۂ فاتحہ اور آمین تینوں میں جہر کیا کیونکہ ابو ہریرہ اگر جہر نہ فرماتے تو نعیم المجمر کو کس طرح علم ہوتا اور چونکہ ابو ہریرہ نے کہا کہ میری نماز رسول اللہ ﷺ کی نماز سے مشابہت رکھتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے بھی ان چیزوں کو بالجہر پڑھا ہے۔

اور دار قطنی نے سعید بن جبیرؒ سے روایت کی،

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال کان النبی ﷺ یجھر فی الصلاۃ ببسم اللہ الرحمان الرحیم.

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ حضور ﷺ نماز میں بسم اللہ بالجہر پڑھتے تھے۔

ہماری دلیل ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ چار چیزیں ایسی ہیں جن کو امام آہستہ پڑھے وہ چار چیزیں یہ ہیں تعوذ، تسمیہ، تحمید (ربنا لک الحمد) آمین۔ صاحب شرح نقایہ نے بجائے تحمید کے ثناء ذکر کیا ہے کیونکہ امام محمدؒ نے آثار میں روایت کی ہے عن ابی حنیفۃ عن حماد عن ابراھیم النخعی انہ قال اربع یخفیھن الامام التعوذ وبسم اللہ الرحمان الرحیم وسبحانک اللھم وبحمدک وامین. (شرح نقایہ)

بسم اللہ کو بالسر پڑھنے پر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول بھی مستدل ہے چنانچہ ارشاد ہے صلیت خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وخلف ابی بکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ فلم اسمع احدا منھم یقرا بسم اللہ الرحمن الرحیم' اور مسلم کی ایک روایت میں ہے فلم اسمع احدا منھم یجھرون ببسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے اور ابو بکرؓ عمرؓ اور عثمانؓ کے پیچھے نماز پڑھی پس میں نے ان میں سے کسی کو بسم اللہ کے ساتھ جہر کرتے نہیں سنا۔

حضرت امام شافعی کی پیش کردہ روایات بالجہر کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے کبھی کبھی لوگوں کی تعلیم کے واسطے بسم اللہ کے ساتھ جہر فرمایا ہے ورنہ آپ کی عام عادت بسم اللہ کے ساتھ جہر کرنے کی نہ تھی چنانچہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خبر دی کہ آنحضرت بسم اللہ نماز کے اندر بالجہر نہیں پڑھتے تھے دوسرا جواب یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ کے ساتھ جہر کرتے تھے لیکن اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً کے ذریعہ جہر منسوخ ہو گیا۔

صاحب شرح نقایہ ملا علی قاری نے نسخ کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے۔

عن سعید بن جبیر انہ قال کان المشرکون یحضرون المسجد واذا قرأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قالوا ھذا محمد یذکر رحمٰن الیمامۃ یعنون مسیلمۃ الکذاب فامران یخافت ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم ونزلت وَلَا تَجْهَرْ بِصَلٰوتِکَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا۔ (رواہ ابو داؤد)

سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا کہ مشرکین مکہ مسجد حرام میں حاضر ہوتے تھے اور جب آنحضرت ﷺ قرأت کرتے تو کہتے کہ یہ محمد ہیں یمامہ کے رحمن یعنی مسیلمہ کذاب کا ذکر کرتے ہیں پس آپ کو حکم دیا گیا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ساتھ اخفاء کریں اور لاتجھر بصلوتک آیت نازل ہوئی۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ آپ بسم اللہ اور قرأت قرآن میں جہر فرماتے تھے لیکن اس واقعہ کے بعد جہر کا حکم منسوخ ہو گیا۔ اور ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے فخفض النبی ﷺ بسم اللہ الرحمن الرحیم یعنی اس واقعہ کے بعد اللہ کے پاک نبی ﷺ نے بسم اللہ کو پست آواز کے ساتھ پڑھا یہ بھی جہر کے منسوخ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

علامہ ابن الہمامؒ نے نعیم المجمر کی روایت کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ممکن ہے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اخفاء کے باوجود نعیم المجمر نے سن لیا ہو کیونکہ اگر مقتدی امام سے قریب ہو اور امام نے اخفاء میں مبالغہ نہ کیا ہو تو بھی سننا متحقق ہو سکتا ہے۔

رہی یہ بات کہ بسم اللہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ سے پہلے پڑھے یا فقط پہلی رکعت میں اس بارے میں حضرت امام اعظمؒ سے دو روایتیں ہیں۔ حسن بن زیادؒ کی روایت تو یہ ہے کہ بسم اللہ کو ہر رکعت میں نہ پڑھے بلکہ نماز کے شروع میں فقط ایک مرتبہ پڑھ لینا کافی ہے جیسا کہ تعوذ صرف پہلی رکعت میں پڑھنا کافی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ بسم اللہ سورۂ فاتحہ کا جز نہیں ہے بلکہ افتتاح صلوٰۃ کے لئے پڑھی جاتی ہے اور صلوٰۃ واحدہ فعل واحد کے مانند ہے اور فعل واحد کے لئے ایک مرتبہ بسم اللہ پڑھنا کافی ہے لہذا صلوٰۃ واحدہ کے لئے بھی ایک مرتبہ بسم اللہ پڑھنا کافی ہو گیا۔

امام ابوحنیفہؒ سے دوسری روایت ابو یوسفؒ کی ہے کہ ہر رکعت میں بسم اللہ پڑھے احتیاط اسی میں ہے کیونکہ بسم اللہ کے فاتحہ کا جز ہونے میں علماء کا اختلاف ہے اور فاتحہ کا ہر رکعت میں پڑھنا ضروری ہے۔ لہذا بسم اللہ کا پڑھنا بھی ہر رکعت میں ضروری ہوگا۔ تاکہ اختلاف سے بچا جا سکے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ ہر رکعت میں بسم اللہ پڑھنا صاحبین کا قول ہے۔ پھر فرمایا کہ سورت فاتحہ اور سورت کے درمیان بسم اللہ نہ پڑھے البتہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ سری نماز میں بسم اللہ فاتحہ اور سورت کے درمیان پڑھ سکتا ہے لیکن جہری نماز میں نہ پڑھے۔

قرأت فاتحہ وضم سورت رکن ہے یا نہیں؟...... اقوال فقہاء ودلائل

ثم یقرأ فاتحة الکتاب وسورة او ثلاث ایات من ای سورة شاء فقراءة الفاتحة لاتتعین رکنا عندنا و کذا ضم السورة الیها خلافا للشافعیؒ فی الفاتحة ولمالک فیهما له قوله علیه السلام لا صلوٰة الا بفاتحة الکتاب و سورة معها وللشافعی قوله علیه السلام لا صلوٰة الا بفاتحة الکتاب ولنا قوله تعالیٰ فاقرءوا ماتیسر من القرآن والزیادة علیه بخبر الواحد لایجوز لکنه یوجب العمل فقلنا بوجوبهما

ترجمہ پھر سورۂ فاتحہ پڑھے اور کوئی سورت یا تین آیات جس کسی سورت میں سے چاہے پس ہمارے نزدیک قرأت فاتحہ کا رکن ہونا متعین نہیں ہے۔ اور یہی اس کے ساتھ سورت ملانے کا ہے۔ سورۂ فاتحہ میں امام شافعیؒ کا اور سورۂ فاتحہ اور سورت دونوں میں امام مالکؒ کا اختلاف ہے امام مالکؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ نماز نہیں مگر فاتحہ کے ساتھ اور اس کے ساتھ سورت کے۔ اور امام شافعیؒ کی

دلیل حضور ﷺ کا قول ہے کہ نماز نہیں ہے مگر سورۂ فاتحہ کے ساتھ۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پڑھو جو آسان ہو قرآن میں سے۔ اور قرآن پر خبر واحد کے ساتھ زیادتی کرنا جائز نہیں ہے۔ لیکن خبر واحد عمل واجب کرتی ہے پس ہم ان دونوں کے وجوب کے قائل ہو گئے۔

تشریح　علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ نماز کے اندر قرأت قرآن کی کتنی مقدار فرض اور رکن ہے؟ سو ہمارے علماء کا مذہب یہ ہے کہ مطلقاً قرأت قرآن فرض ہے چنانچہ کسی ایک آیت کو پڑھ لیا تو رکن قرأت ادا ہو جائے گا۔ رہا سورۂ فاتحہ کا پڑھنا اور اس کے ساتھ سورت ملانا تو یہ دونوں ہمارے نزدیک واجبات میں سے ہیں۔

حضرت امام شافعی نے کہا کہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا رکن ہے اور امام مالک فاتحہ اور سورت ملانا دونوں کو رکن کہتے ہیں۔

امام مالک کی دلیل حضور ﷺ کا قول لا صلاۃ الا بفاتحۃ الکتاب وسورۃ معھا ہے یعنی بغیر فاتحہ اور سورت کے نماز نہیں ہوتی اور ظاہر ہے کہ یہ شان فرض کی ہوتی ہے نہ کہ واجب کی۔ اسی کے ہم معنی امام ترمذی نے ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے مفتاح الصلوٰۃ الطھور وتحریمھا التکبیر وتحلیلھا التسلیم ولا صلاۃ لمن لم یقرأ بالحمد للہ وسورۃ فی فریضۃ او غیرھا یعنی نماز کی کنجی طہارت (وضو) ہے اور ماورا نماز کو حرام کرنے والا اللہ اکبر کہنا ہے اور اس کو حلال کرنے والا اسلام ہے جس شخص نے فرض یا غیر فرض میں الحمد للہ اور سورت نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں ہوئی۔

امام شافعی کی دلیل حدیث رسول اللہ ﷺ لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب ہے۔ اور ہماری دلیل باری تعالیٰ کا قول فاقرءوا ما تیسر من القران ہے اس آیت سے اس طور پر استدلال ہوگا کہ من القرآن مطلق ہے اور المطلق یجری علی اطلاقہ کے قاعدہ سے جس ادنیٰ مقدار پر قرآن ہونا صادق آئے اس کا پڑھنا فرض ہوگا اس لئے کہ یہی مقدار مامور بہ ہے اور چونکہ خارج نماز قرأت قرآن فرض نہیں ہے اس لئے نماز کے اندر فرض ہونا متعین ہوگا۔

امام مالک اور امام شافعی کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں حضرات کی پیش کردہ روایات اخبار احاد سے ہیں اور اخبار احاد ظنی ہوتی ہیں اور اصول فقہ میں یہ بات مذکور ہے کہ رکن دلیل قطعی سے ثابت ہوتا ہے نہ کہ دلیل ظنی سے البتہ دلیل ظنی عمل واجب کرتی ہے اس لئے ہمارے علماء نے کہا کہ یہ دونوں واجب ہیں اور چونکہ خبر واحد کے ذریعہ کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں ہے اس لئے ان احادیث سے کتاب اللہ (فاقرءوا ما تیسر من القران) پر زیادتی بھی نہیں ہو سکتی۔

امام اور مقتدی کے لئے آمین کہنے کا حکم ...... اقوالِ فقہاء و دلائل

واذا قال الامام ولا الضالین قال امین ویقولھا المؤتم لقولہ علیہ السلام اذا امّن الامام فامنوا ولا متمسک لمالک فی قولہ علیہ السلام اذا قال الامام ولا الضالین فقولوا امین من حیث القسمۃ لانہ قال فی اخرہ فان الامام یقولھا

ترجمہ　اور جب امام ولا الضالین کہے تو خود امام آمین کہے اور مقتدی بھی آمین کہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو۔ اور امام مالک کا حضور ﷺ کے قول اذا قال الامام ولا الضالین فقولوا امین میں تقسیم کے اعتبار سے کوئی

استدلال نہیں اس لئے کہ حضور ﷺ نے اس حدیث کے آخر میں فرمایا فان الامام یقولھا۔

تشریح مسئلہ یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کے ختم پر جب امام ولا الضالین کہے تو امام اور مقتدی دونوں کو آمین کہنا چاہئے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ فقط مقتدی آمین کہے امام آمین نہ کہے۔

امام مالکؒ کی دلیل یہ حدیث ہے اذا قال الامام ولا الضالین فقولوا امین۔ مسلم نے پوری حدیث اس طرح روایت کی ہے انما جعل الامام لیؤتم بہ فلا تختلفوا علیہ فاذ اکبر فکبروا واذا قرا فانصتوا واذا قال ولا الضالین فقولوا امین یعنی امام تو اسی لئے بنایا گیا کہ اس کی اقتداء کی جائے سو تم اس سے اختلاف مت کرو پس جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب وہ پڑھے تو تم خاموش رہو اور جب وہ ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔

امام مالکؒ نے اس حدیث سے اس طرح استدلال کیا ہے کہ حضور ﷺ نے تقسیم فرمائی چنانچہ امام کے حصہ میں قرأت کا اتمام ہے اور مقتدی کے حصہ میں آمین ہے اور چونکہ تقسیم شرکت کے منافی ہے اس لئے آمین کہنے میں امام اور مقتدی دونوں شریک نہیں ہوں گے بلکہ صرف مقتدی آمین کہے گا۔

ہماری دلیل یہ حدیث ہے اذا امن الامام فامنوا فانہ من وافق تامینہ تامین الملائکۃ غفرلہ ماتقدم من ذنبہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ جس کا آمین کہنا موافق پڑی ملائکہ کے آمین کہنے کے اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

امام مالکؒ کی پیش کردہ حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے آخر میں ہے فان الامام یقولھا یعنی امام بھی آمین کہتا ہے پس معلوم ہوا کہ اس حدیث میں تقسیم اور بٹوارہ مراد نہیں ہے۔

ہمارے مذہب کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کو حضرت مسیب نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے قال قال رسول اللہ ﷺ اذا قال الامام ولا الضالین فقولوا امین فان الملائکۃ تقول امین وان الامام یقول امین فمن وافق تامینہ تامین الملائکۃ غفرلہ ماتقدم من ذنبہ۔ (رواہ عبد الرزاق فی مصنفہ)

امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ امام آمین نہ کہے بلکہ فقط مقتدی آمین کہے گا۔ اور دلیل اس روایت کی یہ ہے کہ امام داعی ہوتا ہے اور مقتدی سننے والا اور آمین سننے والا کہتا ہے نہ کہ داعی جیسا کہ نماز کے علاوہ باقی دوسری دعاؤں میں عادت ہے۔

اور حضور ﷺ کے قول اذا امن الامام فامنوا میں امام کو آمین کہنے والا اس لئے کہا گیا کہ اس نے سورۂ فاتحہ پڑھ کر آمین کا سبب پیدا کر دیا اور مسبب کو مباشر کے نام کے ساتھ ذکر کرنا جائز ہوتا ہے جیسا کہ بنی الامیر المدینۃ میں بناء کی نسبت امیر کی طرف مسبب ہونے کی حیثیت سے ہے۔

فوائد لفظ آمین کے ہمزہ کو بعض لوگوں نے ممدود پڑھا ہے اور بعض نے مقصور پڑھا ہے ممدود پڑھنے کی صورت میں تو آمین ہی رہے گا اور مقصور پڑھنے کی صورت میں آمین ہوگا۔ مگر یہ واضح رہے کہ دونوں صورتوں میں وزن فعیل ہی کا رہے گا۔ پس ممدود ہونے کی صورت میں الف اشباع کا ہوگا ممدود ہونے کے استشہاد میں مجنوں کا یہ شعر پیش کیا جاتا ہے ویرحم اللہ عبداً قال امینا اس میں آمین ممدود استعمال ہوا ہے آخر کا الف بھی اس میں اشباع ہی کا ہے۔

یہ شعراپنے تئیں ایک واقعہ رکھتا ہے واقعہ یہ ہے کہ جب مجنوں کے دل میں لیلیٰ کی محبت گھر کر گئی اور وہ اس کی محبت میں غرق ہو...
حیران و پریشان مارا مارا پھرنے لگا تو اس کے باپ ملوح کو بہت زیادہ فکر ہوئی۔لوگوں نے اس کو مشورہ دیا کہ اس کو کعبۃ اللہ کی زیارت کے
لئے لے جاؤ چنانچہ اس کا باپ مجنوں کو حج کے ارادہ سے لے گیا اور مناسک حج اس کو دکھلائے اور مجنون سے کہا کہ کعبہ معظمہ کے پردوں ...
چمٹ کر کہہ اللّٰھم ارحنی من لیلی وحبھا اے میرے پروردگار تو مجھ سے لیلیٰ کی محبت کو زائل کر کے مجھے راحت پہنچا۔
پس مجنوں نے بجائے اس شعر کے والہانہ انداز میں یہ شعر پڑھا

اللّٰھم منّ علیّ بلیلی وقربھا

اے اللہ مجھے لیلیٰ کا قرب اور وصل عطا فرما کر میرے اوپر احسان کیجئے۔
باپ نے یہ سنتے ہی پٹائی شروع کر دی کہ میں نے تو زوال کی دعا مانگنے کو کہا تھا اور تو حصول کی دعا مانگ رہا ہے تو پھر مجنوں یہ شعر کہنے لگا

یارب لا تسلبنی حبھا ابدا ویرحم اللہ عبدا قال امینا

یعنی اے میرے رب مجھ سے اس کی محبت کبھی بھی زائل مت کر اور اس میری دعا پر جو آمین کہے اس پر رحم فرما۔
یہ تو مد کا استشہاد تھا اور قصر کے استشہاد میں دوسرا شعر پیش خدمت ہے۔

امین فزاد اللہ ما بیننا بعدا

استشہاد اس میں یہ ہے کہ آمین الف مقصورہ کے ساتھ آیا ہے یہ شعر جبیر ابن اضبط کا ہے یہ شعر اس موقع پر کہا تھا جب اس نے فطحل نامی ایک شخص سے اس کے اونٹ کی درخواست کی تھی لیکن اس نے اونٹ نہیں دیا تب اس نے یہ شعر کہا تھا پورا شعر یہ ہے۔
تباعد عنی فطحل اذدعوتہ امین فزاد اللہ ما بیننا بعدا یعنی فطحل نے مجھ سے گریز کیا اور دوری ظاہر کی جب کہ میں نے اس کو اپنی حاجت کے لئے پکارا خدا کرے ہماری دوری میں اور بھی اضافہ ہو اور اے خدا تو اس دعا کو قبول کر لے۔
اس میں آمین کا لفظ پہلے آیا ہے اور دعا بعد میں ہے حالانکہ ترتیب واقعی اس کے خلاف چاہتی ہے وجہ یہ ہے کہ شاعر کو قبولیت دعا کا زیادہ اہتمام ہے پس اہتمام ہونے کی وجہ سے لفظ آمین کو مقدم کر دیا۔ جمیل عفی عنہ

امام اور مقتدی دونوں آمین سراً کہیں گے، اور آمین کا صحیح تلفظ

قال ویخفونھا لما روینا من حدیث ابن مسعودؓ ولانہ دعاء فیکون مبناہ علی الاخفاء والمد والقصر فیہ وجھان والتشدید فیہ خطاء فاحش

ترجمہ کہا کہ یہ سب لوگ آمین کو آہستہ کہیں ابن مسعودؓ کی اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی اور اس وجہ سے کہ آمین دعا ہے پس اس کی بنا اخفا پر ہوگی اور آمین میں مد اور قصر دو وجہیں ہیں اور تشدید اس میں فاحش غلطی ہے۔
تشریح ...... ہمارے نزدیک امام اور مقتدی سب کے لئے آمین آہستہ کہنا مسنون ہے۔اور امام شافعی آمین بالجہر کے قائل ہیں۔امام

شافعی کی دلیل ابوداؤد کی روایت ہے عن وائل بن حجر قال کان رسول اللہ ﷺ اذا قرأ ولا الضالین قال امین ورفع بها صوته، اور ترمذی میں ہے ومد بها صوته یعنی وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب ولا الضالین کہتے تو آمین کہتے اور آپ نے آمین کے ساتھ اپنی آواز کو بلند کیا۔

ہماری دلیل حدیث ابن مسعودؓ ہے جو سابق میں گذر چکی یعنی قال اربع یخفیهن الامام التعوذ وبسم اللہ الرحمن الرحیم واللهم ربنا لک الحمد وامین۔ اور ایک روایت میں ہے خمس یخفیهن الامام اور مذکورہ چار چیزوں کے علاوہ سبحانک اللهم وبحمدک کو بھی ذکر کیا۔ اس روایت سے آمین کو آہستہ کہنا ثابت ہوتا ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ آمین استجب کے معنی میں دعا ہے اور دعا میں اخفاء ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً اس لئے آمین میں اخفاء مسنون ہوگا۔

اور امام شافعی کی طرف پیش کردہ حدیث وائل بن حجر کا جواب یہ ہے کہ علقمہ بن وائل نے اپنے باپ وائل سے روایت کی جس میں خفض به صوته ہے پس تعارض کی وجہ سے وائل کی دونوں روایتیں نا قابل استدلال ہوں گی اور ابن مسعودؓ کی روایت جو ہمارا مستدل ہے لائق استدلال ہوگی۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ آمین کے الف میں مد اور قصر کی دونوں صورتیں جائز ہیں۔ خادم گذشتہ مسئلہ میں فوائد کے تحت بالتفصیل بیان کر چکا ہے اور آمین کی میم کو مشدد پڑھنا فاحش غلطی ہے بعض کے نزدیک تو مفسد صلوٰۃ ہے لیکن بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوگی کیونکہ اس کے لفظوں کی نظیر قرآن میں موجود ہے چنانچہ ارشاد ہے وَلَا آمِّينَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ۔

رکوع میں جاتے ہوئے تکبیر کہنا

قال ثم یکبر ویرکع وفی الجامع الصغیر ویکبر مع الانحطاط لان النبی علیه السلام یکبر عند کل خفض و رفع ویحذف التکبیر حذفا لان المد فی اوله خطأ من حیث الدین لکونه استفهاما وفی اخره لحن من حیث اللغة

ترجمہ ...... کہا پھر تکبیر کہے اور رکوع کرے اور جامع صغیر میں ہے کہ تکبیر کہے جھکاؤ کے ساتھ کیونکہ حضور ﷺ تکبیر کہتے ہر جھکاؤ اور اٹھاؤ کے اور حذف کرے تکبیر کو اچھی طرح کیونکہ اول تکبیر میں مد کرنا از راہ دین خطاء ہے اس لئے کہ وہ استفہام ہے اور تکبیر کے آخر میں مد کرنا از راہ لغت لحن ہے۔

تشریح ...... مسئلہ یہ ہے کہ قرأت پوری کرنے کے بعد بلا توقف تکبیر کہے اور رکوع کرے یعنی پہلے کھڑے ہو کر تکبیر کہے پھر رکوع کرے امام قدوری کے نزدیک یہی مذہب صحیح ہے۔ اور جامع صغیر میں ہے کہ رکوع میں جاتے ہوئے تکبیر کہے یعنی رکوع کے لئے جھکتے وقت تکبیر شروع کرے اور رکوع میں پوری کرے امام طحاوی نے کہا کہ یہی صحیح ہے دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ تکبیر کہا کرتے ہر جھکاؤ اور اٹھاؤ کے وقت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ روایت اس طرح بیان کی ہے کان یکبر فی کل خفض ورفع وقیام وقعود وابوبکر و عمر یعنی رسول اللہ ﷺ تکبیر کہا کرتے ہر جھکاؤ اور اٹھاؤ اور کھڑے ہونے اور بیٹھنے میں اور ابوبکر اور عمر بھی۔ اس حدیث سے بھی رکوع میں

جاتے وقت تکبیر کا کہنا ثابت ہوتا ہے۔

شیخ ابوالحسن قدوریؒ نے کہا کہ تکبیر کو حذف کرے یعنی قصر کرے۔ مراد یہ ہے کہ جس جگہ یہ نہیں وہاں مدنہ کرے تفصیل اس کی یہ ہے کہ اللہ اکبر میں اللہ کے اول کو خفف فتحہ دے اور لام کو مد کرے اور ہا، کو رفع دے۔ اور اکبر کے اول اور با، کو خفیف فتحہ دے اور را کو جزم کرے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر اللہ کے اول میں مد کیا یا اکبر کے اول میں مد کیا تو یہ دینی اعتبار سے غلط ہوگا کیونکہ اس صورت میں استفہام کے معنی پیدا ہوں گے اور پہلی صورت میں آواز ہوگی کیا اللہ بڑا ہے اور دوسری صورت میں آواز ہوگی اللہ کیا بڑا ہے ان دونوں صورتوں میں اللہ کی کبریائی میں شک کرنے والا ہوگا اور اللہ کی کبریائی میں عمداً شک کرنا کفر ہے۔ (عنایہ)

لیکن صاحب ہدایہ نے اس کو خطا کہا ہے نہ کہ کفر البتہ نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اکبر کے آخر میں مد کرنا یعنی بجائے اکبر کے اکبار جیسا کہ بعض سادہ لوح بنگالی طلبہ کہتے ہیں تو یہ لغت کے اعتبار سے لحن یعنی خطاء ہے اس سے بھی نماز فاسد ہو جائے گی۔

رکوع کی کیفیت اور رکوع کی تسبیح

ویعتمد بیدیه علی رکبتیه ویفرج بین اصابعه لقوله علیه السلام لانسؓ اذا رکعت فضع یدیک علی رکبتیک وفرّج بین اصابعک ولا یندب الی التفریج الا فی هذه الحالة لیکون امکن من الاخذ ولا الی الضم الا فی حالة السجود وفیما وراء ذلک یترک علی العادة ویبسط ظهره لان النبی علیه السلام کان اذا رکع بسط ظهره ولا یرفع رأسه ولا ینکسه لان النبی علیه السلام کان اذا رکع لایصوّب رأسه ولایقنعه ویقول سبحان ربی العظیم ثلاثا وذلک ادناه لقوله علیه السلام اذا رکع احدکم فلیقل فی رکوعه سبحان ربی العظیم ثلاثا وذلک ادناه ای ادنی کمال الجمع

ترجمہ..... اور اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر ٹیکے اور اپنی انگلیوں میں کشادگی رکھے کیونکہ حضور ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا ہے جب تو رکوع کرے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھ اور اپنی انگلیوں کے درمیان کشادگی پیدا کر اور اس حالت کے علاوہ کسی حالت میں کشادگی مندوب نہیں ہے تا کہ پکڑنا ممکن ہو اور حالت سجدہ کے علاوہ کسی حالت میں انگلیاں ملانا (مندوب) نہیں ہے اور مذکورہ حالتوں کے علاوہ میں اپنی عادت پر چھوڑا جائے۔ اور ہموار رکھے اپنی پیٹھ کو اس لئے کہ حضور ﷺ جب رکوع کرتے تو پیٹھ کو برابر ہموار کرتے تھے اور سر نہ اٹھائے اور نہ جھکائے اس لئے کہ حضور ﷺ جب رکوع کرتے تو اپنا سر نہ جھکاتے اور نہ اٹھاتے اور تین بار سبحان ربی العظیم کہے اور یہ ادنیٰ مقدار ہے اس لئے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی رکوع کرے تو اپنے رکوع میں کہے سبحان ربی العظیم تین مرتبہ اور یہ اس کا کمتر درجہ یعنی کمال جمع کا ادنیٰ ہے۔

تشریح..... اس عبارت میں رکوع کرنے کی کیفیت اور رکوع کی تسبیح کا بیان ہے چنانچہ رکوع کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ نمازی اپنے دونوں ہاتھوں سے دونوں گھٹنے پکڑے اور ہاتھوں کی انگلیوں کے درمیان کشادگی رکھے اور دونوں پنڈلیوں کو قائم رکھے۔ دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو خدمت کیا کرتے تھے فرمایا کہ اے پسر جب تو رکوع کرے دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر رکھ اور اپنی انگلیوں کے درمیان کشادگی رکھ۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ رکوع کی حالت میں انگلیوں کو کشادہ رکھنا مندوب و مستحب ہے تا کہ انگلیوں سے گھٹنے کا پکڑنا ممکن ہو سکے اور حالت رکوع کے علاوہ میں انگلیوں کا کشادہ رکھنا مندوب نہیں ہے اور سجدہ کی حالت میں ہاتھ کی انگلیوں کا ملانا مستحب ہے تا کہ انگلیوں کے سرے قبلہ کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ ان دونوں حالتوں کے علاوہ میں انگلیاں اپنی عادت پر چھوڑ دی جائیں گی یعنی ان کو نہ ملایا جائے اور نہ کشادہ کیا جائے بلکہ وضع طبعی پر رکھی جائیں۔ رکوع کی حالت میں پیٹھ کو اس قدر ہموار اور برابر رکھا جائے کہ اگر اس کی پیٹھ پر پانی بھرا پیالہ رکھیں تو ٹھہرا رہے۔

دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ جب رکوع کرتے تو اپنی پیٹھ کو ہموار اور برابر کرتے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ انه كان يعتدل لو وضع على ظهره قدح ماء تستقر یعنی حضور ﷺ اپنی پیٹھ کو اس قدر ہموار اور برابر رکھتے تھے کہ اگر آپ کی پیٹھ پر پانی سے بھرا پیالہ رکھدیا جائے تو وہ ٹھہرا رہے اور وابصہ بن معبد کی حدیث میں ہے کہ سوى ظهره حتى لو صب عليه الماء الاستقر یعنی اپنی پیٹھ کو ہموار کرتے تھے حتی کہ اگر اس پر پانی بہایا جائے تو ٹھہر جائے۔

صاحب قدوریؒ کہتے ہیں کہ رکوع کی حالت میں سر نہ اونچا رکھے اور نہ جھکائے یعنی سرین سے سطح ہموار رکھے۔ دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ جب رکوع کرتے تو اپنا سر نہ جھکاتے اور نہ اونچا کرتے۔

حالت رکوع کی تسبیح یہ ہے کہ تین مرتبہ سبحان ربی العظیم کہے تو تین بار کہنا کم سے کم مقدار ہے ورنہ پانچ بار سات بار یا اس سے زائد کہے۔ دلیل حضور ﷺ کا قول اذا ركع احد كم فليقل فى ركوعه سبحان ربى العظيم ثلثا ہے یعنی جب تم میں سے کوئی رکوع کرے تو اپنے رکوع میں تین بار سبحان ربی العظیم کہے اور تین بار کہنا کمال جمع کا کمتر درجہ ہے۔

امام رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے سمع الله لمن حمده کہے اور مقتدی ربنا لک الحمد کہے..... اقوالِ فقہاء ودلائل

ثم يرفع رأسه و يقول سمع الله لمن حمده، ويقول المؤتم ربنا لک الحمد، ولايقولها الامام عند ابى حنيفة، وقالا يقولها فى نفسه لما روى ابوهريرة ان النبى عليه السلام كان يجمع بين الذكرين، ولانه حرّض غيره فلاينسى نفسه، ولابى حنيفة قوله عليه السلام: اذا قال الامام سمع الله لمن حمده قولوا ربنا لک الحمد، هذه قسمة وانها تنافى الشركة، ولهذا لاياتى المؤتم بالتسميع عندنا، خلافا للشافعى، ولانه يقع تحميده بعد تحميد المقتدى، وهو خلاف موضوع الامامة، وما رواه محمول على حالة الانفراد والمنفرد يجمع بينهما فى الاصح، وان كان يروى الاكتفاء بالتسميع، ويروى بالتحميد والامام بالدلالة عليه اتى به معنى،

ترجمہ..... پھر اپنا سر اٹھائے اور کہے سمع الله لمن حمده اور مقتدی ربنالک الحمد کہے۔ اور ابوحنیفہؒ کے نزدیک امام اس کو نہ کہے۔ اور صاحبین نے کہا کہ امام بھی اس کو آہستہ کہے کیونکہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ دونوں ذکر کو جمع کرتے تھے اور اس وجہ سے کہ اس نے غیر کو آمادگی دلائی لہٰذا اپنے آپ کو فراموش نہ کرے گا۔ اور ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضور ط نے فرمایا کہ جب امام سمع الله لمن حمده کہے تو تم ربنالک الحمد کہو۔ یہ تقسیم ہے اور تقسیم شرکت کے منافی ہے اسی وجہ سے ہمارے

نزدیک مقتدی سمع اللہ من حمدہ نہیں کہے گا۔ امام شافعیؒ کا اختلاف ہے اور اس وجہ سے کہ امام کا تحمید کہنا مقتدی کی تحمید کے بعد واقع ہوگا اور یہ امامت کے موضوع کے خلاف ہے اور ابوہریرہ کی روایت حالت انفراد پر محمول ہے اور منفرد دونوں ذکر جمع کرے اصح روایت میں۔ اگرچہ امام صاحب سے مروی ہے کہ (منفرد) سمع اللہ من حمدہ پر اکتفاء کرے اور روایت کیا جاتا ہے کہ فقط ربنا لک الحمد پر اکتفاء کرے اور امام تحمید پر دلالت کرنے کی وجہ سے اس کو معنی لایا۔

تشریح سمع اللہ لمن حمدہ کے معنی ہیں قبل اللہ حمد من حمدہ یعنی جس نے اللہ کی حمد کی اللہ اس کی حمد قبول کرے حاصل یہ کہ جملہ قبولیت حمد کی دعاء ہے اور سماع کا لفظ قبول کے معنی میں استعمال بھی کیا جاتا ہے جیسے حاکم اگر کسی کی درخواست قبول کرلے تو کہا جاتا ہے سمع الامیر کلام فلان حمدہ میں ہاء سکتہ کے لئے ہے یا ہاء کنایہ ہے دونوں قول ہیں لیکن اول ثقات سے منقول ہے۔

حاصل مسئلہ یہ ہے کہ اطمینان کے ساتھ رکوع کرنے کے بعد اپنا سر اٹھاتے ہوئے کہے سمع اللہ لمن حمدہ اگر امام ہے تو بالاجماع اس کو کہے اور جہر کرے اور اگر مقتدی ہے تو ربنالک الحمد کہے اظہر روایت یہی ہے اور ربنا ولک الحمد اور اللّٰھم ربنالک الحمد بھی مروی ہے۔ (عنایہ)

اس بارے میں اختلاف ہے کہ امام ربنا لک الحمد کہے یا نہ کہے۔ پس حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول یہ ہے کہ امام اس کو نہ کہے اور صاحبین نے کہا کہ امام بھی اس کو آہستہ کہے۔ صاحبین کی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کان النبی ﷺ اذا قام الی الصلاۃ تکبیر حین یقوم ثم یکبر حین یر کع ثم یقول سمع اللہ لمن حمدہ حین یرفع صلبہ من الرکوع ثم یقول وھو قائم ربنا ولک الحمد ثم یکبر حین یھوی ساجدا۔ الحدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ جب نماز کے لئے ارادہ فرماتے تو تکبیر کہتے جس وقت کھڑے ہوتے پھر جس وقت رکوع کرتے تو تکبیر کہتے پھر جس وقت اپنی پیٹھ رکوع سے اٹھاتے تو سمع اللہ لمن حمدہ کہتے پھر کھڑے ہوکر ربنا ولک الحمد کہتے پھر تکبیر کہتے جس وقت کہ سجدہ کو جھکتے۔ (فتح القدیر) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ دونوں ذکر (سمع اللہ لمن حمدہ، ربنالک الحمد) جمع فرماتے تھے اور آپ بالعموم امامت فرماتے تھے پس ثابت ہوگیا کہ امام دونوں ذکر جمع کرے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ امام نے سمع اللہ لمن حمدہ کہہ کر دوسروں کو ابھارا ہے لہٰذا اپنے آپ کو بھی فراموش نہ کرے یعنی جب امام نے کہا کہ جس نے اللہ کی حمد کی اللہ تعالیٰ نے اس کی تعریف سنی تو اس کا مقصود یہ ہے کہ ایسا ضرور کرو تو خود بھی کرے گا اور اپنے آپ کو محروم نہ رکھے گا ورنہ اتامرون الناس بالبر وتنسون أنفسکم کی وعید کے تحت داخل ہوگا۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل حضور ﷺ کا قول اذا قال الامام سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا ربنالک الحمد ہے وجہ استدلال یہ ہے کہ حضور ﷺ نے امام اور مقتدی کے درمیان تقسیم فرمائی ہے کہا امام تسمیع کہے اور مقتدی تحمید کہے اور تقسیم شرکت کے منافی ہے اسوجہ سے امام تحمید کے اندر مقتدی کیساتھ شریک نہیں ہوگا یہی وجہ ہے کہ ہمارے نزدیک مقتدی سمع اللہ لمن حمدہ نہیں کہے گا اگرچہ امام شافعیؒ کا اختلاف ہے دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر امام ربنا لک الحمد کہے تو اسکی یہ تحمید مقتدی کی تحمید کے بعد واقع ہوگی کیونکہ مقتدی ربنالک الحمد اسوقت کہے گا جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے گا اور اسطرح بلاشبہ امام کا ربنالک الحمد کہنا مقتدی کے ربنالک الحمد کہنے کے بعد واقع ہوگا اور یہ امامت کے موضوع کے خلاف ہے

کیونکہ امام کو پہلے کہنا چاہئے تھا اور مقتدی کو بعد میں اور یہاں برعکس ہے اور صاحبینؒ کی پیش کردہ حدیث ابو ہریرہ کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث حالت انفراد پر محمول ہے اور اصح قول کے مطابق منفرد کا حکم یہی ہے کہ وہ سمع اللہ لمن حمدہ پر اکتفاء کرے دوم یہ کہ فقط ربنالک الحمد پر اکتفاء کرے۔ اول کی وجہ یہ ہے کہ امام فقط سمع اللہ لمن حمدہ پر اکتفاء کرتا ہے اور منفرد بھی اپنے حق میں امام ہے کیونکہ جس طرح امام پر قرأت واجب ہے اسی طرح منفرد پر بھی قرأت واجب ہے۔

اور دوسری روایت کی وجہ یہ ہے کہ منفرد اگر دونوں ذکر یعنی تسمیع اور تحمید کو جمع کرے گا تو تحمید اعتدال یعنی قومہ کی حالت میں واقع ہو گی۔ حالانکہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوتے وقت اعتدال کی حالت میں کوئی ذکر مسنون مشروع نہیں کیا گیا جیسے دو سجدوں کے درمیان قعدہ کی حالت میں کوئی ذکر مسنون مشروع نہیں ہے اس لئے کہا گیا کہ منفرد سمع اللہ لمن حمدہ نہ کہے بلکہ فقط ربنالک الحمد پر اکتفاء کرے۔

دوسری روایت کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہؒ سے دریافت کیا کہ جو شخص فرض نماز میں اپنا سر رکوع سے اٹھاتا ہے کیا وہ اللّٰھم اغفرلی کہہ سکتا ہے آپ نے فرمایا کہ ربنالک الحمد کہے اور سکوت کرے اور ایسے ہی دو سجدوں کے درمیان سکوت کرے۔

قول اصح کی دلیل حدیث صحیح ہے کہ حضور ﷺ دونوں ذکر یعنی تسمیع اور تحمید کو جمع فرماتے تھے صاحبینؒ کی عقلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ جب امام نے سمع اللہ لمن حمدہ کہا تو اس نے مقتدیوں کو ربنالک الحمد کہنے کے لئے آمادہ کیا پس الدال علی الخیر کفاعلہ کے مطابق گویا امام بھی معنی اس کو کہنے والا ہوا اس لئے امام اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم کی وعید کے تحت داخل نہیں ہوگا۔

قومہ کا حکم، سجدہ میں جانے اور اس سے اٹھنے کا طریقہ اور جلسہ کا حکم، اقوالِ فقہاء و دلائل

قال ثم اذا استوى قائما كبّر و سجد اما التكبير والسجود فلما بينا واما الاستواء قائما فليس بفرض و كذا الجلسة بين السجدتين والطمانينة في الركوع والسجود وهذا عند ابي حنيفةؒ ومحمدؒ وقال ابو يوسفؒ يفترض ذلك كله وهو قول الشافعيؒ لقوله عليه السلام قم فصل فانك لم تصل قاله لاعرابى حين اخف الصلوة ولهما ان الركوع هو الانحناء والسجود هو الانخفاض لغة فيتعلق الركنية بالادنى فيهما و كذا فى الانتقال اذ هو غير مقصود و فى اخر ما روى تسميته اياه صلوٰة حيث قال وما نقصت من هذا شيئا فقد نقصت من صلاتك ثم القومه والجلسة سنة عندهما و كذا الطمانينة فى تخريج الجرجانىؒ وفى تخريج الكرخىؒ واجبة حتى تجب سجدتا السهو بتركها عنده

ترجمہ — کہا کہ پھر جب سیدھا کھڑا ہو جائے تو تکبیر کہے اور سجدہ کرے۔ بہر حال تکبیر و سجود تو اسی دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے۔ اور رہا رکوع سے سیدھا کھڑا ہونا تو یہ فرض نہیں ہے اور یوں ہی دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا اور رکوع اور سجود میں طمانیت (فرض نہیں ہے) اور یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ یہ سب فرض ہیں اور یہی امام شافعیؒ کا قول ہے کیونکہ حضور ﷺ نے

ایک اعرابی کو جس وقت اس نے نماز میں تخفیف کی تھی فرمایا تھا کہ کھڑے ہوکر پھر نماز پڑھ کہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔طرفین کی دلیل یہ
کہ لغت میں رکوع جھکنا اور سجود پست ہونا ہے پس رکنیت ان دونوں میں ادنی کے ساتھ متعلق ہوگی اور ایسے ہی انتقال میں اس لئے
مقصود نہیں ہے اور حدیث اعرابی کے آخر میں اس کا نام نماز رکھا ہے چنانچہ کہا کہ جو کچھ اس میں سے کمی کی تو تیری نماز میں سے کمی ہو
پھر قومہ اور جلسہ طرفین کے نزدیک سنت ہے اور جرجانی کی تخریج کے مطابق طمانیت کا بھی یہی حال ہے اور امام کرخی کی تخریج کے مطا
طمانیت واجب ہے حتی کہ کرخی کے نزدیک ترک طمانیت سے دو سجدے سہو کے واجب ہوں گے۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ نمازی جب رکوع سے سیدھا کھڑا ہوگیا تو تکبیر کہتا ہوا سجدے میں چلا جائے۔دلیل سابق میں گذر چکی کہ ان
علیه السلام کان یکبر عند کل خفض و رفع اور سجدہ پر اول باب میں باری تعالی کے قول وار کعوا واسجدوا سے استدلال ہ
ہے۔صاحب ہدایہ نے کہا کہ تعدیل ارکان یعنی رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہونا جس کو قومہ کہتے ہیں دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا اور رکو
سجدہ میں طمانیت یعنی کچھ دیر ٹھہرنا،طرفین کے نزدیک فرض نہیں ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تعدیل ارکان فرض ہے اسی کے قائل
شافعیؒ ہیں ثمرہ اختلاف یہ ہے کہ تعدیل ارکان کے بغیر طرفین کے نزدیک نماز جائز ہوگی لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز نہیں ہوگی۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل حدیث اعرابی ہے۔اعرابی کا نام خلاد بن رافع رضی اللہ تعالی عنہ ہے صحیحین میں یہ حدیث ان الفاظ
ساتھ مروی ہے ان اعرابیا دخل المسجد فصلی رکعتین ثم جاء فسلم علی النبی صلی اللہ علیه و سلم فقال ل
ﷺ ارجع فصل فانک لم تصل فرجع فصلی کما صلی ثم جاء فسلم علی النبی ﷺ فقال له ارجع فصل فانک
تصل فقال له فی الثالثة والذی بعثک بالحق ما احسن غیرہ فعلمنی فقال له النبی ﷺ اذا قمت الی الصلاۃ فک
ثم اقرا ما تیسر معک من القران ثم ارکع حتی تطمئن راکعا ثم ارفع حتی تعتدل قائما ثم اسجد حتی تطم
ساجدا ثم ارفع حتی تطمئن جالسا ثم افعل ذلک فی صلاتک کلها حتی تقضیها یعنی ایک اعرابی نے مسجد میں د
ہوکر نماز پڑھی پھر آکر حضور ﷺ کو سلام کیا حضور ﷺ نے اس سے کہا کہ واپس جا کر نماز پڑھ کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی یعنی تیری نماز نہ
ہوئی۔پس اس نے واپس جا کر پہلے کی طرح نماز پڑھی پھر آیا اور اللہ کے پاک رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کیا آپ ﷺ
اس سے پھر کہا کہ واپس جاؤ نماز پڑھو کیونکہ تیری نماز نہیں ہوئی۔پس اس اعرابی نے تیسری بار میں حضور ﷺ سے کہا کہ اس ذات کی
جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر مبعوث فرمایا اس کے علاوہ کیا صورت بہتر ہے آپ مجھے اس کی تعلیم دیجئے۔حضور ﷺ نے اس سے کہا
جب تو نماز کے لئے کھڑا ہو تو تکبیر کہہ پھر ما یجوز به الصلوٰۃ قرآن کی قرأت کر پھر رکوع کر یہاں تک کہ رکوع کی حالت میں اطمینا
ہو جائے پھر اس کو اپنی پوری نماز میں کر یہاں تک کہ نماز پوری کرے۔

اس حدیث سے اس طور پر استدلال ہوگا کہ تعدیل ارکان ترک کر دینے کی وجہ سے حضور ﷺ نے نماز کی نفی فرمائی ہے چنانچہ فر
فانک لم تصل اور یہ شان فرض کی ہوتی ہے کیونکہ فرض کے علاوہ کا منتفی ہونا نماز کی نفی کو مستلزم نہیں ہے پس ثابت ہوا کہ نماز کے اند
تعدیل ارکان فرض ہے۔

طرفین کی دلیل باری تعالی کا قول وار کعوا و اسجدوا ہے بایں طور کہ رکوع کہتے ہیں مطلقاً جھکنے کو اور سجدہ کہتے ہیں پست ہونے
کو یعنی زمین پر پیشانی ٹیکنے کو پس نفس رکوع اور نفس سجدہ فرض ہوا اور آیت سے یہی مطلوب ہے۔اور چونکہ یہ آیت رکوع اور سجدہ کے م

پر دلالت کرنے میں خاص ہے اور خاص محتاج بیان نہیں ہوتا اس لئے حدیث اعرابی اس آیت کے لئے بیان واقع نہیں ہو سکتی۔

اور اگر آپ کہیں کہ اس آیت کو حدیث اعرابی سے منسوخ مان لیا جائے تو ہم کہیں گے کہ یہ بھی ممکن نہیں اس لئے کہ یہ حدیث خبر واحد ہے اور خبر واحد سے کتاب اللہ کو منسوخ نہیں کیا جا سکتا پس ثابت ہوا کہ مطلقاً جھکنا اور زمین پر پیشانی ٹیکنا فرض ہے (تفصیل نور الانوار میں دیکھ لی جائے) جمیل احمد۔

وفی ماروی الخ سے حدیث اعرابی کا جواب ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اعرابی نے نماز کی شکل میں جو کچھ کیا تھا حضور ﷺ نے اس کو نماز کے ساتھ موسوم کیا ہے چنانچہ اسی حدیث اعرابی کے آخر میں یہ الفاظ مروی ہیں و ما نقصت من هذا شياء فقد نقصت من صلاتك یعنی تو نے جو کچھ ان چیزوں میں کمی کی تو تیری نماز میں کمی ہو گئی۔

پس اگر تعدیل ارکان کو ترک کرنا مفسد نماز ہوتا ہے تو آپ ﷺ اس کو صلوٰۃ (نماز) کے ساتھ موسوم نہ فرماتے جیسا کہ اگر رکوع یا سجدہ کو ترک کر دیا گیا تو نماز فاسد ہو جاتی ہے اور اس کو نماز نہیں کہا جاتا پس معلوم ہوا کہ ترک تعدیل سے نماز میں نقصان تو آتا ہے مگر نماز فاسد نہیں ہوتی اور ظاہر ہے کہ فرض کی یہ شان نہیں ہے پس حدیث اعرابی سے بھی تعدیل ارکان کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ قومہ اور دو سجدوں کے درمیان جلسہ باتفاق مشائخ طرفین کے نزدیک سنت ہیں اور رہا رکوع اور سجدہ میں طمانیت کا حکم سو اس کی تخریج میں اختلاف ہے چنانچہ امام ابو عبداللہ الجرجانیؒ کی تخریج یہ ہے کہ طمانیت بھی مسنون ہے اور امام کرخیؒ نے تخریج کی کہ یہ واجب ہے حتی کہ امام کرخیؒ کے نزدیک ترک طمانیت سے سہو کے دو سجدے واجب ہوں گے جرجانی کے قول کی وجہ یہ ہے کہ یہ طمانیت تکمیل رکن کے لئے مشروع کی گئی ہے اور جو چیز تکمیل رکن کے واسطے مشروع ہو وہ سنت ہوتی ہے لہٰذا یہ طمانیت بھی سنت ہوگی۔

اور امام کرخیؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ یہ طمانیت رکن مقصود بنفسہ کے لئے مشروع کی گئی ہے اور جو چیز ایسی ہو وہ واجب ہوتی ہے اس لئے یہ طمانیت واجب ہوگی۔

سجدہ کی کیفیت (طریقہ)

ويعتمد بيديه على الارض لان وائل بن حجرؓ وصف صلاة رسول الله ﷺ فسجد وادعم على راحتيه ورفع عجيزته ووضع وجهه بين كفيه ويديه حذاء أذنيه لماروى انه عليه السلام فعل كذلك

ترجمہ ..... اور اپنے دونوں ہاتھ زمین پر رکھ دے کیونکہ وائل بن حجرؓ نے رسول اللہ ﷺ کی نماز کو بیان کیا تو سجدہ کیا اور ٹیک کیا دونوں ہتھیلیوں پر اور سرین کو اونچا رکھا اور اپنا چہرہ دونوں ہتھیلیوں کے بیچ میں رکھے اور دونوں ہاتھوں کو دونوں کانوں کے مقابل رکھے کیونکہ روایت کیا گیا کہ حضور ﷺ نے ایسا کیا۔

تشریح ..... اس عبارت میں سجدہ کی کیفیت کا بیان ہے چنانچہ فرمایا کہ سجدہ کی کیفیت یہ ہے کہ دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک دے اور چہرہ دونوں ہتھیلیوں کے درمیان اور دونوں ہاتھ کانوں کے مقابل رکھے دلیل وائل بن حجر کی حدیث ہے حضرت وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

رسول اللہ ﷺ کی نماز کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرمایا فسجدوا دعم علی راحتیه ورفع عجیزته یعنی آپ نے سجدہ
دونوں ہتھیلیاں زمین پر رکھ دیں اور سرین کو اونچا کیا۔ اور وائل بن حجرؓ سے مروی ہے قال رمقت النبی صلی اللہ علیه و
فلما سجد وضع یدیه حذاء اذنیه فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا پس جب آپ نے سجدہ کیا تو اپنے دونوں ہاتھ
دونوں کانوں کے مقابل رکھے۔

نیز ابو اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا این کان النبی ﷺ یضع جبهته اذا
قال بین کفیه یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تو اپنی پیشانی کہاں رکھتے تھے فرمایا کہ دونوں ہتھیلیوں کے درمیان۔

ناک اور پیشانی پر سجدہ کرنے، کسی ایک پر اکتفاء کرنے کا حکم، اقوال فقہاء و دلائل

قال وسجد علی انفه وجبهته، لان النبی علیه السلام واظب علیه فان اقتصر علی احدهما جاز عند ا
حنیفة، وقالا لایجوز الاقتصار علی الانف الا من عذر وهو روایة عنه، لقوله علیه السلام امرت ان اسج
علی سبعة اعظم وعدّ منها الجبهة ولابی حنیفة ان السجود یتحقق بوضع بعض الوجه المامور به الا
الخد والذقن خارج بالاجماع والمذکور فیما روی الوجه فی المشهور ووضع الیدین والرکبتین سنة عند
لتحقق السجود دونها واما وضع القدمین فقد ذکر القدوری انه فریضة فی السجو

ترجمہ...... کہا کہ سجدہ کرے اپنی ناک اور پیشانی پر کیونکہ حضور ﷺ نے اس پر مواظبت کی پھر اگر ان دونوں میں سے کسی ایک پر اکتفا
تو ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبینؒ نے کہا کہ ناک پر اکتفا کرنا جائز نہیں ہے مگر عذر کی وجہ سے یہی امام صاحب سے ایک روایت
ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سات ہڈیوں پر سجدہ کروں اور ان میں سے شمار کیا پیشانی کو اور ابو حنیفہؒ کی دلیل
ہے کہ سجدہ بعض چہرہ رکھنے سے متحقق ہو جاتا ہے اور یہی ہی مامور بہ ہے لیکن گال اور ٹھوڑی بالاجماع خارج ہیں اور روایت مشہورہ میں
مذکور وجہ (چہرہ) ہے اور ہاتھوں اور گھٹنوں کا رکھنا ہمارے نزدیک سنت ہے کیونکہ بغیر ان دونوں کے سجود متحقق ہو جاتا ہے اور رہا دونوں قدم
رکھنا تو قدوریؒ نے ذکر کیا کہ یہ سجود میں فرض ہے۔

تشریح...... صاحب عنایہ نے لکھا ہے کہ سجدہ کی کیفیت اور سجدہ سے کھڑا ہونے کی کیفیت کے بارے میں ضابطہ یہ ہے کہ جو عضو زمین
سے قریب تر ہو سجدہ کرتے وقت سب سے پہلے اس کو زمین پر رکھے اور جو عضو آسمان سے اقرب ہو سب سے پہلے اس کو اٹھائے پس اب
کیفیت سجود یہ ہوگی کہ اولاً زمین پر دونوں گھٹنے رکھے پھر دونوں ہاتھ پھر چہرہ اور بعض نے کہا کہ ہاتھ رکھنے کے بعد ناک رکھے پھر پیشانی
رکھے اور اٹھتے وقت ترتیب یہ ہوگی کہ پہلے اپنا چہرہ اٹھائے پھر دونوں ہاتھ پھر دونوں گھٹنے۔

عبارت کا حاصل یہ ہوا کہ ناک اور پیشانی دونوں پر سجدہ کرے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ہمیشہ اسی طرح سجدہ کیا ہے۔ اور اگر ایک پر
اکتفاء کیا تو اس کی دو صورتیں ہیں،

۱) یہ کہ فقط پیشانی پر سجدہ کرے۔
۲) یہ کہ فقط ناک پر سجدہ کرے۔

پہلی صورت میں ہمارے علماء احناف کا سجدہ کے جواز پر اتفاق ہے اور دوسری صورت میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مع الکراہت جائز

ہے۔ اور صاحبین نے کہا کہ بلا عذر ناک پر اکتفاء کرنا جائز نہیں ہے ہاں اگر کوئی عذر ہو تو شرعا جائز ہے۔

صاحبین کی دلیل وہ حدیث ہے جو کتب ستہ میں مذکور ہے

عن ابن عباس قال قال رسول اللّٰہ ﷺ امرت ان اسجد علی سبعۃ اعظم علی الجبھۃ والیدین والر کبتین واطراف القدمین

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا کہ میں سجدہ کروں سات ہڈیوں پر پیشانی پر، دونوں ہاتھوں دونوں گھٹنوں اور دونوں قدموں کے پوروں پر۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ جن سات ہڈیوں پر سجدہ کا حکم دیا گیا ان میں ناک کا ذکر نہیں ہے اس وجہ سے ثابت ہوا کہ ناک محل سجدہ نہیں ہے اور جب ناک محل سجدہ نہیں ہے تو ناک پر اکتفا کرنا بھی درست نہیں ہوگا۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ قرآن پاک میں مطلقاً سجدہ کا حکم دیا گیا ہے اور سجدہ بعض چہرہ رکھنے سے متحقق ہو جاتا ہے کیونکہ پورے چہرے کا رکھنا ناممکن ہے اس لئے کہ ناک اور پیشانی ایسی ابھری ہوئی ہڈیاں ہیں جو پورے چہرے کو زمین پر رکھنے سے مانع ہیں بہرحال جب پورے چہرے کا زمین پر رکھنا متعذر ہے تو بعض چہرے کا زمین پر رکھنا مامور بہ ہوگا لیکن گال اور ٹھوڑی بالاجماع خارج ہیں یعنی آیت اپنے اطلاق کی وجہ سے اگرچہ ان کو بھی شامل ہے لیکن بالاجماع آیت میں مراد نہیں ہیں کیونکہ سجدہ سے مراد تعظیم ہے اور گال اور ٹھوڑی زمین پر رکھنے سے تعظیم مشروع نہیں ہوئی اس لئے یہ دونوں سجدہ کے مفہوم سے خارج ہوں گے۔

پس اب ناک اور پیشانی باقی رہ گئے اور یہ دونوں سجدہ کا محل ہیں اس لئے ان دونوں پر سجدہ کرنا جائز ہے اور چونکہ پیشانی پر اکتفاء کرنا جائز ہے اس لئے ناک پر بھی اکتفاء کرنا جائز ہوگا۔

والمذکور فیما روی الخ سے صاحبین کی دلیل کا جواب ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ مشہور روایت میں بجائے جبہہ کے وجہ مذکور ہے چنانچہ سنن اربعہ میں حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب سے مروی ہے **انہ سمع رسول اللّٰہ ﷺ یقول اذا سجد العبد سجد معہ سبعۃ اراب وجھہ وکفاہ ورکبتاہ وقدماہ** یعنی حضور ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ بندہ جب سجدہ کرتا ہے تو اس کے ساتھ سات اعضاء سجدہ کرتے ہیں اس کا چہرہ اس کی ہتھیلیاں، اس کے گھٹنے اور اس کے دونوں قدم اس حدیث میں وجہ مذکور ہے اور سابق میں گذر چکا کہ وجہ سے ناک اور پیشانی دونوں مراد ہیں اس لئے ہم نے کہا کہ سجدہ کے حکم میں ناک اور پیشانی دونوں برابر ہیں۔

ہاتھوں و گھٹنوں کا زمین پر رکھنا مسنون ہے: صاحبِ ہدایہ نے کہا کہ ہمارے نزدیک ہاتھوں اور گھٹنوں کا زمین پر رکھنا مسنون ہے۔ امام زفرؒ امام شافعیؒ اور فقیہ ابواللیثؒ نے کہا کہ یہ واجب ہے ان حضرات کی دلیل حضور ﷺ کا قول **امرت ان اسجد الخ** ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا امر فرمایا گیا ہے اور امر کا موجب وجوب ہے پس معلوم ہوا کہ سجدہ میں ساتوں اعضاء کو زمین پر رکھنا واجب ہے اور ان سات اعضاء میں ہاتھ اور دونوں گھٹنے بھی ہیں اس وجہ سے دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنے زمین پر رکھنا واجب ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنے زمین پر رکھے بغیر سجدہ کرنا ممکن ہے اس لئے ان کا زمین پر رکھنا سجدہ کے مفہوم میں

داخل نہیں ہوگا۔ اور حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث فقط اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ سات اعضاء سجدہ کا محل ہیں اس پر کوئی دلالت نہیں کہ ان تمام کا زمین پر رکھنا لازم ہے۔ اور رہا یہ کہ حدیث میں امرت کا لفظ آیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ امر جس طرح وجوب کے لئے آتا ہے اسی طرح ندب کے لئے بھی آتا ہے ہوسکتا ہے کہ یہاں امر وجوب کے لئے مستعمل نہ ہو۔

رہا یہ کہ سجدہ میں دونوں قدموں کو زمین پر رکھنے کا کیا حکم ہے سو اس بارے میں امام قدوریؒ نے ذکر کیا کہ سجدہ میں دنوں قدموں کا زمین پر رکھنا فرض ہے چنانچہ اگر سجدہ کیا اور پیروں کی انگلیوں کو زمین سے اوپر اٹھالیا تو جائز نہیں ہوگا۔ امام کرخیؒ اور ابوبکر جصاص بھی اسی کے قائل ہیں۔

اور اگر ایک قدم زمین پر رکھا اور ایک زمین سے اٹھالیا تو یہ جائز ہے۔ اور قاضی خاں نے مع الکراہت جائز قرار دیا ہے۔ امام تمرتاشی نے کہا کہ عدم فرضیت میں دونوں ہاتھ اور دونوں قدم برابر ہیں۔

پگڑی کے بل پر اور فاضل کپڑے پر سجدہ کرنے کا حکم

فان سجد علی کور عمامته او فاضل ثوبه جاز لان النبی علیه السلام کان یسجد علی کور عمامته ویروی انه علیه السلام صلی فی ثوب واحد یتقی بفضوله حر الارض وبردها

ترجمہ...... پھر اگر نمازی نے عمامہ کے پیچ پر یا فاضل کپڑے پر سجدہ کیا تو جائز ہے کیونکہ حضور ﷺ اپنے عمامہ کے پیچ پر سجدہ کیا کرتے تھے اور روایت کیا جاتا ہے کہ حضور نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی کہ اس کے فاضل سے زمین کی حرارت اور برودت کو بچاتے تھے۔

تشریح...... مسئلہ ہمارے نزدیک عمامہ کے پیچ یا فاضل کپڑے پر سجدہ کرنا جائز ہے اور حضرت امام شافعیؒ نے کہا کہ عمامہ کے پیچ پر سجدہ کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ان کے نزدیک سجدہ کے وقت پیشانی کا کھلا رہنا واجب ہے۔ ہماری دلیل ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے ان النبی ﷺ کان لیسجدُ علی کور عمامته یعنی حضور ﷺ اپنے عمامہ کے پیچ پر سجدہ کرتے تھے عبداللہ بن ابی اوفی سے مروی ہے قال ر أیت رسول اللہ ﷺ یسجد علی کو رعمامته عبداللہ بن ابی اوفیٰ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ اپنے عمامہ کے پیچ پر سجدہ کیا کرتے تھے دوسری دلیل یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے ان النبی ﷺ صَلّٰی فی ثوب واحد تبقی بفضوله حر الارض وبردها یعنی حضور ﷺ نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی آپ اس کے فاضل سے زمین کی حرارت اور برودت کو بچاتے تھے۔

ایک روایت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کان نصلی مع النبی ﷺ فی شدة الحر فاذالم یستطع احدنا ان یمکن وجهه من الارض بسط ثوبه فسجد علیه حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ حضور ﷺ کے ساتھ سخت گرمی میں نماز پڑھتے سو جب ہم میں سے کوئی قابو نہ پاتا کہ چہرہ کو زمین پر ٹیکے تو اپنا کپڑا بچھا کر اس پر سجدہ کرتا۔

دونوں بازوؤں کو سجدہ میں کشادہ رکھے

ویبدی ضبعیه لقوله علیه السلام وابد ضبعیک ویروی وابدّ من الإبداد وهو المدّ والأول من الإبداء وهو الإظهار

ترجمہ...... اور کشادہ کردے اپنے دونوں بازو' کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ظاہر کر اپنے بازؤں کو اور روایت کیا جاتا ہے کہ ابداد سے ماخوذ ہے معنی ہیں کھینچنا اور اول ابداء سے ہے معنی ہیں ظاہر کرنا۔

تشریح...... مسئلہ سجدہ کی حالت میں نمازی اپنے بازو ظاہر کرے یعنی کشادہ کرے درندے کی طرح زمین پر نہ بچھائے دلیل یہ روایت ہے

عن ادم بن علی البکری قال رانی ابن عمرؓ وانا اصلی لاانتجافی عن الارض بذراعی فقال یا ابن اخی لاتبسط بسط السبع وادعم علی راحتیک وابد ضبعیک فانک اذا فعلت ذلک سجد کل عضومنک

آدم بن علی البکری نے کہا کہ مجھے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے دیکھا اس حال میں کہ میں نماز پڑھتا کہ زمین سے اپنے ہاتھوں کو جدا نہیں کرتا تھا تو فرمایا کہ اے بھتیجے درندوں کی طرح مت بچھا اور اپنی ہتھیلیوں پر ٹیک لگا اور اپنے بازو کشادہ کر کیونکہ جب تو نے ایسا کیا تو تیرا ہر عضو سجدہ میں ہو گیا۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ ایک روایت میں ابدّ دال کی تشدید کے ساتھ آیا ہے ابداد سے مشتق ہے۔ جس کے معنی کھینچنے کے ہیں یعنی اپنے بازو کھینچے ہوئے رکھ اور اول ابداء سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ظاہر کرنے کے ہیں یعنی اپنے بازو ظاہر کر یعنی کشادہ رکھ۔

سجدے میں پیٹ کو رانوں سے دور رکھے

ویجافی بطنہ عن فخذیہ لأنہ علیہ السلام کان إذا سجد جافی حتی أن بھمۃ لو أرادت أن تمر بین یدیہ لمرت وقیل إذا کان فی صف لا یجافی کیلا یؤذی جارہ

ترجمہ...... اور اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے جدا کرے کیونکہ حضور ﷺ جب سجدہ کرتے تو جدا کرتے حتی کہ اگر بکری کا چھوٹا بچہ آپ کے ہاتھوں کے درمیان سے گذرنے کا ارادہ کرتا تو گذر جاتا اور کہا گیا کہ اگر صف میں ہو تو جدا نہ کرے تا کہ پڑوسی کو ایذا نہ دے۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ نمازی سجدہ کی حالت میں اپنا پیٹ اپنی رانوں سے جدا رکھے۔ دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ جب سجدہ کرتے تو جوف دیتے یعنی پیٹ رانوں سے جدا رکھتے اور کہنیوں کو زمین سے اونچا رکھتے حتی کہ اگر بکری کا بچہ آپ کے ہاتھوں کے درمیان سے گذرنا چاہتا تو گذر سکتا تھا۔ اور بعض فقہاء نے کہا کہ اگر صف کے اندر ہو تو ہاتھوں کو جوف نہ دے یعنی ان کو نہ پھیلائے تا کہ برابر والا ایذا محسوس نہ کرے۔

پاؤں کی انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف رکھے

ویوجہ أصابع رجلیہ نحو القبلۃ لقولہ علیہ السلام إذا سجد المؤمن سجد کل عضو منہ فلیوجہ من أعضائہ القبلۃ ما استطاع

ترجمہ...... اور اپنے پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی جانب متوجہ کرے اس لئے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب مؤمن سجدہ کرتا ہے تو اس کا ہر عضو سجدہ کرتا ہے پس جہاں تک قدرت ہو اپنے اعضاء میں سے قبلہ کی طرف متوجہ کرے۔

تشریح ...... مسئلہ اور اس کی دلیل واضح ہے۔

سجدہ کی تسبیح

ویقول فی سجوده سبحان ربی الأعلى ثلاثا وذلک أدناه لقوله عليه السلام واذا سجد أحدكم فليقل في سجوده سبحان ربی الأعلى ثلاثا وذلک أدناه أی أدنى كمال الجمع ويستحب أن يزيد على الثلاث في الركوع والسجود بعد أن يختم بالوترلانه عليه السلام كان يختم بالوتر وان كان اماما لا يزيد على وجه يمل القوم حتى لا يؤدى إلى التنفير ثم تسبيحات الركوع والسجود سنة، لان النص تناولهما دون تسبيحاتهما فلا يزاد على النص

ترجمہ ...... اور سجدہ کی حالت میں تین مرتبہ سبحان ربی الاعلی کہے اور یہ ادنیٰ مقدار ہے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اپنے سجدہ میں تین مرتبہ سبحان ربی الاعلی کہے اور یہ کمتر ہے یعنی کمال جمع کی ادنیٰ مقدار ہے۔ اور مستحب یہ ہے کہ رکوع اور سجدہ میں تین پر اضافہ کرے مگر طاق پر ختم کرے اس لئے کہ حضور ﷺ طاق پر ختم کرتے تھے اور اگر امام ہو تو ایسے طور پر نہ بڑھائے کہ مقتدی اکتا جائیں تا کہ نفرت کا سبب نہ بنے پھر رکوع اور سجود کی تسبیحات کہنا درست ہے کیونکہ نص ان دونوں کو شامل ہے نہ کہ ان کی تسبیحات کو پس نص پر زیادتی نہیں کی جائے گی۔

تشریح ...... امام قدوریؒ نے کہا کہ سجدہ کی حالت میں تین مرتبہ سبحان ربی الاعلی کہے اور تین بار کہنا کم سے کم درجہ ہے چنانچہ ... نے لکھا ہے کہ اس کا ترک کرنا یا کمی کرنا مکروہ ہے۔ اس کی دلیل حضور ﷺ کا ارشاد اذا سجد احدکم فلیقل فی سجوده سبحان ربی الاعلی ثلثا ہے۔

اور رکوع اور سجدہ میں تین مرتبہ پر اضافہ کرنا مستحب ہے بشرطیکہ طاق عدد پر ختم کرے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ رکوع اور سجدہ کی تسبیحات کو طاق عدد پر ختم کرتے تھے۔ اور حدیث مشہوران الله وتریحب الوتر سے بھی استدلال کیا گیا ہے۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ اگر خود امام ہو تو تین مرتبہ پر اتنا اضافہ نہ کرے کہ لوگ اکتا جائیں اور ان کے دلوں میں نفرت اور ناگواری پیدا ہو جائے۔ واضح ہو کہ رکوع اور سجدہ کی تسبیحات سنت ہے کیونکہ نص یعنی وارکعوا واسجدوا رکوع اور سجدہ کو شامل ہے ان کی تسبیحات کو شامل نہیں ہے۔ اس لئے ثابت ہوا کہ تسبیحات رکوع وسجود فرض نہیں ہیں۔

لیکن اشکال ہوگا کہ فرض نہ ہونے سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ سنت ہو بلکہ ممکن ہے کہ واجب ہو درآنحالیکہ وجوب پر دو دلیلیں موجود ہیں۔ اول یہ کہ رکوع اور سجود کی تسبیحات پر حضور ﷺ نے مواظبت فرمائی ہے جو دلیل وجوب ہے دوم یہ کہ رکوع کی تسبیحات کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا اجعلوھا اور سجدہ کی تسبیحات کے بارے میں فرمایا فلیقل۔ اور یہ امر کے صیغے ہیں اور امر کا موجب وجوب ہے لہٰذا ان دونوں کی تسبیحات کو واجب قرار دینا چاہئے تھا جواب اعرابی کو تعلیم دیتے وقت حضور ﷺ نے اس کو بیان نہیں کیا تھا۔ اس لئے معلوم ہوا کہ تسبیحات رکوع اور سجود کا حکم بطور وجوب نہیں بلکہ بطور استحباب ہے۔

عورت کے لئے سجدہ کا طریقہ

والمرأة تنخفض فی سجودها وتلزق بطنها بفخذیها لان ذلک استر لها

ترجمہ ...... اور عورت اپنے سجدہ میں پست ہو جائے اور اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے ملائے کیونکہ ایسا کرنا اس کے حق میں زیادہ پردہ ہے۔

تشریح ...... اس عبارت میں عورت کے سجدہ کی کیفیت کا بیان ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ عورت سجدہ کرتے وقت پست ہو جائے یعنی زمین سے قریب تر ہو جائے اور پیٹ کو رانوں سے ملا دے۔ دلیل یہ ہے کہ اس کیفیت کے ساتھ سجدہ کرنے میں عورت کے حق میں زیادہ ستر ہے درآنحالیکہ عورت کے حق میں ستر ہی مطلوب ہے۔

سجدہ سے اٹھ کر دوسرے سجدہ میں جانے کا طریقہ، جلسہ کا حکم، اقوالِ فقہاء و دلائل

قال ثم یرفع رأسه، ویکبر لما روینا، فاذا اطمأن جالسا کبر وسجد لقوله علیه السلام فی حدیث الاعرابی ثم ارفع رأسک حتی تستوی جالسا ولولم یستو جالسا وکبر و سجد اخری اجزاه عند ابی حنیفةؒ و محمدؒ وقد ذکرناه وتکلموا فی مقدار الرفع والاصح انه اذا کان الی السجود اقرب لایجوز لانه یعد ساجدا وان کان الی الجلوس اقرب جاز لانه یعد جالسا فتحقق الثانیة

ترجمہ ...... کہا کہ پھر اپنا سر اٹھائے اور تکبیر کہے۔ اس حدیث کی وجہ سے جو ہم روایت کر چکے۔ پھر جب اطمینان سے بیٹھ جائے تو تکبیر کہے اور سجدہ کرے کیونکہ حدیث اعرابی میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا پھر اپنا سر اٹھا یہاں تک کہ تو سیدھا بیٹھ جائے۔ اور اگر سیدھا نہیں بیٹھا اور تکبیر کہہ کر دوسرا سجدہ کیا تو ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس کو کافی ہو گیا اور ہم اس کو ذکر کر چکے ہیں۔ اور سر اٹھانے کی مقدار میں کلام کیا ہے اور اصح یہ ہے کہ جب سجدہ سے قریب تر ہو تو جائز نہیں ہے اس لئے کہ وہ سجدہ ہی میں شمار ہوگا۔ اور اگر وہ بیٹھک سے زیادہ قریب ہے تو جائز ہے کیونکہ وہ بیٹھا شمار ہوگا پس دوسرا سجدہ متحقق ہو جائیگا۔

تشریح ...... اس عبارت میں دوسرے سجدہ کی کیفیت کا بیان ہے چنانچہ فرمایا کہ سجدہ اولیٰ سے سر اٹھاتے ہوئے تکبیر کہے دلیل وہ روایت ہے جو سابق میں گذر چکی یعنی ان النبی ﷺ کان یکبر عند کل خفض ورفع پھر جب اطمینان کے ساتھ بیٹھ گیا تو تکبیر کہتے ہوئے دوسرے سجدہ میں چلا جائے۔

دلیل یہ ہے کہ اعرابی کو نماز کی تعلیم دیتے ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا ثم ارفع رأسک حتی تستوی جالسا یعنی پھر اپنا سر اٹھا یہاں تک کہ سیدھا بیٹھ جائے۔ اور اگر نمازی پہلے سجدہ سے اٹھ کر سیدھا نہیں بیٹھا اور تکبیر کہہ کر دوسرا سجدہ کیا تو طرفین کے نزدیک کافی ہو گیا۔ اس کی تفصیل مع الاختلاف تعدیل ارکان کے ذیل میں گذر چکی ہے۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ مشائخ کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ دوسرا سجدہ معتبر ہونے کے لئے پہلے سجدہ سے کس قدر سر اٹھانا ضروری ہے۔

بعض فقہاء نے کہا کہ جب پیشانی زمین سے ہٹ گئی اور پھر سجدہ میں چلا گیا تو دونوں سجدے ادا ہو گئے۔ حسن بن زیادؒ نے کہا کہ جب اس نے زمین سے اپنا سراتنی مقدار اٹھایا کہ وہاں سے ہوا گذر جائے تو اس صورت میں دونوں سجدے ادا ہو جائیں گے۔ حسن بن زیاد کا قول پہلے قول سے قریب ہے۔

محمد بن سلمہ کہتے ہیں کہ اگر اتنی مقدار سر اٹھایا کہ دیکھنے والا یہ سمجھے کہ اس نے دوسرا سجدہ کرنے کے لئے اپنا سر اٹھایا تو دونوں سجدے ادا ہو جائیں گے ورنہ ایک سجدہ ادا ہوگا۔

امام قدوریؒ نے کہا کہ جس پر لفظ رفع (سر اٹھانا) بولا جائے اس قدر سر اٹھانا معتبر ہے۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ اصح قول یہ ہے کہ اگر اتنا اٹھائے کہ بہ نسبت بیٹھک کے سجدہ سے زیادہ قریب ہے تو دوسرا سجدہ جائز نہیں ہوگا کیونکہ وہ ابھی تک پہلے سجدہ ہی میں شمار ہوگا اور اگر اس قدر اٹھا کر بیٹھک سے زیادہ قریب ہے تو دوسرا سجدہ جائز ہے کیونکہ وہ اس صورت میں بیٹھا ہوا شمار ہوگا لہٰذا دوسرا سجدہ متحقق ہو جائے گا۔

رہی یہ بات کہ ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے کیوں ہیں تو اس بارے میں اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ توقیفی چیز ہے عقل اور قیاس کو اس میں کوئی دخل نہیں۔

اور بعض حضرات نے یہ حکمت ذکر کی کہ دو سجدے شیطان کو ذلیل کرنے کے لئے ہیں اس لئے کہ تخلیق آدم کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کو حکم دیا تھا کہ وہ آدم کو سجدہ کرے لیکن اس نے آدم کو سجدہ نہیں کیا لہٰذا ہم شیطان کو رسوا اور ذلیل کرنے کے لئے دو سجدے کرتے ہیں۔ سجدہ سہو میں حضور ﷺ نے اسی طرف اشارہ کیا چنانچہ فرمایا ھما ترغیما لشیطان یعنی سہو کے دونوں سجدے شیطان کو ذلیل کرنے کے لئے ہیں۔

اور بعض نے کہا کہ پہلے سجدہ میں اس طرف اشارہ کیا گیا کہ انسان مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور دوسرے میں یہ اشارہ ہے کہ اسی میں لوٹا دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا منھا خلقناکم وفیھا نعیدکم واللہ اعلم۔

سجدہ سے قیام کی طرف جانے کا طریقہ

قال فاذا اطمأن ساجدا کبر وقد ذکرناہ و استوی قائما علی صدور قدمیہ ولایقعد ولا یعتمد بیدیہ علی الارض وقال الشافعیؒ یجلس جلسة خفیفة ثم ینھض معتمد اعلی الارض لان النبی علیہ السلام فعل ذلک ولما حدیث ابی ھریرة ان النبی علیہ السلام کان ینھض فی الصلوٰة علی صدور قدمیہ ومارواہ محمول علی حالة الکبر ولان ھذہ قعدة استراحة والصلوٰة ماوضعت لھا

ترجمہ...... کہا کہ پھر جب سجدے کی حالت میں اطمینان کر لے تو تکبیر کہے اور ہم اس کو ذکر کر چکے۔ اور سیدھا کھڑا ہو جائے اپنے پنجوں کے بل اور نہ بیٹھے اور نہ ٹیک لگائے اپنے ہاتھوں کے ساتھ زمین پر اور امام شافعیؒ نے کہا کہ خفیف سی بیٹھک بیٹھ لے۔ پھر زمین پر ٹیک دیتے ہوئے کھڑا ہو اس لئے کہ حضور ﷺ نے ایسا کیا ہے اور ہماری دلیل حدیث ابو ہریرہؓ ہے کہ حضور ﷺ نماز میں اپنے پنجوں کے بل اٹھا کرتے تھے اور وہ حدیث جس کو امام شافعیؒ نے روایت کیا ہے وہ بڑھاپے کی حالت پر محمول ہے اور اس لئے کہ یہ قعدۂ استراحت ہے،

نماز استراحت کے واسطے وضع نہیں کی گئی ہے۔

تشریح..... فرمایا کہ جب سجدہ کی حالت میں اطمینان کرلے تو کھڑا ہونے کے لئے تکبیر کہے۔ دلیل سابق میں گذر چکی یعنی ان النبی ﷺ کان یکبر عند کل خفض ورفع 'صاحب عنایہ نے لکھا کہ مصنفؒ کو اپنی عادت کے مطابق سابق میں مذکور حدیث کی طرف اشارہ کرنے کے لئے مارویناکہنا چاہئے تھا لیکن ہوسکتا ہے کہ گذشتہ مسئلہ میں اسی حدیث کی طرف اشارہ کرنے کے لئے لما روینا کہا تھا اور اب یہاں اس لماروینا کی طرف وقد ذکرنا سے اشارہ کیا گیا ہو۔

امام قدوریؒ نے کہا کہ سجدہ ثانیہ سے فراغت کے بعد اپنے پنجوں کے بل سیدھا کھڑا ہوجائے۔ نہ بیٹھے اور نہ اپنے ہاتھوں سے زمین پر ٹیک لگائے اگر عذر نہ ہو تو یہ مستحب ہے۔ حضرت امام شافعیؒ نے کہا کہ ہلکا سا جلسہ کرے پھر زمین پر سہارا دے کر اٹھ جائے۔

امام شافعیؒ کی دلیل مالک بن الحویرث کی حدیث ہے ان النبی ﷺ کان اذا رفع راسہ من السجود قعد ثم نھض یعنی حضور ﷺ جب اپنا سر سجدہ سے اٹھاتے تو بیٹھ جاتے پھر اٹھتے ہماری دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے۔ ان النبی ﷺ کان ینھض فی الصلوٰۃ علی صدوْر قدمیہ 'یعنی حضور ﷺ نماز میں اپنے پنجوں کے بل اٹھتے تھے۔

اور امام شعبیؒ سے مروی ہے قال کان عمرؓ وعلیؓ واصحاب النبی ﷺ ینھضون فی الصلوٰۃ علی صدور اقدامھم امام شعبیؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ، حضرت علی اور اصحاب رسول اللہ ﷺ نماز کے اندر اپنے قدموں کے بل اٹھتے تھے۔ اور رہی وہ حدیث جس کو امام شافعیؒ کے استدلال میں پیش کیا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث بڑھاپے کی حالت پر محمول ہے یعنی بڑھاپے کے زمانے میں آپ نے ایسا کیا ہے ہماری طرف سے عقلی دلیل یہ ہے کہ یہ بیٹھنا استراحت کے لئے ہے اور نماز استراحت اور آرام کے لئے وضع نہیں کی گئی اس لئے یہ قعدہ نہ کرے۔

دوسری رکعت مکمل کرنے کی کیفیت

ویفعل فی الرکعۃ الثانیۃ مثل ما فعل فی الرکعۃ الأولی لأنہ تکرار الأرکان إلا أنہ لا یستفتح ولا یتعوذ لأنھما لم یشرعا إلا مرۃ واحدۃ

ترجمہ..... اور دوسری رکعت میں اسی کی مثل کرے جو پہلی رکعت میں کیا کیونکہ وہ ارکان کا تکرار ہے مگر یہ کہ سبحانک اللّٰھم اور اعوذ باللہ نہ پڑھے اس لئے کہ یہ دونوں صرف ایک بار مشروع ہوئے۔

تشریح..... رکعت اولیٰ سے فراغت کے بعد نماز پڑھنے والا رکعت ثانیہ پڑھے گا اور رکعت ثانیہ میں وہ سب کام کرے گا جو رکعت اولیٰ میں کیا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ رکعت ثانیہ میں ارکان کا تکرار ہے اور تکرار اول کے اعادہ کا تقاضا کرتا ہے۔ اس لئے کہا گیا کہ رکعت ثانیہ میں اسی کے مثل کرے جو پہلی رکعت میں کیا ہے ہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ دوسری رکعت میں نہ سبحانک اللّٰھم پڑھے اور نہ اعوذ باللہ پڑھے کیونکہ یہ دونوں باتیں ایک ہی مرتبہ مشروع ہوئیں ہیں اس لئے کہ جن حضرات صحابہؓ نے حضور ﷺ کی نماز کو روایت کیا ہے انہوں نے ان چیزوں کو صرف ایک مرتبہ روایت کیا ہے۔

رفع یدین کا حکم، اقوالِ فقہاء ودلائل

ولا یرفع یدیه الا فی التکبیرة الأولی خلافا للشافعیؒ فی الرکوع وفی الرفع منه لقوله علیه السلام: لا ترفع الأیدی إلا فی سبع مواطن تکبیرة الافتتاح وتکبیرة القنوت وتکبیرات العیدین وذکر الأربع فی الحجة والذی یروی من الرفع محمول علی الابتداء کذا نقل عن ابن الزبیر

ترجمہ...... اور اپنے ہاتھ نہ اٹھائے مگر تکبیر تحریمہ میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے رکوع میں جانے اور اس سے سر اٹھانے میں کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہاتھ نہ اٹھائے جائیں مگر سات جگہوں میں تکبیر اولیٰ، تکبیر قنوت، تکبیرات عیدین اور چار کو حج میں ذکر کیا۔ اور حدیث رفع یدین میں روایت کی جاتی ہے وہ ابتداء پر محمول ہے اسی طرح ابن زبیر سے منقول ہے۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ سوائے تکبیر تحریمہ کے کسی تکبیر میں ہاتھ نہ اٹھائے۔ امام شافعیؒ نے کہا کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ اور دو تکبیروں میں ہاتھ اٹھائے ایک رکوع میں جاتے وقت، دوم رکوع سے سر اٹھاتے وقت، امام شافعیؒ کی دلیل ابن عمرؓ کی حدیث ہے ان النبی ﷺ کان یرفع یدیه عند الرکوع وعند رفع الرأس من الرکوع ابن عمرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے رکوع کرتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت، ہماری دلیل ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث لا ترفع الایدی الا فی سبع مواطن الحدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہاتھ نہ اٹھائے جائیں مگر سات جگہوں میں

۱) تکبیر تحریمہ میں، ۲) تکبیر قنوت میں،
۳) تکبیرات عیدین میں، ۴) تکبیر عرفات میں،
۵) تکبیرات جمرتین میں، ۶) تکبیر صفا و مروہ میں،
۷) تکبیر استلام میں،

حدیث ابن عمرؓ کو ابتدائے اسلام پر محمول کیا جائے گا یعنی ابتدائے اسلام میں رفع یدین کا حکم تھا پھر منسوخ ہوگیا۔

یوں ہی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔ چنانچہ ابن الزبیر سے مروی ہے

انه رأی رجلا یصلی فی المسجد الحرام یرفع یدیه فی الصلاة عند الرکوع وعند رفع الرأس من الرکوع فلما فرغ من صلاته قال له لا تفعل فان هذا شیٔ فعله رسول اللہ ﷺ ثم ترکه

یعنی ابن زبیر نے دیکھا کہ ایک آدمی مسجد حرام میں نماز پڑھتا ہے اور نماز میں رکوع کے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتا ہے پس جب وہ اپنی نماز سے فارغ ہوگیا تو ابن زبیر نے اس سے کہا کہ یہ مت کر کیونکہ یہ ایسی چیز ہے جس کو حضور ﷺ نے کیا پھر اس کو ترک کر دیا۔

فوائد...... شارحین ہدایہ (عنایہ، فتح القدیر، کفایہ) نے اس مسئلہ میں ایک دلچسپ حکایت ذکر کی ہے وہ یہ کہ ایک مرتبہ مسجد حرام میں امام اوزاعیؒ کی حضرت امام ابوحنیفہؒ سے ملاقات ہوگئی۔ اور امام اوزاعیؒ نے کہا کہ کیا بات ہے اہل عراق رکوع کرتے وقت اور رکوع سے سر

اٹھاتے وقت اپنے ہاتھ نہیں اٹھاتے حالانکہ مجھ کو زھری عن سالم عن ابن عمرؓ یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضور ﷺ ان موقعوں پر اپنے ہاتھ اٹھاتے تھے۔ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا حدثنی حماد عن ابراھیم عن علقمۃ عن عبداللہ بن مسعودؓ رضی اللہ تعالی عنہ ان النبی ﷺ کان یرفع یدیہ عند تکبیرۃ الافتتاح ثم لایعود یعنی حضور ﷺ تکبیر تحریمہ کے وقت اپنے ہاتھ اٹھاتے تھے پھر اعادہ نہیں کرتے تھے۔

امام اوزاعی نے کہا امام ابوحنیفہؒ پر حیرت ہے میں حدیث بیان کر رہا ہوں حدیث زہری عن سالم عن ابن عمرؓ اور وہ حدیث بیان کر رہے ہیں حدیث حماد عن ابراہیم عن علقمہ عن ابن مسعودؓ حاصل یہ کہ اوزاعی نے علو اسناد کا لحاظ کرتے ہوئے حدیث ابن عمرؓ کو ترجیح دی۔
حضرت امام اعظمؒ نے فرمایا۔ اما حماد فکان افقہ من الزھری وابراھیم کان افقہ من سالم ولولا سبق ابن عمر لقلت بان علقمۃ افقہ منہ اما عبداللہ فعبد اللہ یعنی حماد زہری کے مقابلہ میں بڑے فقیہ ہیں اور ابراہیم سالم سے افقہ ہیں اور اگر ابن عمرؓ کو تقدم زمانی حاصل نہ ہوتا تو میں کہتا کہ علقمہ بڑے فقیہ ہیں ابن عمرؓ کے مقابلہ میں اور رہے عبداللہ تو وہ عبداللہ ہیں یعنی ان کی تو نظیر ہی نہیں حاصل یہ کہ امام ابوحنیفہؒ نے فقہ رواۃ کا اعتبار کرتے ہوئے ابن مسعودؓ کی روایت کو ترجیح دی۔

اس واقعہ سے اتنی بات ثابت ہوگئی کہ رفع یدین کے سلسلہ میں حدیث ابن عمرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث باہم متعارض ہیں اور ان دونوں حدیثوں میں آپ کا فعل بیان کیا گیا ہے پس تعارض کی وجہ سے دونوں ساقط ہو جائیں گی اور حضور ﷺ کے قول "لاترفع الایدی الافی سبع مواطن" الحدیث کی طرف رجوع کیا جائے گا درآنحالیکہ یہ حدیث مشہور ہے علاوہ ازیں ابن عمرؓ کی حدیث ساقط ہے کیونکہ مجاہد نے کہا صلیت خلف ابن عمرؓ سنتین فلم ارہ یرفع یدیہ الالافتتاح الصلاۃ۔ مجاہد نے کہا کہ میں نے دو سال ابن عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی ہے لیکن سوائے تکبیر تحریمہ کے کبھی ان کو ہاتھ اٹھاتے ہوئے نہیں دیکھا اور قاعدہ ہے کہ راوی جب اپنی روایت کے خلاف عمل کرے تو اس کی روایت ساقط ہو جاتی ہے۔ (نور الانوار) جمیل عفی عنہ

قعدہ میں بیٹھنے کی ہیئت

واذا رفع رأسہ من السجدۃ الثانیۃ فی الرکعۃ الثانیۃ افترش رجالہ الیسرٰی فجلس علیھا ونصب الیمنی نصبا و وجہ اصابعہ نحو القبلۃ ھکذا وصفت عائشۃؓ قعود رسول اللہ ﷺ فی الصلوٰۃ ووضع یدیہ علی فخذیہ وبسط اصابعہ وتشھد ویروی ذلک فی حدیث وائل ولان فیہ توجیہ اصابع یدیہ الی القبلۃ وان کانت امرأۃ جلست علی الیتھا الیسرٰی واخرجت رجلیھا من الجانب الایمن لانہ أستر لھا

ترجمہ۔۔۔ اور جب دوسری رکعت کے دوسرے سجدے سے اپنا سر اٹھائے تو اپنا بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے اور دایاں بالکل کھڑا رکھے۔ اور اپنی انگلیوں کو قبلہ کی جانب متوجہ کرے۔ اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے نماز میں رسول اللہ ﷺ کا بیٹھنا بیان فرمایا ہے اور اپنے دونوں ہاتھ دونوں رانوں پر رکھے۔ اور اپنے ہاتھوں کی انگلیاں بچھا دے اور تشہد پڑھے یہ حدیث وائل میں روایت کیا جاتا ہے اور اس لئے کہ اس میں ہاتھوں کی انگلیوں کا قبلہ کی طرف متوجہ کرنا پایا جاتا ہے اور اگر وہ عورت ہو تو وہ اپنے بائیں چوتڑ پر بیٹھے اور اپنے دونوں پاؤں دائیں جانب نکال دے کیونکہ یہ صورت عورت کے لئے زیادہ ساتر ہے۔

تشریح...... اس عبارت میں قعدہ کی کیفیت کا بیان ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ جب دوسری رکعت کے دوسرے سجدے سے اپنا سر اٹھائے تو بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جائے اور دایاں کھڑا کرے۔ اور دونوں پیروں کی انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ کرے۔
دلیل یہ ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور ﷺ کا نماز میں بیٹھنا اسی کیفیت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اپنے دونوں ہاتھ دونوں رانوں پر رکھے اور انگلیاں بچھادے۔ یعنی جس حال پر ہیں چھوڑ دے باہم نہ ملائے اور ہاتھوں سے گھٹنے نہ پکڑے دلیل یہ ہے کہ حضرت وائل بن حجر کی حدیث میں اسی کیفیت کے ساتھ روایت کیا گیا ہے اور عقلی دلیل یہ ہے کہ اس طرح ہاتھوں کی انگلیوں کا قبلہ رخ متوجہ کرنا حاصل ہو جاتا ہے اور جہاں تک ہر عضو کو قبلہ رخ متوجہ کرنا ممکن ہو اولیٰ ہے۔
صاحب عنایہ نے لکھا ہے کہ امام محمدؒ نے حضور ﷺ کی ایک حدیث بیان کی ہے جس میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے تھے لہٰذا ہم بھی اسی طرح کریں گے اور یہی قول ابو حنیفہ کا ہے اور ہمارا ہے۔ اور اس اشارہ کی تفصیل یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی خنصر اور بنصر کو بند کرے اور وسطیٰ اور انگوٹھے کا حلقہ بنائے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے۔ امام حلوائیؒ سے مروی ہے کہ تشہد میں لاالٰہ کے وقت اپنی شہادت کی انگلی کھڑی کرے اور الا اللہ کے وقت پست کردے تا کہ انگلی کھڑی کرنا غیر اللہ سے نفی اور پست کرنا اللہ کے لئے اثبات ہو جائے۔
اور عورت کے بیٹھنے کی کیفیت یہ ہے کہ وہ اپنے بائیں سرین پر بیٹھ جائے اور دونوں پاؤں دائیں طرف نکالدے کیونکہ یہ وضع عورت کے لئے زیادہ پردہ پوش ہے۔

تشہد ابن مسعودؓ

و التشهد التحيات لله و الصلوات و الطيبات السلام عليك ايها النبى...... الى اخره، وهذا تشهد عبد الله بن مسعودؓ فانه قال اخذ رسول الله ﷺ بيدى و علمنى التشهد كما كان يعلمنى سورة من القران وقال قل التحيات لله الى اخره والأخذ بهذا اولىٰ من الاخذ بتشهد ابن عباسؓ وهو قوله التحيات المباركات الصلوات الطيبات لله سلام عليك ايها النبى و رحمة الله و بركاته سلام علينا الى اخره لان فيه الامر واقله الاستحباب والالف واللام وهما للاستغراق و زيادة الواو وهى لتجديد الكلام كما فى التقسم وتاكيد التعليم

ترجمہ...... اور تشہد التحيات لله والصلوات والطيبات السلام عليك ايها النبى...... الخ اور یہ تشہد عبداللہ بن مسعودؓ کا ہے اس لئے کہ ابن مسعودؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھ کو تشہد کی اس طرح تعلیم دی جس طرح قرآن کی کسی سورت کی تعلیم دیا کرتے تھے اور فرمایا کہ کہہ التحيات لله...... الى اخره اور اس تشہد کا لینا اولیٰ ہے بہ نسبت ابن عباسؓ کے تشہد کے اور وہ یہ ہے التحيات المباركات الصلوات الطيبات لله سلام عليك ايها النبى ورحمة الله وبركاته سلام علينا...... الى اخره کیونکہ اس تشہد کے پڑھنے میں صیغہ امر وارد ہوا ہے اور امر کا کمتر درجہ استحباب ہے۔ اور الف اور لام وہ دونوں استغراق کے لئے ہیں اور واؤ کی زیادتی اور وہ تجدید کلام کے لئے ہے جیسے قسم میں اور تعلیم کی تاکید ہے۔

تشریح...... اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ قعدۂ اولیٰ میں اصح قول کی بنا پر تشہد پڑھنا واجب ہے۔ اور تشہد کی الفاظ میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تشہد ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تشہد ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا تشہد ہے اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تشہد ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تشہد ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا تشہد ہے۔ اور ان کے علاوہ دوسرے صحابہ سے بھی تشہد منقول ہے علماء احناف نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تشہد کو اختیار کیا ہے اور امام شافعیؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تشہد کو اختیار کیا ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا تشہد یہ ہے،

التحیات المبارکات الصلوات الطیبات للہ سلام علیک ایها النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ سلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین اشهد ان لاالہ الااللہ واشهد ان محمدا رسول اللہ

اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا تشہد یہ ہے،

التحیات للہ والصلوات والطیبات السلام علیک ایها النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین اشهد ان لاالہ الا اللہ واشهد ان محمدا عبدہ ورسولہٗ

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تشہد کو اختیار کرنا چند وجوہ سے اولیٰ ہے،

۱) ابن عباسؓ کے تشہد میں کلمہ مبارکات زیادہ ہے جو ابن مسعودؓ کے تشہد میں نہیں ہے۔

۲) ابن عباسؓ کا تشہد قرآن پاک کے موافق ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تَحِیَّةً مِّنْ عِنْدِ اللہِ مُبٰرَکَةً طَیِّبَةً

۳) ابن عباسؓ نے لفظ سلام بغیر الف لام کے ذکر کیا اور قرآن پاک میں بھی اکثر تسلیمات بغیر الف لام کے مذکور ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ طِبْتُمْ، قَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ، وَسَلٰمٌ عَلَیْهِ یَوْمَ وُلِدَ اور اشرف کلام وہ ہی شمار ہوتا ہے جو قرآن کے موافق ہو۔

۴) ابن عباسؓ کا تشہد ابن مسعودؓ کی خبر سے مؤخر ہے کیوں کہ ابن عباس صغیر السن اور ابن مسعودؓ شیوخ میں سے تھے اور یہ بات ظاہر ہے کہ مؤخر مقدم کے لئے ناسخ ہوتا ہے علماء احناف نے کہا کہ ابن مسعودؓ کے تشہد کو اختیار کرنا بھی چند وجوہ سے اولیٰ ہے،

۱۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ کو تشہد کی تعلیم دی اور فرمایا قل التحیات للہ، اس حدیث میں حضور ﷺ کا قول قل امر کا صیغہ ہے اور امر کا کمتر درجہ استحباب ہے۔

۲۔ السلام علیک الف لام کے ساتھ مفید استغراق ہے۔

۳۔ والصلوات واو کے ساتھ تجدید کلام کے لئے ہے

۴۔ حضور ﷺ کا ہاتھ پکڑنا اور سورت قرآن کی طرح تعلیم دینا مفید تاکید ہے

۵۔ التحیات صلوٰۃ اور غیر صلوٰۃ سب کو عام ہے لیکن جب ابن عباسؓ کے تشہد میں الصلوات بغیر واؤ کے کہا تو یہ تخصیص ہوگئی اور اس التحیات سے مراد فقط صلوات ہوئیں اور جب والصلوات واؤ کے ساتھ کہا جیسا کہ ابن مسعودؓ کے تشہد میں ہے تو اول یعنی التحیات عام رہا اور چونکہ کلمہ عام سے ثنا کرنا ابلغ ہے اس لئے یہی اولیٰ ہوگا۔

۶۔ عامۃ المحدثین نے کہا کہ ابن مسعودؓ کا تشہد اسناد کے اعتبار سے احسن ہے۔

۷۔ عام صحابہؓ نے بھی ابن مسعودؓ کے تشہد کو اختیار کیا ہے چنانچہ مروی ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ نے منبر رسول اللہ ﷺ پر ابن مسعود کے تشہد کی تعلیم دی۔ اسی طرح سلمان فارسیؓ جابر اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے

۸۔ ابن مسعودؓ کا تشہد لفظ عبدہ پر مشتمل ہے کیونکہ ابن مسعودؓ کے تشہد میں ہے و اشهد ان محمد اعبده و رسوله اور لفظ عبد کمال حال پر دلالت کرتا ہے کیونکہ واقعہ معراج جس کے ذریعہ آپ کے اعلیٰ مرتبہ کو بیان کیا گیا ہے اس میں آپ کو عبد کے ساتھ ذکر فرمایا چنانچہ ارشاد ہے سبحان الذی اسرٰی بعبده

۹۔ ابن مسعودؓ کا تشہد ضبط کے اعتبار سے بھی احسن ہے چنانچہ امام محمدؒ سے مروی ہے،

انه قال اخذ ابو يوسف رحمة الله عليه بيدى وعلمنى التشهد وقال اخذ ابو حنيفةؒ رحمة الله عليه بيدى فعلمنى التشهد وقال ابو حنيفةؒ رحمة الله اخذ حماد بيدى فعلمنى التشهد وقال حماد اخذ ابراهيم بيدى فعلمنى التشهد وقال ابراهيم اخذ علقمةؒ بيدى وعلمنى التشهد وقال علقمةؒ اخذ ابن مسعودؓ بيدى وعلمنى التشهد وقال ابن مسعودؓ اخذ رسول الله ﷺ بيدى وعلمنى التشهد وقال رسول الله ﷺ اخذ جبريل عليه السلام بيدى فعلمنى التشهد۔

یعنی امام محمدؒ نے کہا کہ ابو یوسفؒ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھ کو تشہد کی تعلیم دی اور ابو یوسفؒ نے کہا کہ ابو حنیفہؒ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ کو تشہد کی تعلیم دی اور ابو حنیفہؒ نے کہا کہ حمادؒ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ کو تشہد کی تعلیم دی اور حمادؒ نے کہا کہ ابراہیم نخعیؒ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ کو تشہد کی تعلیم دی اور ابراہیم نخعیؒ نے کہا کہ علقمہؒ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ کو تشہد کی تعلیم دی اور علقمہؒ نے کہا ابن مسعودؓ نے میرا ہاتھ پکڑ مجھ کو تشہد کی تعلیم اور ابن مسعودؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ کو تشہد کی تعلیم دی اور رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ جبرائیلؑ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ کو تشہد کی تعلیم دی۔

امام شافعیؒ کی وجوہ اولویت کا جواب یہ ہے کہ اگر کسی کلمہ کی زیادتی مرجح ہے تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا تشہد اولیٰ ہوگا کیونکہ اس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی زیادتی ہے اور ابن مسعودؓ کے تشہد میں واو اور الف لام اور لفظ عبدہ زائد ہے لہٰذا ابن مسعودؓ کا تشہد اولیٰ ہوگا۔ دوسری وجہ اولویت کا جواب یہ ہے کہ قرآن کے موافق ہونا مرجح نہیں ہے اس لئے کہ قعدہ میں قرآن پڑھنا مکروہ ہے پس قرأت قرآن کی موافقت کیسے مستحب ہوگی۔ تیسری وجہ کا جواب یہ ہے کہ لفظ سلام جس طرح بغیر الف لام کے قرآن میں آیا ہے اسی طرح الف لام کے ساتھ بھی مذکور ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا والسلام علی یوم ولدت والسلام علی من اتبع الهدی۔ چوتھی وجہ کا جواب یہ ہے کہ تشہد کے بارے میں حدیث ابن عباسؓ مؤخر ہے ایسا نہیں ہے بلکہ ابن مسعودؓ کی حدیث مؤخر ہے چنانچہ امام کرخیؒ سے مروی ہے کہ ابن مسعودؓ نے کہا کہ ابتداء اسلام میں التحیات الطاهرات المبارکات الزاکیات کہا کرتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ ابن مسعودؓ کی خبر ابن عباسؓ کی خبر سے مؤخر ہے۔

فوائد...... التحیات کے معنی عبادات قولیہ صلوات عبادات بدنیہ الطیبات عبادات مالیہ السلام علیک یہ اس سلام کی حکایت ہے جو شب معراج میں حضور ﷺ کی تین چیزوں کے ساتھ ثناء کرنے کے جواب میں فرمایا تھا۔ چنانچہ السلام التحیات کے مقابلہ میں ہے اور رحمت صلوات

یعنی حضور ﷺ ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور سورت پڑھتے تھے اور آخر کی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھا کرتے تھے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ بیان افضل ہے یعنی آخر کی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنا افضل اور مستحب ہے چنانچہ اگر آخر کی دو رکعتوں میں قرأت فاتحہ اور تسبیح دونوں کو ترک کر دیا تو کوئی حرج نہیں اور اس پر سجدہ سہو بھی واجب نہیں ہوگا لیکن قرأت افضل ہے یہی صحیح روایت ہے۔

حسن بن زیادؒ نے امام اعظمؒ سے ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے کہ اخریین میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے چنانچہ اگر سہواً ترک کر دیا تو اس پر سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ اخریین میں قیام مقصود ہے لہٰذا اس کو ذکر اور قرأت دونوں سے خالی رکھنا مکروہ ہے جیسے رکوع اور سجود کو ذکر سے خالی رکھنا مکروہ ہے۔ اور قول صحیح کی دلیل یہ ہے کہ قرأت صرف پہلی دو رکعتوں میں فرض ہے ان شاء اللہ اس کی تفصیل بعد میں آئے گی فانتظر وانی معکم من المنتظرین۔

قعدۂ اخیرہ قعدۂ اولیٰ کی مانند ہے

وجلس في الأخيرة كما جلس في الأولىٰ لما روينا من حديث وائل وعائشةؓ ولأنها أشق على البدن فكان أولى من التورك الذي يميل إليه مالك والذي يروى أنه عليه السلام قعد متوركا ضعفه الطحاوي أو يحمل على حالة الكبر

ترجمہ ...... اور قعدۂ اخیرہ میں اسی طرح بیٹھے جس طرح قعدۂ اولیٰ میں بیٹھا تھا اس حدیث کی وجہ سے جو ہم روایت کر چکے یعنی حدیث وائل بن حجر اور عائشہؓ اور اس لئے کہ یہ ہیئت بدن پر زیادہ شاق ہے پس یہ ہیئت اولیٰ ہوگی بہ نسبت اس تورک کے جس کی طرف امام مالکؒ میلان کرتے ہیں اور وہ حدیث جو تورک میں روایت کی جاتی کہ حضور ﷺ متورکا بیٹھے اس کو امام طحاوی نے ضعیف کہا ہے یا محمول کیا جائے بزرگی کی حالت پر۔

تشریح ...... فرمایا کہ قعدۂ اخیرہ میں اسی ہیئت پر بیٹھے جس ہیئت پر قعدہ اولیٰ میں بیٹھا تھا اور امام مالکؒ نے کہا دونوں قعدوں میں متورکاً بیٹھنا مسنون ہے اور تورک یہ ہے کہ کولے پر بیٹھ کر دونوں پاؤں دائیں طرف نکالے جیسے عورتیں بیٹھا کرتی ہیں۔ حضرت امام مالکؒ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ ان النبی ﷺ قعد متورکا۔ اور ہماری دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم وائل بن حجر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کر چکے چنانچہ اس بیٹھنے کے بعض حالات کا بیان تو حدیث وائل میں تھا اور ہیئت یعنی بایاں پاؤں بچھانا اور دایاں کھڑا رکھنا حدیث عائشہؓ میں گذرا اور دوسری دلیل یہ ہے کہ اس ہیئت کے ساتھ بیٹھنا بدن پر زیادہ شاق ہے اور عبادت میں نفس پر جو زیادہ شاق ہو وہ افضل ہے اس لئے ہم نے کہا کہ اس ہیئت کے ساتھ بیٹھنا افضل ہے۔ رہی وہ حدیث جس میں حضور ﷺ کا متورکاً بیٹھنا مروی ہے تو اس کو امام طحاویؒ نے ضعیف کہا ہے کیونکہ یہ حدیث عبدالحمید ابن جعفر کے طریق سے مروی ہے اور عبدالحمید بن جعفر ناقلین حدیث کے نزدیک ضعیف ہیں صاحب ہدایہ نے کہا کہ اگر اس حدیث کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو جواب یہ ہوگا کہ اس تورک کی بیٹھک کو بزرگی کی حالت پر محمول کیا جائے گا یعنی سن شریف جب بڑا ہوگیا تھا تو آپ نے یہ ہیئت اختیار کی۔

تشہد کی شرعی حیثیت، اقوالِ فقہاء و دلائل

ويتشهد وهو واجب عندنا صلى على النبى عليه السلام وهو ليس بفريضة عندنا خلافا للشافعیؒ فيهما لقوله عليه السلام اذا قلت هذا اوفعلت فقد تمت صلاتک ان شئت ان تقوم فقم و ان شئت ان تقعد فاقعد والصلوٰة على النبى عليه السلام خارج الصلوٰة واجبة اما مرة واحدة كما قاله الكرخى او كلما ذكر النبى عليه السلام كما اختاره الطحاوى فكفينا مؤنة الامر والفرض المروى فى التشهد هو التقدير

ترجمہ...... اور تشہد پڑھے اور یہ ہمارے نزدیک واجب ہے اور حضور ﷺ پر درود بھیجے اور یہ ہمارے نزدیک فرض نہیں ہے اور امام شافعیؒ نے دونوں میں اختلاف کیا ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تو نے یہ کہا یا یہ کیا تو تیری نماز پوری ہوگئی۔ اگر تو کھڑا ہونا چاہے تو کھڑا ہو جا اور اگر بیٹھنا چاہے تو بیٹھ جا۔ اور حضور ﷺ پر درود بھیجنا نماز سے باہر واجب ہے یا تو ایک مرتبہ جیسا کہ امام کرخیؒ نے کہا ہے یا ہر بار واجب ہے جب حضور ﷺ کا ذکر کیا جائے جیسا کہ امام طحاویؒ نے اختیار کیا ہے پس امر کا بارِ عظیم ہم پر سے کفایت کیا گیا اور فرض جو تشہد کے حق میں مروی ہے وہ تقدیر کے معنی میں ہے۔

تشریح...... قعدۂ اخیرہ میں تشہد پڑھنا ہمارے نزدیک واجب ہے اور درود شریف پڑھنا فرض نہیں بلکہ مسنون ہے۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک تشہد پڑھنا اور حضور ﷺ پر درود بھیجنا دونوں فرض ہیں۔

قرأت تشہد کے فرض ہونے پر امام شافعیؒ نے حدیث ابنِ مسعودؓ رضی اللہ عنہ سے استدلال کیا ہے انه قال كنا نقول قبل ان يفترض التشهد السلام على الله السلام على جبريل وميكائيل فقال النبى صلى الله عليه وسلم قولوا التحيات لله الخ پھر آخر میں فرمایا اذا قلت هذا او فعلت هذا فقد تمت صلوتک اس حدیث سے تین طریقوں سے استدلال کیا گیا ہے اول یہ کہ حضور ﷺ نے فرمایا قبل ان يفترض التشهد یعنی تشہد پر فرض کا اطلاق کیا پس اس سے ثابت ہوا کہ تشہد فرض ہے دوم یہ کہ آپ نے فرمایا قولوا التحيات لله، اور قولوا امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کے لئے آتا ہے پس معلوم ہوا کہ التحیات کا پڑھنا واجب ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک واجب اور فرض دونوں ایک ہیں اس لئے جب التحیات کا پڑھنا واجب ہوا تو فرض بھی ہوگا۔ سوم کہ حضور ﷺ نے نماز کا پورا ہونا معلق کیا ہے اس سے ثابت ہوا کہ نماز بغیر تشہد کے پوری نہیں ہوتی اور جس کے بغیر نماز پوری نہ ہو وہ فرض ہوتا ہے پس معلوم ہوا کہ تشہد کا پڑھنا فرض ہے۔

ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ قبل ان يفترض التشهد میں فرض کے لغوی معنی مراد ہیں یعنی تقدیر۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فنصف ما فرضتم ’یعنی قدرتم‘ اب مطلب یہ ہوگا کہ تشہد مقدر ہونے سے پہلے ہم یہ کہا کرتے تھے والسلام على الله الخ پس اب تشہد پر فرض کا اطلاق کرنا لازم نہیں آیا۔

دوسرے طریقہ استدلال کا جواب یہ ہے کہ یہاں صیغہ امر تعلیم و تلقین کے لئے ہے لہٰذا اس سے فرضیت ثابت نہیں ہوگی۔

تیسرے طریقہ استدلال کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں نماز کا پورا ہونا قرأت تشہد اور قعدۂ اخیرہ ان دونوں میں سے ایک پر معلق کیا گیا ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ نماز کا پورا ہونا قعدۂ اخیرہ پر معلق ہے کیونکہ اگر قعدۂ اخیر چھوڑ دیا تو نماز نہیں ہوگی پس جب نماز کا پورا

ہونا قعدۂ اخیرہ پر معلق ہو گیا تو قرأت تشہد پر معلق نہیں ہوگا تا کہ تخییر متحقق ہو جائے۔

امام شافعیؒ نے درود شریف کے فرض ہونے پر باری تعالیٰ کے قول یاایہا الذین امنوا صلوا علیہ سے استدلال کیا ہے۔ بایں طور صلوا امر کا صیغہ ہے اور امر کا موجب وجوب ہے اور خارج صلوہ درود پڑھنا واجب نہیں پس ثابت ہوا کہ نماز کے اندر درود پڑھنا واجب ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ لاصلوٰة لمن لم یصل علی فی صلوٰتہ یعنی جس شخص نے اپنی نماز میں میرے درود نہیں بھیجا اس کی نماز نہیں ہوئی۔ اور ظاہر ہے کہ نماز کا نہ ہونا ترک فرض کی وجہ سے ہوتا ہے نہ کہ ترک سنت کی وجہ سے پس ثابت ہوا درود پڑھنا فرض ہے۔

صلوٰة علی النبی کے فرض نہ ہونے پر ہمارے علماء نے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے اس طور پر ابن مسعودؓ کو تشہد کی تعلیم دینے کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا اذا قلت هذا او فعلت هذا فقد تمت صلوٰتک یعنی حضور ﷺ نے نماز پورا ہونا قرأت تشہد اور قعدۂ اخیرہ ان دونوں میں سے ایک پر معلق کیا ہے پس جس شخص نے صلاۃ علی النبی پر معلق کیا اس نے نص حدیث ابن مسعودؓ کی مخالفت کی۔

اور امام شافعیؒ کا یہ کہنا کہ نماز سے باہر درود بھیجنا واجب نہیں ہمیں یہ بات تسلیم نہیں کیونکہ امام کرخیؒ نے ذکر کیا کہ زندگی میں ایک بار حضور ﷺ پر نماز سے باہر دورد بھیجنا واجب ہے اس لئے کہ صلوا امر کا صیغہ ہے اور امر تکرار کا تقاضا نہیں کرتا۔ اور امام طحاوی نے فرمایا کہ جب بھی حضور ﷺ کا ذکر کرے یا آپؐ کا ذکر سنے تو درود بھیجنا واجب ہے لیکن بار بار درود بھیجنا اس لئے واجب نہیں کہ امر تکرار کا تقاضا کرتا ہے بلکہ اس لئے کہ درود کا وجوب سبب متکرر کے ساتھ متعلق ہے اور وہ سبب متکرر ذکر نبی ہے پس تکرار ذکر سے درود مکرر ہو گیا۔ جیسا کہ اوقات کے تکرار سے نماز کا وجوب مکرر ہو جاتا ہے بہر حال جب نماز سے باہر دورد بھیجنا واجب ہو گیا تو صلوا علیہ صیغۂ امر پر عمل ہو گیا اور نماز کے اندر درود کے واجب ہونے کو ثابت کرنے کی چنداں ضرورت نہیں رہی۔

امام شافعیؒ کی پیش کردہ حدیث لاصلوٰة لمن لم یصل الخ کا جواب یہ ہے کہ حدیث نفی کمال پر محمول ہے یعنی بغیر درود کے نماز کامل نہیں ہوتی جیسا کہ لاصلوٰة لجار المسجد الافی المسجد میں نفی کمال پر محمول ہے اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جب اعرابی کو فرائض نماز کی تعلیم دی۔ تو اس وقت آپ نے صلوٰة علی النبی کا ذکر نہیں کیا اگر صلوٰة علی النبی فرض ہوتا تو آپ اس کو ضرور ذکر فرماتے۔

فوائد...... رہی یہ بات کہ آپ پر کس کیفیت کے ساتھ درود بھیجے تو اس بارے میں عیسی بن ابانؒ نے کتاب الحج علی اہل المدینہ میں ذکر کیا کہ امام سے صلوٰة النبی کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ یہ کہئے اللّٰهم صلی علی محمد وعلی ال محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم وعلیٰ اٰل ابراھیم انک حمید مجید صاحب کفایہ نے لکھا کہ یہ درود کعب بن عجرہؓ کی حدیث کے موافق ہے۔

حضرت علیؓ، ابن عباسؓ اور جابر رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ سے کہا کہ ہم کو آپ پر سلام بھیجنے کا طریقہ تو معلوم ہے لیکن درود کس طرح بھیجیں پس آپ ﷺ نے فرمایا یوں کہو اللّٰهم صلی علیٰ محمد واعلیٰ ال محمد وبارک علیٰ محمد وعلی ال محمد

وارحم محمد او اٰل محمد کماصلیت وبارکت وترحمت علی ابراھیم وعلیٰ اٰل ابراھیم فی العالمین انک حمید مجید۔

ماثورہ ومنقولہ دعاؤں کے پڑھنے کا حکم

قال ودعا بما یشبہ الفاظ القراٰن والادعیۃ المأثورۃ لما روینا من حدیث ابن مسعودؓ قال لہ النبی علیہ السلام ثم اختر من الدعا اطیبھا و اعجبھا الیک ویبدأ بالصلاۃ علی النبی علیہ السلام لیکون اقرب الی الاجابۃ

ترجمہ۔۔۔۔ مصنف نے کہا اور دعا کرے ایسے الفاظ کے ساتھ جو الفاظ قرآن اور ماثورہ دعاؤں کے مشابہ ہوں اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی یعنی حدیث ابن مسعودؓ کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ پھر اختیار کر جو دعا تجھ کو زیادہ پاکیزہ اور پسندیدہ ہو اور حضور ﷺ پر درود کے ساتھ شروع کرے تاکہ قبولیت سے اقرب ہو۔

تشریح۔۔۔۔ مسئلہ قعدۂ اخیرہ میں صلوٰۃ علی النبی کے بعد عربی زبان میں دعا کرے کیونکہ نماز میں سوائے عربی زبان کے دوسری زبان میں دعا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ پھر واضح ہو کہ دعا کر کے الفاظ قرآن پاک کے الفاظ کے مشابہ ہوں مثلاً باری تعالیٰ کا قول قل رب اغفرلی ولوالدی ولمن دخل بیتی مؤمنا وللمؤ منین والمؤمنات یوم یقوم الحساب' رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ ومن ذریتی' ربنا اغفرلنا ولا خواننا الذین سبقونا بالایمان الایۃ' ربنا ظلمنا انفسنا الآیۃ' ربنا انک من تدخل النار فقد اخزیتہ الآیۃ' یا ان دعاؤں کے مشابہ ہو جو دعائیں حضور ﷺ سے مروی ہیں مثلاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہ قال لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علمنی یا رسول اللہ دعاء ادعو بہ فی صلوٰتی فقال قل اللّٰھم انی ظلمت نفسی ظلما کثیرا فانہ لایغفر الذنوب الا انت فاغفرلی مغفرۃ من عندک انک انت الغفور الرحیم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان الفاظ کے ساتھ دعاء کرتے تھے اللّٰھم انی اسئلک من الخیر کلھا ماعلمت منہ ومالم اعلم و اعوذبک من الشر کلہ ماعلمت ومالم اعلم' دلیل حدیث ابن مسعودؓ یہ ہے یعنی اذا کان اخر الصلوٰۃ دعا لنفسہ بماشاء پھر اس حدیث کے اخیر میں ہے کہ حضور ﷺ نے ابن مسعودؓ سے کہا تھا ثم اختر من الدعاء اعجبہ و اطیبہ الیک، اعجبہ اور اطیبہ میں ضمیر مذکر سنن کی روایت کے موافق ہے لیکن ہدایہ کے بعض نسخوں میں اعجبھا و اطیبھا ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے اور اگر ضمیر مؤنث کے ساتھ صحیح قرار دیا جائے تو دعوات یا کلمات کے ساتھ تاویل کی جائے گی۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ پہلے حضورؐ پر درود بھیجے پھر دعاء کرے تاکہ قبولیت سے اقرب ہو۔ دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ کے حق میں دعا ضرور قبول ہوگی اور کریم سے یہ بات بعید ہے کہ بعض دعا کو قبول کرے اور بعض کو قبول نہ کرے پس وہ پوری ہی دعا کو قبول کرے گا۔

لوگوں کی کلام کے مشابہ ادعیہ سے اجتناب کرے

ولا یدعو بما یشبہ کلام الناس تحرزا عن الفساد و لھٰذا یأتی بالمأثور المحفوظ وما لا یستحیل سوالہ من العبادکقولہ اللّٰھم زوجنی فلانۃ یشبہ کلامھم وما یستحیل کقولہ اللّٰھم اغفرلی لیس من کلامھم وقولہ اللّٰھم ارزقنی من قبیل الاول لاستعمالھا فیما بین العباد یقال رزق الامیر الجیش

ترجمہ...... اور ایسے الفاظ کے ساتھ دعا نہ کرے جو لوگوں کے کلام سے مشابہ ہوں۔ فساد نماز سے بچنے کی وجہ سے اور اسی وجہ سے ماثورہ دعاؤں کو جو محفوظ ہیں پڑھے اور جس چیز کا مانگنا بندوں سے محال نہ ہو جیسے اس کا قول اللّٰهم زوجنی فلانة کلام الناس کے ہے اور جس چیز کا مانگنا محال ہو جیسے اس کا قول اللّٰهم اغفرلی تو یہ کلام الناس سے نہیں ہے۔ اور مصلی کا کہنا اللهم ارزقنی قسم اول ہے کیونکہ یہ کلام لوگوں میں باہم مستعمل ہے (چنانچہ) کہا جاتا ہے رزق الامیر الجیش امیر نے لشکر کو رزق دیا۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ صلوٰۃ علی النبی کے بعد ایسے الفاظ کے ساتھ دعا نہ کرے، جو لوگوں کے کلام سے مشابہ ہوں تا کہ نماز کا ادا کلام الناس کے متصل ہے فاسد ہونے سے محفوظ رہ سکے اسی وجہ سے کہا گیا کہ نمازی کو چاہئے کہ وہ ماثور دعائیں پڑھے۔

کلام الناس کے مشابہ دعا مفسد صلوٰۃ ہے: یہ بات واضح رہے کہ تشہد کے بعد اگر ایسے الفاظ کے ساتھ دعا کی جو کلام الناس کے مشابہ ہوں تو اس سے پوری نماز فاسد نہیں ہوگی کیونکہ تشہد کے بعد اگر حقیقۃً کلام الناس پایا جائے تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔ پس اگر کلام الناس کے مشابہ کلام ہو تو بدرجہ اولیٰ نماز فاسد نہیں ہوگی۔ یہ حکم صاحبین کے نزدیک تو ظاہر ہے اور اسی طرح امام صاحبؒ کے نزدیک فاسد نہیں ہوگی اس لئے کہ کلام الناس مصلی کی طرف سے خروج بصنعہ ہے لہٰذا اس سے اس کی نماز پوری ہو جائے گی اور وہ دعا جو تشہد کے بعد کلام الناس سے مشابہ الفاظ کے ساتھ کی گئی ہے وہ نماز سے باہر ہوگی نہ یہ کہ نماز کو فاسد کرنے والی ہوگی۔ (عنایہ)

کلام الناس کے مشابہ ہونے کا مفہوم: اب رہی یہ بات کہ کون سی دعاء کلام الناس سے مشابہت رکھتی ہے اور کون سی دعا کلام الناس سے مشابہت نہیں رکھتی تو اس کے بارے میں فرمایا کہ جس چیز کا بندوں سے مانگنا محال نہ ہو جیسے کہا کہ اللّٰهم زوجنی فلانة کلام الناس کے مشابہ ہے۔ اور جس کا بندوں سے مانگنا محال ہو جیسے کہا کہ اللّٰهم اغفرلی تو یہ کلام الناس کے مشابہ نہیں ہے اور مصلی نے کہا کہ اللّٰهم ارزقنی (الٰہی رزق دے) تو یہ از قسم اول ہے یعنی کلام الناس کے مشابہ ہے یہی صحیح ہے دلیل یہ ہے کہ لوگوں میں باہم مستعمل ہے چنانچہ کہا جاتا ہے رزق الامیر الجیش امیر نے لشکر کو رزق دیا۔

دائیں بائیں سلام پھیرنا، سلام میں نیت کس کی کرے

ثم یسلم عن یمینه فیقول السلام علیکم ورحمة الله وعن یسارہ مثل ذلک لماروی ابن مسعودؓ ان النبی علیه السلام کان یسلم عن یمینه حتی یری بیاض خده الایمن وعن یسارہ حتی یری بیاض خده الایسر ونوی بالتسلیم الاولیٰ من علی یمینه من الرجال والنساء والحفظة کذٰلک فی الثانیة، لان الاعمال بالنیات ولاینوی النساء فی زماننا ولا من لاشرکة له فی صلاته هو الصحیح لان الخطاب حظ الحاضرین

ترجمہ...... پھر اپنی دائیں طرف سلام پھیرے پھر کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ اور اپنی بائیں طرف اسی کے مثل کیونکہ ابن مسعودؓ نے روایت کی کہ حضور ﷺ اپنی دائیں طرف سلام پھیرتے تھے حتی کہ آپ کے دائیں رخسار کی سفیدی دیکھی جاتی تھی۔ اور بائیں جانب یہاں تک کہ آپ کے بائیں رخسار کی سفیدی دیکھی جاتی تھی اور پہلے سلام سے ان کی نیت کرے جو اس کے دائیں جانب ہوں خواہ مرد ہوں یا عورتیں اور ملائکہ حفظہ اور اسی طرح دوسرے سلام میں کیونکہ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور ہمارے زمانے میں (امام) عورتوں کی نیت نہ کرے نہ ایسے شخص کی نیت کرے جس کو اس کی نماز میں شرکت نہیں۔ یہی قول صحیح ہے کیونکہ خطاب حاضرین کا حصہ ہے۔

تشریح..... اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ تشہد صلوٰۃ علی النبی اور دعاء کے بعد دونوں طرف سلام پھیرے پہلے دائیں طرف پھر بائیں طرف اور سلام کے الفاظ یہ ہیں السلام علیکم ورحمۃ اللہ یعنی تم پر سلام اور اللہ کی رحمت ہو جمہور علماء اور کبار صحابہ حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کا یہی مذہب ہے دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یسلم عن یمینہ حتی یری بیاض خدہ الایمن وعن یسارہ حتی یری بیاض خدہ الایسر حضرت امام مالک نے کہا کہ صرف سامنے کی جانب ایک سلام ہے اور استدلال میں پیش کیا کہ حضرت عائشہ اور سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہما نے روایت کی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فعل کذلک یعنی حضور اقدس ﷺ نے روایت کی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فعل کذلک یعنی حضور اقدس ﷺ نے ایسا ہی کیا ہے یعنی نماز سے نکلنے کے لئے ایک سلام کیا۔

ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ کبار صحابہؓ کے قول کو اختیار کرنا اولیٰ ہے بہ نسبت امام مالکؒ کے قول کے۔ اور رہا حضرت عائشہؓ اور سہل بن سعد الساعدی کا ایک سلام روایت کرنا تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عورتوں کی صف میں رہتی تھیں اور سہل بچوں کی صف میں، پس ممکن ہے کہ ان دونوں نے دوسرا سلام نہ سنا ہو۔ درانحالیکہ مروی ہے کہ حضور ﷺ کا دوسرا سلام بہ نسبت اول کے پست آواز سے ہوتا تھا پس اس احتمال کے ہوتے ہوئے حدیث عائشہؓ اور سہلؓ قابل استدلال نہیں ہوگی۔

مصنفؒ نے کہا کہ پہلا سلام پھیرتے وقت ان لوگوں کی نیت کرے جو اس کے دائیں جانب ہیں خواہ مرد ہوں خواہ عورتیں اور ملائکہ حفظہ کی نیت کرے اور اسی طرح بائیں طرف سلام پھیرتے وقت ان کی نیت کرے جو اس کی بائیں طرف ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ اعمال کا مدار نیت پر ہے جیسا کہ حدیث میں ہے صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں عورتوں کی نیت نہ کرے کیونکہ اس زمانہ میں عورتوں کا جماعت میں حاضر ہونا باجماع متاخرین متروک ہے۔ اور جو مسلمان نماز میں شریک نہیں ان کی بھی نیت نہ کرے یہی صحیح قول ہے اور حاکم شہید نے کہا کہ تمام مردوں اور عورتوں کی نیت کرے خواہ نماز میں شریک ہوں یا شریک نہ ہوں تا کہ سلام تشہد یعنی السلام علینا وعلی عباداللہ الصالحین کے موافق ہو جائے اور قول صحیح کی دلیل یہ ہے کہ سلام تحیہ خطاب ہے اور خطاب حاضرین کا حصہ ہے اس لئے جو لوگ نماز میں شریک نہیں ان کو یہ سلام شامل نہیں ہوگا۔ اس کے برعکس سلام تشہد کہ وہ تحیۃ عامہ ہے اللہ کے تمام نیک بندوں کو خواہ حاضر ہوں خواہ غائب ہوں چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا اذا قال المصلی السلام علینا وعلی عباداللہ الصالحین اصاب کل عبدا صالح من اھل السماء و الارض ' یعنی نمازی جب السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین کہتا ہے تو وہ سماء اور اہل ارض میں سے اللہ کے ہر نیک بندے کو پہنچتا ہے۔

مقتدی سلام میں امام کی نیت بھی کرے گا یا نہیں، اقوالِ فقہاء

ولابد للمقتدی من نیۃ امامہ، فان کان الامام من الجانب الایمن او الایسر نواہ فیھم وان کان بحذائہ نواہ فی الاولیٰ عند ابی یوسف ترجیحا لجانب الایمن و عند محمد وھو روایۃ عن ابی حنیفۃ نواہ فیھما لانہ ذوحظ من الجانبین

ترجمہ..... اور مقتدی کے لئے امام کی نیت کرنا بھی ضروری ہے پس اگر دائیں طرف ہو یا بائیں طرف تو ان میں اس کی نیت کرے اور اگر

امام مقتدی کے مقابل ہو تو ابو یوسفؒ کے نزدیک مقتدی پہلے سلام میں امام کی نیت کرے دائیں جانب کو ترجیح دینے کی وجہ سے اور
کے نزدیک اور یہی روایت ہے ابو حنیفہؒ سے کہ مقتدی دونوں سلام میں امام کی نیت کرے۔ کیونکہ امام دونوں جانب سے حصہ والا ہے۔
تشریح ...... مسئلہ یہ ہے کہ سلام پھیرتے وقت مقتدی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے امام کی نیت کرے امام اگر دائیں طرف ہے تو
طرف سلام میں نیت کرے اور بائیں طرف ہے تو اس طرف کے سلام میں امام کی نیت کرے۔ اور اگر مقتدی ٹھیک امام کے پیچھے
محاذی ہو تو اس صورت میں امام ابو یوسف کا مذہب یہ ہے کہ مقتدی دائیں طرف کے سلام میں امام کی نیت کرے اور امام محمدؒ کا مذہب
ہے کہ دونوں طرف کے سلام میں امام کی نیت کرے یہی ایک روایت امام ابو حنیفہؒ سے ہے امام ابو یوسفؒ نے دائیں جانب کو ترجیح دی
کیونکہ شریعت میں تیامن ہی معتبر ہے اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ محاذی (مقابل) دونوں طرف سے حصہ پانے والا ہوتا ہے اس
دونوں طرف کے سلام میں امام کی نیت کر لی جائے تو بہتر ہے دوسری بات یہ ہے کہ تعارض کے وقت اگر جمع کرنا ممکن ہو تو ترجیح کی طرف
رجوع نہیں کیا جاتا اس لئے بھی امام محمدؒ نے کہا کہ دونوں طرف کے سلام میں نیت کرے۔

منفرد سلام میں کس کی نیت کرے

والمنفرد ینوی الحفظة لاغیر لانه لیس معه سواهم

ترجمہ ...... اور منفرد ملائکہ حفظہ کی نیت کرے فقط کیونکہ منفرد کے ساتھ سوائے حفظہ کے کوئی نہیں ہے۔
تشریح ...... مسئلہ اور دلیل واضح ہے۔

امام سلام میں ملائکہ اور مقتدیوں دونوں کی نیت کرے

والامام ینوی بالتسلیمتین هو الصحیح ولا ینوی فی الملائکة عددا محصورا لان الاخبار فی عددهم
اختلفت فاشبه الایمان بالانبیاء علیهم السلام ثم اصابة لفظة السلام واجبة عندنا ولیس بفرض خلافا
للشافعیؒ هو یتمسک بقوله علیه السلام تحریمها التکبیر و تحلیلها التسلیمولنا ماروینا من حدیث ابن
مسعودؓ والتخییر ینافی الفریضة والوجوب الا انا اثبتنا الوجوب بما رواه احتیاطا و بمثله لایثبت الفرضیة
والله اعلم

ترجمہ ...... اور امام دونوں سلاموں میں نیت کرے۔ یہی صحیح ہے اور ملائکہ میں معین عدد کی نیت نہ کرے کیونکہ اخبار و احادیث ملائکہ کی
تعداد میں مختلف ہیں پس یہ مسئلہ انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے کے مشابہ ہو گیا پھر ہمارے نزدیک لفظ السلام ادا کرنا واجب ہے اور فرض
نہیں ہے اس میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے امام شافعیؒ حضور ﷺ کے قول تحریمها التکبیر وتحلیلها التسلیم اسے استدلال کرتے
ہیں اور ہماری دلیل وہ ہے جو ہم نے حدیث ابن مسعودؓ روایت کی ہے اور اختیار دینا فرضیت اور وجوب کے منافی ہے۔ مگر ہم نے امام شافعیؒ
کی روایت کردہ حدیث کی وجہ سے احتیاطاً وجوب کو ثابت کیا اور اس جیسی حدیث سے فرضیت ثابت نہیں ہے واللہ اعلم۔
تشریح ...... مسئلہ امام اپنے دونوں سلام میں ملائکہ حفظہ اور قوم دونوں کی نیت کرے۔ یہی صحیح قول ہے بعض نے کہا کہ امام نیت کرے

نہیں ہے اور بعض نے کہا کہ ایک اسلام کے اندر نیت کرنا کافی ہے۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ ملائکہ میں کسی عدد معین کی نیت نہ کرے بلکہ مطلقاً ملائکہ کی نیت کرے کیونکہ ملائکہ حفظہ کی تعداد میں آثار واحادیث مختلف وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ ابن عباسؓ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہ قال مع کل مؤمن خسمة من الحفظة واحد من یمینه یکتب الحسنات واخر عن یساره یکتب السیئات واخر امامه یلقنه الخیرات واخر ورائه یدفع عنه المکاره واخر عند ناصیته یکتب مایصلی علی النبی صلی الله علیه وسلم یبلغه الی الرسول علیه السلام۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ ہر مومن کے ساتھ پانچ ملائکہ حفظہ رہتے ہیں ایک دائیں طرف جو نیکیاں لکھتا ہے، دوسرا بائیں طرف جو برائیاں لکھتا ہے، تیسرا اس کے آگے رہتا ہے جو اس کو نیکیوں کی تلقین کرتا ہے، چوتھا اس کے پیچھے جو اس سے مکارہ اور ناگوار چیزوں کو دور کرتا ہے، پانچواں اس کی پیشانی کے پاس رہتا ہے جو اس کو لکھ لیتا ہے جو حضور ﷺ پر درود بھیجا جاتا ہے اور اس کو اللہ کے رسول تک پہنچادیتا ہے ایک روایت میں ہے مع کل مومن ستون ملکا' اور ایک میں ہے مائة وستون' پس جب ملائکہ حفظہ کی تعداد متعین نہیں تو بغیر متعین کئے ان کی نیت کرے۔ اور یہ مسئلہ انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے کے مشابہ ہو گیا یعنی کوئی عدد معین کئے بغیر تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا ضروری ہے۔

نماز سے لفظ سلام کے ساتھ نکلنا واجب ہے: واضح ہو کہ ہمارے نزدیک لفظ السلام ادا کرنا واجب ہے فرض نہیں اور امام شافعیؒ کے نزدیک لفظ السلام کہنا رکن اور فرض ہے امام شافعیؒ کی دلیل حضور ﷺ کا قول تحریمها التکبیر وتحلیلها التسلیم ہے وجہ استدلال یہ ہے کہ جس طرح بغیر تکبیر کے نماز میں دخول صحیح نہیں اسی طرح بغیر سلام کے نماز سے نکلنا صحیح نہیں ہے اور سابق میں گذر چکا کہ تکبیر تحریمہ فرض ہے لہٰذا نماز سے نکلنے کے لئے السلام کہنا بھی فرض ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تشہد کی تعلیم دی تو آپ ﷺ نے ابن مسعودؓ سے کہا تھا اذاقلت هذا او فعلت هذافقدتمت صلوتک فان شئت ان تقوم فقم وان شئت ان تقعد فاقعد۔ اس حدیث سے اس طور پر استدلال ہوگا کہ اللہ کے برحق نبی ﷺ نے سلام سے نماز پوری ہونے کا حکم لگایا ہے اور اس کو بیٹھنے اور کھڑا ہونے کے درمیان اختیار دیا ہے اور اختیار دینا کسی چیز کے فرض ہونے اور واجب ہونے کے منافی ہے پس ثابت ہوا کہ مقدار تشہد کے بعد سلام وغیرہ کوئی چیز فرض نہیں ہے لیکن اگر کوئی اعتراض کرے کہ اختیار دینا تو وجوب کے بھی منافی ہے لہٰذا سلام کہنا واجب بھی نہ ہونا چاہئے تھا حالانکہ علماء احناف وجوب تسلیم کے قائل ہیں۔

جواب ہم نے وجوب کو احتیاطاً اس حدیث کی وجہ سے ثابت کیا ہے جس کو امام شافعیؒ نے روایت کیا یعنی تحریمها التکبیر الحدیث' اور یہ حدیث خبر واحد ہے اور خبر واحد سے وجوب تو ثابت ہو جاتا ہے مگر فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم، جمیل احمد عفی عنہ۔

فصل فی القراءة

ترجمہ...... (یہ) فصل قرأت کے (احکام کے بیان) میں ہے۔

تشریح...... مصنف علیہ الرحمۃ جب نماز کی صفت' اس کی کیفیت' اس کے ارکان' فرائض' واجبات اور اس کی سنتوں کے بیان سے فارغ

چونکہ قرأت کے احکام بکثرت ہیں اس لئے احکام قرأت کو علیحدہ فصل میں ذکر کیا گیا۔

جہری قرأت کن نمازوں میں ہوگی، منفرد کے لئے جہر کا حکم

ویجهر بالقراءة فی الفجر والرکعتین الاولیین من المغرب والعشاء ان کان اماما ویخفی فی الاخریین هو المتوارث وان کان منفرداً فهو مخیر ان شاء جهر واسمع نفسه لانه امام فی حق نفسه وان شاء خافت لانه لیس خلفه من یسمعه والافضل هو الجهر لیکون الاداء علی هیأة الجماعة

ترجمہ کہا کہ فجر میں اور مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں قرأت کے ساتھ جہر کرے اگر امام ہو اور باقی میں اخفاء کرے یہی متوارث ہے اور اگر تنہا نماز پڑھنے والا ہو تو اس کو اختیار ہے جی چاہے جہر کرے اور اپنی ذات کو سنائے کیونکہ وہ اپنی ذات کے حق میں امام ہے اور اگر چاہے اخفاء کرے کیونکہ اس کے پیچھے کوئی نہیں ہے جس کو سنائے گا اور افضل جہر ہے تاکہ منفرد کا ادا کرنا جماعت کی ہیئت پر ہو۔

تشریح مصنف نے کہا کہ مصلی اگر امام ہو تو فجر کی دونوں رکعتوں اور مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں قرأت کے ساتھ جہر کرنا واجب ہے اور باقی رکعتوں میں یعنی مغرب کی تیسری رکعت اور عشاء کی بعد والی دو رکعتوں میں اخفاء کرنا واجب ہے یہی حضور ﷺ اور تابعین سے منقول ہے۔

پھر جہری نماز میں جہر کرنا اور سری نماز میں اخفاء کرنا واجب ہے اور وجوب سنت سے ثابت ہے چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے انه قال فی کل صلوٰة یقرأ فما اسمعنا رسول الله صلی الله علیه وسلم اسمعنا کم وما اخفی عنا اخفینا علیکم یعنی ہر نماز میں قرأت قرآن کی جاتی ہے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں ہم کو سنایا ہم نے تم کو سنایا اور جہاں ہم پر مخفی رکھا ہم نے تم پر مخفی رکھا۔

حاصل یہ کہ جن نمازوں میں رسول اللہ نے جہر کیا۔ اور ہم کو سنا دیا ان میں ہم نے جہر کیا اور تم کو سنایا اور جن نمازوں میں آپ نے اخفاء کیا ان میں ہم نے بھی اخفاء کیا پس معلوم ہوا کہ جہری نمازوں میں جہر اور سری نمازوں میں اخفاء سنت سے ثابت ہے اور اجماع بھی دلیل ہے کیونکہ حضور ﷺ کے عہد مبارک سے لے کر آج تک جہری نمازوں میں جہر پر اور سری نمازوں میں اخفاء پر پوری امت کا اجماع ہے اور دلیل عقلی یہ ہے کہ قرأت نماز کے ارکان میں سے ایک رکن ہے پس جس طرح تمام ارکان کا اظہار ضروری ہے اسی طرح قرأت کا اظہار بھی ضروری ہوگا یہی وجہ ہے کہ ابتداء اسلام میں حضور ﷺ تمام نمازوں میں قرأت بالجہر فرماتے تھے۔ اور مشرکین قرآن سن کر آپ کو ایذا پہنچاتے اور بیہودہ بکتے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ولا تجهر بصلوٰتک ولا تخافت بها یعنی آپ نہ تمام نمازوں میں جہر فرمائیں اور نہ تمام نمازوں میں اخفاء کریں وابتغ بین ذلک سبیلا بلکہ ان دونوں کے درمیان راستہ اختیار کیجئے یعنی رات کی نمازوں میں جہر فرمایئے اور دن کی نمازوں میں اخفاء کیجئے پس اس کے بعد سے آپ نے ظہر اور عصر میں اخفاء کرنا شروع کیا۔ اس لئے کہ ان دونوں وقتوں میں کفار ایذاء رسانی کے درپے رہتے تھے۔

اور چونکہ کفار مغرب کے وقت کھانے میں مشغول رہتے اور عشاء اور فجر کے وقت خواب غفلت میں پڑے رہتے تھے۔ اس لئے ان اوقات میں آپ نے جہر فرمایا۔ اور جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں اس لئے جہر فرمایا کہ یہ نمازیں مدینہ منورہ میں قائم ہوئیں اور

کفار کو ایذا پہنچانے کی قوت نہیں تھی۔ اور یہ عذر یعنی کفار کا ایذا پہنچانا اگرچہ مسلمانوں کی کثرت کی وجہ سے زائل ہو گیا لیکن سری نمازوں میں اخفاء کا حکم باقی ہے کیونکہ بقاء حکم بقاء سبب سے مستغنی ہوتا ہے۔ جیسے طواف کے اندر رمل کا حکم باقی ہے اگرچہ سبب باقی نہیں رہا اور اگر مصلی تنہا پڑھنے والا ہو تو اس کو اختیار ہے جی چاہے جہر کرے اور اپنی ذات کو سنائے۔ کیونکہ وہ اپنی ذات کے حق میں امام ہے۔ اور جی چاہے تو اخفاء کرے کیونکہ اس کے ساتھ کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس کو سنادے اور رب اللہ جل شانہ تو وہ ہر خفی اور جلی کو سنتا ہے۔ حاصل یہ کہ منفرد پر نہ جہر واجب ہے اور نہ اخفاء البتہ جہر کرنا افضل ہے تا کہ منفرد کی نماز جماعت کی ہیئت پر واقع ہو۔

سری قراءت کن نمازوں میں ہوگی، امام مالکؒ کا نقطۂ نظر

ویخفیها الامام فی الظهر والعصر وان کان بعرفة لقوله علیه السلام صلوة النهار عجماء ای لیست فیها قراءة مسموعة وفی عرفة خلاف لمالک والحجة علیه مارویناه

ترجمہ ...... اور امام ظہر اور عصر میں اخفاء کرے اگرچہ عرفہ میں ہو اس لئے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ دن کی نماز گونگی ہے یعنی دن کی نمازوں میں ایسی قرأت نہیں جو سنی جائے۔ اور مقام عرفہ میں امام مالکؒ کا خلاف ہے۔ اور امام مالکؒ کے خلاف حجت وہ حدیث ہے جو ہم نے روایت کی۔

تشریح ...... ظہر اور عصر کی نماز میں امام پر اخفاء کرنا یعنی آہستہ قرأت کرنا واجب ہے پس جب جماعت کی حالت میں جو موجب جہر ہے اخفاء کرنا واجب ہے تو منفرد پر بدرجہ اولیٰ ظہر اور عصر میں اخفاء واجب ہوگا۔ دلیل حضور ﷺ کا قول صلوة النهار عجماء ہے یعنی دن کی نمازوں میں ایسی قراۃ نہیں جو سنی جائے۔

حاصل یہ ہے کہ دن کی نمازوں میں قرأت تو ہے مگر بالسر ہے نہ کہ بالجہر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس حدیث کی تفسیر یہ کی ہے لاقراءة فی هاتین الصلوتین یعنی دن کی دونوں نمازوں میں قرأت نہیں ہے نہ بالجہر اور نہ بالسر لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ تفسیر صحیح نہیں اور عدم صحت پر دلیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا بم عرفتم قرائة رسول الله صلی الله علیه وسلم فی صلاة الظهر والعصر قال باضطراب لحیته یعنی تم نے کس طرح پہچانا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر کی نماز میں قرأت کرتے تھے خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آپ ﷺ کی ریش مبارک کی جنبش سے۔ اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یسمعنا الاية والاٰیتین فی الظهر احیانا فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کو ظہر کی نماز میں کبھی کبھار ایک یا دو آیتیں سنا دیا کرتے تھے پس معلوم ہوا کہ دن کی نمازوں میں قرأت بالسر ہے ہمارے نزدیک ظہر اور عصر کی نماز میں علی الاطلاق اخفاء واجب ہے۔ یہ نمازیں مقام عرفہ میں پڑھی جائیں یا اس کے علاوہ میں۔ لیکن امام مالکؒ نے کہا کہ مقام عرفہ میں ان دونوں نمازوں میں جہر واجب ہے امام مالکؒ کی دلیل یہ ہے کہ عرفہ میں ایک مجمع کثیر کے ساتھ نماز ادا کی جاتی ہے لہٰذا جمعہ پر قیاس کرتے ہوئے یہاں بھی جہر کرے گا۔ مگر امام مالکؒ کے خلاف وہ حدیث حجت ہوگی جس کو ہم روایت کر چکے یعنی صلاة النهار عجماء۔

امام جمعہ اور عیدین میں جہراً اقرأت کرے، دن اور رات کے نوافل میں جہر کا حکم

ویجهر فی الجمعة والعیدین لورود النقل المستفیض بالجهر وفی التطوع بالنهار یخافت وفی اللیل یتخیر اعتبارا بالفرض فی حق المنفرد وهذا لانه مکمل له فیکون تبعا

ترجمہ...... اور امام جمعہ اور عیدین میں جہر کرے گا۔ کیونکہ جہر کے ساتھ نقل مشہور وارد ہے اور دن کی نفل میں اخفاء کرے اور رات میں اختیار ہے منفرد کے حق میں فرض پر قیاس کرتے ہوئے۔ اور یہ اس لئے کہ نفل فرض کو مکمل کرنے والا ہے تو نفل فرض کے تابع ہوگا۔

تشریح...... مسئلہ جمعہ اور عیدین کی نماز میں بھی امام پر جہر واجب ہے۔ دلیل احادیث مشہورہ ہیں چنانچہ بخاری کے علاوہ محدثین کی جماعت نے روایت کیا ہے انه صلی الله علیه وسلم کان یقرأ فی العیدین ویوم الجمعة سبح اسم ربک الاعلی و هل اتاک حدیث الغاشیة' اور مسلم کی روایت ہے عن ابی واقد اللیثی سألنی عمرؓ ما کان یقراء به رسول الله صلی الله علیه وسلم فی الاضحی والفطر فقال کان یقرأ بق والقران المجید واقتربت الساعة' یعنی ابو واقد سے مروی ہے کہ عمرؓ نے سوال کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی نماز میں کیا پڑھتے تھے فرمایا سورۂ ق اور سورۂ اقتربت الساعۃ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ جمعہ اور عیدین میں جہر فرماتے تھے۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ دن کے نفل میں اخفاء واجب ہے اور رات کے نفل میں اختیار ہے جہر کرے یا اخفاء کرے اور دلیل یہ ہے کہ نفل پڑھنے والے کو قیاس کیا گیا ہے مفترض منفرد پر یعنی تنہا فرض نماز ادا کرنے والے پر یعنی جیسے فرض میں منفرد کا حکم ہے کہ دن کے فرائض میں وجوباً اخفاء کرے گا' اور رات کی نمازوں میں اس کو اختیار ہے جی چاہے جہر کرے اور جی چاہے اخفاء کرے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نفل فرض کی تکمیل کرنے والا ہوتا ہے لہٰذا نفل فرض کے تابع ہوگا۔ اور رات کے فرضوں میں منفرد کو اختیار ہے کہ جہر کرے یا اخفاء کرے اسی طرح رات کے نفلوں میں بھی اختیار ہے۔ اور چونکہ دن کے فرضوں میں اخفاء متعین ہے لہٰذا دن کے نفلوں میں بھی اخفاء متعین ہوگا۔

جہری نماز کی قضا میں بھی جہراً قرأت ہوگی

ومن فاتته العشاء فصلاها بعد طلوع الشمس ان ام فیها جهر کما فعل رسول الله ﷺ حین قضی الفجر غداة لیلة التعریس بجماعة وان کان وحده خافت حتما ولایتخیر هو الصحیح لان الجهر یختص إما بالجماعة حتما أو بالوقت فی حق المنفرد علی وجه التخییر ولم یوجد احدهما

ترجمہ...... اور جس مرد کی عشاء فوت ہوگئی۔ پھر طلوع آفتاب کے بعد اس کو قضاء کیا تو اگر قضا میں امامت کی تو جہر کرے جیسے رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا جب کہ لیلۃ التعریس کی صبح کو (دن نکلے) فجر کی نماز کو جماعت کے ساتھ قضا فرمایا تھا اور اگر تنہا ہو تو وجوباً اخفاء کرے اور اس کو اختیار نہیں۔ یہی صحیح ہے کیونکہ جہر کرنا مختص ہے یا تو با جماعت ہو (کہ اس وقت جہر) واجب ہے یا وقت کے اندر ہو تو منفرد کے حق میں بطور اختیار ہے اور ان دونوں میں سے کوئی نہیں پایا گیا۔

تشریح ـــــ مسئلہ اگر کسی شخص کی عشاء یا مغرب اور فجر کی نماز فوت ہوگئی پھر اس کو آفتاب طلوع ہونے کے بعد قضا کیا تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو با جماعت قضاء کرے گا یا تنہا اگر جماعت کے ساتھ قضاء کی ہے تو جہر کرے اور دلیل یہ ہے کہ لیلۃ التعریس کے موقع پر جب آپ نے فجر کی نماز کو با جماعت قضاء کیا تو آپ نے جہر فرمایا تھا۔

حضور ﷺ نے قضاء نماز میں قرأت بالجہر فرمائی: مختصر واقعہ یہ ہے کہ سفر جہاد سے واپسی میں صحابہ کی درخواست پر آپ مع لشکر اترے اور حضرت بلالؓ نے جاگنے کی ذمہ داری لی مگر سو گئے اور اس وقت جاگے کہ ان پر دھوپ آئی پس حضور ﷺ نے وہاں سے کوچ کا حکم دیا اور آگے بڑھ کر جب آفتاب ایک نیزہ بلند ہوا تو اتر کر وضو کیا اور مؤذن کو اذان کا حکم دیا پھر دو رکعتیں پڑھیں یعنی سنت فجر، پھر نماز کی اقامت کہی گئی پھر نماز فجر پڑھی، جیسے روز پڑھا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ آپ ﷺ فجر کی نماز میں بالجہر قرأت کرتے تھے پس ثابت ہوا کہ آپ ﷺ نے لیلۃ التعریس کے موقعہ پر فجر کی نماز کو قرأت بالجہر کے ساتھ قضاء کیا۔

تنہا جہری نماز کی قضا کرتے وقت اخفاء واجب ہے: اور اگر مذکورہ قضاء نماز تنہا پڑھے، تو اخفاء واجب ہے اور اس کو جہر اور اخفاء کے درمیان اختیار نہیں ہے۔ یہی قول صحیح ہے شمس الائمہ السرخسی اور فخر الاسلام وغیرہ نے کہا کہ جہر افضل ہے۔ دلیل یہ ہے کہ قضاء ادا کے موافق ہوتی ہے اور رات کی نمازوں میں ادا منفرد کے حق میں اختیار ہے کہ جہر کرے یا اخفاء کرے اور جہر افضل ہے پس ایسے ہی قضا میں ہوگا۔ قول صحیح کی دلیل یہ ہے کہ جہر کرنا دو صورتوں میں مختص ہے ایک یہ کہ نماز با جماعت ہو دوم یہ کہ نماز وقت کے اندر ہو پہلی صورت میں جہر واجب ہے اور دوسری صورت میں منفرد کے حق میں بطور اختیار کے ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جہر اور اخفاء شرعی توقیف پر موقوف ہے اور ہم نے شریعت میں جہر دو طریقوں سے پایا ایک تو جہر واجب یہ اس وقت ہے کہ جماعت سے جہری نماز پڑھے خواہ ادا ہو یا قضاء ہو اور دوم جہر مخیّر یہ اس وقت ہے جب کہ منفرد وقت کے اندر جہری نماز پڑھے۔ اور یہاں جب کہ منفرد طلوع آفتاب کے بعد جہری نماز پڑھتا ہے تو دونوں باتوں میں سے کوئی بات نہیں پائی گئی یعنی نہ جماعت ہے اور نہ وقت اس لئے اس صورت میں نہ جہر واجب ہوگا اور نہ جہر مخیّر بلکہ اخفاء واجب ہوگا۔ جمیل احمد عفی عنہ

عشاء کی پہلی دو رکعت میں سورت ملائی فاتحہ نہیں پڑھی یا فاتحہ پڑھی اور سورت ساتھ نہیں ملائی تو اس کے لئے کیا حکم ہے

ومن قرأ في العشاء في الاوليين السورة ولم يقرأ بفاتحة الكتاب لم يعد في الاخريين وان قرأ الفاتحة ولم يزد عليها قرأ في الاخريين الفاتحة والسورة وجهر و هذا عند ابي حنيفة و محمدٌ و قال ابو يوسفؒ لايقضي واحدة منهما لان الواجب اذا فات عن وقته لايقضى الابدليل ولهما وهو الفرق بين الوجهين ان قراءة الفاتحة شرعت على وجه يترتب عليها السورة فلو قضاها في الاخريين يترتب الفاتحة على السورة وهذا خلاف الموضوع بخلاف ما اذا ترك السورة لانه امكن قضاؤها على الوجه المشروع ثم ذكرههنا مايدل على الوجوب وفي الاصل بلفظة الاستحباب لانها ان كانت مؤخرة فغير موصولة بالفاتحة فلم يمكن مراعاة موضوعها من كل وجه

ترجمہ ـــــ اور جس نے عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں سورت پڑھی اور سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی تو بعد کی دو رکعتوں میں فاتحہ کا اعادہ نہ کرے اور اگر اس

نے فاتحہ پڑھی اور اس پر زیادہ نہیں کیا تو بعد کی دو رکعتوں میں فاتحہ اور سورت دونوں پڑھے اور جہر کرے۔ اور یہ امام ابوحنیفہؒ اور محمدؒ کا ہے اور امام ابو یوسفؒ نے کہا کہ دونوں میں سے کسی کی قضاء نہ کرے اس لئے کہ واجب جب اپنے وقت سے فوت ہو گیا تو بغیر دلیل کے اس کی قضا نہیں کی جاتی۔ اور طرفین کی دلیل اور وہی دونوں صورتوں میں فرق بھی ہے کہ فاتحہ کا پڑھنا ایسے طور پر شروع ہوا ہے کہ سورت اس پر مرتب ہو پس اگر فاتحہ کی بعد کی دو رکعتوں میں قضاء کی تو سورت پر فاتحہ مرتب ہو جائے گی اور یہ خلاف موضوع ہے اس کے برخلاف جب (اولیین) میں سورت کو چھوڑا ہے کیونکہ سورت کی قضاء کرنا مشروع طریقہ پر ممکن ہے پھر یہاں وہ لفظ ذکر کیا جو وجوب پر دلالت کرتا ہے اور مبسوط میں لفظ استحباب کے ساتھ ہے اس لئے کہ صورت اگر مؤخر ہے تو وہ فاتحہ کے ساتھ متصل نہ رہی پس اس موضوع کی رعایت من کل وجہ ممکن نہیں ہے۔

تشریح ...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے عشاء کی پہلی دو رکعت میں سورت پڑھی مگر سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی۔ تو یہ شخص آخری رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کی قضا نہیں کرے گا اور اگر پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھی مگر سورۂ فاتحہ کے بعد کچھ اور نہیں پڑھا تو آخری رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور سورت دونوں پڑھے اور دونوں کے ساتھ جہر کرے۔ یہ مذکورہ حکم طرفین کے نزدیک ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ سورۂ فاتحہ اور سورت دونوں میں سے کسی کی قضاء نہ کرے۔

اور دلیل یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ اور سورت ان دونوں میں سے ہر ایک واجب ہے (یہی وجہ ہے کہ اگر ان دونوں میں سے کسی ایک کو ترک کر دیا تو سجدہ سہو واجب ہو گا خواہ شفع ثانی میں اس کی قضاء کرے یا قضاء نہ کرے) اور واجب جب اپنے وقت سے فوت ہو جائے تو اس کی قضا نہیں کی جاتی الا یہ کہ کوئی دلیل قضاء پائی جائے اور دلیل قضاء یہاں موجود نہیں اس لئے ان دونوں کی قضاء بھی نہیں ہوگی۔ دلیل اس لئے موجود نہیں کہ قضاء کہتے ہیں مالہ مشروعا کو ماعلیہ کی طرف پھیر دینا یعنی شریعت نے اس کے لئے جو حق مشروع کیا تھا اس کو اس کی طرف پھیر دینا جو اس پر واجب ہے اور یہاں حال یہ ہے کہ آخر کی دو رکعتوں میں سورت مشروع نہیں ہوئی پس جب آخری رکعتوں میں سورت اس کا حق بن کر مشروع نہیں ہوئی تو پہلی دو رکعتوں میں فوت شدہ سورت کی آخر کی دو رکعت میں قضاء نہیں کر سکتا۔

طرفین کی دلیل اور یہی دونوں صورتوں میں وجہ فرق بھی ہے کہ فاتحہ کا پڑھنا ایسے طور پر مشروع ہوا ہے کہ سورت اس پر مرتب ہو یعنی فاتحہ ایسے طور پر پڑھے کہ اس کے بعد میں سورت پڑھے پس پہلی صورت میں جب سورت پڑھی اور سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی اگر اخریین میں فاتحہ کی قضاء کی تو سورۂ فاتحہ سورت پر مرتب ہو گی یعنی صورت پہلے پڑھی گئی اور سورۂ فاتحہ بعد میں اور یہ حالت موضوع شرع کے خلاف ہے کیونکہ پہلے فاتحہ پھر سورت پڑھنا مشروع ہے۔ اور یہاں برعکس ہو گیا اس لئے کہ اس صورت میں فاتحہ قضاء کرنے کا حکم نہیں دیا۔

رہی دوسری صورت یعنی جب اولیین میں فاتحہ پڑھی اور سورت نہیں پڑھی تو اخریین میں قضاء کرے گا کیونکہ اس صورت میں مشروع طریقہ پر قضاء کرنا ممکن ہے اس لئے کہ مشروع طریقہ یہ ہے کہ فاتحہ کے بعد سورت ہو اور وہ یہاں موجود ہے۔

صاحب عنایہ نے امام ابو یوسفؒ کے قول کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ہمیں یہ بات تسلیم نہیں کہ اخریین میں سورت غیر مشروع ہے کیونکہ فخر الاسلام نے شرح جامع صغیر میں فرمایا کہ اخریین میں سورت کا پڑھنا مندوب ہے اسی وجہ سے اگر اخریین میں سورت پڑھ لی تو سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا۔

عبارت کا اختلاف .ثم ذکرنا ھھنا سے عبارتوں کا اختلاف ذکر کیا گیا ہے چنانچہ فرمایا کہ جامع صغیر کی عبارت میں ایسا لفظ مذکور ہے جو آخری دو رکعتوں میں سورت کی قضاء کے وجوب پر دلالت کرتا ہے کیونکہ جامع صغیر میں کہا قرأ فی الاخریین اور یہ بمنزلہ امر کے ہے۔ اور امر وجوب پر دلالت کرتا ہے پس جامع صغیر کی عبارت سے معلوم ہوا کہ اخریین میں سورت کی قضاء کرنا واجب ہے۔ اور دلیل وہ ہے جو گذشتہ سطور میں گذر چکی ہے اور مبسوط میں لفظ استحباب کے ساتھ مذکور ہے اس لئے کہ مبسوط کی عبارت یہ ہے کہ اذا ترک السورۃ فی الاولیین احب الی ان یقضیھا اور ظاہر ہے کہ لفظ احب استحباب پر دلالت کرتا ہے پس مبسوط کی عبارت سے ظاہر ہوا کہ اگر اولیین میں سورت کو ترک کر دیا تو آخریین میں اس کی قضاء کرنا مستحب ہے واجب نہیں ہے! اور دلیل استحباب یہ ہے کہ سورت بلاشبہ فاتحہ سے مؤخر ہوگئی لیکن فاتحہ اولیٰ کے ساتھ متصل نہیں رہی اس لئے کہ فاتحہ اولیٰ اور سورت کے درمیان فاتحہ ثانیہ (وہ فاتحہ جس کا اخریین میں پڑھنا افضل ہے) کا فصل واقع ہوگیا لہذا من کل وجہ موضوع سورت کی رعایت کرنا ممکن نہ رہا اس لئے مبسوط میں کہا گیا کہ سورت کی قضاء کرنا مستحب ہے نہ کہ واجب۔

فاتحہ اور سورت جہراً پڑھے

ویجھر بھما ھو الصحیح لان الجمع بین الجھر والمخافتۃ فی رکعۃ واحدۃ شنیع و تغیر النفل وھو الفاتحۃ اولی

ترجمہ اور سورت اور فاتحہ دونوں کا جہر کرے۔ یہی صحیح ہے کیونکہ جہر اور اخفاء کا ایک رکعت میں جمع کرنا برا ہے۔ اور نفل کا متغیر کرنا اور وہ فاتحہ ہے اولیٰ ہے۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ جب اخریین میں سورت کی قضاء کرے گا تو سورۂ فاتحہ اور سورت دونوں کے ساتھ جہر کرے یہی صحیح قول ہے۔ ابن سماعہ نے امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ سے روایت کی ہے کہ صرف سورت کے ساتھ جہر کرے اور ہشام نے امام محمدؒ سے روایت کی کہ بالکل جہر نہ کرے نہ فاتحہ کے ساتھ نہ سورت کے ساتھ۔ ہشام کی روایت کی وجہ یہ ہے کہ جہر اور اخفاء دونوں کو ایک رکعت میں جمع کرنا شنیع اور برا ہے اور سورت کا متغیر کرنا یعنی بجائے جہر کے سورت کو بالسر پڑھنا اولیٰ ہے کیونکہ فاتحہ اپنے محل میں بھی ہے اور سورت پر مقدم بھی ہے اس لئے فاتحہ اصل ہوئی اور سورت اس کے تابع ہوئی اخریین میں فاتحہ کا حق یہ ہے کہ اس کے ساتھ اخفاء کیا جائے پس اس کے تابع ہو کر سورت کے ساتھ بھی اخفاء کیا جائے گا۔

روایت ابن سماعہ کی وجہ یہ ہے کہ اخریین میں فاتحہ کا پڑھنا اداء ہے اور سورت کا پڑھنا قضاء ہے اور ادا اپنے محل کے مطابق ہوتا ہے اور قضا بحسب الفوات ہوتی ہے پس چونکہ سورت صفت جہر کے ساتھ فوت ہوئی ہے اس لئے اس کی قضاء صفت جہر کے ساتھ ہوگی اور فاتحہ چونکہ اپنے محل میں ہے اس لئے فاتحہ میں اس کی صفت کی رعایت کی جائے گی اور فاتحہ کی صفت اخریین میں اخفاء ہے اس لئے فاتحہ کے ساتھ اخفاء ہوگا۔ رہی یہ بات کہ اجہر اور اخفاء کا ایک رکعت میں جمع ہونا لازم آیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ قضاء اپنے مقام کے ساتھ لاحق ہوتی ہے پس سورت اگرچہ اخریین میں پڑھی گئی مگر محسوب اولیین میں ہوگی۔ اس وجہ سے تقدیراً ایک رکعت میں جہر اور اخفاء کا جمع کرنا لازم نہیں آئے گا۔

اور قول صحیح کی دلیل یہ ہے کہ ایک رکعت میں جہر اور اخفاء کو جمع کرنا تو شرعاً مذموم ہے اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو دونوں میں اخفاء

کرے جیسا کہ امام محمدؒ سے ہشام نے روایت کی ہے اور یا دونوں کے ساتھ جہر کرے پہلی صورت میں اقویٰ کو ادنیٰ کے تابع کرنا لازم ہے جو کسی طرح مناسب نہیں ہے کیونکہ سورت کا بالجہر پڑھنا واجب تھا اور آخری رکعتوں میں فاتحہ کا بالا خفاء پڑھنا سنت ہے بلکہ نفل درجہ میں ہے پس فاتحہ جو سنت ہے اس کی صفت یعنی اخفاء کی رعایت کے پیش نظر سورت جو واجب ہے اس کی صفت یعنی جہر کو متغیر اقویٰ کو ادنیٰ کے تابع بنانا ہے جو کسی طرح بھی مناسب نہیں اس لئے یہ صورت درست نہیں ہے اب دوسری صورت باقی رہی یعنی دونوں بالجہر پڑھنا سو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں واجب (سورت) کی صفت (جہر) کی وجہ سے نفل (فاتحہ) کی صفت (اخفاء) کو بدلنا پڑتا ہے اور یہ اولیٰ ہے اس لئے کہ اس صورت میں ادنیٰ اقویٰ کے تابع ہوگا۔

جہر اور اخفاء کی تعریف

ثم المخافتة ان يسمع نفسه والجهر ان يسمع غيره وهذا عند الفقيه ابی جعفر الهندوانیؒ لان مجرد حركة اللسان لايسمى قراءة بدون الصوت وقال الكرخی ادنی الجهر ان يسمع نفسه وادنی المخافتة تصحيح الحروف لان القراءة فعل اللسان دون الصماخ وفی لفظ الكتاب اشارة الی هذا وعلی هذا الاصل كل ما يتعلق بالنطق كالطلاق والعتاق والاستثناء و غير ذلك

ترجمہ...... پھر اخفاء کا پڑھنا یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنائے اور جہر یہ ہے کہ دوسرے کو سنائے اور یہ فقیہ ابوجعفر ہندوانی کے نزدیک ہے کیونکہ بغیر آواز کے محض زبان کی حرکت کا نام قرأت نہیں کہلاتا۔ اور امام کرخیؒ نے کہا کہ جہر کا کمتر مرتبہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنائے اور اخفاء کا کمتر مرتبہ یہ ہے کہ حروف صحیح نکلیں۔ کیونکہ قرأت تو زبان کا فعل ہے نہ کہ کان کا۔ اور لفظ کتاب میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔ اور اسی اصل پر ہر وہ امر ہے جو نطق سے متعلق ہو جیسے طلاق آزاد کرنا، استثناء اور ان کے علاوہ۔

تشریح...... اس عبارت میں جہر اور اخفاء کی تعریف کی گئی ہے۔ صاحب عنایہ کے بیان کے مطابق حاصل یہ ہے کہ کلمات کے اجزاء زبان پر مستعمل ہیں ان کی دو قسمیں ہیں کلام اور قرأت کیونکہ اس سے مخاطب کو نسبت کا فائدہ پہنچانا مقصود ہوگا یا نہیں اگر اول ہے تو کلام ہوگا ورنہ قرأت ہے پھر ان دونوں میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں جہر اور مخافت لیکن ان دونوں کے درمیان حد فاصل میں ہمارے علماء کا اختلاف ہے چنانچہ فقیہ ابوجعفر ہندوائی نے کہا کہ اخفاء (آہستہ پڑھنا) یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنا دے اور اگر اس سے کم ہے تو اس کو مجمجہ اور دندنہ کہتے ہیں نہ یہ کہ کلام ہے اور نہ قرأت اور جہر یہ ہے کہ دوسرے کو سنا دے یعنی اتنی آواز سے پڑھے کہ قریب کا آدمی سن لے۔ دلیل یہ ہے کہ بغیر آواز کے خالی زبان کی حرکت کا نام قرأت نہیں نہ لغۃً اور نہ عرفاً۔

امام کرخیؒ نے کہا کہ جہر کا کمتر درجہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنائے اور اخفاء کا کمتر درجہ یہ ہے کہ حروف صحیح نکلیں کیونکہ قرأت زبان کا فعل ہے نہ کان کا۔

اعتراض: اخفاء کی اس تعریف پر اعتراض ہو سکتا ہے کہ کتابت کے ساتھ تصحیح حروف پایا جاتا ہے مگر ادا نہ ہونے کی وجہ سے اس کو قرأت نہیں کہا جاتا پس معلوم ہوا کہ قرأت کے لئے فقط تصحیح حروف کافی نہیں۔ بلکہ آواز کا ہونا بھی ضروری ہے۔

جواب: مطلقاً تصحیح حروف قرأت نہیں بلکہ زبان سے تصحیح حروف قرأت ہے اسی وجہ سے امام کرخیؒ نے کہا کہ قرأت زبان کا فعل ہے نہ

کہ کان کا، صاحب ہدایہ نے کہا کہ قدوریؒ کی عبارت میں بھی امام کرخیؒ کے قول کی طرف اشارہ موجود ہے کیونکہ اول فصل میں مذکور ہے فھو مخیر ان شاء جھر واسمع نفسه وان شاء خافت' صاحب ہدایہ نے کہا کہ یہی اختلاف ہر اس چیز میں ہے جس کا تعلق نطق کے ساتھ ہے جیسے طلاق، عتاق اور استثناء وغیرہ' مثلاً اگر کسی نے اپنی بیوی سے انت طالق یا غلام سے انت حر کہا اور کہنے والے نے بذات خود نہیں سنا تو امام کرخیؒ کے نزدیک طلاق اور عتاق واقع ہو جائیں گے اور ہندوانی کے نزدیک واقع نہیں ہوں گے۔ اسی طرح اگر ان دونوں کے ساتھ جہر کیا اور استثناء کا ایسے طور پر اخفاء کیا کہ خود بھی نہیں سن سکا تو امام کرخیؒ کے نزدیک طلاق اور عتاق واقع نہیں ہوں گے۔ اور استثناء معتبر ہوگا اور ہندوانی کے نزدیک دونوں فی الحال واقع ہو جائیں گے اور استثناء معتبر نہیں ہوگا۔ اسی اختلاف پر ذبیحہ پر تسمیہ اور وجوب سجدہ تلاوت ہے۔

کم سے کم قرأت کی وہ مقدار جس سے نماز درست ہو جائے، اقوالِ فقہاء و دلائل

وادنی ما یجزیء من القراءة فی الصلوٰة اية عند ابی حنيفةؒ وقالا ثلاث ايات قصار او اية طويلة لانه لايسمی قارئا بدونه فاشبه قراءة مادون الآية وله قوله تعالیٰ فَاقْرَءُ وْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ من غير فصل الا ان مادون الآية خارج والآية ليست فی معناه

ترجمہ..... اور قرأت کی ادنیٰ مقدار جو نماز میں کفایت کر جاتی ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک آیت ہے اور صاحبینؒ نے کہا کہ تین چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت ہے کیونکہ اس سے کم قراءت کرنے والا نہیں کہلائے گا پس یہ مادون الآیہ کی قرأت کے مشابہ ہو گیا اور امام صاحبؒ کی دلیل باری تعالیٰ کا قول فَاقْرَءُ وْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ بغیر کسی تفصیل کے ہے۔ مگر یہ کہ ایک ایت سے کم خارج ہے اور پوری ایت اس کے معنی میں نہیں ہے۔

تشریح..... نماز کے اندر قرأت حالت حضر میں ہوگی یا سفر میں پس اگر حضر میں ہے تو اس کی تین قسمیں ہیں (۱) ما یجوز به الصلوٰة یعنی جس کے ساتھ جواز صلوٰۃ متعلق ہوتا ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوگی۔ (۲) جس کے ساتھ حد کراہت سے نکل جاتا ہے۔ (۳) جس کے ساتھ حد استحباب میں داخل ہو جائے گا۔ اور اگر سفر میں ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں نمازی عجلت میں ہوگا یا حالت امن اور قرار میں۔

اس عبارت میں ما یجوز به ال صلوٰۃ کی مقدار کو بیان کیا گیا ہے خواہ حضر میں ہو یا سفر میں' چنانچہ فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قرأت کی ادنیٰ مقدار جس سے نماز جائز ہو جائے گی ایک ایت ہے پس اگر ایت دو کلموں یا زیادہ پر مشتمل ہو تو باتفاق مشائخ نماز جائز ہو جائے گی۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ثُمَّ نَظَرَ ، اور اگر ایک ہی کلمہ ہے جیسے مُدْهَامَّتَانِ یا ایک حرف ہے جیسے ص' ن' ق تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک کافی ہو جائے گی اور بعض کے نزدیک کافی نہیں ہوگی۔ صاحبین نے کہا کہ مایجوز به ال صلوٰۃ کی مقدار چھوٹی تین ایتیں ہیں یا بڑی ایک ایت جیسے آیۃ الکرسی اور آیت مداینت صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ چھوٹی تین آیات یا بڑی ایک آیت سے کم پڑھنے والے کو عرف عام میں قاری قرآن نہیں کہا جاتا' پس اس کی قرأت مادون الآیۃ کی قرأت کے مشابہ ہوگی اور مادون الآیۃ نماز کے لئے کافی نہیں لہٰذا چھوٹی تین آیات یا بڑی ایک آیت سے کم کی قرأت بھی کافی نہیں ہوگی۔

صاحبین کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ ایک آیت اگرچہ حقیقۃً قرآن ہے مگر عرف میں چھوٹی تین آیات یا بڑی ایک آیت پر قرآن کا اطلاق

کیا جاتا ہے اس لئے اسی کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

الآیۃ: امام ابوحنیفہؒ کی دلیل باری تعالیٰ کا قول فاقرءوا ما تیسر من القرآن ہے اس طور پر ایک مطلق ہے اس میں آیت اور مادون الآیۃ کی کوئی تفصیل نہیں ہے لہذا جس طرح مافوق الآیۃ جواز صلوٰۃ کے لئے کافی ہے اسی طرح ایک آیت بھی کافی ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ آیت واحد حقیقتاً بھی قرآن ہے اور حکماً بھی حقیقتاً قرآن ہونا تو ظاہر ہے اور حکماً اس لئے ہے کہ ایک آیت کی قرأت حائضہ پر حرام ہے پس آیت واحدہ من القرآن کے اطلاق میں داخل ہوگی۔ لیکن اس پر اشکال ہوگا وہ یہ کہ اگر فاقرءوا ما تیسر من القرآن مطلق ہے اور اس میں کوئی تفصیل نہیں تو جس طرح ایک آیت نماز جائز ہونے کے لئے کافی ہے اسی طرح ایک آیت سے کم کے ساتھ بھی نماز جائز ہونی چاہئے تھی اس لئے کہ اطلاق دونوں کو شامل ہے حالانکہ مادون الآیۃ کے ساتھ نماز جائز نہیں ہوتی پس ایک آیت کے ساتھ بھی نماز جائز نہ ہونی چاہئے حالانکہ امام صاحب جواز کے قائل ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مادون الآیۃ من القرآن کے اطلاق میں داخل نہیں ہے کیونکہ مطلق جب بولا جاتا ہے تو اس سے اس کا فرد کامل مراد ہوتا ہے اور قرآن کا فرد کامل وہ ہے جو حقیقتاً بھی قرآن ہو اور حکماً بھی قرآن ہو۔ مادون الآیۃ اگرچہ حقیقتاً قرآن ہے لیکن حکماً قرآن نہیں ہے اس لئے کہ مادون الآیۃ کی قرأت جنبی اور حائضہ کے لئے جائز ہے پس مادون الآیۃ بالاجماع فاقرءوا ما تیسر من القرآن کے تحت داخل نہیں ہوگا۔

اور اگر کوئی یہ کہے کہ جب مادون الآیۃ من القرآن کے اطلاق کے تحت داخل نہیں تو آیت کو بھی اسی کے ساتھ لاحق کیا جائے۔ تو اس کا جواب صاحب ہدایہ نے یہ دیا کہ آیت مادون الآیۃ کے معنی میں نہیں ہے اس وجہ سے آیت مادون الآیۃ کے ساتھ لاحق نہیں ہوگی۔

حالتِ سفر کی نماز میں قرأت کا حکم

وفی السفر یقرأ فاتحۃ الکتاب وای سورۃ شاء لما روی ان النبی علیہ السلام قرأ فی صلوۃ الفجر فی سفرہ بالمعوذتین ولان للسفر اثرا فی اسقاط شطر الصلوۃ فلان یؤثر فی تخفیف القراءۃ اولی وھذا اذا کان علی عجلۃ من السیر وان کان فی امنۃ وقرار یقرأ فی الفجر نحو سورۃ البروج وانشقت لانہ یمکنہ مراعاۃ السنۃ مع التخفیف

ترجمہ ..... اور سفر میں فاتحۃ الکتاب اور جو سورت چاہے پڑھے کیونکہ روایت ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے سفر میں فجر کی نماز میں معوذتین کی قرأت کی۔ اور اس لئے کہ سفر کو آدھی نماز ساقط کرنے میں دخل ہے پس تخفیف قرأت میں بدرجہ اولیٰ دخل ہوگا۔ اور یہ حکم اس وقت ہے جب کہ روانگی کی جلدی ہو اور اگر حالت امن اور حالت قرار میں ہو تو فجر میں سورۂ بروج اور سورۂ وانشقت کے مانند پڑھے کیونکہ تخفیف کے ساتھ اس کو سنت کی رعایت کرنا ممکن ہے۔

تشریح ..... اس عبارت میں مصنفؒ نے حالت سفر کی نماز میں قرأت کا ذکر کیا ہے چنانچہ فرمایا کہ سفر کی حالت میں قرأت مسنونہ یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ اور جو سورت چاہے پڑھے اگر چھوٹی سورت پڑھی تب بھی سنت ادا ہو جائے گی کیونکہ روایت ہے کہ حضور ﷺ نے سفر کی حالت میں نماز فجر میں قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھی ہے یہ حدیث ابوداؤد اور نسائی نے عقبہ بن عامر رضی اللہ

ے روایت کی ہے اور اس کے آخر میں ہے فلما نزل لصلاۃ الصبح صلی بھما صلاۃ الصبح للناس یعنی جب حضور ﷺ نماز صبح کے لئے اترے تو لوگوں کو انہیں دونوں سورتوں کے ساتھ نماز پڑھائی۔

عقلی دلیل یہ ہے کہ نصف نماز ساقط کرنے میں سفر کو بہت بڑا دخل ہے پس جب سفر کو نصف نماز ساقط کرنے میں دخل ہے تو قرأت کی تخفیف میں بدرجہ اولیٰ دخل ہوگا۔

حاصل یہ ہے کہ جب سفر کی وجہ سے اصل نماز میں کچھ کمی ہوگئی تو اس کے وصف یعنی قرأت میں بدرجہ اولیٰ کمی ہوگی۔ صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ اس قدر تخفیف اس وقت ہے جب یہ شخص عجلت میں ہو اور اگر امن اور قرار کی حالت میں ہے مثلاً کسی منزل پر ٹھہرا اور ارادہ یہ ہے کہ اطمینان سے ٹھہر کر روانہ ہوگا تو ایسی صورت میں فجر کی نماز میں والسماء ذات البروج اور اذاالسماء انشقت پڑھے کیونکہ اس صورت میں تخفیف بھی ہوگئی اور سنت کی رعایت بھی ہوگئی۔

حالتِ حضر میں فجر کی نماز میں قرأت کی مقدار

ویقرأ فی الحضر فی الفجر فی الرکعتین باربعین اٰیۃ اوخمسین اٰیۃ سوی فاتحۃ الکتاب ویروی من اربعین الی ستین ومن ستین الی مائۃ وبکل ذلک ورد الاثر ووجہ التوفیق انہ یقرأ بالراغبین مائۃ وبالکسالٰی اربعین وبالاوساط مابین خمسین الی ستین وقیل ینظر الی طول اللیالی وقصرھا والی کثرۃ الاشغال و قلتھا

ترجمہ اور حالت حضر میں فجر کی دونوں رکعتوں میں چالیس یا پچاس آیتیں پڑھے علاوہ سورۂ فاتحہ کے اور روایت کیا جاتا ہے کہ چالیس سے ساٹھ تک اور ساٹھ سے سو تک اور ہر ایک پر اثر وارد ہے اور توفیق کی وجہ یہ ہے کہ رغبت کرنے والے مقتدیوں کے ساتھ سو ۱۰۰ آیت پڑھے اور کسل کرنے والوں کے ساتھ چالیس پڑھے اوسط درجہ والوں کے ساتھ پچاس سے ساٹھ تک پڑھے۔ اور کہا گیا کہ راتوں کی درازی اور کمی کو دیکھے اور اشغال کی کثرت اور قلت کو دیکھے۔

تشریح مسئلہ یہ ہے کہ حضر کی حالت میں فجر کی دونوں رکعتوں میں علاوہ سورۂ فاتحہ کے چالیس آیات پڑھے یا پچاس آیتیں پڑھے یعنی ہر رکعت میں بیس یا پچیس آیتیں پڑھے اور ایک روایت میں چالیس سے ساٹھ تک اور ایک میں ساٹھ سے سو تک ہے۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ ان میں سے ہر ایک پر اثر وارد ہوا ہے چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ ان النبی ﷺ قرأ فی الفجر یوم الجمعۃ الم تنزیل السجدۃ وھل اتی علی الانسان یعنی حضور ﷺ نے جمعہ کے دن فجر کی نماز میں الم تنزیل السجدۃ اور ھل اتی علی الانسان پڑھی ہے پہلی سورت میں تیس آیتیں ہیں اور دوسری میں اکتیس آیتیں ہیں صحیح مسلم میں جابر بن سمرہؓ کی حدیث ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقرأ فی الفجر بق اور ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی الفجر مابین الستین الی مائۃ اٰیۃ۔

مختلف روایات میں وجہ توفیق: صاحب ہدایہ نے کہا ان تمام روایات میں وجہ توفیق یہ ہے کہ مقتدی اگر قرأت سننے کی رغبت رکھتے ہوں تو سو آیات تک پڑھے اور اگر کاہل اور سست لوگ ہوں تو چالیس آیتیں پڑھے اور اگر اوسط درجہ کے لوگ ہوں تو پچاس ساٹھ آیتیں پڑھے۔ بعض کا یہ کہ راتوں کے دراز اور کوتاہ ہونے میں نظر رکھے یعنی سردی کی راتوں میں زیادہ قرأت کرے اور گرمی کی راتوں میں کم قرأت کرے اور امام کو

چاہئے کہ وہ اپنے مقتدیوں کے اشغال کی زیادتی اور کمی کا بھی لحاظ رکھے یعنی مقتدی اگر زیادہ مشغول ہوں تو مختصر قرأت کرے ا
فارغ ہوں تو زیادہ آیات پڑھے۔

ظہر کی نماز میں قرأت کی مقدار

قال وفی الظهر مثل ذلک لاستوائها فی سعة الوقت و قال فی الاصل او دونه لانه وقت الاشتغال فينق
عنه تحرزا عن الملال

ترجمہ...... اور ظہر کی نماز میں اسی کے مثل پڑھے اس لئے کہ دونوں گنجائش وقت میں برابر ہیں امام محمدؒ نے مبسوط میں کہا ہے۔ یا فجر
پڑھے کیونکہ ظہر کا وقت کاموں میں مشغول ہونے کا وقت ہے اس لئے فجر سے کمی کر دی جائے اکتاہٹ سے بچاؤ کے پیش نظر۔
تشریح...... ظہر کی نماز میں اس کے مثل پڑھے جو قرأت فجر میں مذکور ہوئی۔ کیونکہ وسعت وقت میں دونوں برابر ہیں اور مروی ہے
حضور ﷺ ظہر کی نماز میں الم السجدة پڑھتے تھے۔ ابوسعید حذری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے ظہر کی نماز میں سجدہ تلاوت
پس ہم نے گمان کیا کہ آپ نے الم تنزیل السجدة پڑھی اور ہم پہلے روایت کر چکے کہ حضور ﷺ فجر کی پہلی رکعت میں الم تنزیل
السجدة اور دوسری رکعت میں هل اتى على الانسان پڑھتے تھے پس ثابت ہوگیا کہ آپ نے ظہر میں وہی پڑھا جو آپ فجر کی
رکعتوں میں پڑھا کرتے تھے۔ امام محمدؒ نے مبسوط میں کہا کہ "او دونه" یعنی ظہر کی نماز میں فجر کی نماز کے مقابلے میں کم قرأت کرے
کیونکہ ظہر کا وقت مشغولیت کا وقت ہے اس لئے قرأت کم کرے تا کہ لوگوں میں اکتاہٹ پیدا نہ ہو جائے۔ اور ابوسعید خدری رضی اللہ
نے روایت کیا ہے کہ انه عليه السلام كان يقرأ فی الظهر قدر ثلاثين آية وهو نحو سورة الملک یعنی حضور ﷺ
نماز میں تیس آیات کی مقدار پڑھتے تھے اور وہ سورۂ ملک کے مانند ہے۔

عصر اور عشاء میں اوساط مفصل کی قرأت مغرب میں قصار مفصل کی قرأت

والعصر والعشاء سواء يقرأ فيهما باوساط المفصل و فی المغرب دون ذلک يقرأ فيها بقصار المفصل
والاصل فيه كتاب عمرؓ الى ابی موسى الاشعرى ان اقرأ فی الفجر والظهر بطوال المفصل وفی العصر
والعشاء باوساط المفصل وفی المغرب بقصار المفصل ولان مبنى المغرب على العجلة والتخفيف اليق بها
والعصر والعشاء يستحب فيها التأخير وقد يقعان بالتطويل فی وقت غير مستحب فيوقت فيها بالاوساط

ترجمہ...... اور عصر اور عشاء دونوں برابر ہیں ان دونوں میں اوساط مفصل پڑھے اور مغرب میں اس سے کم، مغرب کی نماز میں قصار مفصل
پڑھے اور اصل اس بارے میں ابوموسی اشعریؓ کی طرف حضرت عمرؓ کا فرمان ہے کہ ظہر اور فجر میں طوال مفصل پڑھو اور عصر اور عشاء میں
اوساط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل اور اس لئے کہ مغرب کی بنیاد جلدی پر ہے اور جلد کے مناسب تخفیف ہے اور عصر اور عشاء میں تاخیر
مستحب ہے اور تطویل سے کبھی یہ دونوں وقت غیر مستحب میں واقع ہو جائیں گی۔ پس ان دونوں میں اوساط مفصل کے ساتھ تحدید کی جائے گی۔
تشریح...... صاحب قدوریؒ نے کہا کہ وسعت وقت میں عصر اور عشاء دونوں برابر ہیں لہٰذا ان دونوں میں اوساط مفصل کے ساتھ قرأت

کرے۔ دلیل جابر بن سمرہؓ کی روایت ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقرأ فی الرکعتین الاولیین من العصر والسماء ذات البروج والسماء والطارق یعنی حضور ﷺ عصر کی پہلی دو رکعت میں والسماء ذات البروج اور والسماء والطارق پڑھا کرتے تھے۔ اور دوسری دلیل معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ان قومہ شکوا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تطویل قرائتہ فی العشاء فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم افتان انت یا معاذ این انت من سبح اسم ربک الاعلی والشمس وضحٰھا یعنی معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی قوم نے حضور ﷺ سے شکایت کی کہ معاذ عشاء کی نماز میں تطویل قرأت کرتے ہیں تو حضور ﷺ نے معاذ! سے کہا کہ اے معاذ کیا تو لوگوں کو مبتلائے فتنہ کرنا چاہتا ہے کہاں ہے تو سبح اسم ربک الاعلی اور والشمس وضحٰھا سے یعنی تو ان سورتوں کو کیوں نہیں پڑھتا بہر حال یہ دونوں روایتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ عصر اور عشاء میں اوساط مفصل میں سے قرأت کرنا مستحب اور اولیٰ ہے۔

اور مغرب کی نماز میں قصار مفصل کے ساتھ قرأت کرے اور دلیل یہ روایت ہے انہ علیہ السلام قرأ فی صلاۃ المغرب بالمعوذتین یعنی حضور ﷺ نے مغرب کی نماز میں معوذتین کی قرأت کی ہے۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ تمام نمازوں کی مستحب قرأت کے بارے میں اصل وہ فرمان ہے جو خلیفۂ ثانی امیر المؤمنین سیدنا عمرؓ بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نام بھیجا تھا۔ ان اقرأ فی الفجر والظہر بطوال المفصل وفی العصر والعشاء باوساط المفصل وفی المغرب بقصار المفصل یعنی ظہر اور فجر میں طوال مفصل میں سے پڑھ اور عصر اور عشاء میں اوساط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل پڑھ۔

عقلی دلیل یہ ہے کہ مغرب کا مبنی عجلت اور جلدی پر ہے اور عجلت کے مناسب تخفیف ہے۔ اور عصر اور عشاء میں تاخیر مستحب ہے پس اگر ان میں طویل قرأت شروع کر دی گئی تو یہ دونوں نمازیں غیر مستحب وقت میں واقع ہوں گی۔ اس لئے ان دونوں نمازوں میں اوساط مفصل کا تعین کیا گیا۔

فوائد...... طوال مفصل سورۂ حجرات سے سورۂ والسماء ذات البروج تک ہے اور اوساط مفصل سورۂ بروج سے سورۂ لم یکن تک ہے اور لم یکن سے آخر تک قصار مفصل ہے۔

بعض حضرات فقہاء کی رائے یہ ہے کہ سورۂ حجرات سے سورۂ عبس تک طوال مفصل ہے اور کُوِّرَتْ سے والضحی تک اوساط مفصل اور والضحی سے آخر تک قصار مفصل ہے۔ جمیل احمد عفی عنہ

فجر کی پہلی رکعت دوسری رکعت کی نسبت لمبی ہو

ویطیل الرکعۃ الاولیٰ من الفجر علی الثانیۃ اعانۃ للناس علی ادراک الجماعات

ترجمہ...... اور فجر کی رکعت اولیٰ کو رکعت ثانیہ پر طول دے تاکہ لوگ جماعت کو پا سکیں۔

تشریح...... مسئلہ فجر کی پہلی رکعت کو دوسری پر طول دے یعنی پہلی رکعت میں قرأت زیادہ کرے اور دوسری رکعت میں اس کی بہ نسبت کم

قرأت کرے کیونکہ حضورﷺ کے زمانے سے آج تک یہی طریقہ چلا آرہا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ پوری نماز پالینے پر لوگوں کی مدد بھی ہو جائے گی۔

ظہر کی دو رکعتیں برابر ہوں یا کم زیادہ...... اقوالِ فقہاء

قال وركعتا الظهر سواء وهذا عند ابى حنيفة وابى يوسف وقال محمد احب الى ان يطيل الركعة الاولى على الثانية فى الصلوة كلها لما روى ان النبى عليه السلام كان يطيل الركعة الاولى على غيرها فى الصلوات كلها ولهما ان الركعتين استويا فى استحقاق القراءة فيستويان فى المقدار بخلاف الفجر لانه وقت نوم وغفلة والحديث محمول على الاطالة من حيث الثناء والتعوذ والتسمية ولامعتبر بالزيادة والنقصان بما دون ثلاث ايات لعدم امكان الاحتراز عنه من غير حرج

ترجمہ ...... اور ظہر کی دونوں رکعتیں برابر ہیں۔ اور یہ ابوحنیفہؒ اور ابویوسفؒ کے نزدیک ہے اور امام محمدؒ نے کہا کہ مجھے یہ زیادہ محبوب ہے کہ تمام نمازوں میں پہلی رکعت کو دوسری رکعت پر طول دے کیونکہ روایت کیا گیا ہے کہ حضورﷺ تمام نمازوں میں پہلی رکعت کو دوسری رکعت پر طول دیا کرتے تھے اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ دونوں رکعتیں استحقاق قرأت میں برابر ہیں لہذا مقدار میں بھی برابر ہوں گی۔ اس کے برخلاف فجر ہے کیونکہ فجر کا وقت نیند اور غفلت کا وقت ہے۔ اور حدیث ثناء، تعوذ اور تسمیہ کے اعتبار سے طول دینے پر محمول ہوگی۔ اور تین آیات سے کم مقدار میں زیادتی اور کمی کا کچھ اعتبار نہیں ہے کیونکہ بغیر حرج کے اس سے بچنا ممکن نہیں ہے۔

تشریح ...... ماقبل کے مسئلہ میں کہا کہ فجر کی نماز میں بالاتفاق رکعت اولیٰ کو رکعت ثانیہ پر طول دیا جائے گا لیکن اس کے علاوہ دوسری نمازوں میں شیخین کا مذہب یہ ہے کہ دونوں رکعت برابر ہوں گی۔ پہلی رکعت کو دوسری رکعت سے طویل نہ کرے اور امام محمدؒ نے کہا کہ تمام نمازوں میں رکعت اولیٰ کو رکعت ثانیہ پر طول دینا مستحب ہے۔

امام محمدؒ کی دلیل ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یطیل الرکعۃ الاولی علی غیرھا فی الصلوات کلھا ' اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ استحقاق قرأت میں دونوں رکعتیں برابر ہیں کیونکہ دونوں رکعتوں میں قرأت رکن ہے پس جب استحقاق قرأت میں دونوں برابر ہیں تو مقدار میں بھی دونوں برابر ہوں گی برخلاف فجر کی نماز کے کیونکہ فجر کا وقت غیر اختیاری طور پر نیند اور غفلت کا ہے لہذا پوری نماز میں لوگوں کو شریک کرنے کے لئے پہلی رکعت کو طویل کر دیا جائے گا۔

حدیث ابوقتادہ کا جواب یہ ہے کہ پہلی رکعت اس لئے طویل ہوتی تھی کہ اس میں سبحانک اللھم، اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھا جاتا ہے جو دوسری رکعت میں نہیں پڑھا جاتا۔ اور رہا حق قرأت تو اس میں دونوں رکعتیں برابر رہتی ہیں۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ تین آیات سے کم مقدار میں زیادتی اور کمی معتبر نہیں ہے یعنی اگر ایک رکعت میں تین آیات سے زیادہ پڑھیں بہ نسبت دوسری رکعت کے تو یہ زیادتی معتبر ہوگی اور اگر ایک یا دو آیتیں ہوں تو ان کا اعتبار ساقط ہے کیونکہ اس سے احتراز کرنا بغیر حرج کے ممکن نہیں ہے۔ اور حرج کو شریعت اسلام نے اٹھایا ہے لہذا اتنی کمی زیادتی کا اعتبار بھی اٹھایا گیا ہے اور صحیح روایت میں ہے کہ خود آنحضرتﷺ نے مغرب کی نماز میں قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھی ہے۔ حالانکہ قل اعوذ برب الفلق میں

پانچ آیات اور قل اعوذ برب الناس میں چھ آیتیں ہیں۔ یعنی سورۂ والناس میں یہ نسبت سورۂ فلق کے ایک آیت زیادہ ہے۔

قرأت کے لئے سورت معین کرنے کا حکم

ولیس فی شیء من الصلوات قراءة سورة بعینها لایجوز غیرها لا طلاق ماتلونا ویکره ان یوقت بشیء من القرآن لشیء من الصلوات لما فیه من هجر الباقی وایهام التفضیل

ترجمہ ...... کسی نماز میں سورت معینہ کا پڑھنا نہیں ہے کہ اس کے سوا جائز نہ ہو اس آیت کے مطلق ہونے کے وجہ سے جو ہم نے تلاوت کی ہے اور کسی نماز کے لئے قرآن میں سے کسی چیز کا متعین کرنا بھی مکروہ ہے کیونکہ اس میں باقی قرآن کا چھوڑنا لازم آتا ہے۔ اور تفضیل کا وہم دلانا (لازم آتا ہے)۔

تشریح ...... مسئلہ یہ ہے کہ کسی نماز میں کسی متعینہ سورت کے پڑھنے کو ایسے طور پر متعین کرنا کہ اس کے علاوہ کے ساتھ نماز جائز نہیں ہوگی، درست نہیں ہے دلیل باری تعالیٰ کا قول فاقرءوا ماتیسر من القرآن کا مطلق ہونا ہے۔ اور اطلاق کا تقاضہ یہ ہے کہ کوئی سورت متعین نہ ہو اور کسی نماز کے لئے کسی سورت یا آیت کا متعین کر لینا مکروہ ہے۔ کیونکہ اس میں ایک تو باقی قرآن کا چھوڑنا لازم آئے گا۔ دوم یہ کہ تفضیل کا وہم پیدا ہوگا کہ یہ سورت قرآن کی دوسری سورتوں سے افضل ہے حالانکہ افضلیت میں پورا قرآن برابر ہے۔

قرأت خلف الامام کی شرعی حیثیت ...... اقوالِ فقہاء و دلائل

ولایقرأ المؤتم خلف الامام خلافا للشافعیؒ فی الفاتحة له ان القراءة رکن من الارکان فیشترکان فیه ولنا قوله علیه السلام من کان له امام فقراءة الامام له قراءة وعلیه اجماع الصحابةؓ وهو رکن مشترک بینهما لکن حظ المقتدی الانصات والاستماع قال علیه السلام واذا قرأ فانصتوا ویستحسن علی سبیل الاحتیاط فیما یروی عن محمد ویکره عندهما لما فیه من الوعید

ترجمہ ...... اور مقتدی امام کے پیچھے قرأت نہ کرے امام شافعیؒ فاتحہ میں مخالف ہیں۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ قرأت ارکان میں سے ایک رکن ہے لہٰذا اس میں امام و مقتدی دونوں شریک ہوں گے۔ اور ہماری دلیل حضور ﷺ کا یہ قول ہے کہ جس مقتدی کا امام ہو تو امام کی قرأت ہی اس کی قرأت ہے اور اسی پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے اور یہ قرأت ایسا رکن ہے جو امام و مقتدی کے درمیان مشترک ہے لیکن مقتدی کا حصہ خاموش رہنا ہے اور کان لگا کر سننا ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔ اور (مقتدی کا سورۂ فاتحہ پڑھنا) بطور احتیاط مستحسن ہے اس قول میں جو امام محمدؒ سے مروی ہے اور شیخین کے نزدیک مکروہ ہے کیونکہ مقتدی کے پڑھنے میں وعید وارد ہوئی ہے۔

تشریح ...... امام قدوریؒ نے احناف کا مسلک نقل کرتے ہوئے کہا کہ مقتدی امام کے پیچھے بالکل قرأت نہ کرے۔ نہ فاتحہ کی اور نہ سورت کی خواہ نماز جہری ہو یا سری ہو۔ امام شافعیؒ کا سورۂ فاتحہ میں اختلاف ہے یعنی مقتدی پر امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے امام شافعیؒ کا قول قدیم تو یہ ہے کہ مقتدی پر سری نماز اور جن رکعتوں میں جہر نہیں ان میں فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے یہی امام مالکؒ کا قول ہے

امام شافعیؒ کا قول جدید اور صحیح مذہب یہ ہے کہ مقتدی پر ہر نماز میں فاتحہ پڑھنا واجب ہے نماز خواہ جہری ہو یا سری ہو۔

امام شافعیؒ کی عقلی دلیل یہ ہے کہ قرأت ایک رکن ہے اور تمام ارکان میں امام اور مقتدی دونوں شریک ہیں مثلاً قیام، رکوع، سجدہ میں دنوں شریک ہیں لہٰذا قرأت میں بھی دونوں شریک ہوں گے۔ اور نقلی دلیل ابو عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے فرمایا کہ صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصبح فثقلت علیہ القرائة فلما انصرف قال انی لاراکم تقرئون خلف امامکم قلنا اجل قال لاتفعلوا ذلک الابفاتحة الکتاب فانه لاصلوٰة لمن لم یقراها یعنی حضورﷺ نے ہم کو صبح کی نماز پڑھائی آپ پر پڑھنا بھاری ہوگیا پس جب آپ نے سلام پھیرا تو فرمایا کہ میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم اپنے امام کے پیچھے پڑھتے ہو ہم نے کہا آپ نے فرمایا کہ یہ مت کرو مگر فاتحہ کے ساتھ' کیونکہ جو فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔

ہماری دلیل آنحضرتﷺ کا ارشاد من کان له امام فقراء ة الامام له قراء ة ہے وجہ استدلال یہ ہے کہ امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی ہوگئی پس جب مقتدی کی طرف سے حکماً قرأت پائی گئی تو اب مقتدی دوبارہ قرأت نہیں کرے گا۔ ورنہ مقتدی کو دو قرأت کرنا لازم آئے گا حالانکہ نماز میں دوبارہ قرأت کرنا مشروع نہیں ہوا ہے۔

عدم قرأت خلف الامام پر اکثر صحابہؓ کا اجماع ہے: صاحب ہدایہ نے کہا کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اجماع بھی اس پر ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے قرأت نہ کرے۔ لیکن اس پر یہ شبہ ہوگا کہ بعض حضرات صحابہؓ قرأت فاتحہ خلف الامام کے وجوب کے قائل ہیں جیسے عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہاں اکثر صحابہ کا اجماع مراد ہے۔ چنانچہ اسی ۸۰ کبار صحابہؓ نے قرأت فاتحہ خلف الامام کا انکار کیا ہے۔ امام شعبیؒ نے کہا کہ میں نے ستر بدری صحابہؓ کو قرأت خلف الامام سے منع کرتے ہوئے پایا۔ مگر ستر یا اسی کی تعداد اکثر صحابہ کی تعداد نہیں ہے۔ اس لئے اس کو اکثر صحابہؓ کا اجماع کہنا درست نہیں ہوگا۔

بعض حضرات نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ مجتہدین صحابہ اور کبار صحابہ کا اجماع مراد ہے کبار صحابہ اور مجتہدین صحابہ یہ ہیں (۱) ابوبکر الصدیقؓ (۲) عمرؓ بن الخطاب (۳) عثمان بن عفانؓ (۴) علی ابن ابی طالبؓ (۵) عبدالرحمٰن بن عوفؓ (۶) سعد بن ابی وقاصؓ (۷) عبداللہ بن مسعودؓ (۸) عبداللہ بن عمرؓ (۹) عبداللہ ابن عباسؓ (۱۰) زید بن ثابت رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

ایک احتمال یہ بھی ہے کہ جو حضرات قرأت فاتحہ خلف الامام کے قائل ہیں ان کا رجوع ثابت ہو تو اس صورت میں اجماع ہو جائے گا۔ اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جب ان دس کبار صحابہ سے نہی ثابت ہے اور ان کے خلاف کسی صحابی کا رد ثابت نہیں حالانکہ اس وقت صحابہ کی بہت بڑی تعداد موجود تھی تو اجماع سکوتی ہوگیا۔

رہا امام شافعیؒ کا یہ کہنا کہ قرأت امام اور مقتدی کے درمیان رکن مشترک ہے تو ہمیں یہ تسلیم ہے لیکن مقتدی کا حصہ خاموش رہنا اور کان لگا کر سننا ہے حضورﷺ نے فرمایا اذا قرء فانصتوا' جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔ اور باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو تم کان لگا کر سنو اور خاموش رہو اور یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے ان اصحاب رسول اللهﷺ قرؤا خلفه فخلطوا علیه القراء ة فنزلت یعنی رسول اللہﷺ کے صحابہؓ نے حضورﷺ کے پیچھے قرائت کی پس آپﷺ پر قراءت خلط ملط ہوگئی تو یہ آیت نازل ہوئی۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا کبر فکبروا واذا قرا فانصتوا، یعنی امام تو اسی واسطے قرار دیا گیا کہ اس کی اقتداء کی جائے' پس جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔

امام محمدؒ سے ایک روایت: امام محمدؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ احتیاطاً قرأت فاتحہ خلف الامام مستحسن ہے کیونکہ عبادہ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سابق میں گذر چکی ہے کہ لاتفعلوا ذلک الا بفاتحۃ الکتاب فانہ لاصلوۃ لمن لم یقرأھا اور شیخینؒ کے نزدیک قرأت خلف الامام مکروہ ہے کیونکہ قرأت خلف الامام کے بارے میں وعید آئی ہے چنانچہ مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا من قرأ خلف الامام ففی فیہ جمرۃ وقال قد خطأ السنۃ یعنی جس شخص نے امام کے پیچھے قرأت کی تو اس کے منہ میں انگارہ ہے اور کہا کہ اس نے خلاف سنت کیا۔ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہ قال من قرأ خلف الامام فسدت صلاتہ' یعنی جس نے امام کے پیچھے قرأت کی اس کی نماز فاسد ہوگئی۔ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے قال لیت فی فم الذی یقرأ خلف الامام حجرا وغیر ذلک عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے کاش اس کے منہ میں پتھر ہوتا۔

امام کی قرأت کے وقت مقتدی کے لئے حکم

ویستمع وینصت وان قرأ الامام آیۃ الترغیب والترھیب لان الاستماع والانصات فرض بالنص والقراءۃ و سوال الجنۃ والتعوذ من النار کل ذلک مخل بہ وکذلک فی الخطبۃ وکذلک ان صلی علی النبی علیہ السلام لفریضۃ الاستماع الا ان یقرأ الخطیب قولہ تعالیٰ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ الایۃ فیصلی السامع فی نفسہ واختلفوا فی النائی عن المنبر والاحوط ھو السکوت اقامۃ لفرض الانصات. واللہ اعلم بالصواب

ترجمہ...... اور مقتدی کان لگا کر سنے اور خاموش رہے اگرچہ امام ترغیب کی آیت پڑھے یا ترہیب کی۔ کیونکہ کان لگا کر سننا اور خاموش رہنا نص قرآنی سے فرض ہے' اور قرأت کرنا اور جنت مانگنا' اور آگ سے پناہ مانگنا یہ سب مخل ہیں اور یوں ہی خطبہ میں بھی' اور یوں ہی اگر امام (خطیب) حضور ﷺ پر درود بھیجے کیونکہ خطبہ سننا فرض ہے مگر یہ کہ خطیب باری تعالیٰ کا قول یٰا یھا الذین اٰمنو صلوا علیہ الایہ پڑھے تو اس آیت کا سننے والا اپنے دل میں درود پڑھے۔ اور جو شخص منبر سے دور ہو اس کے بارے میں اختلاف ہے اور سکوت ہی احوط ہے فرض انصات کو قائم کرنے کے واسطے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ امام جب قرأت کرے تو مقتدی کان لگا کر سنے اور خاموش رہے اگرچہ امام آیت ترغیب یا ترہیب پڑھے۔ دلیل یہ ہے کہ کان لگا کر سننا اور خاموش رہنا نص قرآن اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا سے ثابت ہے۔ اور امام کے پیچھے قرأت کرنا، جنت کا سوال کرنا اور دوزخ سے پناہ مانگنا یہ سب چیزیں استماع اور انصات میں خلل پیدا کرتی ہیں اس لئے ان میں سے کوئی کام نہ کرے۔

رہی یہ بات کہ امام یا منفرد جنت کا سوال یا دوزخ سے پناہ مانگ سکتا ہے کہ نہیں تو اس بارے میں کتاب میں کوئی حکم مذکور نہیں ہے۔ البتہ صاحب عنایہ نے لکھا ہے کہ امام یہ کام نہ فرض نماز میں ادا کرے اور نہ نفل نماز میں کیونکہ یہ نہ حضور ﷺ سے منقول ہے اور نہ آپؐ کے بعد

ائمہ سے منقول ہے۔ دوسری دلیل ہے کہ امام کا اس طرح دعائیں مانگنا مقتدیوں پر تطویل صلوٰۃ کا باعث ہوگا اور یہ مکروہ ہے اس لئے بھی امام یہ کام نہ کرے۔ اسی طرح منفرد بھی جب فرض نماز پڑھتا ہو تو یہ دعائیں درمیان نماز نہ مانگیں کیونکہ حضور ﷺ سے منقول نہیں اور نہ آپ کے بعد ائمہ سے منقول ہے اور اگر نفل نماز پڑھتا ہے تو سوال جنت اور تعوذ من النار کی دعا مانگنا بہتر ہے اس لئے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم صلوة الليل فما مر باية فيها ذكر الجنة الا وقف وسأل الله الجنة فمامر باية فيهاذكر النار الاوقف وتعوذ بالله من النار "فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رات کی نماز پڑھی تو کسی آیت ذکر جنت پر گذر نہ ہوا مگر آپ نے ٹھہر کر جنت کو مانگا اور کسی آیت ذکر جہنم پر گذر نہ ہوا مگر یہ کہ آپ نے ٹھہر کر جہنم سے پناہ مانگی۔

خطبہ کے دوران نبی علیہ السلام پر درود کا حکم: اسی طرح اگر خطیب خطبہ میں ہو تو قوم خطبہ کان لگا کر سنے اور خاموش رہے۔ کیونکہ ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ان النبی صلى الله عليه وسلم قال من قال لصاحبه والامام يخطب انصت فقد لغاومن لغافلا صلاة له حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے دوران خطبہ اپنے ساتھی سے کہا کہ خاموش رہ تو نے لغو کیا اور جس نے لغو کیا اس کی نماز نہیں ہوئی اسی طرح اگر امام اپنے خطبہ میں نبی علیہ السلام پر درود پڑھے تو بھی قوم خاموش رہے اور کان لگا کر سنے۔ دلیل یہ ہے کہ صلوٰۃ علی النبی فرض نہیں اور خطبہ کا سننا فرض ہے لہٰذا غیر فرض کی وجہ سے فرض ترک نہیں کیا جائے گا ہاں البتہ اگر خطیب نے دوران خطبہ یہ آیت پڑھی یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا تو اس آیت کا سننے والا اپنے دل دل میں درود پڑھے۔

حاصل یہ کہ خطبہ کے درمیان درود پڑھنا ممنوع ہے۔ مگر جب کہ خطیب یہ آیت پڑھے۔ دلیل یہ ہے کہ خطیب نے اللہ تعالیٰ سے حکایت کی کہ وہ صلوٰۃ علی النبی کرتا ہے اور ملائکہ سے حکایت کی کہ وہ بھی درود پڑھتے ہیں اور اس کی حکایت کی اللہ تعالیٰ نے درود پڑھنے کا حکم دیا ہے اور حال یہ کہ وہ خود بھی اس کے ساتھ مشغول ہے تو قوم پر بھی واجب ہے کہ وہ درود کے ساتھ مشغول ہو جائے تا کہ وہ چیز متحقق ہو جائے جس کا ان سے مطالبہ کیا گیا ہے۔

یہ حکم اس وقت ہے جب کہ یہ منبر سے قریب ہو اور اگر کوئی شخص منبر سے دور ہو تو اس کے حق میں اختلاف ہے یعنی اگر منبر سے اس قدر دور ہو کہ خطبہ نہیں سن پاتا تو ایسی صورت میں قرأت قرآن اولیٰ ہے یا خاموش رہنا اولیٰ ہے؟ تو اس بارے میں محمد بن سلمہ سے روایت ہے کہ خاموش رہنا اولیٰ ہے اسی کو امام کرخیؒ نے اختیار کیا اور یہی مصنف کا مذہب مختار ہے دلیل یہ ہے کہ قرأت قرآن کے وقت سننا اور خاموش رہنا دو فرض تھے پس اگر دوری کی وجہ سے سننا ممکن نہیں رہا تو دوسرا فرض خاموش رہنا ممکن ہے لہٰذا اسی کو قائم رکھے اور امام فضلی نے کہا کہ قرأت قرآن اولیٰ ہے۔ اور دلیل یہ ہے کہ خاموش رہنے کا حکم اس لئے تھا تا کہ قرآن سن کر تدبر کرے پس سننا فوت ہو گیا تو قرأت قرآن کرے تا کہ قرآن پڑھنے کا ثواب حاصل ہو جائے۔ جمیل احمد عفی عنہ

بـــاب الامـــامـــة

(یہ) باب امامت کے (احکام کے بیان میں) ہے

جماعت کی شرعی حیثیت

الجماعة سنة مؤكدة لقوله عليه السلام الجماعة من سنن الهدى لايتخلف عنها الا منافق

ترجمہ ...... جماعت سنت مؤکدہ ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جماعت سنن ہدیٰ میں سے ہے اس سے نہیں پچھڑے گا مگر منافق۔

تشریح مصنف علیہ الرحمۃ نے سابق میں امام کے افعال کا ذکر کیا ہے یعنی وجوب جہر اور وجوب اخفاء اور تحدید قرأت اور مقتدی کے افعال کو ذکر کیا یعنی وجوب استماع اور انصات کو اب یہاں سے مشروعیت امامت کی صفت کا بیان ہے چنانچہ سب سے پہلے مستحق امامت کا ذکر کیا اس کے بعد امامت کے خواص کا بیان ہے۔

جماعت سنت مؤکدہ ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جماعت سنن ہدیٰ میں سے ہے اس سے منافق ہی پیچھے رہتا ہے۔ سنت کی دو قسمیں ہیں ایک سنت ہدیٰ، دوم سنت زائد سنت ہدیٰ وہ ہے جس پر نبی کریم ﷺ نے بطریق عبادت مواظبت فرمائی مگر کبھی کبھار ترک کے ساتھ اس کا ترک کرنا ضلالت ہے اور یہ شعائر اسلام میں سے ہے۔ اور سنت زائد وہ ہے جس کو آنحضرت ﷺ نے بطریق عادت کیا ہو اس کے ترک کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جیسے تہجد کی نماز بہرحال جماعت سنت مؤکدہ ہے بغیر عذر کے اس کا ترک کرنا جائز نہیں حتیٰ کہ اگر اہل شہر نے جماعت کو ترک کر دیا تو ان کو اقامت جماعت کا حکم دیا جائے گا۔ اگر انہوں نے اس پر عمل کیا فبہا ورنہ ان سے قتال کرنا حلال ہوگا۔

جماعت کے سنت مؤکدہ ہونے کی تائید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے جو جماعت کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ حضور ﷺ کا ارشاد **صلاة الجماعة افضل من صلوة احدكم وحده بخمسة وعشرين درجة** یعنی جماعت سے نماز پڑھنا بہ نسبت تنہا نماز پڑھنے کے پچیس درجہ افضل ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ۲۷ درجہ افضل ہے۔

امام ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے ابی بن کعبؓ کی حدیث روایت کی **صلوة الرجل مع الرجل ازكى من صلوته وحده وصلوة الرجل مع الرجلين ازكى من صلوته مع رجل وماذا دفهوا حب الى الله تعالى** یعنی دو مردوں کا جماعت سے نماز پڑھنا افضل ہے اور تین کی جماعت دو کی جماعت سے بہتر ہے اور جو زائد ہو اللہ کو زیادہ پسند ہے۔ حضرت امام محمدؒ نے غیر روایت اصول میں ذکر کیا کہ جماعت واجب ہے۔ احناف میں سے عامۃ المشائخ اسی کے قائل ہیں۔ دلیل حضور ﷺ کا یہ قول ہے **لقد هممت ان امر بالمؤذن فيؤذن ثم آمر رجلا فيصلي بالناس ثم انطلق برجال معهم حزم الحطب الى قوم يتخلفون عن الصلوة فاحرق عليهم بيوتهم بالنار، رواه الشيخان** یعنی حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ میں نے ارادہ کیا کہ مؤذن کو حکم دوں کہ وہ اذان پڑھے پھر ایک مرد کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے پھر کچھ لوگوں کو لے کر جن کے ساتھ لکڑیوں کے گٹھر ہوں ایسی قوم کی طرف چلوں جو نماز سے پیچھے رہ جاتی ہے پھر آگ سے ان کے گھروں کو جلا دوں اس حدیث میں بالکلیہ نماز کا ترک کرنا مراد نہیں بلکہ جماعت کا

ترک کرنا مراد ہے۔

امام احمد بن حنبل اور داؤد ظاہری کہتے ہیں کہ جماعت فرض عین ہے یہ حضرات لاصلوٰة لجار المسجد الا فی المسجد سے استدلال کرتے ہیں یعنی مسجد کے پڑوس میں رہنے والے کی نماز سوائے مسجد کے ادا نہیں ہوتی ہے۔

ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں صلوٰۃ کاملہ کی نفی کی گئی ہے جیسے لا صلوٰة للعبد الابق ولا للمراة الناشزة میں نماز کاملہ کی نفی کی گئی ہے امام کرخیؒ امام طحاویؒ اور اکثر اصحاب شافعیؒ کے نزدیک جماعت فرض کفایہ ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ مقصود فرض شعائر اسلام کا اظہار ہے اور یہ مقصود بعض کے فعل سے حاصل ہو جاتا ہے۔ مگر یہ استدلال انتہائی کمزور ہے کیونکہ حضور ﷺ کے عہد مبارک میں مسجد میں جماعت ہوتی تھی اس کے باوجود آپ ﷺ نے تارکین جماعت کے لئے سخت وعید فرمائی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب جمیل احمدؒ

منصب امامت کا سب سے زیادہ کون حقدار ہے؟

واولی الناس بالامامة اعلمهم بالسنة وعن ابی یوسفؒ اقرؤهم لان القراءة لابد منها والحاجة الی العلم اذا نابت نائبة و نحن نقول القراءة مفتقر الیها لرکن واحد والعلم لسائر الارکان

ترجمہ...... اور جو شخص جماعت والوں میں سے سنت کا زیادہ عالم ہو وہ امامت کے لئے اولیٰ ہے اور ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ ان میں جو اقرء ہو وہ اولیٰ ہے کیونکہ قرأت نماز کے لئے ضروری ہے اور علم کی حاجت اس وقت ہے جب کوئی واقعہ پیش آئے۔ اور ہم کہتے ہیں کہ قرأت کی جانب احتیاج ایک رکن کے لئے ہے اور علم کی احتیاج تمام ارکان کے لئے ہے۔

تشریح...... امامت کا سب سے زیادہ مستحق وہ شخص ہے جو سنت کا زیادہ جاننے والا ہو یعنی ان احکام شرعیہ کا جاننے والا ہو جو نماز کے ساتھ متعلق ہیں مثلاً نماز کی شرطیں، نماز کے ارکان، نماز کی سنتیں اور اس کے آداب بشرطیکہ مایجوز به الصلوٰة قرأت پر قدرت رکھتا ہو۔ امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ امامت کا زیادہ مستحق وہ ہوگا جو قرأت قرآن میں سب سے اچھا ہوگا بشرطیکہ بقدر ضرورت علم رکھتا ہو۔ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ قرأت نماز کا ایک ایسا رکن ہے جس کے بغیر چارہ نہیں ہے اور علم کی ضرورت اس وقت پیش آئے گی جب کہ کوئی عارض مفسد پیش آئے تاکہ علم کے ذریعہ نماز کو درست کر سکے اور عارض نماز کے اندر کبھی پیش آتا ہے اور کبھی پیش نہیں آتا۔ پس معلوم ہوا کہ قرأت کا علم زیادہ ضروری ہے بہ نسبت علم بالسنة کے اس لئے اقرء کو اعلم بالسنہ پر مقدم کیا گیا۔ لیکن ہم طرفین کی طرف سے جواب یہ دیں گے کہ قرأت کی جانب احتیاج فقط ایک رکن کے لئے ہے اور علم کی طرف احتیاج تمام ارکان کے لئے ہے کیونکہ نماز کو فاسد کرنے والی چیزوں کی معرفت بھی علم کے ذریعہ ہوگی اور نماز کو درست کرنے والی چیزوں کی معرفت بھی علم کے ذریعہ ہوگی پس ثابت ہوا کہ علم کی ضرورت بہ نسبت قرأت کے زیادہ ہے اس لئے اعلم بالسنہ کو اقرء پر ترجیح دی گئی۔ طرفین کے قول کی تائید حاکم کی روایت سے بھی ہوتی ہے حضور ﷺ نے فرمایا یؤم القوم اقدمهم هجرة فان کانوا فی الهجرة سواء فافقههم فی الدین فان کانوا فی الفقه سواء فاقرءهم للقرآن (شرح نقایہ) یعنی قوم کی امامت وہ کرے جو ہجرت میں مقدم ہو پس اگر ہجرت میں سب برابر ہوں تو افقہ فی الدین امامت کرے اور اگر فقہ میں سب برابر ہوں تو اقرء للقرآن امامت کرے۔ اس حدیث میں افقہ فی الدین یعنی اعلم کو اقرء پر مقدم کیا گیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ان الذین جمعو القران علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم اربعة

كلهم من الانصار ابى بن كعب ومعاذبن جبل وزيدبن ثابت وابو زيد فهؤلاء اكثر قراءة من ابى بكر رضى الله تعالى عنه حتى قال صلى الله عليه وسلم اقرائكم ابى یعنی عہد رسالت میں چار شخص جامع قرآن تھے اور چاروں کا تعلق انصار سے تھا ابی بن کعب، معاذ بن جبل، زید بن ثابت اور ابوزید رضوان اللہ علیہم اجمعین پس یہ چاروں بہ نسبت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قرأۃ قرآن کے زیادہ جاننے والے ہیں مگر اس کے باوجود حضور ﷺ نے امامت کے لئے صدیق اکبرؓ کو بڑھایا پس معلوم ہوا کہ جب اقرء اور اعلم میں تعارض ہوجائے تو اعلم کو مقدم کیا جائے گا نہ کہ اقرء کو۔

اعلم بالسنة میں سب برابر ہوں تو کون مستحق امامت ہے؟

فان تساووا فاقرؤهم لقوله عليه السلام يؤم القوم اقرأهم لكتاب الله فان كانوا سواء فاعلمهم بالسنة واقرؤهم كان اعلمهم لانهم كانوا يتلقونه بأحكامه فقدم فى الحديث ولا كذلك فى زماننا فقدمنا الاعلم

ترجمہ..... پھر اگر سب علم میں برابر ہوں تو ان میں جو بہتر قاری ہے وہ اولی ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قوم کی امامت وہ کرے جو کتاب اللہ کا بہتر قاری ہو پھر اگر یہ سب برابر ہوں تو ان میں سے سنت کا زیادہ جاننے والا امامت کرے اور صحابہ میں جو اقرء تھا وہ اعلم بھی تھا کیونکہ وہ حضرات قرآن کو مع احکام کے سیکھتے تھے اس لئے حدیث میں اقراء کو مقدم کر دیا گیا اور ہمارے زمانے میں ایسا نہیں ہے اس لئے ہم نے اعلم کو مقدم کیا۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے اگر اعلم بالسنہ میں تمام اہل جماعت برابر ہوں تو اب ان میں سے جو بہتر قاری ہو وہ اولی ہوگا دلیل حضور ﷺ کا قول يؤم القوم اقرأهم لكتاب الله فان كانوا سواء فاعلمهم بالسنه اس حدیث سے وجہ استدلال ظاہر ہے لیکن دو طریقہ سے اعتراض واقع ہوگا۔ اول یہ کہ يؤم القوم امر کے معنی میں ہے اور امر وجوب کے لئے آتا ہے پس جو ترتیب حدیث میں مذکور ہے وہ واجب الرعایت ہوگی یعنی اقرء کو اعلم پر مقدم کرنا حالانکہ ایسا نہیں اس لئے کہ ترتیب مذکور بیان افضلیت کے لئے ہے نہ کہ بیان جواز کے لئے۔
دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس حدیث سے استدلال مدعی کے خلاف ہے حالانکہ مدعی اعلم بالسنہ کی تقدیم ہے اور حدیث دلالت کرتی ہے اقرا بالکتاب اللہ کی تقدیم پر لہٰذا اس حدیث کو استدلال میں پیش کرنا کیسے درست ہوگا۔
اعتراض اول کا جواب یہ ہے کہ یہ يؤم القوم امر کے معنی میں نہیں ہے بلکہ صیغۂ اخبار ہے بیان مشروعیت کے لئے۔ اور یہ حقیقت ہے اور قاعدہ ہے کہ جب تک حقیقت پر عمل کرنا ممکن ہو تو مجاز کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا اس لئے یہاں مجاز کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا اور یہ صیغۂ امر کے معنی میں نہیں ہوگا۔
دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ صحابہؓ میں جو اقرء تھا وہ اعلم بھی تھا کیونکہ اس زمانے میں لوگ قرآن کو اس کے احکام کے ساتھ سیکھتے تھے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپؓ نے بارہ سال میں سورۂ بقرہ یاد کی تھی۔ ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس قدر طویل مدت میں سورۂ بقرہ کا یاد کرنا اس کے احکام کے ساتھ ہوگا پس چونکہ عہد صحابہ میں جو اقراء ہوتا تھا وہ اعلم بھی ہوتا تھا اس لئے حدیث میں اقرء کو اعلم پر مقدم کیا گیا ہے اور ہمارے زمانے میں چونکہ ایسا نہیں ہے اس لئے ہم نے اعلم کو اقرء پر مقدم کیا ہے۔

علم اور قرأت میں سب برابر ہوں تو کون مستحق امامت ہے؟

فان تساووا فاورعهم لقوله عليه السلام من صلى خلف عالم تقى فكانما صلى خلف

ترجمہ ..... پھر اگر علم اور قرأت میں برابر ہوں تو ان میں اورع اولیٰ ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے عالم متقی کے پیچھے نماز
گویا اس نے نبی کے پیچھے نماز پڑھی۔

تشریح ..... ورع اور تقویٰ میں فرق یہ ہے کہ ورع کہتے ہیں شبہات سے پرہیز کرنا اور تقویٰ کہتے ہیں محرمات سے بچنے کو۔

مسئلہ یہ ہے کہ اگر تمام اہل جماعت علم اور قرأت میں برابر ہوں تو ان میں اورع اولیٰ ہے۔ دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول من
صلی خلف عالم تقی فکانما صلی خلف نبی اس حدیث کے بارے میں ملا علی قاری نے کہا کہ یہ حدیث موضوع ہے۔

علم، قرأت، تقویٰ میں سب برابر ہوں تو کون مستحق امامت ہے؟

فان تساووا فاسنهم لقوله عليه السلام لابنى ابى مليكة وليؤ مكما اكبر كما سنا ولان فى تقديمه تكثير الجماعة

ترجمہ ..... پھر اگر امور مذکورہ میں سب برابر ہوں تو جوان میں سے از راہ عمر بڑا ہو وہ اولیٰ ہے کیونکہ حضور ﷺ نے ابوملیکہ کے
صاحبزادوں سے فرمایا کہ تم دونوں میں سے بڑا امامت کرے اور اس لئے کہ بزرگ کو مقدم کرنے میں جماعت کی زیادتی ہوگی۔

تشریح ..... مسئلہ اگر مذکورہ چیزوں میں اہل جماعت سب برابر ہیں تو ان میں از راہ عمر جو بڑا ہو وہ امامت کے لئے زیادہ مناسب
دلیل حضور ﷺ کا ابوملیکہ کے دونوں بیٹوں سے ولیؤ کما اکبر کما سنا فرمانا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ بڑے بزرگ
کرنے میں جماعت کی زیادتی ہے اور سابق میں گذر چکا کہ جماعت کی زیادتی اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے اور حدیث میں فرمایا من ل
یوقر کبیرنا فلیس منا اور جب اس کو اپنا امام بنالیا تو یہ اس کی توقیر کی بے ادبی نہیں رہی۔

مصنف ہدایہ نے یہ نہیں کہا کہ اگر سب عمر میں برابر ہوں حالانکہ ان کے علاوہ نے ذکر کیا کہ اگر سب عمر میں برابر ہوں تو ان میں
اخلاق والا اولیٰ ہے کیونکہ حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ خیارکم احسنکم اخلاقا اور اگر اخلاق میں سب برابر ہوں تو ان میں
زیادہ خوبصورت ہو اولیٰ بالامامت ہوگا۔

حاصل یہ ہے کہ امامت کا سب سے زیادہ مستحق وہ ہوگا جو قرأت، علم، صلاح، نسب، اخلاق، خوبصورتی سب چیزوں کے اندر قوم
افضل ہو کیونکہ اس میں

حضور ﷺ کا اقتداء ہے اس لئے کہ آپ ﷺ نے تادم حیات امامت فرمائی کیونکہ مذکورہ اوصاف کے ساتھ حضور ﷺ تمام انسانوں
اسبق تھے ثم الافضل فالافضل۔ جمیل احمد۔

غلام، دیہاتی، فاسق اور نابینے کی امامت کا حکم

ویکرہ تقدیم العبد لانہ لایتفرغ للتعلم والاعرابی لان الغالب فیھم الجھل والفاسق لانہ لایھتم لامر دینہ والاعمی لانہ لا یتوقی النجاسۃ وولد الزناء لانہ لیس لہ اب یشفقہ فیغلب علیہ الجھل ولان تقدیم ھؤلاء تنفیر الجماعۃ فیکرہ وان تقدموا جاز لقولہ علیہ السلام صلوا خلف کل بر وفاجر

ترجمہ...... اور غلام کو آگے کرنا مکروہ ہے کیونکہ وہ سیکھنے کے لئے فراغت نہیں پاتا ہے اور اعرابی کا کیونکہ اعراب میں جہالت غالب ہے اور فاسق کا' کیونکہ فاسق اپنے امر دین کے لئے اہتمام نہیں کرتا۔ اور اندھے کا' کیونکہ وہ نجاست سے بچاؤ نہیں رکھتا' اور والد الزنا کا' کیونکہ اس کا کوئی باپ نہیں جو اس پر شفقت کرے پس اس پر جہل غالب ہوگا اور اس لئے کہ ان لوگوں کو آگے کرنے میں جماعت کو نفرت دلانا ہے اس لئے مکروہ ہے اور اگر یہ لوگ آگے بڑھ گئے تو جائز ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر نیکوکار اور بدکار کے پیچھے نماز پڑھ لیں۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ غلام کو امامت کے لئے آگے بڑھانا مکروہ ہے اگرچہ وہ آزاد کر دیا گیا ہو یعنی اگر آزاد کردہ غلام اور اصلی آزاد جمع ہو گئے تو اصلی آزاد مستحق امامت ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ غلام نماز کے احکام سیکھنے کے لئے فراغت نہیں پاتا اس لئے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ امام شافعیؒ نے کہا کہ اگر آزاد اور غلام دونوں قرأت علم اور ورع میں برابر ہوں تو آزاد کو غلام پر ترجیح نہیں دی جائے گی کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے اسمعوا واطیعوا ولو امر علیکم عبد حبشی اجدع سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر حبشی غلام امیر بنا دیا گیا ہو۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ ابو سعید مولی اسید سے روایت ہے انہ قال دعوتہ رھطا من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیھم ابو ذر فحضرت الصلوۃ فقدمونی وانا یومئذ عبد' یعنی ابو سعید کہتے ہیں کہ میں نے اصحاب نبی ﷺ میں سے ایک جماعت کی دعوت کی ان میں ابو ذر بھی تھے پس نماز کا وقت آ گیا تو امامت کے لئے مجھے آگے بڑھایا اور میں اس زمانے میں غلام تھا۔ یہ واقعہ دلالت کرتا ہے کہ غلام کو آگے بڑھانا مکروہ نہیں ہے۔

ہماری طرف سے پہلی حدیث کا جواب یہ ہے کہ غلام کو آگے بڑھانا تقلیل جماعت کا سبب بنے گا کیونکہ لوگ اس کی متابعت کرنے سے ناک منہ چڑھائیں گے اور جو چیز تقلیل جماعت کا سبب ہو وہ مکروہ ہے اور حدیث میں امارت مراد ہے نہ کہ امامت' اور ابو سعید کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ صحابہ نے ابو سعید کو صاحب خانہ ہونے کی وجہ سے آگے بڑھایا کیونکہ صاحب خانہ احق بالامامت ہوتا ہے۔ اعرابی (گنوار) کو بھی امامت کے لئے آگے بڑھانا مکروہ ہے کیونکہ ان میں جہالت کا غلبہ ہوتا ہے نیز حضور ﷺ کا قول الالا یؤمن امراۃ رجلا ولا اعرابی 'خبردار نہ عورت مرد کی امامت کرے اور نہ اعرابی۔

اور فاسق کو بھی آگے بڑھانا مکروہ ہے کیونکہ وہ دین کے معاملے میں اہتمام نہیں کرتا۔ امام مالکؒ نے فرمایا کہ اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔ کیونکہ جب اس کی طرف سے امور دینیہ میں خیانت ظاہر ہوگئی تو وہ نماز جیسے اہم امور میں بھی امین نہیں ہوگا لیکن ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ عبد اللہ بن عمرؓ انس بن مالک اور ان کے علاوہ دوسرے صحابہ اور تابعین نے حجاج بن یوسف رئیس الفساق کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔

امامت کے لئے نابینا کو آگے بڑھانا بھی مکروہ ہے کیونکہ وہ اندھا ہونے کی وجہ سے نجاست سے بچاؤ نہیں رکھتا اور ولد الزنا کو

آگے بڑھانا مکروہ ہے کیونکہ اس کا کوئی باپ نہیں جو اس پر شفقت کرے، اس کو ادب سکھائے اور اس کو تعلیم دے۔

صاحب ہدایہ نے مشترکہ دلیل کے طور پر کہا کہ ان لوگوں کو آگے بڑھانے میں اہل جماعت کو نفرت دلانا ہے اس ۔ ان کو آ
بڑھانا مکروہ ہے ہاں اگر یہ لوگ خود آگے بڑھ گئے تو نماز جائز ہو جائے گی کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے صلوا خلف کل برو فاجر
استدلال یہ ہے کہ مذکورہ لوگوں میں سے ہر ایک نیک ہوگا یا فاجر بس اس کے پیچھے ہر حال میں نماز جائز ہے۔

امامت کے لئے کن امور کی رعایت کا خیال رکھنا ضروری ہے

ولا یطول الامام بهم الصلوٰة لقوله علیه السلام من امّ قوما فلیصل بهم صلوٰة اضعفهم فان فیهم المریض
والکبیر و ذا الحاجة

ترجمہ...... اور امام مقتدی کے ساتھ نماز کو طول نہ دے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی قوم کا امام بنا تو ان کو نماز پڑھائے ان میں
سب سے ضعیف کی اس لئے کہ ان میں بیمار بھی ہیں بوڑھے بھی ،ضرورت مند بھی۔

تشریح...... مسئلہ امام لوگوں کو لمبی نماز نہ پڑھائے۔ دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے قوم کی امامت کی وہ ان کو ان میں
اضعف کی نماز پڑھائے کیونکہ مقتدیوں میں بیمار بھی ہیں، بوڑھے بھی ہیں اور ضرورت مند بھی ہیں اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ
حدیث بھی مستدل ہے جبکہ معاذ نے اپنی قوم کو لمبی نماز پڑھائی تو قوم کے لوگوں نے حضور ﷺ سے شکایت کی تو آپ ﷺ نے فر
افتان انت یا معاذ' یہ حدیث سابق میں گذر چکی ہے اور یہ بات بطریق صحت ثابت ہے کہ ایک روز حضور ﷺ نے فجر کی نماز میں
تین کی قرأت کی جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول اللہ آج آپ نے بڑا اختصار کیا تو فرمایا
کے رونے کی وجہ سے مجھے خوف ہوا کہ اس کی ماں فتنہ میں نہ پڑ جائے اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کے لئے اپنی قوم کے
رعایت کرنا مناسب ہے۔

عورتوں کی تنہا جماعت کا حکم

ویکره للنساء ان یصلین وحدهن الجماعة لانها لاتخلو عن ارتکاب محرم وهو قیام الامام وسط الصف
فیکره کالعراة وان فعلن قامت الامام وسطهن لان عائشة فعلت کذلک وحمل فعلها الجماعة علی ابتداء
الاسلام ولان فی التقدیم زیادة الکشف

ترجمہ...... اور عورتوں کے لئے تنہا جماعت سے نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ عورتوں کی جماعت ارتکاب حرام سے خالی نہیں ہے اور وہ امام
وسط صف میں کھڑا ہوتا ہے پس یہ فعل مکروہ ہوگا جیسے ننگے مردوں کا حکم ہے اور اگر عورتوں نے جماعت کی تو امام ان کے بیچ میں کھڑی
کیونکہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایسا ہی کیا اور ام المومنین کا فعل جماعت ابتداء اسلام پر محمول کیا گیا اور اس وجہ سے کہ آگے
بڑھنے میں کشف عورت زیادہ ہے۔

تشریح...... مسئلہ عورتوں کے لئے تنہا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ عورتوں کی جماعت فعل حرام (مکروہ

ارتکاب سے خالی نہیں اس لئے کہ ان کی امام اقتداء کرنے والی عورتوں سے آگے کھڑی ہوگی یا ان کے درمیان میں کھڑی ہوگی۔ پہلی صورت میں کشف عورت زیادہ ہے درانحالیکہ یہ مکروہ ہے اور دوسری صورت میں امام کا اپنے مقام کو چھوڑنا لازم آتا ہے حالانکہ یہ بھی مکروہ ہے اور جماعت سنت ہے اور قاعدہ ہے کہ بہ نسبت ارتکاب مکروہ کے سنت کو ترک کرنا اولیٰ ہے اس لئے عورتوں کے حق میں جماعت کی سنت کو ترک کر دیا گیا اور عورتوں کا حال ننگوں کے حال کے مانند ہوگیا یعنی جس طرح ننگوں کی جماعت مکروہ ہے اسی طرح عورتوں کی جماعت مکروہ ہے۔

صاحب قدوریؒ نے کہا کہ اگر کراہت تحریمی کے باوجود عورتوں نے جماعت کی تو عورتوں کی امام ان کے بیچ میں کھڑی ہو کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایسا ہی کیا لیکن اب اشکال یہ ہوگا کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھی ہے تو پھر مکروہ تحریمی کیوں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ام المؤمنین کا یہ فعل ابتداء اسلام پر محمول کیا جائے گا، مگر اس جواب پر اشکال ہے وہ یہ کہ نبوت کے بعد آنحضرت ﷺ نے تیرہ سال مکہ المکرمہ میں قیام فرمایا پھر مدینہ منورہ میں حضرت عائشہؓ سے چھ سال کی عمر میں نکاح کیا پھر جب نو برس کی ہوئیں تو ان کو زفاف میں لیا یعنی عائشہؓ کی رخصتی ہوئی اور آپ کی حیات میں ۹ برس رہیں پس حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا امامت کرنا بالغ ہونے کے بعد ہوا ہوگا تو اس صورت میں یہ ابتداء اسلام کا فعل کہاں سے ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ابتداء اسلام پر محمول کرنے سے مراد یہ ہے کہ عورتوں کی جماعت کا حکم منسوخ ہے۔

ایک مقتدی ہو تو امام کے دائیں جانب کھڑا ہو

من صلى مع واحد أقامه عن يمينه لحديث ابن عباسؓ فانه عليه السلام صلى به واقامه عن يمينه ولايتأخر عن الامام وعن محمد انه يضع اصابعه عند عقب الامام والاول هو الظاهر وان صلى خلفه اوفى يساره جاز وهو مسيء لانه خالف السنة

ترجمہ..... اور جو شخص ایک شخص کے ساتھ نماز پڑھے تو اس کو اپنے دائیں کھڑا کرے۔ دلیل ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے کیونکہ حضور ﷺ نے ان کو نماز پڑھائی اور ان کو اپنے دائیں طرف کھڑا کیا اور مقتدی امام سے پیچھے نہ رہے اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ مقتدی اپنی انگلیوں کو امام کی ایڑی کے برابر رکھے اور اول ہی ظاہر ہے اور اگر اس ایک مقتدی نے امام کے پیچھے یا بائیں طرف نماز پڑھی تو بھی جائز ہے اور وہ گنہگار ہے کیونکہ اس نے سنت کے خلاف کیا۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک مرد ایک مرد مقتدی کے ساتھ نماز پڑھے تو اس مقتدی کو اپنے دائیں کھڑا کرے۔ دلیل حدیث ابن عباسؓ ہے۔ پوری حدیث یہ ہے **بت عند خالتي ميمونه لاراقب صلوة النبي صلى الله عليه وسلم بالليل فانتبه فقال نامت العيون وغابت النجوم وبقي الحي القيوم ثم قرء اخر سورة ال عمران ان في خلق السموات والارض واختلاف الليل والنهار..... الى اخرها ثم قام الى شن معلق فتوضأ وافتتح فقمت و توضأت ووقفت على يساره واخذ باذني وادارني خلفه حتى اقامني عن يمينه** . (متفق علیہ) یعنی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ میں اپنی خالہ میمونہ کے یہاں رات سویا ہوں کہ میں نبی کریم ﷺ کی رات کی نماز کو دیکھوں پس آنحضرت ﷺ نے اٹھ کر کہا آنکھیں سو گئیں اور ستارے ڈوب گئے اور حی قیوم

باقی ہے پھر آپ نے سورۂ آل عمران کی آخری آیتیں 'ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنهار' سے آخر تک پڑھا پھر آپ نے ایک لٹکے ہوئے مشکیزہ سے پانی لے کر وضو کیا اور نماز شروع کی پس میں نے بھی اٹھ کر وضو کیا اور میں آپ کی بائیں طرف کھڑا ہو گیا پس آپ نے میرا کان پکڑ کر مجھے اپنے پیچھے سے گھمایا یہاں تک کہ مجھ کو اپنی دائیں طرف کھڑا کیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر امام کے ساتھ ایک مقتدی ہو تو اس کو دائیں طرف کھڑا کرنا مختار ہے۔ ظاہر الروایہ میں ہے کہ مقتدی واحد امام کے پیچھے کھڑا ہو۔ اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ مقتدی اپنی انگلیوں کو امام کی ایڑی کے برابر رکھے۔ اور اول ظاہر ہے۔ اور اگر ایک مقتدی نے امام کے پیچھے یا بائیں نماز پڑھی تب بھی جائز ہے یعنی نماز فاسد نہ ہوگی البتہ گنہگار ہوگا کیونکہ اس نے سنت کے خلاف عمل کیا۔

دو مقتدی ہوں تو امام مقدم ہو جائے

وان امّ اثنین تقدم علیهما وعن ابی یوسفؒ یتوسطهما ونقل ذلک عن عبدالله بن مسعودؓ ولنا انه علیه السلام تقدم علی انسؓ والیتیم حین صلی بهما فهذا للافضلیة والاثر دلیل الاباحة

ترجمہ ...... اور اگر دو مردوں کی امامت کی تو امام دونوں پر مقدم ہو۔ اور ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ امام دونوں کے بیچ میں کھڑا ہو۔ اور ابن مسعودؓ سے منقول ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ انسؓ اور یتیم سے آگے کھڑے ہوئے جب کہ دونوں کے ساتھ نماز پڑھی پس یہ افضلیت کے لئے ہے اور اثر مباح ہونے کی دلیل ہے۔

تشریح ...... اور اگر امام کے علاوہ دو مقتدی ہوں تو امام ان دونوں سے آگے کھڑا ہو اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ امام ان دونوں کے درمیان میں کھڑا ہو اور درمیان میں کھڑا ہونا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے چنانچہ روایت کیا گیا کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علقمہ اور اسود کو نماز پڑھائی اور ابن مسعودؓ دونوں کے درمیان کھڑے ہوئے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ جب حضور ﷺ نے انسؓ اور یتیم کو نماز پڑھائی تو آپ ﷺ ان دونوں سے آگے کھڑے ہوئے پس آنحضرت ﷺ کا آگے کھڑا ہونا افضلیت کی دلیل ہے اور ابن مسعودؓ کا اثر مباح ہونے کی دلیل ہے۔

ابراہیم نخعیؒ نے کہا کہ ابن مسعودؓ سے روایت کی گئی کہ جگہ کے تنگ ہونے کی وجہ سے ایسا کیا گیا پس اب ابن مسعودؓ کے اثر سے اباحت بھی ثابت نہیں ہوگی۔

مردوں کے لئے عورت اور بچے کی اقتداء کا حکم

ولا یجوز للرجال ان یقتدوا بامرأة او صبی اما المرأة فلقوله علیه السلام اخروهن من حیث اخرهن الله فلا یجوز تقدیمها واما الصبی فلانه متنفل فلا یجوز اقتداء المفترض به وفی التراویح و السنن المطلقة جوزه مشائخ بلخ ولم یجوزه مشائخنا و منهم من حقق الخلاف فی النفل المطلق بین ابی یوسفؒ و بین محمدؒ والمختار انه لایجوز فی الصلوٰت کلها لان نفل الصبی دون نفل البالغ حیث لا یلزمه القضاء بالافساد بالاجماع ولایبنی القوی علی الضعیف بخلاف المظنون لانه مجتهد فیه فاعتبر العارض عدما بخلاف اقتداء الصبی بالصبی لان الصلوٰة متحدة

ترجمہ...... مردوں کو جائز نہیں کہ وہ عورت یا بچہ کی اقتداء کریں بہر حال عورت تو اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں کو مؤخر کرو جہاں ان کو اللہ نے مؤخر کیا پس عورت کا مقدم کرنا جائز نہیں ہے اور بہر حال بچہ تو اس لئے کہ وہ نفل پڑھنے والا ہے لہذا مفترض کو اس کی اقتداء کرنا جائز نہیں ہے اور تراویح اور سنن مطلقہ میں مشائخ بلخ نے اس کو جائز رکھا اور ہمارے مشائخ نے اس کو جائز قرار نہیں دیا۔

اور ہمارے مشائخ میں سے بعض نے ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے درمیان نفل مطلق کی صورت میں اختلاف محقق کیا۔ اور مختار یہ ہے کہ یہ تمام نمازوں میں جائز نہیں ہے کیونکہ بچہ کا نفل بالغ سے کمتر ہے اس لئے کہ نفل فاسد کر دینے سے بالاجماع بچہ پر قضاء لازم نہیں آتی اور نہیں بنا کی جاتی ہے قوی کی ضعیف پر برخلاف نماز مظنون کے کیونکہ وہ مجتہد فیہ ہے پس اعتبار کیا گیا عارض معدوم برخلاف بچہ کا اقتداء کرنا بچہ کے ساتھ کیونکہ نماز متحد ہے۔

تشریح...... مسئلہ مردوں کے لئے نہ عورت کی اقتداء جائز ہے اور نہ بچہ کی عورت کی اقتداء جائز نہ ہونا تو اس لئے ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اخروهن من حيث اخرهن الله وجہ استدلال یہ ہے کہ لفظ حیث سے مراد مکان ہے اور جس مکان میں عورتوں کی تاخیر واجب ہو علاوہ مکان صلوۃ کے کوئی مکان نہیں ہے پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو مکان صلوۃ میں مؤخر کیا ہے یعنی اس کو مردوں کے لئے امام بننے کا حق نہیں دیا ہے۔

اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ حیث تعلیل کے لئے ہے اب ترجمہ یہ ہوگا کہ عورتوں کو مؤخر کرو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مؤخر کیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شہادت وراثت' سلطنت اور تمام ولایات میں مؤخر کیا ہے پس جب اللہ تعالیٰ نے عورت کو مؤخر کیا تو اس کو مقدم کرنا یعنی امام بنانا بھی جائز نہیں ہوگا۔

رہا بچہ کی امامت کا بیان تو اس کی امامت اس لئے جائز نہیں کہ وہ تو نفل ادا کرنے والا ہے لہذا فرض ادا کرنے کے لئے اس کی اقتداء جائز نہیں ہوگی یعنی بالغ کی فرض نماز اس کے پیچھے جائز نہ ہوگی۔ صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ تراویح اور سنن مطلقہ میں اختلاف ہے۔ مشائخ بلخ کے قول کے مطابق تراویح اور سنن مطلقہ میں نابالغ بچہ کی اقتداء کرنا جائز ہے اور ہمارے مشائخ یعنی مشائخ ماوراء النهر نے اس کو ناجائز کہا ہے۔ سنن مطلقہ سے مراد وہ سنن رواتب ہیں جو فرائض سے پہلے اور فرائض کے بعد مشروع ہوئی ہیں۔ ایک روایت کے مطابق عیدین کی نماز بھی سنت ہے۔ اور وتر، کسوف، خسوف اور استسقاء کی نماز بھی صاحبین کے نزدیک سنت ہے۔

حاصل یہ ہے کہ سنت نمازوں میں اگر نابالغ بچے نے امامت کی تو مشائخ بلخ کے نزدیک بالغ مردوں کے لئے اس کی اقتداء کرنا جائز ہے اور ماوراء النہر یعنی بخارا اور سمرقند کے علماء و مشائخ نے اس کو جائز کہا ہے۔ مشائخ بلخ نے مظنونہ نماز پر قیاس کیا ہے۔ مظنونہ نماز یہ ہے کہ ایک شخص نے یہ خیال کیا کہ اس کے ذمہ نماز واجب ہے پس اس نے اس گمان کے ساتھ وہ نماز ادا کرنی شروع کر دی پھر درمیان میں کوئی مفسد پیش آ گیا اور نماز ٹوٹ گئی پھر معلوم ہوا کہ اس کے ذمہ واجب نہ تھی تو اب شروع کرنے کی وجہ سے اس کا قضاء کرنا واجب ہے یا نہیں؟ تو اس کے بارے میں ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حکم یہ ہے کہ قضاء واجب نہیں ہے البتہ امام زفرؒ کے نزدیک قضاء واجب ہے۔ پھر اگر نفل ادا کرنے والا بالغ آدمی مظنونہ نماز ادا کرنے والے کی اقتداء کرے تو جائز ہے۔

اب مشائخ بلخ کے قیاس کا حاصل یہ ہوگا کہ نفل نماز شروع کرنے سے واجب ہو جاتی ہے اور مظنونہ نماز واجب نہیں ہوتی ہے پس

جب نفل پڑھنے والا مظنونہ نماز ادا کرنے والے کی اقتداء کرسکتا ہے تو ایسے ہی نفل ادا کرنے والا بچہ کی اقتداء کرسکتا ہے۔

اور ہمارے مشائخ میں سے بعض نے نفل مطلق کی صورت میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے درمیان اختلاف بیان کیا ہے چنانچہ امام ابو یوسفؒ نے کہا کہ نفل مطلق میں بھی بالغ مرد کا بچہ کی اقتداء کرنا جائز نہیں ہے اور امام محمدؒ نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ بالغ مرد کا بچہ کی اقتداء کرنا کسی بھی نماز میں جائز نہیں ہے خواہ نفل مطلق ہو یا موقت ہو۔ یہی ماوراء النہر کے مشائخ کا مذہب ہے اس مذہب مختار کی دلیل یہ ہے کہ بچہ کی نفل نماز بالغ کی نفل نماز سے کمتر اور ادنیٰ ہے کیونکہ بالاتفاق اگر بچہ نفل نماز شروع کرکے فاسد کردے تو اس پر اس کی قضاء واجب نہیں ہوتی اور اگر بالغ نفل نماز فاسد کردے تو اس کے ذمہ قضاء کرنا واجب ہے اور قاعدہ ہے کہ قوی کی بنا ضعیف پر نہیں کی جاتی اس لئے بالغ کے نفل کی بناء بچے کے نفل پر نہیں کی جائے گی۔

بخلاف المظنون سے مشائخ بلخ کے قیاس کا جواب ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ بالغ کا بچہ کی اقتداء کرنے کو ظان کی اقتداء پر قیاس کرنا فاسد ہے کیونکہ نماز مظنون مختلف فیہ ہے، چنانچہ امام زفرؒ کے نزدیک فاسد کرنے کی صورت میں ظان پر قضاء کرنا واجب ہے اور بچہ کی نماز کہ اس کی قضاء بالاجماع واجب نہیں ہے۔ نیز طفولیت (بچپنہ) ایسا امر ہے جو بالغ ہونے تک بہرحال باقی رہے گا۔ پس بالغ کی نماز اس کی نماز سے متحد نہ ہوگی۔ کیونکہ فاسد کردینے کی صورت میں بالغ پر قضاء واجب ہوتی ہے اور نابالغ پر قضاء واجب نہیں ہوتی۔ اس کے برخلاف مظنون کہ ظن ایک عارضی چیز ہے۔ لہٰذا اس کو معدوم معتبر کیا گیا پس اب اگر نفل پڑھنے والے نے مظنون نماز پڑھنے والے امام کے پیچھے اقتداء کی تو دونوں کی نماز متحد ہوسکتی ہے بالخصوص امام زفرؒ کے نزدیک کیونکہ فساد کی صورت میں دونوں پر قضاء واجب ہوجاتی ہے۔

حاصل یہ کہ بالغ اور نابالغ کی نماز غیر متحد ہے اور بالغ اور ظان کی نماز متحد ہے بالخصوص امام زفرؒ کے نزدیک پس اس فرق کے ہوتے ہوئے اقتداء بالغ بالصبی کو اقتداء بالظان پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ اس کے برخلاف نابالغ کا نابالغ کی اقتداء کرنا جائز ہے کیونکہ دونوں کی نماز متحد ہے اس لئے کہ دونوں میں سے کسی پر قضاء واجب نہیں ہے پس یہ ضعیف کی بنا ضعیف پر ہوگی۔

صفوں کی ترتیب کیسے ہوگی؟

ويصف الرجال ثم الصبيان ثم النساء لقوله عليه السلام ليلينى منكم اولو الاحلام والنهى ولان المحاذاة مفسدة فيؤخرون

ترجمہ ..... اور صف باندھیں مرد پھر بچے پھر عورتیں، کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قریب رہیں مجھ سے تم میں سے بالغ مرد، اور اس لئے کہ عورت کی محاذات مفسد نماز ہے اس لئے عورتیں مؤخر کی جائیں۔

تشریح ..... اس عبارت میں امام کے پیچھے کھڑے ہونے کی ترتیب کا بیان ہے، چنانچہ فرمایا کہ امام کے پیچھے سب سے پہلے مرد کھڑے ہوں پھر ان کے پیچھے بچے کھڑے ہوں اور ان کے پیچھے عورتیں کھڑی ہوں۔ دلیل حضور ﷺ کا یہ قول ہے ليلينى منكم اولوا الاحلام والنهى، يَلِ امر کا صیغہ ہے ولی سے ماخوذ ہے جس کے معنی قریب ہونے کے ہیں۔ احلام حُلم بالضم کی جمع ہے حلم وہ چیز جو سونے والا دیکھتا ہے لیکن اس کا غالب استعمال خواب کی دلالت بلوغ کی چیز میں ہے اور نُہی نہیۃ کی جمع ہے، معنی عقل ہیں، اب حدیث کا مطلب

ہوا کہ تم میں سے مجھ سے قریب وہ لوگ رہیں جو عاقل بالغ ہوں۔

لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ یہ حدیث مردوں کو بچوں پر مقدم کرنا تو ثابت کرتی ہے مگر عورتوں پر بچوں کی تقدیم ثابت نہیں کرتی، تو اس کا جواب یہ ہے احتمال رجولیت کی وجہ سے بچے مردوں کے تابع ہیں اور تابع متبوع کے بعد ہوتا ہے لہٰذا بچے مردوں کے بعد ہوں گے اور عورتوں سے مقدم ہوں گے اور جواب میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ عورتوں پر بچوں کی تقدیم حضور ﷺ کے فعل سے ثابت ہے کیونکہ حضور ﷺ نے ایک بڑھی عورت کو یتیم نامی بالغ کے پیچھے کھڑا کیا تھا۔ زیادہ بہتر استدلال اس حدیث سے ہوسکتا ہے جس کو امام احمدؒ نے اپنی مسند میں ابو مالک اشعری سے تخریج کیا ہے روایت کے الفاظ یہ ہیں انہ قال یا معشر الا شعر بین اجتمعوا و اجمعوا نساء کم و ابناء کم حتی اریکم صلاۃ رسول اللہ ﷺ فاجتمعوا و جمعوا ابناء ھم و نساء ھم ثم تو ضاوا راھم کیف یتوضأ ثم تقدم فصف الرجال فی ادنی الصف و صف الولدان خلفھم و صف النساء خلف الصبیان، یعنی ابو مالک اشعری نے کہا کہ اے اشعری قبیلہ کے لوگو! تم خود بھی جمع ہو جاؤ اور اپنی عورتوں اور اولاد کو بھی جمع کرلو یہاں تک کہ میں تم کو......رسول اللہ ﷺ کی نماز دکھلاؤں پس وہ خود بھی جمع ہو گئے اور اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بھی جمع کیا پھر وضو کیا اور ان کو دکھلایا کہ آپ کس طرح وضو کرتے تھے۔ پھر ابو مالک آگے بڑھے پھر مردوں کی صف باندھی، اور لڑکوں کی ان کے پیچھے اور عورتوں کی صف بچوں کے پیچھے بنائی۔

عقلی دلیل یہ ہے کہ عورت کی محاذات مرد سے مفسد نماز ہے۔ اس لئے عورتیں مؤخر کی جائیں گی۔

مسئلہ محاذات

وان حاذتہ امرأۃ وھما مشترکان فی صلوۃ واحدۃ، فسدت صلاتہ ان نوی الامام امامتھا والقیاس ان لا تفسد وھو قول الشافعیؒ رحمۃ اللہ تعالی علیہ اعتبارا بصلاتھا حیث لاتفسد وجہ الاستحسان مارویناہ وانہ من المشاھیر وھو المخاطب بہ دونھا فیکون ھو التارک لفرض المقام فتفسد صلاتہ دون صلاتھا کالمأموم اذا تقدم علی الامام

ترجمہ......اور اگر کوئی عورت مرد سے محاذی ہوگی اور حال یہ ہے کہ دونوں ایک نماز میں شریک ہیں تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی بشرطیکہ امام نے اس عورت کی امامت کی نیت کی ہو اور قیاس یہ ہے کہ مرد کی نماز فاسد نہ ہو اور یہی امام شافعیؒ کا قول ہے عورت کی نماز پر قیاس کرتے ہوئے کیونکہ عورت کی نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اور وجہ استحسان وہ حدیث ہے جو ہم روایت کر چکے۔ اور حدیث احادیث مشہورہ میں سے ہے اور مرد ہی اس حکم کا مخاطب ہے نہ کہ عورت پس مرد ہی مقام مفروض کا ترک کرنے والا ہوگا لہٰذا اسی کی نماز فاسد ہوگی نہ کہ عورت کی نماز۔ جیسے مقتدی جب وہ امام سے آگے ہو جائے۔

تشریح......صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی عورت کسی مرد سے محاذی ہوگئی درانحالیکہ مرد اور عورت دونوں ایک نماز میں مشترک ہیں اور امام نے اس عورت کی امامت کی نیت بھی کی ہے تو ایسی صورت میں مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ مرد کی نماز بھی فاسد نہ ہو۔ اور یہی امام شافعیؒ کا قول ہے۔ امام شافعیؒ نے مرد کی نماز کو عورت کی نماز پر قیاس کیا ہے یعنی محاذات کی وجہ سے عورت کی نماز بالاتفاق فاسد نہیں ہوئی لہٰذا مرد کی نماز بھی فاسد نہ ہوگی اور قیاس کی وجہ یہ ہے کہ محاذات ایسا فعل ہے کہ جانبین سے متحقق ہوتا ہے پس

جب محاذات عورت کی نماز کے لئے مفسد نہیں ہے تو مرد کی نماز کے لئے بھی مفسد نہیں ہوگا۔ وجہ استحسان وہ حدیث ہے جو ہم سابق میں روایت کر چکے۔ عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ان رسول اللہ ﷺ قال اخروھن من حیث اخر ھن اللہ، اس حدیث میں مردوں کو حکم دیا گیا کہ وہ عورتوں کو نماز میں پیچھے رکھیں پس جب عورت اس کے محاذی ہوگئی تو گویا مرد نے اپنا فرض مقام ترک کر دیا کیونکہ ایسی نماز جس کے اندر دونوں شریک ہوں عورت کو مؤخر کرنا مرد پر فرض ہے۔ اور یہ بات مسلّم ہے کہ جس نے فرض ترک کیا اس کی نماز فاسد ہوجائے گی نہ کہ دوسرے کی، اس لئے ہم نے کہا کہ محاذات کی وجہ سے مرد کی نماز فاسد ہوگی نہ عورت کی۔

اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ خبر واحد ہے اور خبر واحد سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی تو اس کا جواب صاحب ہدایہ نے انہ من المشاہیر کہہ کر دیا ہے یعنی یہ حدیث احادیث مشہورہ میں ہے جو قطعی الدلالت ہوتی ہے اور حدیث مشہور سے فرضیت ثابت ہوجاتی ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

وھو المخاطب سے قیاس کا جواب ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ عورت کی نماز فاسد نہ ہونے سے مرد کی نماز فاسد نہ ہونا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ حضور ﷺ کے قول اخروھن کا مخاطب مرد ہے نہ کہ عورت پس تارک فرض مرد ہوا نہ کہ عورت اس لئے صرف مرد کی نماز فاسد ہوگی عورت کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ جیسے مقتدی جب وہ امام سے آگے ہوجائے اور اپنا فرض مقام چھوڑ دے تو تو اس کی نماز فاسد ہوجائے گی۔ اسی طرح جب عورت کے ساتھ اپنا فرض مقام چھوڑے گا تو اس کی نماز بھی فاسد ہوجائے گی۔

فوائد...... محاذات مفسدہ یہ ہے کہ نماز کے اندر عورت کا قدم مرد کے کسی عضو کے محاذی اور مقابل ہوجائے۔

امام نے محاذی عورت کی امامت کی نیت نہ کی ہو تو اس کا حکم

وان لم ینو امامتھا لم تضرہ ولاتجوز صلاتھا لان الاشتراک دونھا لایثبت عندنا خلافا لزفرؒ الاتری انہ یلزمہ الترتیب فی المقام فیتوقف علی التزامہ کالاقتداء وانما یشترط نیۃ الامامۃ اذا ایتمت محاذیۃ وان لم یکن بجنبھا رجل ففیہ روایتان والفرق علی احدھما ان الفساد فی الاول لازم وفی الثانی محتمل

ترجمہ...... اور اگر امام نے عورت کا امام ہونے کی نیت نہیں کی تو عورت کی محاذات مرد کے لئے مضر نہ ہوگی اور عورت کی نماز جائز نہ ہوگی کیونکہ اشتراک بغیر امامت کی نیت کے ہمارے نزدیک ثابت نہ ہوگا، برخلاف قول زفرؒ کے کیا تم نہیں دیکھتے کہ امام پر لازم ہے ترتیب ہر ایک کے کھڑے ہونے کے مقام کا تو یہ بات امام کے لازم کرنے پر موقوف رہے گی۔ جیسے اقتداء کا حال ہے اور امامت کی نیت اس وقت شرط ہے جب کہ عورت نے محاذی ہوکر اقتداء کی ہو اور اگر عورت کے پہلو میں کوئی مرد نہ ہو تو اس میں دو روایتیں ہیں۔ اور فرق دونوں روایتوں میں سے ایک پر یہ ہے کہ فساد نماز اول میں لازم ہے اور دوسری صورت میں فساد کا احتمال ہے۔

تشریح...... اس عبارت میں ایک صورت کو بیان کیا گیا ہے جب کہ امام نے محاذیہ عورت کے امام ہونے کی نیت نہ کی ہو یعنی یہ نیت نہیں کی کہ میں اس عورت کا امام ہوں تو اس صورت میں عورت کی محاذات مرد کو کچھ مضر نہ ہوگی اور اس عورت کی نماز بھی جائز نہ ہوگی۔ دلیل یہ ہے کہ ہمارے نزدیک بغیر نیت کے اشتراک فی الصلوۃ ثابت نہیں ہوتا اگرچہ امام زفرؒ کے نزدیک بغیر نیت بھی اشتراک ثابت ہوجاتا ہے کیونکہ امام زفرؒ کے نزدیک عورت جب مرد کی نماز میں داخل ہوگئی تو مرد کی نماز کے فاسد ہونے کے لئے عورت کا امام ہونے کی نیت کی

شرط نہیں ہے اس لئے کہ مرد مردوں اور عورتوں دونوں کی امامت کر سکتا ہے۔

پھر واضح ہو کہ مرد کا اس امام مرد کی اقتداء کرنا بغیر نیت امامت کے صحیح ہے یعنی اگر امام نے یہ نیت نہیں کی کہ میں اس کا امام ہوں تب بھی مرد اس امام کی اقتداء کر سکتا ہے پس اسی طرح بغیر نیت امامت کے عورت کا اقتداء کرنا بھی صحیح ہوگا پس ثابت ہوا کہ مرد کی نماز کے فساد کے لئے عورت کے امام ہونے کی نیت کرنا شرط نہیں ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک بغیر امام کے اشتراک ثابت نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث "اخروهن" کی وجہ سے مقتدیوں کو بالترتیب کھڑا کرنے کی ذمہ داری امام پر ہے یعنی ترتیب مقام امام پر لازم ہے اور جس شخص پر کوئی چیز لازم ہو وہ اس کے لازم کرنے پر موقوف ہوتی ہے یعنی اگر لازم کرے گا تو لازم ہوگی ورنہ نہیں۔ جیسے اقتداء کا حال ہے کہ مقتدی کا اقتداء کرنے کی نیت کرنا شرط ہے اس لئے کہ اسی نیت اقتداء سے وہ اپنی نماز کو امام کی ضمانت میں دے گا تاکہ امام کی کسی حرکت سے نماز میں نقص وضرر پیدا ہو تو مقتدی کے قبول کرنے اور اس کی رضامندی سے اس پر لازم آئے۔ اسی طرح امام کا عورتوں کی امامت کی نیت کرنا شرط ہے تاکہ عورتوں کی جانب سے اگر کوئی ضرر ہو تو وہ امام کا قبول کیا ہوا ہو۔

شمس الائمہ السرخسیؒ نے بغیر نیت امامت کے امام کی نماز فاسد نہ ہونے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اگر بغیر نیت امامت کے عورت کی اقتداء صحیح قرار دیدی جائے تو ہر عورت من چاہے طریقہ پر مرد کی نماز فاسد کر دینے پر قادر ہوگی اس طرح پر کہ مرد کی اقتداء کر کے اس کے پہلو میں کھڑی ہو جائے اور ظاہر ہے کہ اس میں مرد کا ضرر ہے اس وجہ سے مرد کے لئے نیت امامت کو شرط قرار دیا گیا تاکہ یہ ضرر مرد کی رضامندی سے اس پر لازم آئے۔

وانما یشترط نیۃ الامامۃ، یہاں سے صاحب ہدایہ نے کہا کہ امام کا امامت کی نیت کرنا اسی وقت شرط ہے جب کہ عورت امام کی محاذیہ ہو کر اس کی مقتدی ہے، یعنی محاذات کی وجہ سے امام کی نماز جب ہی فاسد ہوگی جبکہ عورت نے اس کے محاذی ہو کر اقتداء کی ہو اور امام نے اس کی امامت کی بھی نیت کی ہو اور اگر عورت امام کے پیچھے کھڑی ہوئی تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ یہ عورت کسی مرد مقتدی سے محاذی بن کر کھڑی ہوئی۔ دوم یہ کہ کسی مرد مقتدی کے محاذی بن کر کھڑی نہیں ہوئی۔ یعنی اس کے پہلو میں کوئی مرد نہیں ہے۔ اگر یہ عورت مرد مقتدی کے محاذی ہو کر کھڑی ہوئی تو صحیح یہ ہے کہ بغیر امامت کی نیت یہ عورت مقتدیہ نہیں ہوگی۔

اور اگر عورت کے پہلو میں کوئی مرد نہ ہو یعنی اس کا محاذی کوئی مرد نہ ہو تو اس میں دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت میں امامت کی نیت کرنا امام کے لئے شرط ہے اور ایک روایت میں شرط نہیں ہے۔ دونوں ....روایتوں کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں بالفعل تو عورت محاذی نہیں ہے لہٰذا اس کی ذات سے کوئی فساد بھی نہیں ہے البتہ اس بات کا احتمال ہے کہ وہ آگے بڑھ کر محاذیہ ہو جائے پس اگر اس احتمال کا اعتبار کیا جائے تو نیت امامت شرط ہوگی تاکہ فساد نماز اس کے التزام کرنے سے ہو اور اگر یہ احتمال ملحوظ نہ ہو تو نیت شرط نہیں ہوگی۔

رہی یہ بات کہ ان دونوں روایتوں میں سے نیت شرط ہونے کی روایت اور اول صورت میں کیا فرق ہے تو اس کا جواب دیا کہ اول صورت میں یعنی جب کہ عورت کسی مرد کے محاذی کھڑی ہوئی ہو فساد بالفعل واقع ہے اور دوسری صورت میں فساد کا امکان ہے یعنی جب کہ عورت امام کے پیچھے کھڑی ہوئی اور اس کے پہلو میں کوئی مرد نہ ہو۔ تو اس صورت میں فساد کا احتمال ہے کہ وہ آگے بڑھ کر مرد کے محاذی ہو جائے پس اس احتمال کو واقع پر قیاس کر کے نیت شرط کی گئی حتی کہ اگر اعتبار نہ کریں تو نیت شرط نہیں۔ جیسا کہ دوسری روایت ہے۔ (عنایہ)

علامہ بدرالدین عینی شارح ہدایہ نے لکھا ہے کہ فاضل مصنف کے پیش کردہ صورت اول اور دوسری روایت (عدم اشتراط نیت) کے درمیان فرق کرنا ہے پس اب فرق یہ ہوگا کہ صورت اول میں چونکہ فساد نماز لازم ہے اس لئے نیت شرط ہے تا کہ فساد نماز کے التزام سے ہو اور دوسری صورت میں فساد چونکہ محتمل ہے اس لئے نیت کی شرط نہیں لگائی گئی۔

محاذات کی شرائط

من شرائط المحاذاة ان تكون الصلوة مشتركة وان تكون مطلقة وان تكون المرأة من اهل الشهوة وان لا يكون بينهما حائل لانها عرفت مفسدة بالنص بخلاف القياس فيراعى جميع ماورد به النص

ترجمہ...... اور محاذات مفسدہ کی شرطوں میں سے یہ ہے کہ نماز مشترک ہو اور یہ کہ نماز مطلقہ ہو، اور یہ کہ عورت اہل شہوت سے ہو اور یہ کہ مرد اور عورت کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو کیونکہ محاذات کا مفسد ہونا خلاف قیاس نص سے معلوم ہوا ہے پس ان تمام امور کی رعایت کی جائے گی جن کے ساتھ نص وارد ہوئی ہے۔

تشریح...... اس عبارت میں محاذات مفسدہ کی چند شرطیں ذکر کی گئی ہیں۔ اول یہ کہ دونوں کی نماز تحریمہ اور اداء کے اندر مشترک ہو۔ تحریمہ میں مشترک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کے تحریمہ کی بناء امام کے تحریمہ پر ہو یا ان دونوں میں ایک نے دوسرے کے تحریمہ پر بناء کی ہو بایں طور کہ عورت اور مرد میں سے ایک امام اور دوسرا مقتدی ہو۔ اور اداء میں اشتراک کا مطلب یہ ہے کہ جو نماز وہ دونوں ادا کریں گے اس میں ان دونوں کے لئے کوئی امام ہو حقیقتاً یا حکماً مثلاً ایک مرد اور عورت نے تیسری رکعت میں امام کی اقتداء کی پھر ان دونوں کو حدث ہوا تو وہ دونوں گئے پھر آ کر پڑھنے لگے اور عورت اس کی محاذی ہوگئی۔ پس اگر عورت امام کی تیسری اور چوتھی رکعات میں محاذی ہوئی جو ان دونوں کی پہلی اور دوسری ہے تو مرد کی نماز اس محاذات کی وجہ سے فاسد ہو جائے گی کیونکہ تیسری اور چوتھی رکعات میں تحریمہ اور ادا دونوں اعتبار سے اشتراک ہے اشتراک فی التحریمہ تو اس لئے ہے کہ دونوں کے تحریمہ کی بناء امام کے تحریمہ پر ہے اور اشتراک فی الادا اس لئے ہے کہ تیسری اور چوتھی رکعت میں دنوں کے لئے ایک امام ہے اگر چہ حکماً۔ حکماً اس لئے ہے کہ جب یہ دونوں وضو کے لئے گئے تھے تو امام اپنی نماز پوری کر چکا تھا پس تیسری اور چوتھی رکعت میں یہ دونوں لاحق ہوں گے اور لاحق کے لئے اگر چہ حقیقتاً امام نہیں ہوگا مگر حکماً امام ہوتا ہے۔

اور اگر بعد کی دونوں رکعتیں پڑھ کر اپنی تیسری اور چوتھی (جو درحقیقت ان کی پہلی اور دوسری ہے) میں جا کر محاذی بنی تو مرد کی نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ پہلی اور دوسری رکعت میں یہ دونوں مسبوق ہیں اور مسبوق جب اپنی فوت شدہ رکعتوں کو پڑھتا ہے تو اس کے لئے نہ حقیقتاً امام ہوتا ہے اور نہ حکماً امام ہوتا ہے پس ان دونوں رکعتوں میں شرکت فی التحریمہ اگر چہ موجود ہے مگر شرکت فی الادا موجود نہیں۔ اس لئے اس صورت میں محاذات مفسد نماز نہیں ہوگی۔

دوسری شرط یہ ہے کہ نماز مطلقہ (رکوع سجدہ والی) ہو اگر چہ کسی عذر سے اس کو اشارہ سے ادا کرتے ہوں چنانچہ نماز جنازہ میں محاذات مفسد نہیں ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ عورت مشتہات (قابل شہوت) ہو خواہ یہ عورت باندی ہو یا آزاد خواہ بیوی ہو یا ماں یا بہن وغیرہ محرم ہو۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو مثلاً ستون یا کوئی اور چیز یا اتنی جگہ خالی ہو کہ اس میں ایک مرد کھڑا ہو جائے۔
ان مذکورہ شرطوں کی دلیل یہ ہے کہ محاذات کا مفسد نماز ہونا خلاف قیاس نص یعنی اخروھن من حیث اخرھن اللہ سے معلوم ہوا ہے لہٰذا ان تمام امور کی رعایت رکھی جائے گی جن کے ساتھ نص وارد ہوئی۔
صاحب عنایہ نے اس استدلال کو مسترد کیا ہے چنانچہ فرمایا کہ اس حدیث میں نمازی کا ذکر نہیں چہ جائے کہ ان قیود کا ذکر ہو لیکن بعض حضرات نے ان قیود کو ثابت کرنے کے لئے بڑے تکلفات سے کام لیا ہے اس کے لئے علامہ الہند مولانا عبدالحیؒ کا حاشیہ ہدایہ ملاحظہ کیجئے۔

عورتوں کے لئے جماعت کی نماز میں شرکت کا حکم

ویکرہ لھن حضور الجماعات، یعنی الشواب منھن لما فیہ من خوف الفتنۃ

ترجمہ......اور عورتوں کے لئے جماعتوں میں حاضر ہونا مکروہ ہے مراد جوان عورتیں ہیں کیونکہ ان کی حاضری میں فتنہ کا خوف ہے۔
تشریح......جوان عورتوں کو جماعتوں میں حاضر ہونا مکروہ ہے۔ امام شافعیؒ نے کہا کہ عورتوں کا مسجد کی طرف نکلنا مباح ہے امام شافعیؒ کی دلیل حضور ﷺ کا قول لاتمنعوا آماء اللہ مساجد اللہ ہے یعنی اللہ کی لونڈیوں کو اللہ کی مساجد سے مت روکو اور ایک روایت میں ہے اذا استاذنت احدکم امرأتہ الی المسجد فلایمنعھا یعنی جب تم میں سے کسی سے اس کی بیوی مسجد میں جانے کی اجازت مانگے تو اس کو منع نہ کرے۔
ہماری دلیل یہ ہے کہ جوان عورتوں کی حاضری میں فتنہ کا خوف ہے اس لئے ان کو مساجد میں حاضر ہونے سے روکا جائے گا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورتوں کو مساجد کی طرف نکلنے سے منع کیا تو عورتوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شکایت کی تو ام المومنینؓ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر اس حالت کا علم ہو جاتا جس کا عمر کو ہے تو آپ بالکل اجازت نہ دیتے ایک روایت میں ہے کہ ام المومنینؓ نے فرمایا حضور ﷺ اب جیسی نمازی حالت دیکھتے تو جیسے بنو اسرائیل کی عورتیں ممنوع ہوئیں تم بھی منع کی جاتیں۔
ہمارے مذہب کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کو ابن عبدالبر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے ایھا الناس انھوا نساء کم عن لبس الزینۃ والتبختر فی المساجد فان بنی اسرائیل لم یلعنوا حتی لبست نساء ھم الزینۃ وتبختروا فی المساجد یعنی اے لوگو! اپنی عورتوں کو مسجدوں میں زینت اور تکبر کا لباس پہننے سے منع کرو کیونکہ بنو اسرائیل ملعون نہیں ہوئے یہاں تک کہ ان کی عورتوں نے مساجد میں زینت اور فخر وغرور کا لباس پہنا چونکہ ہمارے اس زمانے میں فساق کا غلبہ ہے اس لئے غیر مزین عورتوں کو بھی منع کیا گیا ہے۔

بوڑھی عورتوں کے لئے جماعت میں شرکت کا حکم......اقوالِ فقہاء

ولاباس للعجوز ان تخرج فی الفجر والمغرب والعشاء وھذا عند ابی حنیفۃؒ وقالا یخرجن فی الصلوٰت کلھا

لانه لا فتنة لقلة الرغبة فلا يكره كما في العيد وله ان فرط الشبق حامل فتقع الفتنة غير ان الفساق انتشارهم في الظهر والعصر والجمعة اما في الفجر والعشاء هم نائمون وفي المغرب بالطعام مشغولون والجبانة متسعة فيمكنها الاعتزال عن الرجال فلا يكره

ترجمہ ...... اور بوڑھی عورت کے لئے کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ فجر، مغرب اور عشاء میں نکلے اور یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے صاحبینؒ نے کہا کہ بوڑھی عورتیں تمام نمازوں میں نکلیں کیونکہ (بوڑھی عورتوں میں) رغبت کی کمی کی وجہ سے کوئی فتنہ نہیں ہے پس مکروہ نہیں ہوگا جیسے عید میں اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ شدت شہوت باعث جماع ہے پس فتنہ واقع ہوگا۔ مگر یہ کہ فساق ظہر، عصر اور جمعہ میں پھیلے رہتے ہیں اور فجر اور عشاء میں سوتے رہتے ہیں اور مغرب کے وقت کھانے میں لگے رہتے ہیں جنگل وسیع ہوتا ہے پس اس میدان میں عورتوں کے لئے مردوں سے الگ رہنا ممکن ہے اس لئے (عید میں) نکلنا مکروہ نہیں ہے۔

تشریح ...... حضرت امام ابوحنیفہؒ نے بوڑھی عورتوں کو ظہر اور عصر کے وقت میں نکلنے سے منع کیا ہے البتہ فجر عشاء اور مغرب کے وقت کی اجازت دی ہے اور صاحبینؒ نے بوڑھی عورتوں کو تمام نمازوں میں نکلنے کی اجازت دی ہے۔ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ بوڑھی عورتوں کی طرف میلان طبع کم ہونے کی وجہ سے کوئی فتنہ نہیں ہے اس لئے ان کا نکلنا بھی مکروہ نہیں ہے جیسا کہ عید میں نکلنا بالاتفاق جائز ہے یہ بات کہ عید میں نکلنا عید کی نماز کے لئے یا بغیر نماز کے سواس بارے میں امام ابوحنیفہؒ سے دو روایتیں ہیں ایک روایت جس کو حسن نے روایت کیا یہ ہے کہ بوڑھی عورتیں نماز عید کے لئے نکلیں اور آخری صف میں کھڑی ہوکر مردوں کے ساتھ نماز پڑھیں کیونکہ عورتیں مردوں کے تابع ہوکر اہل جماعت میں سے ہیں۔

دوسری روایت جس کو معلّی نے ابویوسفؒ سے اور ابویوسفؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے روایت کیا یہ ہے کہ عید میں بوڑھی عورتوں کا نکلنا جماعت کے لئے ہے یعنی ایک طرف کھڑی ہو جائیں اور مردوں کے ساتھ نماز نہ پڑھیں کیونکہ بطریق صحت یہ بات ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے حیض والی عورتوں کو عید کے لئے نکلنے کا حکم دیا حالانکہ وہ اہل نماز میں سے نہیں تھیں پس معلوم ہوا کہ عید میں نکلنا نماز عید کے لئے نہیں ہے بلکہ مجمع کو زیادہ کرنے کے لئے ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ شدت شہوت باعث جماع ہے لہٰذا بوڑھی عورتوں کے نکلنے میں بھی فتنہ واقع ہوگا۔ ہاں اتنی بات ہے کہ فاسق لوگ ظہر اور عصر اور جمعہ کے اوقات میں پھرتے رہتے ہیں اس لئے ان اوقات میں بوڑھی عورتیں نہ نکلیں رہا فجر اور عشاء کا وقت میں تو وہ سوتے رہتے ہیں اور مغرب کے وقت کھانے میں مشغول ہوتے ہیں پس معلوم ہوا کہ ان تینوں اوقات میں فاسقوں سے امن ہے اس لئے ان تینوں اوقات میں بوڑھی عورتوں کو نماز کے لئے نکلنے کی اجازت دی گئی ہے۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ صاحبین کا عید میں نکلنے پر قیاس درست نہیں کیونکہ عید کی نماز بالعموم جنگل میں ہوتی ہے اور جنگل وسیع ہے پس وسیع میدان میں بوڑھی عورتوں کا مردوں سے ایک طرف ہونا ممکن ہے اس لئے اس کا عید میں نکلنا مکروہ نہیں ہے۔

فوائد ...... آج کل چونکہ فساد عام ہے اس لئے تمام نمازوں میں بوڑھی عورتوں کا نکلنا مکروہ ہے۔ (عنایہ)

طاہرہ کے لئے مستحاضہ کی اقتداء کا حکم

قال ولایصلی الطاهر خلف من هو فی معنی المستحاضة ولا الطاهرة خلف المستحاضة لان الصحیح اقوی حالا من المعذور والشئی لایتضمن ماهو فوقه والامام ضامن بمعنی تضمن صلوته صلوة المقتدی

ترجمہ...... اور پاک مرد اس شخص کے پیچھے نماز نہ پڑھے جو مستحاضہ کے حکم میں ہے اور نہ پاک عورت مستحاضہ کے پیچھے نماز پڑھے کیونکہ تندرست کا حال بہ نسبت معذور کے اقوی ہے اور شئے اپنے سے مافوق کو متضمن نہیں ہوتی حالانکہ امام ضامن ہے بایں معنی کہ امام کی نماز مقتدی کی نماز کو متضمن ہے۔

تشریح...... مستحاضہ اور جو مستحاضہ کے حکم میں ہے فقہا کی اصطلاح میں اس کو معذور کہتے ہیں پس اب صورت مسئلہ یہ ہوگی کہ پاک مرد معذور مرد کے پیچھے نماز نہ پڑھے اور نہ پاک عورت مستحاضہ عورت کے پیچھے پڑھے۔

دلیل سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ اس طرح تمام مسائل کی اصل حضور ﷺ کا قول الامام ضامن ہے اور حدیث کے معنی ہیں کہ امام کی نماز مقتدی کی نماز کو متضمن ہے یہ معنی نہیں کہ امام مقتدی کی نماز کا ذمہ دار یعنی مکلف ہے دوسری بات کہ شے اپنے سے کمتر کو متضمن ہوتی ہے یا اپنے ہم مثل کو لیکن اپنے سے مافوق کو متضمن نہیں ہوتی۔

اب دلیل کا حاصل یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں مقتدی چونکہ پاک اور غیر معذور ہے اور امام معذور کے حکم میں ہے اس لئے مقتدی کی نماز کا حال امام کی نماز سے اقوی اور ارفع ہے اور امام کی نماز کا حال کمتر اور ادنیٰ ہے اور چونکہ کمتر اور اضعف اقوی کو متضمن نہیں ہوتا اس لئے امام کی نماز مقتدی کی نماز کو متضمن نہیں ہوگی حالانکہ امام کی نماز مقتدی کی نماز کو متضمن ہوتی ہے اس لئے پاک اور غیر معذور مرد کا معذور کی اقتداء کرنا جائز نہیں ہے۔

اس طرح پاک عورت کی نماز مستحاضہ کے پیچھے درست نہیں ہوگی کیونکہ مستحاضہ کی نماز کا حال مقتدی عورت کی نماز کے حال سے ناقص ہے۔

قاری کے لئے اُمی اور کپڑے پہننے والے کے لئے ننگے کی اقتداء کا حکم

ولایصلی القاری خلف الامی ولا المکتسی خلف العاری لِقُوَّةِ حالها

ترجمہ...... اور قاری اُمی کے پیچھے نہ پڑھے اور نہ کپڑا پہننے والا ننگے کے پیچھے پڑھے کیونکہ قاری اور مکتسی کا حال بہ نسبت امی اور ننگے کے قوی ہے۔

تشریح...... مسئلہ اور اس کی دلیل واضح ہے۔

متوضئین کے لئے متیمم کی اقتداء کا حکم...... اقوالِ فقہاء

ویجوز ان یؤم المتیمم المتوضئین وهذا عند ابی حنیفةؒ وابی یوسفؒ وقال محمدؒ لایجوز لانه طهارة

ضروریة والطهارة بالماء اصلیة و لهما انه طهارة مطلقة و لهذا لا یتقدر بقدر الحاجة

ترجمہ ...... اور تیمم کرنے والے کے لئے وضو والوں کی امامت کرنا جائز ہے اور یہ ابوحنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے اور امام محمدؒ کہ جائز نہیں کیونکہ تیمم تو طہارت ضروریہ ہے اور پانی کے ساتھ طہارت کرنا اصلی ہے اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ تیمم طہارت مطلقہ وجہ سے وہ قدر حاجت تک مقدر نہیں۔

تشریح ...... اس بارے میں اختلاف ہے کہ متوضی متیمم کی اقتداء کرسکتا ہے یا نہیں شیخین نے اس کو جائز قرار دیا ہے اور امام محمدؒ عدم کے قائل ہیں۔

امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ تیمم طہارت ضروریہ ہے اور طہارت بالماء طہارت اصلیہ ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ طہارت اصلیہ پر مشتمل ہے اس کا حال اقوی ہے بہ نسبت اس کے حال کے جو طہارت ضروریہ پر مشتمل ہو پس معلوم ہوا کہ مقتدی کا امام کے حال سے اقوی ہے اور یہ امر مسلم ہے کہ ادنی حال والا شخص اقوی اور ارفع حال والے کی امامت نہیں کرسکتا۔ اس لئے ہم کہ تیمم کے لئے متوضین کی امامت کرنا جائز نہیں ہے۔

شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ تیمم طہارت مطلقہ غیر موقتہ ہے یعنی تیمم مطلقاً طہارت ہے مستحاضہ کی طہارت کی طرح موقت نہیں وجہ ہے کہ تیمم قدر حاجت کے ساتھ مقدر نہیں ہے بلکہ دس سال تک بھی اگر پانی دستیاب نہ ہو یا اس کے استعمال پر قدرت نہ ہو مشروع رہے گا پس جب تیمم طہارت مطلقہ ہوا تو تیمم اور متوضی دونوں کا حال یکساں ہوا اور جب دونوں کا حال یکساں ہے دوسرے کی امامت کرسکتا ہے۔

غاسلین کے لئے ماسح کی اقتداء کا حکم

ویؤم الماسح الغاسلین لان الخف مانع سرایة الحدث الی القدم وما حل بالخف یزیله المسح بخلاف المستحاضة لان الحدث لم یعتبر زواله شرعا مع قیامه حقیقة

ترجمہ ...... اور مسح کرنے والا دھونے والوں کی امامت کرسکتا ہے کیونکہ موزہ حدث کو قدم تک سرایت کرنے سے روکنے والا ہے اور جو موزہ میں حلول کر گیا اس کو موزہ دور کردے گا برخلاف مستحاضہ کے کیونکہ حدث ایسی چیز ہے جس کا زوال شرعاً معتبر نہیں ہے باوجود حدث حقیقۃً موجود ہے۔

تشریح ...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ موزوں پر مسح کرنے والا پاؤں دھونے والوں کی امامت کرسکتا ہے دلیل یہ ہے کہ صاحب خف اپنے پاؤں دھو کر موزے پہنے ہیں اور موزہ قدم تک حدث کو سرایت کرنے سے منع کرتا ہے تو یہ شخص پیروں کا دھونے والا باقی رہا۔ حدث موزہ میں حلول کر گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو کچھ موزہ میں حلول کر گیا اس کو مسح دور کردیتا ہے اس لئے موزہ والے کی طرح دھونے کے مثل باقی ہے۔

اس کے برخلاف مستحاضہ عورت ہے یعنی جس کے پیچھے معذور ہونے کی وجہ سے اقتداء جائز نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ معذور کا حدث درحقیقت قائم ہے پس حدث موجود ہونے کے باوجود شریعت نے اس کو معذور رکھا ہے ایسا نہیں کہ حدث کو زائل قرار دیا ہو پس چونکہ معذور کے ساتھ حقیقۃ حدث قائم ہے اس لئے غیر معذور کے واسطے معذور کی اقتداء کرنا جائز نہیں ہے۔

قائم کے لئے قاعد کی اقتداء کا حکم

ویصلی القائم خلف القاعد و قال محمد لایجوز وھو القیاس لقوۃ حال القائم ونحن ترکناہ بالنص وھو ما روی ان النبی علیہ السلام صلی اخر صلاتہ قاعدا والقوم خلفہ قیام

ترجمہ..... اور کھڑا ہونے والا بیٹھنے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے اور امام محمدؒ نے کہا کہ جائز نہیں ہے اور یہی قیاس ہے کیونکہ قائم کا حال قوی ہے اور ہم نے قیاس کو نص کی وجہ سے چھوڑ دیا اور نص وہ حدیث ہے جو روایت کی گئی کہ حضور ﷺ نے اپنی آخری نماز بیٹھ کر پڑھی اور قوم آپ کے پیچھے کھڑی تھی۔

تشریح..... مسئلہ قائم قاعد کی اقتداء کر سکتا ہے۔ امام محمدؒ نے کہا کہ قائم کے لئے قاعد کی اقتداء کرنا جائز نہیں ہے۔ یہی مقتضائے قیاس ہے کیونکہ قائم کا حال قاعد سے قوی ہے پس جس طرح تندرست کے لئے اس مریض کی اقتداء جائز نہیں جو اشارے سے نماز پڑھتا ہے کیونکہ تندرست کا حال اس مریض سے قوی ہے اسی طرح قائم کے لئے قاعد کی اقتداء کرنا جائز نہیں ہوگا۔ لیکن ہم نے اس قیاس کو نص کی وجہ سے ترک کر دیا۔ نص سے مراد یہ حدیث ہے کہ حضور ﷺ جب مرض وفات میں مبتلا ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ تم اللہ کے رسول اللہ ﷺ سے عرض کرو کہ ابوبکر رقیق القلب آدمی ہیں جب آپ کی جگہ مصلی پر کھڑے ہوں گے تو اپنے اوپر قابو نہیں پاسکیں گے اس لئے کسی اور کو نماز پڑھانے کے لئے فرما دیں۔ عائشہؓ نے یہ بات دوبارہ کہی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ انتن صواحبات یوسف ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں پس جب صدیق اکبرؓ نے نماز شروع کی تو آپ ﷺ نے مرض میں افاقہ محسوس کیا پھر حضرت عباسؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ سہارا لے کر مسجد تشریف لائے پس جوں ہی ابوبکرؓ نے آپ ﷺ کی آمد کی آہٹ محسوس کی تو پیچھے ہٹ گئے اور حضور ﷺ آگے بڑھے اور بیٹھ کر نماز پڑھی اور ابوبکرؓ آپ ﷺ کی نماز کے ساتھ نماز پڑھتے اور لوگ ابوبکر کی نماز کے ساتھ نماز پڑھتے۔ مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بیٹھ کر امامت فرمائی اور ابوبکر آپ ﷺ کی تکبیر کی آواز سن کر تکبیر کہتے اور لوگ ابوبکر کی تکبیر سن کر تکبیر کہتے تھے یہ حضور ﷺ کی آخری نماز ہے جس میں آپ ﷺ نے امامت فرمائی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والوں کے لئے بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی اقتداء کرنا جائز ہے۔

مؤمی کے لئے مؤمی کی اقتداء کا حکم

ویصلی المؤمی خلف مثلہ لاستوائھما فی الحال الا ان یؤمی المؤتم قاعد او الامام مضطجعا لان القعود معتبر فیثبت بہ القوۃ

ترجمہ...... اور نماز پڑھے اشارہ کرنے والا اپنے مثل اشارہ کرنے والے کے پیچھے کیونکہ حالت میں دونوں برابر ہیں مگر یہ کہ مقتدی بیٹھ کر اشارہ کرے اور امامت لیٹ کر کیونکہ قعود تو معتبر ہے پس اس کے ساتھ قوت ثابت ہوگی۔

تشریح...... مسئلہ، اشارے سے نماز پڑھنے والا اپنے ہم مثل اشارے سے نماز پڑھنے والے کی اقتداء کرسکتا ہے اگرچہ امام بیٹھ کر اشارہ کرتا ہو اور مقتدی کھڑا ہو کر اشارہ کرے۔ کیونکہ کھڑے ہو کر اشارے کے ساتھ نماز پڑھنے کی صورت میں قیام رکن نہیں رہتا بلکہ اس کا ترک کرنا اولی ہوتا ہے پس یہ قیام عدم قیام کے حکم میں ہے۔

حاصل دلیل یہ ہے کہ امام اور مقتدی حالت میں دونوں مساوی ہیں لہذا ایک کا دوسرے کی اقتداء کرنا جائز ہوگا۔

ہاں اگر مقتدی بیٹھ کر اشارہ کرتا ہو اور امام لیٹ کر تو اس صورت میں اقتداء جائز نہیں ہے کیونکہ یہ قعود تو معتبر رکن ہے۔ اور معتبر ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی کو بیٹھ کر اشارہ کرنے کی قدرت ہو تو لیٹ کر اشارہ کے ساتھ نفل نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ پس معلوم ہوا کہ قعود معتبر رکن ہے اور جب قعود معتبر رکن ہے تو اس کے ساتھ مقتدی کے حال سے قوت ثابت ہوگی جو امام کے لئے ثابت نہیں ہے۔ اور چونکہ اقوی حال والے کے لئے غیر اقوی حال والے کی اقتدار جائز نہیں ہے اس لئے بیٹھ کر اشارہ کرنے والے کے لئے لیٹ کر اشارہ کرنے والے کی اقتداء جائز نہیں ہے۔

راکع اور ساجد کے لئے مؤمی کی اقتداء کا حکم

و لا يصلى الذى يركع و يسجد خلف المؤمى لان حال المقتدى اقوى و فيه خلاف زفر

ترجمہ...... اور رکوع اور سجدہ کرنے والا اقتداء نہ کرے اشارہ کرنے والے کے پیچھے کیونکہ مقتدی کی حالت اقوی ہے اور اس میں امام زفر کا اختلاف ہے۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ رکوع اور سجدہ کے ساتھ نماز پڑھنے والا اشارہ کرنے والے کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔ امام زفر نے کہا کہ اشارہ کرنے والا رکوع سجدہ کرنیوالے کی امامت کرسکتا ہے۔ امام زفر کی دلیل یہ ہے کہ اشارے کے ساتھ نماز پڑھنے والے سے رکوع اور سجدہ بالبدل ساقط ہو گئے یعنی رکوع اور سجدہ اگرچہ ساقط ہو گئے لیکن ان کا بدل یعنی اشارہ موجود ہے اور بدل کے ساتھ ادا کرنا ایسا ہے جیسے اصل کے ساتھ ادا کرنا۔ یہی وجہ ہے کہ متیمم متوضئین کی امامت کرسکتا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اس مسئلہ میں مقتدی کا حال اقوی ہے اور امام کا اضعف اور سابق میں یہ اصول گذر چکا ہے کہ اضعف الحال اقوی حال والے کی امامت نہیں کرسکتا۔ رہا یہ کہ اشارہ رکوع اور سجود کا بدل ہے سو ہمیں یہ بات تسلیم نہیں کیونکہ اشارہ رکوع اور سجدہ کا بعض ہے اور بعض شئی شئی کا بدل نہیں ہوتا۔

مفترض کے لئے متنفل کی اقتداء کا حکم

و لا يصلى المفترض خلف المتنفل لان الاقتداء بناء و وصف الفرضية معدوم فى حق الامام فلا يتحقق البناء على المعدوم

ترجمہ ...... اور فرض ادا کرنے والا نفل ادا کرنے والے کے پیچھے نہ پڑھے کیونکہ اقتداء کرنا بناء ہے حالانکہ امام کے حق میں فرضیت کا وصف معدوم ہے پس بنا کرنا معدوم پر متحقق نہ ہوگا۔

تشریح ...... مفترض کے لئے متنفل کے اقتداء کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اقتداء نام ہے بنا کرنے کا اور بناء امر وجودی ہے نہ کہ امر عدمی اور بناء امر وجودی اس لئے ہے کہ بناء نام ہے ایک شخص کا دوسرے شخص کی متابعت کرنا اس کے افعال میں مع ان کی صفات کے اور یہ بات ظاہر ہے کہ متابعت مفہوم وجودی ہے نہ کہ مفہوم سلبی اور امر وجودی کی بنا امر عدمی پر صحیح نہیں ہے پس چونکہ مسئلہ مذکورہ میں وصف فرضیت امام کے حق میں معدوم ہے اس لئے بناء کرنا متحقق نہیں ہوگا اور جب بناء کرنا متحقق نہیں ہوا تو اقتداء کرنا بھی صحیح نہیں ہوگا۔

ایک فرض والے کے لئے دوسرے فرض والے کے پیچھے، نماز کا حکم

قال ولا من يصلي فرضا خلف من يصلي فرضا آخر لان الاقتداء شركة وموافقة فلابد من الاتحاد وعند الشافعيؒ يصح في جميع ذلك لان الاقتداء عنده اداء على سبيل الموافقة وعندنا معنى التضمن مراعى

ترجمہ ...... اور نہ اقتداء کرے وہ شخص جو فرض پڑھتا ہے پیچھے اس شخص کے جو دوسرا فرض پڑھتا ہے کیونکہ اقتداء تو شرکت اور موافقت کا نام ہے اس لئے اتحاد ضروری ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک ان سب صورتوں میں اقتداء صحیح ہے کیونکہ امام شافعیؒ کے نزدیک اقتداء علی سبیل الموافقت ادا کرنے کا نام ہے اور ہمارے نزدیک تضمن کے معنی ملحوظ ہیں۔

تشریح ...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک فرض ادا کرنے والا دوسرا فرض ادا کرنے والے کی اقتداء نہ کرے مثلاً ظہر کی نماز پڑھنے والے کی اقتداء عصر کی نماز پڑھنے والے کے پیچھے جائز نہیں ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اقتداء نام ہے تحریمہ کے اندر شرکت اور افعال بدنیہ کے اندر موافقت کا۔ اور شرکت میں موافقت اسی وقت ہوسکتی ہے جبکہ دونوں کے تحریمہ اور افعال میں اتحاد ہو اور چونکہ مذکورہ صورت میں اتحاد نہیں اس لئے اقتداء بھی درست نہیں ہوگی۔

امام شافعیؒ کے نزدیک مذکورہ تمام صورتوں میں اقتداء درست نہیں ہے یعنی رکوع سجدہ کرنے والا اشارہ کرنے والے کی اقتداء کرسکتا ہے ناظر مفترض متنفل کی اور ایک فرض ادا کرنے والا دوسرا فرض ادا کرنے والے کی اقتداء کرسکتا ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ اقتداء علی سبیل الموافقت ارکان کے ادا کرنے کا نام ہے یعنی صرف اعمال میں موافقت ہو پس گویا ان کے نزدیک ہر شخص اپنی نماز کا منفرد ہے اور جماعت صرف اسی قدر ہے کہ افعال جو ہر ایک ادا کرتا ہے وہ ایک ساتھ ادا کریں پس اس دلیل سے معلوم ہوا کہ شوافع کے نزدیک صرف افعال کے اندر موافقت ضروری ہے شرکت فی التحریمہ ضروری نہیں ہے اور جب شرکت فی التحریمہ ضروری نہیں تو ایک فرض ادا کرنے والا دوسرا فرض ادا کرنے والے کی اقتداء کرسکتا ہے اور ہمارے نزدیک موافقت کے ساتھ تضمن کے معنی بھی ملحوظ ہیں یعنی امام کی نماز مقتدی کی نماز کو متضمن ہوتی ہے حتیٰ کہ امام کی نماز فاسد ہونے سے مقتدی کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی اور امام کی نماز کے صحیح ہونے سے مقتدی کی نماز درست ہو جائے گی۔ ضمانت امام کی دلیل حدیث ابو ہریرہؓ الامام ضامن ہے۔

حاصل یہ کہ ہمارے نزدیک جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا ایسا ہے جیسے کوئی شخص کچھ لوگوں کی دعوت کرے اور کھانے کا نظم بھی خود کرے تو گویا داعی مدعو حضرات کے کھانے کا ضامن ہوگیا۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا ایسا ہے جیسے کچھ لوگ

اپنے اپنے گھر سے کھانا لا کر کسی ایک آدمی کے دسترخوان پر جمع ہو کر تناول کر لیں۔ تو گویا ان کے صرف کھانا جمع ہونے میں مشارکت ہے
کوئی کسی کا ذمہ دار اور ضامن نہیں ہوا۔

امام شافعی کا استدلال اس مسئلہ میں کہ مفترض کی نماز متنفل کے پیچھے جائز ہے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے
معاذا کان یصلی العشاء مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم یرجع فیصلیها بقومه فی بنی سلمة فکان صلاته فرضا وصلاته نفلا یعنی معاذ ؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھتے تھے پھر واپس جا کر بنو سلمہ میں اپنی قوم کو پڑھاتے
پس معاذ کی قوم کی نماز فرض ہوتی اور معاذ کی نماز نفل ہوتی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مفترض کی نماز متنفل کے پیچھے جائز ہے۔

ہماری طرف سے جواب یہ ہوگا کہ ہو سکتا ہے کہ معاذ بہ نیت نفل حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے ہوں اور اپنی قوم کو فرض پڑھاتے ہوں۔ پس اس احتمال کے ساتھ امام شافعی کا استدلال درست نہیں ہوگا۔ ہماری طرف سے یہ بھی جواب ہے کہ اگر مفترض کا متنفل کی اقتداء کرنا جائز ہوتا تو صلوٰۃ خوف میں یہ طریقہ مشروع نہ ہوتا کہ آدھی نماز ایک طائفہ کو پڑھائے اور آدھی دوسرے طائفہ کو بلکہ پوری پوری نماز پڑھا دی جاتی چنانچہ یہ بات ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے ایک زمانہ کے بعد دو گروہوں کو نماز آدھی آدھی پڑھائی اور درمیان میں ہر گروہ کو نماز کے منافی افعال کرنے پڑے پس اگر مفترض کے لئے متنفل کی اقتداء کرنا جائز ہوتا تو آپ ﷺ ہر گروہ کو پوری نماز پڑھا دیتے آدھی آدھی نہ پڑھاتے۔

متنفل کے لئے مفترض کی اقتداء کا حکم

ویصلی المتنفل خلف المفترض لان الحاجة فی حقه الی اصل الصلوٰة وهو موجود فی حق الامام فیتحقق البنـاء

ترجمہ..... اور نماز پڑھے متنفل مفترض کے پیچھے کیونکہ متنفل کو اصل نماز کی حاجت ہے اور وہ امام کے حق میں موجود ہے پس بناء متحقق ہو جائے گا۔

تشریح..... نفل ادا کرنے والا فرض ادا کرنے والے کی اقتداء کر سکتا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ متنفل کے حق میں صرف اصل نماز کی ضرورت ہے اور اصل نماز امام کے حق میں بھی موجود ہے اس لئے متنفل کا مفترض کے پیچھے بناء کرنا متحقق ہو جائے گا وجہ اس کی یہ ہے کہ نفل درست ہونے کے لئے مطلق نیت کافی ہے اور مطلق نیت پر فرض بھی مشتمل ہے اس لئے اقتداء صحیح ہے۔

ایک شخص نے امام کی اقتداء کی پھر معلوم ہوا امام محدث ہے، اس کے لئے کیا حکم ہے

ومن اقتدی بامام ثم علم ان امامه محدث اعاد لقوله علیه السلام من ام قوما ثم ظهر انه کان محدثا اعاد صلاته واعادوا وفیه خلاف الشافعیؒ بناء علی ما تقدم ونحن نعتبر معنی التضمن وذلک فی الفساد

ترجمہ..... اور جس نے کسی امام کی اقتداء کی پھر علم ہوا کہ اس کا امام محدث ہے تو نماز کا اعادہ کرے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ

کسی قوم کی امامت کی پھر ظاہر ہوا کہ وہ محدث یا جنبی تھا تو اپنی نماز کا اعادہ کرے اور لوگ اپنی نمازیں اعادہ کریں اور اس میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے اس پر بناء کرتے ہوئے جو سابق میں گذر چکا ہے اور ہم تضمن کے معنی کا اعتبار کرتے ہیں اور تضمن جواز اور فساد میں ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے امام کی اقتداء کی پھر مقتدی کو علم ہوا کہ اس کا امام محدث ہے تو یہ شخص اپنی نماز کا اعادہ کرے گا اور اگر اقتداء کرنے سے پہلے ہی امام کا محدث ہونا معلوم ہو گیا تو بالاجماع اقتداء کرنا جائز نہیں ہے۔ امام شافعیؒ نے کہا کہ اگر اقتداء کرنے کے بعد امام کا محدث ہونا معلوم ہوا تو مقتدی پر اپنی نماز کا اعادہ واجب نہیں ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل سابق میں گذر چکی کہ ان کے نزدیک علی سبیل الموافقت افعال ادا کرنے کا نام اقتداء ہے یعنی امام اور مقتدی میں سے ہر ایک کی نماز علیحدہ علیحدہ ہے امام کی نماز مقتدی کی نماز کو متضمن نہیں ہے اس لئے امام کی نماز فاسد ہونے سے مقتدی کی نماز فاسد نہیں ہوگی بلکہ مقتدی کی نماز صحیح ہو جائے گی اگرچہ حدث کی وجہ سے امام کی نماز فاسد ہوگئی۔ لیکن ہماری طرف سے جواب یہ ہوگا کہ ہمارے نزدیک تضمن کے معنی معتبر ہیں۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضور ﷺ کا قول الامام ضامن دو حال سے خالی نہیں یا تو اس سے مراد یہ ہے کہ امام اپنی تنہا نماز کا ضامن ہے اور یا یہ کہ اپنی قوم کی نماز کا ضامن ہے پہلی صورت میں کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ ہر آدمی اپنی نماز کا ضامن ہوتا ہے البتہ دوسری صورت صحیح ہے پھر اس کی بھی دو صورتیں ہیں کیونکہ امام اپنی قوم کی نماز کا یا تو وجوباً اور اداءً ضامن ہوگا یا صحۃً اور فساداً ضامن ہوگا۔ وجوباً اور اداءً ضامن ہونا تو بالاجماع مراد نہیں پس متعین ہو گیا کہ صحت اور فساد کے اعتبار سے ضامن ہونا مراد ہے یعنی امام کی نماز کے صحیح ہونے سے مقتدی کی نماز صحیح ہو جائے گی اور امام کی نماز فاسد ہونے سے مقتدی کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

ہماری دلیل یہ حدیث ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی باصحابہ ثم تذکر جنابۃ فاعادھا و قال من امّ قوما ثم ظھر انہ کان محدثا اور جنبا اعاد صلاتہ و اعادوا یعنی حضور ﷺ نے اپنے صحابہ ؓ کو نماز پڑھائی پھر آپ کو اپنا جنبی ہونا یاد آ گیا تو آپ نے نماز کا اعادہ کیا اور فرمایا کہ جس نے کسی قوم کی امامت کی پھر ظاہر ہو گیا کہ وہ محدث تھا یا جنبی تو وہ اپنی نماز کا اعادہ کرے اور مقتدی لوگ بھی اعادہ کریں۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ امام کی نماز فاسد ہونے سے مقتدی کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

علامہ ابن الہمام نے احناف کی تائید میں حضرت جعفر سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فعل روایت کیا ہے ان علیا رضی اللہ عنہ صلی بالناس وھو جنب او علی غیر وضوء فاعاد و امر ھم ان یعیدوا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بحالت جنابت یا بغیر وضو نماز پڑھائی پھر نماز کا اعادہ کیا اور لوگوں کو بھی اعادہ کرنے کا حکم کیا اس سے بھی معلوم ہوا کہ مقتدی کی نماز امام کی نماز کے فاسد ہونے سے فاسد ہو جاتی ہے۔

قراء اور امیوں کے لئے امی کی اقتداء کا حکم

واذا صلّی امی بقوم یقرؤن و بقوم امیین فصلاتھم فاسدۃ عند ابی حنیفۃ وقالا صلوۃ الامام ومن لم یقرأ تامۃ لانہ معذور امّ قوما معذورین فصار کما اذا امّ العاری عراۃ و لابسین ولہ ان الامام ترک فرض القراءۃ مع القدرۃ علیھا فتفسد صلوتہ وھذا لانہ لو اقتدی بالقاری تکون قراءتہ قراءۃ لہ بخلاف تلک المسألۃ وامثالھا لان

الموجود فی حق الامام لایکون موجودا فی حق المقتدی

ترجمہ...... اور اگر امی نے قاریوں کی ایک قوم اور امیوں کی ایک قوم کو نماز پڑھائی تو ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان سب کی نماز فاسد ہے اور صاحبینؒ نے کہا کہ امام کی نماز اور جو شخص قاری نہیں ہے ان کی نماز پوری ہے کیونکہ ایک معذور آدمی نے ایک معذور قوم کی امامت کی پس ایسا ہو گیا جیسے امامت کی ننگے نے ننگوں اور ستر ڈھکے ہوؤں کی۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ امام نے قدرت علی القرأت کے باوجود فرض قرأت ترک کر دیا (لہٰذا) امام کی نماز فاسد ہو جائے گی اور یہ بات اس لئے ہے کہ اگر امی مذکور کسی قاری مقتدی کی اقتداء کر لیتا تو قاری کی قرأت اس کی قرأت ہو جاتی۔ بخلاف اس مسئلے کے اور اس کے مثل مسائل کے کیونکہ جو بات امام کے حق میں موجود ہے وہ مقتدی کے حق میں موجود نہ ہوگی۔

تشریح...... امی ان پڑھ، منسوب الی الام یعنی جیسا اس کو اس کی ماں نے جنا تھا ویسا ہی ہے اور کتاب اللہ، حدیث اور زبان عرب میں جہاں بھی یہ لفظ آیا ہے اس سے مراد وہ شخص ہے جو لکھنے اور پڑھنے پر قدرت نہ رکھتا ہو۔ جو شخص قرآن کی ایک آیت پڑھ سکتا ہو وہ ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ امی ہونے سے خارج ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک جو تین آیات یا ایک بڑی آیت پڑھنے پر قادر ہو وہ امی ہونے سے خارج ہوگا۔ (عنایہ)

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر امی نے امیوں اور قاریوں کو نماز پڑھائی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان سب کی نماز فاسد ہوگی۔

صاحبینؒ کا قول یہ ہے کہ امام اور غیر قاریوں کی نماز پوری ہو جائے گی اور جو مقتدی قرأت پر قادر ہیں ان کی نماز نہیں ہوگی۔ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ ایک معذور امی نے ایک معذور قوم کی امامت کی ہے اور یہ بالاتفاق صحیح ہے پس یہ ایسا ہو گیا جیسے ایک ننگے آدمی نے ننگوں اور ستر ڈھکے ہوؤں کی امامت کی ہو اس صورت میں بالاتفاق ننگے امام اور ننگے مقتدیوں کی نماز جائز ہے اور ستر ڈھکے ہوؤں کی فاسد ہے اسی طرح یہاں بھی امی امام اور امی مقتدیوں کی نماز جائز اور قاریوں کی فاسد ہوگی۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قدرت علی القرأۃ کے باوجود فرض قرأۃ ترک کر دے تو اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے چونکہ اس مسئلہ میں بھی امام یعنی امی نے قرأت پر قدرت ہونے کے باوجود فرض قرأت ترک کر دی ہے۔ اس لئے امام کی نماز فاسد ہوگی اور جب امام کی نماز فاسد ہو گئی تو سب کی نماز فاسد ہو گئی کیونکہ امام کی نماز مقتدی کی نماز کو صحت وفساد کے اعتبار سے متضمن ہوتی ہے۔ رہی یہ بات کہ امام امی نے قدرت علی القرأت کے باوجود فرض قرأت کس طرح ترک کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر امی امام کسی قاری مقتدی کی اقتداء کر لیتا تو قاری کی قرأت اس کی قرأت ہو جاتی۔ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے من کان لہ امام فقراءۃ الامام قراءۃ لہ اور یہ اقتداء کر لینا اس کے اختیار میں تھا تو اپنے اختیار سے چھوڑ دی ورنہ قاری کی قرأت امی کی قرأت ہو جاتی۔

اس کے برخلاف ننگے اور ستر ڈھکے ہوؤں کا مسئلہ ہے اور اس کے مثل مسائل ہیں مثلاً گونگے آدمی نے گونگوں اور قاریوں کی امامت کی یا اشارہ کرنے والے نے چند اشارہ کرنے والوں اور کچھ قدرت علی الرکوع والسجود کی امامت کی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ان مسائل میں جو بات امام کے واسطے حاصل ہے وہ مقتدی کے لئے موجود نہ ہو سکے گی یعنی اگر ستر ڈھکے ہوئے شخص نے امامت کی تو مقتدی کے حق میں شریعت نے یہ حکم نہیں دیا کہ مقتدی کا ستر ڈھک گیا یا امام کے رکوع اور سجدہ ادا کرنے سے مقتدی کا رکوع اور سجدہ ادا ہو گیا پس اس فرق کے ساتھ

ایک کا دوسرے پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

قاری اور امی کے لئے الگ الگ نماز پڑھنے کا حکم

ولو كان يصلى الامى وحده والقارى وحده جاز هو الصحيح، لانه لم يظهر منهما رغبة فى الجماعة

ترجمہ...... اور اگر امی تنہا نماز پڑھتا ہے اور قاری تنہا پڑھتا ہے تو جائز ہے یہی صحیح ہے کیونکہ ان دونوں سے جماعت کرنے کی رغبت ظاہر نہیں ہوتی۔

تشریح...... مسئلہ اگر امی اور قاری علیحدہ علیحدہ نماز پڑھیں تو یہ جائز ہے اور یہی حکم صحیح ہے۔ اور امام مالک کا قول یہ ہے کہ اس صورت میں امی کی نماز جائز نہ ہوگی امام مالکؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس مسئلہ میں بھی امی قرأت پر قادر ہے اس طور پر کہ اگر امی قاری کے پیچھے اقتداء کرتا تو امی کے لئے بھی قرأت حاصل ہو جاتی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ امی اور قاری دونوں کی طرف سے جماعت کرنے کی رغبت ظاہر نہیں ہوئی جب جماعت کی رغبت نہیں پائی گئی تو اب امی کا قادر علی القرأت ہونا بھی ظاہر نہیں ہوگا۔ بلکہ اس کو عاجز ہی خیال کیا جائے گا۔

امام نے دو رکعتیں پڑھائیں پھر آخری دو میں امی کو مقدم کر دیا تو کیا حکم ہے

فان قرأ الامام فى الاولين ثم قدم فى الاخريين اميا فسدت صلاتهم وقال زفرؒ لا تفسد لتأدى فرض القراءة ولنا ان كل ركعة صلوة فلا تخلى عن القرءة اما تحقيقا او تقديرا ولا تقدير فى حق الامى لانعدام الاهلية وكذا على هذا لو قدمه فى التشهد والله تعالى اعلم بالصواب

ترجمہ...... پس اگر امام نے اول کی دونوں رکعتوں میں قرأت کر دی پھر آخیرین کیواسطے ایک امی کو آگے بڑھا دیا (خلیفہ کر دیا) تو مقتدیوں کی نماز فاسد ہو جائے گی اور امام زفرؒ نے کہا کہ فاسد نہیں ہوگی کیونکہ فرض قرأت ادا ہو گیا۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ ہر رکعت حقیقۃً نماز ہے پس قرأت سے خالی نہ ہوگی۔ (خواہ قرأت) تحقیقاً ہو یا تقدیراً ہو اور امی کے حق میں قرأت کا مقدر کرنا بھی نہیں ہے کیونکہ اس میں اہلیت ہی نہیں ہے اور یوں ہی اسی پر ہے اگر امام نے امی کو تشہد میں خلیفہ کر دیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

تشریح...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ امام نے اول کی دونوں رکعتوں میں قرأت کر دی پھر امام کو حدث ہو گیا اور اس نے بعد والی دو رکعتوں یا مغرب میں ایک رکعت کے واسطے کسی امی کو خلیفہ کر دیا تو سب مقتدیوں کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ امام زفرؒ کا مذہب یہ ہے کہ فاسد نہیں ہوگی۔ یہی ایک روایت امام ابو یوسفؒ سے ہے۔ امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ فرض قرأت تو ادا ہو گیا اور اخیرین میں قرأت فرض نہیں ہے بلکہ مسنون ہے اس وجہ سے اخیرین کے واسطے خلیفہ بنانے میں قاری اور امی دونوں برابر ہیں لہٰذا آخر کی دو رکعتوں میں امی کو خلیفہ کرنے میں کسی کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ ہر رکعت حقیقۃً نماز ہے اس لئے کوئی رکعت قرأت سے خالی نہ ہوگی خواہ قرأت تحقیقاً ہو یا تقدیراً ہو چنانچہ قرأت اولین میں تحقیقاً ہے اور اخیرین میں تقدیراً کیونکہ حدیث رسولؐ سے معلوم ہوتا ہے کہ اولین کی قرأت ہی اخیرین کی قرأت ہے اور

ای کے حق میں ان دونوں میں سے کوئی موجود نہیں ہے امی کے حق میں تحقیقاً قرأت کا نہ ہونا تو ظاہر ہے اور تقدیراً اس لئے موجود نہیں کہ اس میں اہلیت ہی نہیں ہے اور مقدر کرنا اور اسی جگہ معتبر ہوتا ہے جہاں اس کی تحقیق ممکن ہو پس چونکہ امی کے حق میں تحقیقاً قرأت موجود نہیں ہے اس لئے اس کے حق میں مقدر کرنا بھی ممکن نہیں ہوگا۔

اسی طرح اگر تشہد میں مقدار تشہد بیٹھنے سے پہلے امی کو خلیفہ کردیا تو امام زفرؒ کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوگی اور ہمارے نزدیک فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر مقدار تشہد بیٹھنے کے بعد خلیفہ کیا تو امام صاحب کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی اور صاحبینؒ کے نزدیک فاسد نہیں ہوگی اور بعض فقہاء نے کہا کہ تینوں حضرات کے نزدیک فاسد نہیں ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

باب الحدث فی الصلاة

ترجمہ...... (یہ) باب نماز کے اندر حدث پیش آنے کے (احکام کے بیان) میں ہے۔

تشریح...... مصنفؒ نے سابق میں مفسد الصلوٰۃ عوارض سے سلامتی کے احکام کا ذکر کیا ہے اب اس باب میں ان عوارض کو ذکر کریں گے جو نماز کو عارض ہو کر نماز کو فاسد کردیتے ہیں چونکہ احکام سلامت اصل ہیں اور اصل اولیٰ بالتقدیم ہوتا ہے اس لئے احکام سلامت کو مقدم ذکر کیا گیا ہے۔

امام کو نماز میں حدث لاحق ہو جائے تو کیا کرے...... بناء کا حکم

و من سبقه الحدث فی الصلوة انصرف فان كان اماما استخلف و توضأ و بنى و القياس ان يستقبل وهو قول الشافعیؒ لان الحديث ينافيها و المشی و الانحراف يفسدانها فاشبه الحدث العمد ولنا قوله عليه السلام من قاء او رعف او امذى فی صلاته فلينصرف وليتوضأ وليبن على صلاته مالم يتكلم و قال عليه السلام اذا صلى احدكم فقاء او رعف فليضع يده على فمه وليقدم من لم يسبق بشیء و البلوى فيما يسبق دون ما يتعمده فلا يلحق به

ترجمہ...... جس شخص کو نماز میں حدیث سبقت کر جائے وہ پھر جائے پس اگر یہ شخص امام ہو تو اپنا خلیفہ کردے اور خود وضو کرے اور بناء کرے۔ اور قیاس یہ تھا کہ وہ از سرِ نو پڑھے اور یہی امام شافعیؒ کا قول ہے کیونکہ حدث تو نماز کے منافی ہے اور چلنا اور قبلہ سے منحرف ہونا دونوں نماز کو فاسد کرتے ہیں پس یہ حدث مشابہ ہوگیا حدث عمد کے۔ اور ہماری دلیل آنحضرت ﷺ کا یہ قول ہے کہ جس کو قے ہوئی یا نکسیر پھوٹی یا مذی نکل پڑی نماز میں تو وہ پھر جائے اور وضو کرکے اپنی نماز پر بناء کرے جب تک کلام نہ کیا ہو اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے پھر قے ہو جائے یا نکسیر پھوٹ جائے تو چاہئے اپنے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ لے اور غیر مسبوق کو خلیفہ کردے۔ اور ابتلاء تو ایسی حدث میں ہے جو بے اختیار سبقت کرے نہ اس میں جس کو عمداً کرے پس عمد بے اختیاری کے ساتھ لاحق نہ ہوگا۔

تشریح...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو نماز کے اندر حدث پیش آ گیا یعنی غیر اختیاری حدث پیش آیا جسکو حدث سماوی کہا جا سکتا ہے ایسی صورت میں فی الفور بلا کسی توقف کے پھر جائے فی الفور نماز سے پھر جانے کا حکم اس لئے دیا ہے کہ حدث کے بعد اگر ایک ساعت

ٹھہرا تو یہ شخص نماز کا ایک جزء حدث کے ساتھ ادا کرنے والا ہوگا۔ اور حدث کے ساتھ نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے۔ پس نماز کا جو جزء حدث کے ساتھ مقارن ہو کر ادا ہوا وہ فاسد ہوگا۔ اور چونکہ فساد جزء مستلزم ہے فساد کل کو اس لئے پوری نماز فاسد ہو جائے گی اور فساد جزء فساد کل کو اس لئے مستلزم ہے کہ فساد متجزی نہیں ہوتا۔

یا یوں کہہ لیجئے کہ جب نماز کا ایک جزء فاسد ہو گیا تو باقی نماز بھی فاسد ہو جائے گی کیونکہ صلاۃ واحدۃ صحتہ اور فساد متجزی نہیں ہوتی۔

اب یہ شخص جس کو حدث ہوا اگر امام ہو تو مقتدیوں میں سے کسی کو اپنا خلیفہ کر دے اور خلیفہ بنانے کی صورت یہ ہے کہ اس کا کپڑا پکڑ کر محراب تک کھینچ کر لے جائے۔ اور خود وضو کر کے بناء کرے یعنی اس نماز کو وضو کے بعد پورا کرے۔

اور قیاس یہ ہے کہ از سر نو نماز پڑھے یہی امام شافعیؒ کا قول ہے اور امام مالکؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ حدث نماز کے منافی ہے کیونکہ نماز طہارت کو مستلزم ہے۔ اور حدث طہارت کے منافی ہے اور لازم کا منافی ملزوم کے منافی ہوتا ہے پس ثابت ہوا کہ حدث طہارت کے واسطے سے نماز کے منافی ہے اور قاعدہ ہے کہ شئے اپنے منافی کے ساتھ باقی نہیں رہتی لہٰذا نماز حدث کے ساتھ باقی نہیں رہے گی اور جب حدث کے ساتھ نماز باقی نہیں رہی تو از سر نو پڑھنا واجب اور لازم ہوگا۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ بناء کرنے کی صورت میں نماز کے دوران وضو کے لئے چلنا اور قبلہ سے منحرف ہونا لازم آتا ہے اور یہ دونوں فعل نماز کو فاسد کرتے ہیں اور قاعدہ ہے کہ جو چیز نماز کو فاسد کر دے نماز اس کے ساتھ باقی نہیں رہتی۔ جیسا کہ حدث عمد کے ساتھ نماز باقی نہیں رہتی پس ثابت ہوا کہ **مشی** اور **انحراف عن القبلہ** کے ساتھ نماز باقی نہیں رہے گی۔ اور جب نماز باقی نہ رہی تو اس کا اعادہ کرنا ضروری ہوا۔

حاصل یہ ہے کہ غیر اختیاری حدث حدث عمد کے مشابہ ہے اور حدث عمد میں بالاتفاق بناء جائز نہیں ہے۔ لہٰذا اس حدث میں بھی بناء جائز نہیں ہوگی بلکہ استیناف (از سر نو پڑھنا) ضروری اور لابدی ہوگا۔

ہماری دلیل یہ حدیث ہے **من قاء او رعف او امذی فی صلاتہ فلینصرف ولیتو ضأ ولیبن علی صلاتہ مالم یتکلم** عبارت کے ترجمہ کے عنوان کے تحت اس حدیث کا ترجمہ گذر چکا ہے۔

دوسری دلیل حضور ﷺ کا یہ قول ہے **اذا صلی احدکم فقاء او رعف فلیضع یدہ علی فمہ ولیقدم من لم یسبق بشئی** یعنی جب تم میں کوئی نماز پڑھے پس اس نے قے کی یا نکسیر پھوٹی تو اپنے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ لے اور غیر مسبوق یعنی مدرک کو آگے بڑھائے یعنی خلیفہ کر دے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مدرک کو خلیفہ مقرر کرے نہ کہ مسبوق کو کیونکہ اگر مسبوق کو خلیفہ مقرر کیا گیا تو سلام پھیرنے سے پہلے وہ کسی مدرک کو اپنا خلیفہ مقرر کرے گا تا کہ مدرک سلام کے ساتھ لوگوں کی نماز پوری کرا دے اور امام مسبوق اپنی نماز پوری کرے پس مسبوق کو خلیفہ مقرر کرنے میں تکرار استخلاف لازم آتا ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ ابتداء ہی سے غیر مسبوق یعنی مدرک کو خلیفہ مقرر کیا جائے تا کہ تکرار استخلاف کی قباحت سے نجات حاصل ہو جائے۔

بہر حال حدیث مذکور سے جواز بناء کا ثبوت اس طور پر ہوگا کہ حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ **ولیبن علی صلوتہ** اور امر کا

اونی مرتبہ اباحت ہے اس لئے بنا کا مباح ہونا ثابت ہوگا لیکن یہاں ایک اشکال ہوگا۔ وہ یہ کہ حدیث میں ولیتوضأ صیغۂ امر و جوب کے لئے ہے۔ لہذا ولیبن علی صلاتہ بھی مفید وجوب کے لئے ہونا چاہئے۔ حالانکہ فقہاء احناف وجوب کے قائل نہیں ہیں۔ جواب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک قرآن فی النظم قرآن فی الحکم کو واجب نہیں کرتا اس لئے یہ اعتراض لغو ہے۔

علاوہ ازیں خلفاء راشدین اور فقہاءِ صحابہ (عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، انس بن مالکؓ، سلمان فارسی رضی اللہ عنہم) نے اسی بات پر اجماع کیا ہے جس کے ہم قائل ہیں یعنی جواز بناء پر نہ کہ وجوب بناء پر اور اجماع کی وجہ سے قیاس متروک ہو گیا ہے لہذا ولیبن علی صلاتہ کو، ولیتوضأ پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔

دوسری حدیث میں صرف استخلاف کا بیان ہے اور حضور ﷺ کا قول من لم یسبق بشیٔ افضیلت کا بیان ہے کیونکہ مدرک (غیر مسبوق) بہ نسبت مسبوق کے نماز پوری کرانے پر زیادہ قادر ہے لہذا مسبوق کو خلیفہ بنانا خیانت ہوگا۔

والبلوی فیما یسبق الخ سے امام شافعیؒ کے قیاس کا جواب ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ حدث سابق یعنی غیر اختیاری حدث کو حدث عمد پر قیاس کرنا درست نہیں کیونکہ ان دونوں کے درمیان فرق موجود ہے۔ اس لئے کہ غیر اختیاری حدث میں ابتلاء ہے کیونکہ وہ بغیر اس کے فعل کے حاصل ہوتا ہے لہذا اس کو معذور قرار دینا جائز ہوگا۔ اس کے برخلاف حدث عمد کہ اس میں یہ بات نہیں ہے پس اس فرق کے ہوتے ہوئے قیاس کرنا کس طرح درست ہوگا۔

استیناف افضل ہے

والاستیناف افضل تحرزا عن شبهة الخلاف و قيل المنفرد يستقبل و الامام و المقتدى يبنى صيانة لفضيلة الجماعة

ترجمہ..... اور از سر نو پڑھنا افضل ہے تا کہ اختلاف کے شبہ سے احتراز ہو جائے۔ اور کہا گیا کہ منفرد استیناف کرے اور امام اور مقتدی بناء کریں تا کہ جماعت کی فضیلت محفوظ رہے۔

تشریح..... صاحب قدوریؒ نے کہا کہ مسئلہ مذکور میں اگرچہ بناء کرنا جائز ہے لیکن از سر نو پڑھنا افضل ہے تا کہ شبہ خلاف سے احتراز ہو جائے۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ استیناف کے اندر ابطال عمل ہے تو ہم جواب دیں گے کہ بلا شبہ ابطال عمل ہے مگر اکمال کے لئے اور ایسا ابطال عمل محمود ہے نہ کہ مذموم بعض مشائخ نے کہا کہ منفرد کو نئے سرے سے پڑھنا افضل ہے اور امام اور مقتدی کو بناء کرنا افضل ہے تا کہ جماعت کی افضلیت محفوظ رہے اور بعض حضرات نے کہا کہ اگر امام اور مقتدی کو دوسری جماعت مل سکتی ہو تو استیناف افضل ہے اور اگر نہ مل سکتی ہو تو بناء افضل ہے۔

منفرد کو نماز میں حدث لاحق ہو جائے تو کیسے مکمل کرے

والمنفرد ان شاء اتم فى منزله، و ان شاء عاد الى مكانه، و المقتدى يعود الى مكانه الا ان يكون امامه قد فرغ او لايكون بينهما حائل

ترجمہ...... اور منفرد اگر چاہے تو اسی جگہ نماز پوری کر دے اور اگر چاہے تو اپنی جگہ لوٹ آئے اور اگر مقتدی اپنی جگہ لوٹ آئے مگر یہ کہ اس کا امام فارغ ہو چکا ہو یا ان دونوں کے درمیان کوئی حائل نہ ہو۔

تشریح...... فرمایا کہ منفرد کو اختیار ہے کہ اگر چاہے تو بناء کر کے وہیں نماز پوری کرے جہاں وضو کیا ہے کیونکہ اس میں تقلیل مشی ہے اور اگر چاہے اپنی جگہ لوٹ آئے' پوری نماز ایک جگہ ادا کرنے والا ہو جائے قول اول ہمارے بعض مشائخ کا ہے اور قول ثانی شمس الائمہ السرخسی اور شیخ الاسلام خواہرزادہ کا ہے۔

اور مقتدی اپنی جگہ لوٹ کر نماز پوری کرے گا اگر چہ یہ مقتدی امام محدث ہو جس نے خلیفہ کو دیا مقتدی کے لئے یہ حکم واجب اور لازم ہے لیکن دو صورتیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ (۱) یہ کہ اس کا امام فارغ ہو چکا ہو۔ (۲) یہ کہ اس کے اور امام کے درمیان کوئی مانع اقتداء چیز حائل نہ ہو یعنی مقتدی نے جہاں وضو کیا' وہاں سے امام کے ساتھ اقتداء کرنے میں کوئی چیز درمیان میں حائل نہ ہو جو مانع اقتداء ہے جیسے چوڑا راستہ' بڑا دریا' بغیر کھڑکیوں کی بلند دیوار' ان دونوں صورتوں میں مقتدی اگر مقام وضو ہی میں نماز پوری کرنا چاہے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

وہ شخص جس نے بحالت نماز گمان کیا کہ وہ محدث ہو گیا ہے وہ اپنی جگہ سے پھر گیا پھر اسے معلوم ہوا کہ وہ محدث نہیں تو اس کے لئے کیا حکم ہے

ومن ظن انه احدث فخرج من المسجد ثم علم انه لم يحدث استقبل الصلوة وان لم يكن خرج من المسجد يصلي مابقي والقياس فيهما الاستقبال وهو رواية عن محمد لوجود الانصراف من غير عذر وجه الاستحسان انه انصرف على قصد الاصلاح الاترى انه لو تحقق ما توهمه بنى على صلاته فالحق قصد الاصلاح بحقيقته مالم يختلف المكان بالخروج

ترجمہ...... اور جس نے گمان کیا کہ اس وقت حدث ہو گیا پس وہ مسجد سے خارج ہو گیا پھر معلوم ہوا کہ حدث نہیں ہوا تھا تو وہ از سر نو نماز پڑھے اور اگر وہ مسجد سے باہر نہ ہوا ہو تو باقی نماز پڑھ لے اور قیاس دونوں صورتوں میں یہی ہے کہ از سر نو پڑھے اور یہی امام محمدؒ سے مروی ہے کیونکہ قبلہ سے منہ پھیرنا بغیر عذر کے پایا گیا۔ اور وجہ استحسان یہ ہے کہ یہ شخص اصلاح کے ارادے سے پھرا تھا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر وہ متحقق ہوتا جو اس نے وہم کیا تھا تو وہ اپنی نماز پر بناء کرتا پس اصلاح کے قصد کو حقیقی اصلاح کے ساتھ لاحق کیا گیا جب تک کہ مسجد سے نکل جانے کی وجہ سے جگہ نہ بدلے۔

تشریح...... مسئلہ ایک شخص کو بحالت نماز یہ گمان ہوا کہ اس کو حدث ہو گیا پس وہ اپنی نماز کی جگہ سے پھر گیا پھر اس کو معلوم ہوا کہ حدث نہیں ہوا تو اب دیکھا جائے کہ اس کا قبلہ کی طرف سے پھرنا نماز کی اصلاح کے ارادے سے تھا یا نماز کو چھوڑنے کے ارادے سے تھا۔ اگر ثانی ہے تو اس کو بناء کرنا جائز نہیں ہوگا خواہ مسجد سے نکلا ہو۔ یا نہ نکلا ہو اور اگر اول ہے تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں کیونکہ مسجد سے خروج پایا گیا ہوگا یا نہیں۔ اگر مسجد سے نکلنا پایا گیا تو اس وقت میں از سر نو نماز پڑھے بناء کرنا جائز نہیں ہوگا اور اگر مسجد سے نہیں نکلا تو وہ اپنی باقی نماز پوری کرے از سر نو پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں (خواہ مسجد سے نکلا ہو یا نہ نکلا ہو) قیاس کا تقاضہ یہی ہے کہ از سر نو نماز پڑھے بنا
کرے۔ یہی امام محمدؒ سے روایت ہے۔ دلیل قیاس یہ ہے کہ بغیر کسی عذر کے قبلہ سے منہ پھیرنا پایا گیا اور ظاہر ہے بلا عذر قبلہ رخ
انحراف مفسد صلاۃ ہوتا ہے اس لئے ان دونوں صورتوں میں بلا عذر انحراف عن القبلہ کی وجہ سے نماز فاسد ہو جائے گی اور فساد نماز
صورت میں نماز کا اعادہ واجب ہوتا ہے نہ کہ بناء اس لئے ان دونوں صورتوں میں نماز کا اعادہ واجب ہوگا یعنی از سر نو پڑھنا لازم ہوگا۔
وجہ استحسان: یہ ہے کہ یہ شخص اصلاح نماز کے ارادے سے پھرا تھا اس لئے یہ پھرنا مفسد نماز نہیں ہوگا۔ چنانچہ اگر وہ محقق ہو جاتا
اس نے تو ہم کیا تھا یعنی حدث واقعی ہوتا تو وہ اپنی نماز پر بناء کرتا پس اصلاح کے ارادے کو حقیقت اصلاح کے ساتھ لاحق کر دیا گیا
شریعت اسلام میں ایسا ثابت بھی ہے چنانچہ اگر کفار نے مسلمان قیدیوں کو اپنے لئے ڈھال بنالیا تو مسلمانوں کے لئے ان کی طرف
چلانا جائز ہے لیکن شرط یہ ہے کہ مسلمان تیر اندازوں کا ارادہ رمی الی الکفار کا ہو نہ کہ مسلمان قیدیوں کی طرف تیر چلانے کا۔ صاحب
ہدایہ نے کہا کہ اصلاح کے ارادہ کو حقیقت اصلاح کے ساتھ اسی وقت لاحق کیا جائے گا جبکہ مسجد سے نکلنے کے باعث مکان نہ بدلا ہو کیونکہ
مکان اور جگہ کا بدلنا تحریمہ کو باطل کرتا ہے اور جب تک جگہ متحد ہے تحریمہ باقی ہے۔

امام نے حدث گمان کر کے کسی کو خلیفہ بنادیا پھر ظاہر ہوا کہ حدث نہیں ہوا تھا تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے

وان كان استخلف فسدت لانه عمل كثير من غير عذر وهذا بخلاف اذا ظن انه افتتح على غير وضوء
فانصرف ثم علم انه على وضوء حيث تفسد وان لم يخرج لان الانصراف على سبيل الرفض الاترى
لو تحقق ما توهمه يستقبله فهذا هو الحرف ومكان الصفوف فى الصحراء له حكم المسجد ولو تقدم قدامه
فالحد السترة وان لم تكن فمقدار الصفوف خلفه وان كان منفردا فموضع سجوده من كل جانب

ترجمہ ...... اور اگر متوہم نے کسی کو خلیفہ بنایا تو نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ یہ بلا عذر عمل کثیر ہے اور یہ اس کے برخلاف ہے کہ اس نے
گمان کیا کہ اس نے بغیر وضو نماز شروع کی ہے پس اس نے رخ پھیرا۔ پھر معلوم ہوا کہ وہ وضو پر ہے تو نماز فاسد ہو گئی اگر چہ وہ مسجد
خارج نہ ہوا ہو کیونکہ یہ پھرنا بطور رفض ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر وہ بات واقع میں متحقق ہوتی جس کا اس نے گمان کیا تھا تو از سر نو
پڑھتا۔ پس یہی اصل ہے اور صحراء میں صفوں کی جگہ کے لئے مسجد کا حکم ہے اور اگر وہ آگے کی طرف بڑھا ہو تو حد سترہ ہے۔ اور اگر
سترہ نہ ہو تو پیچھے کی صفوں کی مقدار اور اگر گمان کرنے والا نمازی منفرد ہو تو حد اس کا مقام سجدہ ہے ہر طرف سے۔

تشریح ...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر اس حدث کے گمان کرنے والے نے کسی کو خلیفہ بنایا پھر ظاہر ہوا کہ حدث نہیں ہوا تھا تو اس کی نماز فاسد ہو
گئی اگر چہ وہ مسجد سے نہ نکلا ہو دلیل یہ ہے کہ خلیفہ بنانا عمل کثیر ہے اور بلا عذر عمل کثیر مفسد نماز ہوتا ہے اس لئے اس صورت میں اس کی
نماز فاسد ہو جائے گی ہاں اگر قوم نے خلیفہ بنالیا تو امام کے علاوہ ان کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر مصلی کا گمان حدث متحقق ہو
عمل استخلاف مفسد نہیں ہوگا کیونکہ اس صورت میں عذر موجود ہے پس خلیفہ بنانا خروج من المسجد کے مانند ہے یعنی خروج من المسجد اگر
کی اصلاح کے ارادہ سے ہے اور عذر بھی موجود ہے تو خروج من المسجد مفسد صلوٰۃ نہیں ہوگا اسی طرح اگر خلیفہ بنانا اصلاح
نماز کے ارادہ سے ہے اور عذر بھی موجود ہے تو خلیفہ بنانا بھی مفسد نماز نہیں ہوگا۔

صاحب ہدایہ یہ کہتے ہیں کہ اصلاح نماز کے ارادے سے پھرنا اس کے برخلاف ہے کہ اس نے گمان کیا کہ اس نے بغیر وضو نماز شروع
...ے پھر وضو کے ارادے سے اس نے رخ پھیرا پھر معلوم ہوا کہ وہ باوضو ہے اور گمان غلط تھا تو اس صورت میں اس کی نماز فاسد ہوگی۔
...پہ وہ مسجد سے باہر نہ نکلا ہو کیونکہ یہ پھرنا بطور رفض ہے یعنی نماز کو چھوڑنے کے طور پر پھرانہ کہ اصلاح نماز کے طور پر چنانچہ اگر اس کا
...وضو ہونا محقق ہو جاتا تو یہ ازسرنو نماز پڑھتا۔ پس ضابطہ اور اصل یہی ہے کہ اگر انصراف بقصد اصلاح ہو تو نماز فاسد نہیں ہوگی بشرطیکہ
...روج من المسجد اور استخلاف نہ پایا گیا ہو اور اگر انصراف اعراض اور رفض کے ارادے سے ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی۔
ومکان الصفوف الخ سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اگر یہ بات مسجد میں پیش نہ آئی ہو بلکہ نماز صحرا اور میدان میں پڑھی اور پھر گمان
...دث پیش آ گیا تو صفوں کی جگہ کے واسطے مسجد کا حکم ہے یعنی حدث کا گمان کرنے والا اگر پیچھے کی جانب گیا اور صفوں سے تجاوز کر گیا پھر
...علوم ہوا کہ حدث نہیں ہوا تھا تو اس کو بناء کرنا جائز نہیں ہوگا اور اسی طرح اگر دائیں جانب یا بائیں جانب صفوں سے تجاوز کر گیا تو بناء
...نا جائز نہیں ہوگا اور اگر صفوں سے تجاوز نہیں کیا تو بناء کر سکتا ہے۔
اور اگر وہ آگے کی طرف بڑھا ہو اور آگے سترہ بھی ہو تو حد سترہ ہے حتیٰ کہ اگر سترہ سے تجاوز کر گیا تو نماز فاسد ہوگئی اور اگر آگے سترہ
...ہو تو پیچھے کی صفوں کی مقدار حد ہوگی مثلاً اگر پیچھے صفیں پانچ گز تک ہوں تو آگے کی حد بھی پانچ گز ہے کہ اس سے تجاوز میں نماز فاسد ہو
...ئے گی۔
اور اگر گمان حدث کرنے والا منفرد ہو تو اس کی حد مقام سجدہ ہوگی اور یہ حد ہر طرف سے شمار ہوگی حتیٰ کہ دائیں یا بائیں پیچھے منفرد کے
...ئے اسی قدر حد ہے۔

مصلی دوران نماز مجنون یا محتلم یا مدہوش ہو گیا، نماز کا حکم

...ن جنّ او نام فاحتلم او اغمی علیه استقبل لانه یندر وجود هذه العوارض فلم یکن فی معنی ما ورد به
...ص وکذلک اذا قهقه لانه بمنزلة الکلام وهو قاطع

...جمہ......اور اگر مصلی مجنون ہو گیا یا سو کر اس کو احتلام ہو گیا۔ یا اس پر بے ہوشی طاری ہوگئی تو نماز کو نئے سرے سے پڑھے کیونکہ ایسے
...ارض کا وجود نادر ہوتا ہے تو یہ عوارض ماورد بہ النص کے معنی میں نہیں ہوں گے اور یوں ہی اگر اس نے قہقہہ مار دیا کیونکہ قہقہہ بمنزلہ کلام
...کے ہے اور کلام نماز کا قاطع ہے۔
تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر مصلی مجنون ہو گیا خواہ امام ہو یا مقتدی یا منفرد ہو۔ یا بحالت نماز سو گیا اور احتلام ہو گیا یا اس پر بے ہوشی
...طاری ہوگئی تو وہ ازسرنو نماز پڑھے۔
دلیل یہ ہے کہ نماز میں ان عوارض کا پایا جانا نادر ہے لہٰذا یہ عوارض ان عوارض کے معنی میں نہیں ہوں گے جن کے ساتھ نص وارد ہوئی یعنی
حضور ﷺ کا قول من قاء او رعف فی صلاته...... الخ حاصل یہ کہ حدث غیر نادر الوجود (ریح، قے، نکسیر) میں بناء جائز ہے اور حدث
...نادر الوجود میں بناء جائز نہیں ہے۔ اور اسی طرح اگر اس نے قہقہہ مار دیا تو بھی بناء جائز نہیں بلکہ نماز ازسرنو پڑھے کیونکہ فعل قہقہہ بمنزلہ کلام
...کے ہے اور کلام قاطع نماز ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا مالم یتکلم یعنی جب تک کلام نہیں کیا تو بناء کر سکتا ہے اور اگر کلام کر لیا تو بناء

جائز نہیں ہے۔

امام قرأت سے عاجز ہو گیا اس حالت میں دوسرے کو اس نے آگے بڑھا دیا خلیفہ بنانے کا حکم، اقوالِ فقہاء

و ان حصر الامام عن القراءة فقدم غيره اجزأهم عند ابی حنيفة وقالا لايجزيهم لانه يندر وجوده فل
الجنابة وله ان الاستخلاف بعلة العجز وهو هنا الزم والعجز عن القراءة غير نادر فلا يلحق بالج

ترجمہ ...... اور اگر امام قرأت سے بند ہو گیا پس اس نے دوسرے کو آگے کر دیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک لوگوں کو کافی ہے اور صاحبین
کہا کہ ان کو یہ کافی نہیں ہے کیونکہ ایسا واقعہ نادر الوجود ہے پس جنابت کے ساتھ مشابہ ہو گیا۔ اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ خلیف
عجز کی وجہ سے ہوتا ہے اور وہ یہاں خوب لازم ہے اور عجز عن القرأۃ غیر نادر الوجود ہے لہٰذا جنابت کے ساتھ اس کو لاحق نہیں کیا جائے گا

تشریح ...... حصر (حاء اور صاد کے ساتھ) سینہ کا تنگ ہونا، عاجز عن الکلام ہونا، صاحب عنایہ نے لکھا ہے کہ جو شخص کسی چیز سے اس
ممنوع ہو گیا کہ اب اس پر قادر نہیں رہا تو اس کے بارے میں کہا جائے گا قد حصر عنہ' چنانچہ امام کو جس قدر قرآن یاد تھا
سارے کو فراموش کر دینے کی وجہ سے قرأت کرنے سے عاجز ہو گیا تو کہا جائے گا کہ وہ قرأت سے رک گیا پس اگر اس نے مقتدیوں
سے کسی کو خلیفہ بنا دیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہوگا۔ اور یہی امام محمدؒ کا قول ہے اور صاحبین نے کہا کہ یہ جائز نہیں ہے۔ صاحبین
دلیل یہ ہے کہ حصر عن القرأۃ نادر الوجود ہے جیسے کہ نماز کے اندر جنبی ہونا نادر الوجود ہے پس جنابت کی طرح یہ بھی ما ورد بہ النص
(من قاء اور عف) کے معنی میں نہیں ہوگا اور جب ما ورد بہ النص کے معنی میں نہیں ہے تو جس طرح جنابت کی صورت میں از
پڑھنا ضروری ہے اس طرح حصر عن القرأۃ کی صورت میں بھی از سر نو نماز پڑھنا ضروری ہوگا اور خلیفہ بنانا درست نہیں ہوگا۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ حدث پیش آنے کی صورت میں خلیفہ کرنا جائز ہے کیونکہ اس صورت میں امام نماز پوری کرنے
عاجز ہو گیا اور یہاں یعنی حصر عن القرأۃ کی صورت میں عجز زیادہ لازم ہے کیونکہ محدث کے لئے تو یہ بھی احتمال ہے کہ مسجد میں پانی مو
ہو اور وہ بغیر خلیفہ بنائے اپنی نماز پوری کرے لیکن جو شخص پورے محفوظ قرآن کو بھول گیا وہ نماز پوری کرنے پر قادر ہی نہیں رہا الا یہ
دوبارہ یاد کرے اور سیکھے۔ پس جب حدث کی صورت میں خلیفہ کرنا جائز ہے۔ درانحالیکہ اس صورت میں عجز کم ہے تو حصر عن القر
کی صورت میں بدرجہ اولیٰ خلیفہ کرنا جائز ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں عجز زیادہ لازم ہے۔ (عنایہ)

والعجز عن القرأت سے صاحبین کے قول کا جواب ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ عجز عن القرأت نادر الوجود نہیں بلکہ غیر نادر
الوجود ہے اور جنابت نادر الوجود ہے پس ایک غیر نادر الوجود چیز کو نادر الوجود چیز کے ساتھ لاحق کرنا کیسے درست ہوگا۔

امام فرض قرأت کرنے کے بعد عاجز آ جائے تو خلیفہ بنانے کا حکم

ولو قرأ مقدار ما تجوز به الصلوٰة لايجوز بالاجماع لعدم الحاجة الى الاستخلاف

ترجمہ ...... اور اگر اس نے اس قدر قرأت کر لی جس سے نماز جائز ہو جاتی ہے تو خلیفہ کرنا بالاجماع جائز نہیں ہے کیونکہ خلیفہ کر

حاجت نہیں ہے۔

تشریح ...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر امام مایجوز بہ الصلوٰۃ قرأت کر چکا یعنی امام صاحبؒ کے نزدیک ایک آیت اور صاحبینؒ کے نزدیک تین آیتیں قرأت کر چکا پھر قرأت کرنے سے عاجز ہو گیا تو اس کو خلیفہ کرنا جائز نہیں ہے اور اگر اس نے کسی کو خلیفہ کر دیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ یہ حکم بالاجماع ہے۔ دلیل یہ ہے کہ جب مایجوز بہ الصلوٰۃ قرآن کی قرأت کر لی تو اب خلیفہ بنانے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی اور یہ بات ظاہر ہے کہ بلا ضرورت شرعی خلیفہ کرنا درست نہیں ہے۔

تشہد کے بعد حدث لاحق ہو تو نماز مکمل کیسے کرے

وان سبقه الحدث بعد التشهد توضأ وسلم لان التسليم واجب فلابد من التوضى لياتى به

ترجمہ ...... اور اگر مصلی کو تشہد کے بعد حدث ہو گیا تو وضو کر کے سلام پھیرے کیونکہ سلام پھیرنا واجب ہے پس وضو کرنا ضروری ہوا تاکہ سلام پھیرے۔

تشریح ...... مسئلہ یہ ہے کہ کسی نمازی کو تشہد کے بعد حدث ہوا تو حکم یہ ہے کہ وہ وضو کرے اور پھر سلام پھیرے کیونکہ تسلیم واجب ہے پس اس وجہ سے وضو کرنا ضروری ہوا تاکہ وجوب سلام ادا کرے۔

تشہد کے بعد عمداً حدث لاحق کیا یا کلام کی یا منافی صلوٰۃ عمل کر لیا، کیا نماز مکمل ہو جائے گی؟

وان تعمد الحدث في هذه الحالة او تكلم او عمل عملا ينافي الصلوة، تمت صلوته لانه تعذر البناء لوجود القاطع لكن لا اعادة عليه لانه لم يبق عليه شيء من الاركان

ترجمہ ...... اور اگر اس نے اس حالت میں عمداً حدث کر دیا یا کلام کیا یا کوئی ایسا عمل کیا جو منافی صلاۃ ہے تو اس کی نماز پوری ہو گئی کیونکہ قاطع پائے جانے کی وجہ سے بناء کرنا متعذر رہے لیکن اس پر نماز کا اعادہ نہیں ہے کیونکہ اس پر ارکان میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہی۔

تشریح ...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر تشہد کے بعد مصلی نے عمداً حدث کر دیا یا عمداً کلام کیا یا کوئی ایسا کام کیا جو نماز کے منافی ہے تو اس کی نماز پوری ہو گئی۔ دلیل یہ ہے کہ قاطع نماز کے پائے جانے کی وجہ سے بناء کرنا تو متعذر ہو گیا لیکن اس پر نماز کا اعادہ بھی نہیں ہے کیونکہ ارکان میں سے اس پر کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ اور رہی تحلیل یعنی خروج بصنعہ سو عمداً فعل سے وہ بھی پائی گئی اگرچہ لفظ سلام کے ساتھ تحلیل واجب تھی لیکن اس سے اوپر کے ارکان میں کچھ فساد نہیں ہوتا اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ظاہر حدیث (جس میں تشہد ختم کر کے فرمایا کہ پھر اگر کھڑا ہونے کو جی چاہے تو تو کھڑا ہو جا) بھی اسی کی مقتضی ہے۔

متیمم نماز میں پانی دیکھ لے تو نماز باطل ہے

فان رأى المتيمم الماء في صلاته بطلت وقد مر من قبل

ترجمہ ...... پس اگر متیمم نے اپنی نماز میں پانی دیکھا تو اس کی نماز باطل ہو گئی۔ اور یہ مسئلہ پہلے گذر چکا ہے۔

مسائل اثنا عشرہ

فان رآه بعد ما قعد قدر التشهد او كان ماسحا فانقضت مدة مسحه اوخلع خفيه بعمل يسير او كان امّيًا فتعلم سورة اوعريانا فوجد ثوبا او مومیا فقدر على الركوع والسجود او تذكر فائتة عليه قبل هذه او احدث الامام القارى فاستخلف اميا او طلعت الشمس فى الفجر او دخل وقت العصر وهو فى الجمعة او كان ماسحا على الجبيرة فسقطت عن برء او كان صاحب عذر فانقطع عذره كالمستحاضة ومن بمعناها بطلت الصلوٰة فى قول ابى حنيفة وقالا تمت صلوته، وقيل الاصل فيه ان الخروج عن الصلوٰة بصنع المصلى فرض عند ابى حنيفة و ليس بفرض عندهما فاعتراض هذه العوارض عنده فى هذه الحالة كاعتراضها فى خلال الصلوٰة وعندهما كاعتراضها بعد التسليم لهما ما روينا من حديث ابن مسعودؓ وله انه لايمكنه أداء صلوٰة اخرى الا بالخروج من هذه وما لايتوصل الى الفرض الا به يكون فرضا و معنى قوله تمت قاربت التمام والاستخلاف ليس بمفسد حتى يجوز فى حق القارى وانما الفساد ضرورة حكم شرعي وهو عدم صلاحية الامامة

ترجمہ...... اور اگر متیمم نے تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد پانی دیکھا یا موزہ پر مسح کرنے والا تھا پس اس کے مسح کی مدت گذر گئی یا اپنے موزے نکالے خفیف عمل کے ساتھ یا امی تھا پس اس نے کوئی سورت سیکھ لی یا ننگا تھا پس اس نے کپڑا پایا یا اشارہ سے رکوع اور سجدہ کرنے والا تھا پھر رکوع اور سجدے پر قادر ہوگیا یا یاد کیا فائتہ کو جو اس پر اس نماز سے پہلے واجب القضاء ہے یا امام قاری کو حدث ہوا پس اس نے امی کو خلیفہ بنادیا یا فجر میں آفتاب طلوع ہوگیا۔ یا داخل ہوگیا عصر کا وقت درانحالیکہ وہ نماز جمعہ میں ہے یا وہ جبیرہ پر مسح کرنے والا تھا پس اچھا ہوکر گر پڑا یا وہ معذور تھا اس کا عذر منقطع ہوگیا جیسے مستحاضہ عورت اور جو شخص اس کے معنی میں ہو تو ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق اس کی نماز باطل ہوگئی۔ اور صاحبین نے فرمایا کہ اس کی نماز پوری ہوگئی۔ کہا گیا ہے کہ اس باب میں اصل یہ ہے کہ نماز سے باہر ہونا مصلی کے اختیاری فعل سے ابوحنیفہؒ کے نزدیک فرض ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک فرض نہیں ہے۔ پس امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس حالت میں ان عوارض کا پیش آنا ایسا ہے جیسا کہ درمیان صلوٰۃ ان عوارض کا پیش آنا۔ اور صاحبین کے نزدیک جیسا کہ سلام کے بعد ان عوارض کا پیش آنا ہے۔ کہ نمازی کے لئے دوسری نماز ادا کرنا ممکن نہیں مگر اس نماز سے نکل کر اور جو چیز ایسی ہو کہ اس کے بغیر فرض تک نہ پہنچ سکتا ہو وہ فرض ہوگی۔ اور حضور ﷺ کے قول 'وتمت' کے معنی قاربت التمام کے ہیں اور خلیفہ بنانا مفسد نہیں ہے یہاں تک کہ قاری کے حق میں جائز ہوگا اور نماز کے فساد کا حکم فقط حکم شرعی کی وجہ سے ہے اور وہ یہ ہے کہ امام میں امامت کی صلاحیت نہیں ہے۔

تشریح...... اس عبارت میں مسائل اثنا عشرہ کا نام ہے یعنی ان بارہ مسائل کا بیان ہے جو تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد پیش آئیں،

۱) تیمم کرنے والے مصلی نے مقدار تشہد بیٹھنے کے بعد پانی دیکھا۔

۲) یا موزوں پر مسح کرنے والا تھا پس مقدار تشہد بیٹھنے کے بعد مدت مسح پوری ہوگئی۔

۳) یا مقدار تشہد کے بعد عمل قلیل کے ساتھ دونوں موزے نکالے یا دونوں موزوں میں سے کوئی موزہ نکالا اور عمل قلیل یہ ہے کہ

اس طرح ڈھیلے تھے کہ ہاتھوں کی ضرورت نہ پڑی صرف پاؤں کے اشارے سے کوئی موزہ نکل گیا۔

۴) یا مصلی امی تھا پھر تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد اس نے کوئی قرآن کی سورت سیکھ لی۔ صاحب عنایہ نے کہا کہ مراد یہ ہے کہ قرآن بھول گیا تھا لیکن مقدار تشہد کے بعد یاد آ گیا مطلب نہیں کہ اس نے سیکھا کیونکہ تعلیم کے لئے تعلیم ضروری ہے اور تعلیم منافی صلاۃ فعل ہے۔ اس سے بالاتفاق پوری ہوجاتی ہے۔ اور بعض نے کہا کہ تعلیم سورت کا مطلب یہ ہے کہ اس نے بغیر اختیار کے سنا اور بغیر کوشش کے اس کو یاد ہوگیا۔

۵) یا مصلی ننگا نماز پڑھتا تھا پس اس نے مقدار تشہد کے بعد کپڑا پالیا۔

۶) یا مصلی اشارے سے رکوع اور سجدہ کرنے والا تھا پھر وہ مقدار تشہد کے بعد رکوع اور سجدہ پر قادر ہوگیا۔

۷) یا مصلی کو مقدار تشہد کے بعد قضا نماز یاد آ گئی جو اس پر اس نماز سے پہلے واجب القضاء ہے مثلاً نماز ظہر میں قعدۂ اخیرہ کے بعد یاد آیا کہ فجر کی نماز قضاء ہوگئی تھی حالانکہ ترتیب کی فرضیت سے وہ اول پڑھنی چاہئے تھی۔

۸) یا مقدار تشہد کے بعد امام قاری کو حدث ہوا پس اس نے امی کو خلیفہ کردیا۔

۹) یا مقدار تشہد کے بعد فجر کی نماز میں آفتاب طلوع ہوگیا۔

۱۰) یا مقدار تشہد کے بعد عصر کا وقت داخل ہوگیا حالانکہ یہ شخص نماز جمعہ میں ہے۔

۱۱) یا مصلی جبیرہ پر مسح کئے ہوئے تھا پس مقدار تشہد کے بعد اچھا ہونے سے گر پڑا۔

۱۲) یا معذور تھا لیکن مقدار تشہد کے بعد اس کا عذر منقطع ہوگیا یعنی وہ عذر ہی جاتا رہا جیسے متحاضہ عورت یا جو اس کے معنی میں ہو جیسے جس آدمی کو پیشاب جاری ہونے یا نکسیر جاری ہونے کا عذر ہو۔

ان بارہ مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز باطل ہوگئی اور صاحبینؒ نے کہا ان تمام صورتوں میں نماز پوری ہوگئی۔ بعض مشائخ نے کہا کہ اس باب میں اصل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز سے باہر ہونا مصلی کے اختیاری فعل سے فرض ہے۔ صاحبین کے نزدیک فرض نہیں ہے۔ پس اس اصل کے پیش نظر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قعدۂ اخیرہ کے بعد ان عوارض کا پیش آنا جو ہر مسئلہ میں الگ الگ مذکور ہوئے ہیں ایسا ہے جیسے درمیان نماز میں پیش آنا اور چونکہ درمیان نماز ان عوارض کا پیش آنا مفسد نماز ہے اس لئے قعدۂ اخیرہ کے بعد بھی اگر یہ عوارض پیش آ گئے تو نماز باطل ہوجائے گی اور صاحبینؒ کے نزدیک قعدۂ اخیرہ کے بعد ان عوارض کا پیش آنا ایسا ہے جیسے سلام پھیرنے کے بعد پیش آنا اور یہ ظاہر ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد کوئی عارض نماز کو فاسد نہیں کرتا۔ اس لئے قعدۂ اخیرہ کے بعد ان عوارض کے پیش آنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

صاحبینؒ کی دلیل عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے حدیث یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ابن مسعودؓ سے فرمایا۔ اذا قلت هذا او فعلت هذا فقد تمت صلاتک ان شئت ان تقوم فقم "یعنی جب تو نے یہ کہا یا یہ کیا تو تیری نماز پوری ہوگئی اگر تیرا جی اٹھنے کو چاہے تو تو اٹھ کھڑا ہو اس حدیث سے استدلال اس طور پر ہوگا کہ حضور ﷺ نے نماز پوری ہونے کو تشہد پڑھنے یا تشہد کی مقدار بیٹھنے پر معلق کیا ہے پس جس شخص نے تمام کو نماز کو تیسری چیز پر معلق کیا اس نے نص کی مخالفت کی۔ حاصل یہ کہ ان مسائل میں قعدۂ اخیرہ کے بعد ان

عوارض کا ذکر ہے اور قعدۂ اخیرہ پر نماز پوری ہوگئی پس جب قعدۂ اخیرہ پر نماز پوری ہوگئی تو اس کے بعد نماز باطل ہونے کا کیا سوال ہے
امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ دوسری نماز کا اس کے وقت میں ادا کرنا فرض ہے اور یہ ممکن نہیں ہوگا کہ جب تک اس موجودہ نماز سے
باہر نہ ہو۔ پس اس موجودہ نماز سے نکلنا دوسری فرض نماز ادا کرنے کا ذریعہ ہے یعنی دوسری فرض نماز ادا کرنا اس موجودہ نماز سے نکلنے پر
موقوف ہے۔ اور چونکہ فرض کا موقوف علیہ بھی فرض ہوتا ہے اس لئے اس موجودہ نماز سے نکلنا بھی فرض ہوگا یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ
کے نزدیک خروج بصنعہ فرض ہے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ ایک شخص پر نفقہ واجب ہے اور وہ بغیر کمائی کئے حاصل نہیں ہوسکتا تو اس پر کمانا
بھی فرض ہوگا۔ یا مثلاً سجدہ فرض ہے اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ رکوع سے منتقل نہ ہو پس یہ منتقل ہونا بھی فرض ہوگا۔ کیونکہ
فرض کا موقوف علیہ بھی فرض ہوتا ہے۔

ومعنی قولہ تمت الخ سے حدیث ابن مسعودؓ کا جواب ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ حدیث میں تمت صلوٰتک کے معنی
قاربت التمام کے ہیں یعنی جب تو نے یہ کہہ لیا یا یہ کرلیا تو تیری نماز تمام ہونے کے قریب ہوگئی یہ ایسا ہے جیسا کہ حضور ﷺ کا قول ہے
وقف بعرفتہ فقدتم حجہ، یعنی جس نے وقوف عرفہ کیا اس کا حج تام ہوگیا حالانکہ وقوف عرفہ کے بعد ابھی طواف زیارت کا فرض باقی
رہتا ہے پس یہاں بھی یہی معنی ہوں گے کہ اس کا حج تمام ہونے کے قریب ہوگیا۔

والاستخلاف لیس بمفسد سے ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ جب امام قاری کو حدث ہوا اور اس نے امی کو
خلیفہ کردیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز فاسد نہ ہونی چاہئے کیونکہ خلیفہ کرنا مفسد نماز نہیں ہے چنانچہ اگر قاری محدث کسی قاری کو خلیفہ
کردیتا تو نماز فاسد نہ ہوتی پس اسی طرح یہاں بھی فاسد نہ ہونی چاہئے تھی۔

جواب بلاشبہ خلیفہ کرنا مفسد نماز نہیں ہے اسی وجہ سے قاری کا قاری کو خلیفہ کرنا جائز ہے مگر مذکورہ صورت میں فساد استخلاف کی وجہ
سے نہیں ہے بلکہ امر آخر کی وجہ سے ہے اور وہ امر آخر حکم شرعی کی ضرورت ہے اور امر شرعی کی ضرورت یہ ہے کہ امی جس کو خلیفہ
کیا ہے اس میں امامت کی صلاحت نہیں ہے پس امام میں صلاحیت امامت نہ ہونے کی وجہ سے نماز فاسد ہوئی ہے نہ کہ اس کو خلیفہ
کرنے کی وجہ سے۔

امام کو حالتِ نماز میں حدث لاحق ہوا تو مسبوق کو خلیفہ بنانا جائز البتہ مدرک کو خلیفہ بنانا اولیٰ ہے

ومن اقتدی بالامام بعد ما صلی رکعۃ فاحدث الامام، فقدمہ اجزاہ لوجود المشارکۃ فی التحریمۃ والاولی
للامام ان یقدم مدرکا لانہ اقدر علی اتمام صلاتہ وینبغی لھذا المسبوق ان لا یتقدم لعجزہ عن التسلیم

ترجمہ ..... اور جس شخص نے امام کے ایک رکعت پڑھنے کے بعد اس کی اقتداء کی پھر امام کو حدث ہوگیا پس امام نے اسی مسبوق کو خلیفہ
کردیا تو کافی ہے۔ کیونکہ تحریمہ میں مشارکت پائی جاتی ہے اور امام کے لئے اولیٰ یہ تھا کہ کسی مدرک کو آگے کرتا (خلیفہ کرتا) کیونکہ مدرک
کو امام کی نماز پوری کرنے پر زیادہ قدرت ہے اور اس مسبوق کے لئے مناسب ہے کہ وہ آگے نہ بڑھے (یعنی خلافت قبول نہ کرے)
اس لئے کہ وہ سلام پھیرنے سے عاجز ہے۔

تشریح ..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے ایسے امام کی اقتداء کی جو ایک رکعت پڑھ چکا ہے پھر اس امام کو حدث ہوگیا اور اس نے اسی

مسبوق کو اپنا خلیفہ کر دیا تو یہ جائز ہے کیونکہ استخلاف کے صحیح ہونے کی شرط تحریمہ کے اندر مشارکت ہے اور مشارکت فی التحریمہ پائی گئی اس لئے خلیفہ کرنا درست ہوگا۔

لیکن اولیٰ یہ ہے کہ امام کسی مدرک کو خلیفہ مقرر کرے کیونکہ مدرک امام کی نماز پوری کرانے پر زیادہ قادر ہے اس لئے کہ اگر مسبوق کو خلیفہ کر دیا گیا تو وہ سلام پھیرنے کے لئے کسی دوسرے کو خلیفہ کرنے کا محتاج ہوگا اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں دو مرتبہ خلیفہ بنانا لازم آئے گا اور ایک بار خلیفہ بنانا بہتر ہے بہ نسبت بار بار خلیفہ بنانے کے۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ مسبوق کے لئے بھی مناسب یہ ہے کہ وہ آگے نہ بڑھے یعنی خلیفہ ہونا قبول نہ کرے اس لئے کہ وہ سلام پھیرنے سے عاجز ہے ہاں اگر آگے بڑھ گیا تو جائز ہے لیکن خلاف اولیٰ ہے۔

مسبوق خلیفہ بن جائے تو نماز مکمل کہاں سے کرائے

فلو تقدم یبتدی من حیث انتھی الیہ الامام بقیامہ مقامہ و اذا انتھی الی السلام یقدم مدرکا یسلم بھم فلو انہ حین اتم صلوٰۃ الامام قھقہ او احدث متعمدا او تکلم او خرج من المسجد فسدت صلوٰتہ و صلوٰۃ القوم تامۃ لان المفسد فی حقہ وجد فی خلال الصلوٰۃ و فی حقھم بعد تمام ارکانھا و الامام الاول ان کان فرغ لاتفسد صلاتہ وان لم یفرغ تفسد وھو الاصح

ترجمہ...... پس اگر مسبوق آگے بڑھ گیا تو وہاں سے ابتداء کرے جہاں تک امام پہنچا ہے کیونکہ یہ مسبوق امام کے قائم مقام ہے اور جب یہ مسبوق سلام تک پہنچ گیا تو کسی مدرک کو آگے بڑھاوے جو قوم کے ساتھ سلام پھیرے، پھر اگر مسبوق خلیفہ نے جس وقت امام کی نماز پوری کی تو قہقہہ مار دیا یا عمداً حدث کیا یا کلام کیا یا مسجد سے نکل گیا تو اس کی نماز فاسد ہوگئی اور مقتدیوں کی نماز پوری ہوگئی کیونکہ مفسد مسبوق خلیفہ کے حق میں نماز کے درمیان پایا گیا اور مقتدیوں مدرکوں کے حق میں تمام ارکان پورے ہو جانے کے بعد اور امام اول اگر فارغ ہو گیا ہو تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی اور اگر فارغ نہ ہوا ہو تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی یہی صحیح ہے۔

تشریح...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر امام محدث نے مسبوق کو خلیفہ بنایا اور یہ مسبوق آگے بڑھ گیا تو اسی حالت سے شروع کرے جس حالت تک امام پہنچا ہے کیونکہ یہ امام کے قائم مقام ہے اور جب یہ مسبوق امام کی نماز پوری کر کے سلام پھیرنے کے وقت تک پہنچ گیا تو خود پیچھے ہٹ جائے اور کسی مدرک کو آگے بڑھا دے تاکہ وہ مقتدیوں کے ساتھ سلام پھیر کر ان کی نماز پوری کرا دے اور مسبوق (خلیفہ) مدرک کو اس لئے آگے بڑھائے گا کہ مسبوق بذات خود سلام پھیرنے سے عاجز ہے کیونکہ ابھی اس پر ایک رکعت باقی ہے لہٰذا وہ ایسے شخص سے مدد طلب کرے جو اس پر قادر ہو۔

اور اگر یہ صورت ہوئی کہ مسبوق خلیفہ نے جب امام کی نماز پوری کی تو قہقہہ مار دیا یا عمداً حدث کیا یا کلام کیا یا مسجد سے نکل گیا تو ان صورتوں میں مسبوق خلیفہ کی نماز بذات خود فاسد ہوگئی اسی طرح اگر مقتدیوں میں سے کوئی مسبوق ہو تو اس کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی اور مقتدیوں کی نماز پوری ہوگئی بشرطیکہ یہ مقتدی اول سے آخر تک امام کے ساتھ شریک رہے ہوں۔

دلیل یہ ہے کہ مفسد نماز مسبوق کے حق میں نماز کے درمیان میں پایا گیا اور مقتدیوں کے حق میں تمام ارکان پورے ہونے کے بعد

پایا گیا اور یہ امر مسلم ہے کہ درمیان نماز مفسد کا پایا جانا نماز کو فاسد کرتا ہے۔ ارکان پورے ہونے کے بعد نماز نہیں فاسد کرتا۔

رہا امام اول تو اس کی دو حالتیں ہیں ایک یہ کہ وہ چھوٹی ہوئی مقدار خلیفہ کے پیچھے پوری کر کے فارغ ہو گیا ہو۔ دوم یہ کہ ابھی نہیں ہوا۔ پہلی حالت میں اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی کیونکہ وہ بھی مدرکوں کے مثل ہو گیا اگر چہ درمیان میں لاحق ہوا تھا اور دوسری میں اس کی نماز فاسد ہو جائے گی جیسا کہ مسبوق کی نماز فاسد ہو جاتی ہے یہی روایت صحیح ہے۔

امام کو حدث لاحق نہیں ہوا اور قدر تشہد بیٹھنے کے بعد قہقہہ لگایا یا عمداً حدث لاحق کیا تو نماز کا حکم

فان لم یحدث الامامِ الاول وقعد قدر التشهد ثم قهقه او احدث متعمدا فسدت صلوٰة الذى لم يدرك صلاته عند ابى حنيفة وقالا لاتفسد وان تكلم اوخرج من المسجد لم تفسد فى قولهم جميعا لهما ان المقتدى بناء على صلوٰة الامام جوازا و فسادا ولم تفسد صلوٰة الامام فكذا صلوٰته وصار كالسلام والكلام وله ان القهقهة مفسدة للجزء الذى يلاقيه من صلوٰة الامام فيفسد مثله من صلوٰة المقتدى غير ان الامام لا يحتاج الى البناء و المسبوق محتاج اليه والبناء على الفاسد فاسد بخلاف السلام لانه منه و الكلام فى معناه و ينتقض وضوء الامام لوجود القهقهة فى حرمة الصلوٰة

ترجمہ ...... پس اگر امام اول کو حدث نہیں ہوا اور مقدار تشہد بیٹھ گیا پھر اس نے قہقہہ مار دیا یا عمداً حدث کر دیا تو اس مقتدی کی نماز فاسد ہو جائے گی جس نے امام کی اول نماز نہیں پائی ہے ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبین نے کہا کہ فاسد نہ ہوگی۔ اور اگر امام نے کلام کر لیا یا مسجد سے نکل گیا تو بالاتفاق نماز فاسد نہیں ہوگی۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ مقتدی کی نماز امام کی نماز پر مبنی ہوتی ہے جواز بھی اور فساد بھی اور امام کی نماز فاسد نہیں ہوتی پس یوں ہی مقتدی کی نماز بھی (فاسد نہ ہوگی) اور یہ سلام اور کلام کے مانند ہو گیا، اور ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ قہقہہ اس جزء کو فاسد کرنے والا ہے جو امام کی نماز کے ملاقی ہے پس اسی کے مثل مقتدی کی نماز سے بھی فاسد ہوگا مگر یہ امام بنا کا محتاج نہیں اور مسبوق اس کا محتاج ہے اور فاسد جزء پر بناء کرنا فاسد ہوتا ہے برخلاف سلام کے کیونکہ نماز کو پورا کرنے والا ہے اور کلام سلام کے معنی میں ہے اور امام کا وضو ٹوٹ جائے گا کیونکہ قہقہہ حرمت صلوٰۃ میں پایا گیا۔

تشریح ...... عبارت میں امام کو اول کے ساتھ مقید کرنا تساہل ہے کیونکہ اس مسئلہ میں استخلاف نہ ہونے کی وجہ سے امام ثانی نہیں ہے۔ صورت مسئلہ یہ ہوگی کہ امام کو حدث نہیں ہوا بلکہ اس نے تمام رکعتیں پڑھائیں اور تشہد کی مقدار بھی بیٹھ لیا پھر اس نے قہقہہ مار دیا یا حدث کر دیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایسے مقتدی کی نماز فاسد ہو جائے گی جس نے امام کی اول نماز نہیں پائی ہے یعنی مسبوق کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

مصنفؒ نے مسبوق کی نماز کے فساد کی قید اس لئے ذکر کی کہ مدرک کی نماز بالاتفاق فاسد نہیں ہوتی اور رہی لاحق کی نماز تو اس کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک فساد کی، دوم عدم فساد کی۔ اور صاحبین نے کہا کہ مسبوق کی نماز بھی فاسد نہیں ہوگی اور اگر مقدار تشہد کے بعد امام نے کلام کیا یا مسجد سے نکل گیا۔ تو بالاتفاق کسی کی نماز فاسد نہ ہوگی۔

حاصل مسئلہ یہ ہے کہ امام نے مسبوقین اور مدرکین کی امامت کی پس جب امام محل سلام تک پہنچ گیا تو اس نے قہقہہ مار دیا

حدث کیا تو امام صاحب کے نزدیک مسبوقین کی نماز فاسد ہو جائے گی اور صاحبین کے نزدیک فاسد نہ ہوگی اور اگر محل سلام تک پہنچ کر امام نے کلام کیا یا مسجد سے نکل گیا تو بالاتفاق مسبوقین کی نماز بھی فاسد نہ ہوگی۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ جواز و فساد کے اعتبار سے مقتدی کی نماز امام کی نماز پر مبنی ہوتی ہے جیسا کہ الامام ضامن (الحدیث) میں بیان ہو چکا ہے۔ اور امام کی نماز فاسد نہیں ہوتی لہٰذا مقتدی کی نماز بھی فاسد نہیں ہوگی۔ مقتدی خواہ مسبوق ہو یا مدرک یا لاحق اور عمداً حدث اور قہقہہ سلام اور کلام کے مانند ہو گیا یعنی جس طرح مقدار تشہد کے بعد امام کے سلام اور کلام سے مقتدی کی نماز فاسد نہیں ہوتی اسی طرح قہقہہ اور عمداً احداث سے بھی نماز فاسد نہ ہوگی۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ امام کی نماز میں سے جس جزء سے متصل قہقہہ واقع ہوا اس جزء کو اس نے فاسد کر دیا لہٰذا اس جزء کے مثل مقتدی کی نماز میں سے بھی فاسد ہوگا۔ کیونکہ مقتدی کی نماز امام کے نماز پر مبنی ہوتی ہے۔ اور جب مقتدی (مسبوق) کی نماز کا ایک جزء فاسد ہو گیا تو اب باقی نماز اس پر بنا نہیں کر سکتا کیونکہ فاسد جزء پر بنا کرنا بھی فاسد ہوتا ہے۔ حاصل یہ کہ مسبوق کی نماز کی بنا ممکن نہ ہوئی اس لئے نماز بھی تمام نہ ہو سکے گی بلکہ مسبوق کی نماز فاسد ہوگی۔

ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ امام کو بناء کرنے کی احتیاج نہیں ہے کیونکہ اس کے ارکان سب پورے ہو چکے اب تو ختم کا وقت ہے اس لئے امام کی نماز پوری ہو چکی۔ اور اسی طرح مدرک مقتدیوں کی بھی پوری ہو چکی۔ اور رہا مسبوق تو وہ بناء کرنے کا محتاج ہے کیونکہ اس کی بقیہ نماز اول کی باقی ہے اور سابق میں گذر چکا کہ جس جزء پر بناء کرے گا وہ جزء قہقہہ کی وجہ سے فاسد ہے اور فاسد جزء پر بناء کرنا فاسد ہوتا ہے۔ اس لئے مسبوق کے واسطے بناء کرنا ممکن نہ ہوا۔ اور جب بناء کرنا ممکن نہ ہوا تو نماز فاسد ہو گئی۔

برخلاف سلام کے کیونکہ سلام نماز کو پورا کرنے والا ہے نماز کو فاسد کرنے والا نہیں ہے اور کلام سلام کے ہم معنی ہے بایں طور پر کہ سلام در حقیقت قوم کے ساتھ دائیں اور بائیں جانب منہ کر کے کلام کرنا ہے کیونکہ سلام (السلام علیکم) میں کاف خطاب موجود ہے جو کلام ہونے پر دلالت کرتا ہے بہر حال جب کلام بھی سلام کے ہم معنی ہے تو کلام بھی نماز کو پورا کرنے والا ہوگا نہ کہ فاسد کرنے والا۔ پس جس طرح سلام کے بعد مسبوق اپنی چھوٹی ہوئی نماز پوری کر سکتا ہے اسی طرح کلام کے بعد بھی پوری کر سکتا ہے۔

صاحب نہایہ نے امام ابوحنیفہؒ کی دلیل کو اس طرح قلمبند فرمایا ہے کہ حدیث اور قہقہہ دونوں موجبات تحریمہ میں سے نہیں ہیں بلکہ منافیات تحریمہ میں سے ہیں اس لئے یہ دونوں امام کی نماز کا وہ جزء فاسد کر دیں گے جس کے ساتھ متصل ہو کر ہو کر واقع ہوئے ہیں اور چونکہ امام کی نماز مقتدی کی نماز کو جوازاً اور فساداً متضمن ہوتی ہے اس لئے مقتدی کی نماز سے بھی یہ جزء فاسد ہو جائے گا اور مسبوق چونکہ باقی نماز پوری کرنے کے لئے بناء کا محتاج ہے اور فاسد پر بناء کرنا فاسد ہوتا ہے اس لئے ان دونوں صورتوں میں مسبوقین کی نماز فاسد ہو جائے گی اور سلام اور خروج عن المسجد دونوں موجبات تحریمہ میں ہیں۔ سلام تو اس لئے موجب تحریمہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا تحلیلها التسلیم اور خروج........ اس لئے کہ باری تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا فاذا قُضِيَتِ الصَّلوٰةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ ، پس جب یہ دونوں موجب تحریمہ ہیں تو مفسد نماز نہیں ہوں گے بلکہ نماز کو پورا کرنے والے ہوں گے اور جب امام کی نماز پوری ہو گئی کوئی جزء فاسد نہیں ہوا تو مسبوق بھی اپنی نماز کی بناء کر سکتا ہے۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ مقدار تشہد کے بعد امام کا قہقہہ علماء ثلثہ کے نزدیک ناقض وضو ہے۔ امام زفرؒ نے کہا کہ اس صورت میں نہیں ہے۔ امام زفرؒ نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ قہقہہ اعادہ صلوٰۃ کو واجب کرتا ہے وہ ناقض وضو ہے اور جو اعادہ صلوٰۃ کو موجب نہیں وہ ناقض وضو بھی نہیں ہیں۔ پس چونکہ اس صورت میں امام کا قہقہہ اعادہ نماز کا موجب نہیں ہے اس لیے ناقض وضو بھی نہیں ہوگا۔ ائمہ ثلثہ کی دلیل یہ ہے کہ قہقہہ حرمت نماز میں پایا گیا ہے چنانچہ اگر اس حالت میں کوئی سہو ہو جاتا ہے تو اس پر سجدہ سہو واجب ہوتا ہے اور جو قہقہہ نماز میں پایا جائے وہ ناقض وضو ہوتا ہے اس لئے یہ قہقہہ ناقض وضو ہوگا۔

رکوع اور سجدے میں حدث لاحق ہو جائے نماز کا حکم

ومن احدث فی رکوعه او سجوده توضأ وبنی ولایعتد بالتی احدث فیها لان اتمام الرکن بالانتقال والحدث لایتحقق فلابد من الاعادة

ترجمہ ...... اور جس شخص کو حدث ہوا اس کے رکوع میں یا سجدہ میں تو وضو کرے اور بناء کرے اور نہ شمار کرے اس رکن کو جس میں حدث ہوا کیونکہ رکن کا اتمام اس رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونے سے ہے۔ اور حدث کے ساتھ انتقال متحقق نہیں ہوتا اس لئے اس رکن کا اعادہ ضروری ہے۔

تشریح ...... مسئلہ یہ ہے کہ کسی کو رکوع یا سجدہ کی حالت میں حدث ہوا خواہ وہ منفرد ہو یا امام یا مقتدی تو اس کو چاہئے کہ وضو کر کے بناء کرے اور جس رکن میں حدث پیش آیا ہے اس کو شمار نہ کرے۔ دلیل یہ ہے کہ ایک رکن اس وقت مکمل ہوتا ہے جب کہ اس سے دوسرے کی طرف منتقل ہو جائے اور یہ انتقال فرض ہے اور حدث کے ساتھ انتقال متحقق نہیں ہوتا کیونکہ منتقل الیہ (جس کی طرف منتقل ہوگا) نماز کا جزء ہے اور حدث پیش آنے کے بعد نماز کا ایک جزء ادا کرنا بھی مفسد ہے اس لئے اس رکن کا اعادہ ضروری ہوگا۔ مثلاً اگر رکوع میں حدث ہوا تھا تو وضو کے بعد آ کر رکوع ہی کرے۔

صاحب عنایہ نے لکھا ہے کہ قیاس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ جس قدر نماز ادا کی ہے وہ سب فاسد ہو جائے لیکن ہم نے قیاس کو اس حدیث کی وجہ سے ترک کر دیا جو بناء نماز کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہے۔ پس مقتضی قیاس اس رکن کا ٹوٹنا اور فاسد ہونا باقی رہا جس میں حدث لاحق ہوا۔

امام کو رکوع سجدے میں حدث لاحق ہوا تو اس نے خلیفہ بنایا، خلیفہ نئے سرے سے رکوع سجدہ کرے

ولو کان اماما فقدم غیره دام المقدم علی الرکوع لانه یمکنه الاتمام بالاستدامة

ترجمہ ...... اور اگر یہ محدث امام تھا پس اس نے دوسرے کو خلیفہ کر دیا تو خلیفہ رکوع کی ہیئت پر برابر رہے کیونکہ خلیفہ کو رکوع پورا کرنا ٹھہرے رکھنے سے ممکن ہے۔

تشریح ...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر یہ محدث امام تھا جس کو رکوع میں حدث ہوا تھا پھر امام نے جھکے جھکے پھر کر دوسرے کو خلیفہ کر دیا تو اس کو از سر نو رکوع کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ رکوع کی مقدار اسی رکوع میں ٹھہرا رہے۔ دلیل یہ ہے کہ جس فعل پر دوام کیا جاتا ہے اس کی استدامت (ٹھہرے رہنا) کو از سر نو شروع کرنے کا حکم ہو جاتا ہے پس یہاں بھی خلیفہ کے لئے استدامت سے رکوع پورا کرنا ممکن ہے اس لئے کہا گیا کہ وہ رکوع میں بقدر رکوع ٹھہرا رہے۔ از سر نو رکوع کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

نمازی کو رکوع یا سجدہ میں یاد آیا کہ اس پر رکوع یا سجدہ باقی ہے اس کے لئے کیا حکم ہے

ولو تذکر وھو راکع او ساجد ان علیه سجدة فانحط من رکوعه لھا او رفع رأسه من سجوده فسجدھا یعید الرکوع والسجود وھذا بیان الاولیٰ لتقع الافعال مرتبة بالقدر الممکن وان لم یعد اجزاه لان الترتیب فی افعال الصلوٰة لیس بشرط و لان الانتقال مع الطھارة شرط وقد وجد وعن ابی یوسف انه یلزمه اعادة الرکوع لان القومة فرض عنده

ترجمہ ...... اور اگر مصلی نے یاد کیا اس حالت میں کہ وہ رکوع کرنے والا یا سجدہ کرنے والا ہے اس بات کو کہ اس پر سجدہ باقی ہے پس وہ رکوع سے سجدہ قضاء کے واسطے جھکا یا اپنا سر اپنے سجدہ سے اٹھا کر قضاء کا سجدہ کیا تو رکوع اور سجود کا اعادہ کرے گا۔ اور یہ بیان اولیٰ ہے تاکہ حتی الامکان افعال ترتیب وار ادا ہوں۔ اور اگر اس نے رکوع یا سجود کا اعادہ نہ کیا تو بھی اس کو کافی ہے کیونکہ ترتیب نماز کے افعال میں شرط نہیں ہے اور اس لئے کہ طہارت کے ساتھ منتقل ہونا شرط ہے اور وہ پایا گیا اور ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ مصلی مذکور پر رکوع کا اعادہ لازم ہے کیونکہ ابو یوسفؒ کے نزدیک قومہ فرض ہے۔

تشریح ...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ مصلی نے رکوع کی حالت میں یاد کیا کہ اس پر سجدہ باقی ہے یا سجدہ کی حالت میں یاد کیا کہ اس پر سجدہ باقی ہے خواہ سجدہ تلاوت ہو یا سجدہ نماز ہو۔ پس اگر اس نے رکوع میں یاد کیا اور رکوع ہی سے اس کی قضاء کے واسطے جھک گیا اور سجدہ قضاء کیا، اور اگر سجدہ کی حالت میں اس کو سجدہ قضاء یاد آیا اور اس نے سجدہ موجودہ سے سر اٹھا کر سجدہ قضاء کیا تو جس رکوع یا سجدہ میں یاد کر کے قضاء کا سجدہ کیا ہے اس رکوع اور سجود کا اعادہ کرے۔ اور یہ اعادہ کرنا اولیٰ اور مستحب ہے تاکہ جہاں تک ممکن ہوں افعال ترتیب کے ساتھ ادا ہوں۔ یعنی موجودہ رکوع سے سجدہ قضاء مقدم کرنا ممکن ہے۔ اس لئے اس کو مقدم کرنا اولیٰ ہے اور اگر اس نے رکوع اور سجود کا اعادہ نہیں کیا تب بھی درست ہے کیونکہ جس رکوع اور سجود میں سجدہ قضاء یاد آتا تھا وہ حقیقت میں تو ہو گیا اعادہ صرف ترتیب کے پیش نظر تھا مگر چونکہ نماز کے افعال میں ترتیب شرط ہے اس لئے ترتیب افعال نہ پائے جانے کی وجہ سے نماز میں کوئی حرج واقع نہیں ہوگا۔ افعال میں ترتیب شرط نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ مسبوق اپنی نماز اس جگہ سے شروع کرتا ہے جہاں سے امام کو پاتا ہے پھر امام کے سلام پھرنے کے بعد اول نماز جو چھوٹی ہوئی ہے اس کو ادا کرتا ہے گویا مسبوق نے آخر نماز کو پہلے ادا کیا اور اول نماز کو بعد میں ادا کیا پس اگر ترتیب شرط ہوتی تو مسبوق کے لئے عذر جماعت کی وجہ سے اس کا ترک کرنا جائز نہ ہوتا۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ رکوع یا سجود جس میں سجدۂ قضاء یاد کیا ہے اس سے دوسرے رکن کی طرف طہارت کے ساتھ منتقل ہونا شرط ہے جب یہ شخص رکوع سے سیدھا سجدہ میں چلا گیا یا سجدہ سے سر اٹھا کر قضاء کے لئے سجدہ کیا تو طہارت کے ساتھ منتقل ہونا پایا گیا لہٰذا وہ رکوع یا سجدہ جس میں قضاء کا سجدہ یاد آیا تھا ادا ہو گیا اس کے علاوہ کی چنداں ضرورت نہیں رہی۔

امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ اگر رکوع سے سر اٹھائے بغیر سیدھا سجدہ میں چلا گیا تو اس پر رکوع کا اعادہ لازم ہے۔ دلیل یہ ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قومہ یعنی رکوع سے سر اٹھانا فرض ہے پس جب اس نے رکوع سے سر نہیں اٹھایا بلکہ رکوع سے سیدھا سجدہ میں چلا گیا تو اس نے فرض چھوڑ دیا اور جب فرض یعنی قومہ ترک کر دیا تو رکوع بھی ادا نہیں ہوا۔ اور جب رکوع ادا نہیں ہوا تو

اس کا اعادہ لازم ہوگا۔

ایک ہی شخص کی امامت کر رہا تھا اور اسے حدث لاحق ہو گیا اور مسجد سے نکل گیا تو مقتدی امام ہے خواہ امام اول نے خلیفہ بنانے کی نیت کی ہو یا نہیں

ومن ام رجلا واحدا فاحدث وخرج من المسجد فالمأموم امام نوى اولم ينو لما فيه من صيانة الصلاة وتعين الاول لقطع المزاحمة ويتم الاول صلاته مقتديا بالثانى كما اذا استخلفه حقيقة ولو لم يكن خلفه الا صبى او امرأة قيل تفسد صلاته لاستخلاف من لايصلح للامامة و قيل لا تفسد لانه لم يوجد الاستخلاف قصدا و هو لايصلح للامامة والله اعلم

ترجمہ...... اور جس مرد نے امامت کی کسی ایک مرد کی پھر امام کو حدث ہوا اور وہ مسجد سے نکل گیا تو مقتدی امام ہے خواہ امام اول نے خلافت کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو کیونکہ اس میں نماز کی حفاظت ہے اور امام اول کا (کسی کو) متعین کرنا مزاحمت قطع کرنے کے لئے ہے اور یہاں کوئی مزاحمت نہیں ہے اور امام اول اپنی نماز کو پورا کرے دوسرے کی اقتداء کر کے جیسا کہ جب اس کو حقیقۃً خلیفہ کرتا۔ اور اگر محدث کے پیچھے کوئی نہ ہو اسوائے بچہ کے یا عورت کے تو کہا گیا کہ امام کی نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ اس شخص کو خلیفہ بنایا گیا جو امامت کے لائق نہیں ہے اور کہا گیا کہ امام محدث کی نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ قصداً خلیفہ کرنا نہیں پایا گیا اور وہ امامت کے لائق نہیں ہے۔ واللہ اعلم

تشریح...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک مرد نے دوسرے ایک مرد کی امامت کی پھر امام کو حدث ہو گیا اور وہ مسجد سے نکل گیا تو مقتدی امام ہوگا خواہ امام اول نے اس کی خلافت کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو بشرطیکہ وہ امامت کا اہل ہو۔ عبارت میں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ اس مقتدی نے خلیفہ ہونے کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ دلیل یہ ہے کہ اس صورت میں یعنی مقتدی کے امام متعین ہونے میں مقتدی کی نماز کی حفاظت ہے اس لئے کہ اگر امام متعین نہ ہو تو امامت کی جگہ امام سے خالی رہے گی اور امامت کی جگہ کا امام سے خالی ہونا مقتدی کی نماز کو فاسد کرتا ہے اس لئے ہم نے کہا کہ صورت مذکورہ میں مقتدی خود بخود امام مقرر ہو جائے گا۔

وتعین الاول سے اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض: یہ ہے کہ تعین (متعین ہونا) بغیر تعیین (متعین کئے بغیر) متحقق نہیں ہوتا اور یہاں حال یہ ہے کہ امام محدث نے مقتدی کو امامت کے لئے متعین نہیں کیا ہے لہذا مقتدی امام کس طرح ہو سکتا ہے؟

جواب: یہ ہے کہ امام محدث کا کسی کو خلیفہ کرنا مزاحمت کو قطع کرنے کے لئے ہوتا ہے اور چونکہ یہاں کوئی مزاحم نہیں ہے اس لئے تعیین حکماً موجود ہوگی۔ اور جب حکماً تعیین موجود ہے تو ایسا ہو گیا گویا امام محدث نے اس کو خلیفہ مقرر کیا ہے اب یہ امام محدث اپنی نماز اس کی اقتداء کر کے پوری کرے جیسے کہ اگر یہ اس کو حقیقۃً خلیفہ کرتا تو اس کی اقتداء کر کے پوری کرتا۔

اور اگر امام محدث کے پیچھے نابالغ بچہ یا عورت کے علاوہ کوئی نہ ہو تو اس بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ امام کی نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ اس نے اس شخص کو خلیفہ مقرر کیا ہے جو امامت کا اہل نہیں ہے پس جب بچہ یا عورت امامت کے لئے متعین ہو گئی اگرچہ حکماً ہے امام محدث اس کی اقتداء کرنے والا ہوگا۔ اور قاعدہ ہے کہ جو شخص ایسے آدمی کی اقتداء کرے جو امامت کا اہل نہ ہو اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اور بعض مشائخ نے کہا کہ امام محدث کی نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ نماز کا فاسد ہونا تو مقتدی کے خلیفہ

پر موقوف ہے اور وہ یہاں پایا نہیں گیا کیونکہ استخلاف (خلیفہ کرنا) حقیقۃً ہوگیا یا حکماً ہوگا۔ اور یہاں دونوں میں سے کوئی موجود نہیں۔ حقیقۃً تو اس لئے نہیں کہ امام محدث کی طرف سے قصداً خلیفہ کرنا نہیں پایا گیا۔ اور حکماً اس لئے نہیں کہ بچہ یا عورت امامت کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

پس جب ان دونوں میں امامت کی صلاحیت نہیں تو حکماً خلیفہ بھی نہیں ہو سکتے۔ پس جب نہ حقیقۃً کرنا پایا گیا اور نہ حکماً تو امام محدث کی نماز بھی فاسد نہ ہوگی کیونکہ امام کی نماز کا فاسد ہونا مقتدی کے خلیفہ ہو جانے پر مبنی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ جمیل احمد

باب مایفسد الصلوٰۃ و مایکرہ فیہا

ترجمہ ...... (یہ) باب ان چیزوں کے بیان میں جو نماز کو فاسد کرتی ہیں اور جو نماز میں مکروہ ہیں

تشریح ...... گزشتہ باب میں ان عوارض کا ذکر کیا گیا جو نماز میں غیر اختیاری طور پر پیش آتے ہیں اور اس باب میں ان عوارض کا بیان ہے جو نماز میں نمازی کے اختیار سے عارض ہوتے ہیں۔ حاصل یہ کہ گزشتہ باب میں غیر اختیاری عوارض کا بیان تھا اور اس باب میں اختیاری عوارض کا بیان ہے۔

نماز میں کلام کرنے سے خواہ عمداً ہو یا نسیاناً نماز باطل ہوگی یا نہیں، اقوالِ فقہاء و دلائل

ومن تکلم فی صلوٰتہ عامدا اوساھیا بطلت صلوٰتہ خلافا للشافعیؒ فی الخطاء والنسیان و مفزعہ الحدیث المعروف ولنا قولہ علیہ السلام ان صلا تنا ھذہ لایصلح فیھا شیء من کلام الناس وانما ھی التسبیح والتھلیل و قراء ۃ القران ومارواہ محمول علی رفع الاثم بخلاف السلام ساھیا لانہ من الاذکار فیعتبر ذکرا فی حالۃ النسیان و کلاما فی حالۃ التعمد لما فیہ من کاف الخطاب

ترجمہ ...... اور جس شخص نے اپنی نماز میں کلام کیا خواہ عمداً خواہ سہواً تو اس کی نماز باطل ہوگئی خطا اور نسیان کے اندر امام شافعیؒ کا اختلاف ہے اور امام شافعیؒ کا ملجا حدیث معروف ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہماری یہ نماز اس میں لوگوں کے کلام سے کچھ درست نہیں ہے اور یہ تو فقط تسبیح تہلیل اور قرأت قرآن ہے۔ اور حدیث جس کو امام شافعیؒ نے روایت کیا ہے وہ گناہ دور ہونے پر محمول ہے بخلاف سہواً سلام کے کیونکہ وہ اذکار نماز میں سے ہے۔ پس سلام کو حالت نسیان میں ذکر اعتبار کیا جائے گا اور حالت عمد میں کلام، کیونکہ اس میں کاف خطاب ہے۔

تشریح ...... سہو کہتے ہیں قوت مدرکہ سے صورت کا زائل ہو جانا اور نسیان قوت حافظہ سے صورت کا زائل ہو جانا ہے۔ یہاں تک کہ کسب جدید کا محتاج ہو اور خطاء یہ ہے کہ صورت تو باقی ہے لیکن جب ایک چیز کے تکلم کا ارادہ کیا تو بغیر ارادے کے دوسری چیز زبان سے نکل گئی اس جگہ سہو سے عام معنی مراد ہیں جو تینوں قسموں کو شامل ہوں گے اور چونکہ سہو اور نسیان کے درمیان حکم شرعی میں کوئی فرق نہیں ہے اس لئے مصنف علیہ الرحمۃ نے بھی ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا۔

مسئلہ ...... اگر کسی شخص نے اپنی نماز میں عمداً یا سہواً کلام کیا تو اس کی نماز باطل ہوگی۔ کلام مفید معنی حرفی آواز کو کہتے ہیں کبھی ایک حرف کافی

ہوتا ہے جیسے قِ یعنی بچ اور اگر ایک حرف بے معنی ہو تو کلام نہیں۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک خطاء اور نسیان کی صورت میں کلا
نماز نہیں ہے بشرطیکہ طویل نہ ہو۔ کیونکہ طویل کلام خطاء اور نسیان کے منافی ہے۔ امام شافعیؒ کا مستدل حدیث معروف رفع عن ا
الخطاء والنسیان یعنی میری امت سے خطاء اور نسیان کو دور کر دیا گیا۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ حکم کی دو قسمیں ہیں۔ دنیوی (مف
ہونا) اور اخروی (گناہ گار ہونا) تو گویا حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت سے خطاء اور نسیان کا حکم دنیوی اور اخروی دونوں کو اٹ
یعنی ان دونوں سے نہ کوئی چیز فاسد ہوگی اور نہ ہی آخرت میں گناہگار ہوگا۔

صاحب عنایہ نے لکھا ہے کہ وجہ استدلال یہ ہے کہ ان دونوں کی حقیقت تو غیر مرفوع ہے کیونکہ یہ دونوں بین الناس موجود ہیں
کا حکم یعنی مفسد ہونا مرفوع ہوگا۔

ہماری دلیل معاویہ بن الحکم اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے پوری حدیث اس طرح ہے کہ۔

قال صليت خلف رسول الله ﷺ فعطس بعض القوم فقلت يرحمك الله فرماني القو
بابصارهم فقلت واثكل اماه مالي اراكم تنظرون الي شزرا فضربوا بايديهم على افخاذهم فعلم
انهم يسكتونني فلما فرغ النبي ﷺ دعاني فو الله ما رأيت معلما احسن تعليما منه ما كهرني ولا
زجرني ولكن قال ان صلاتنا هذه لا يصلح فيها شيء من كلام الناس و انما هي التسبيح والتهليل
و قراءة القرآن

ترجمہ...... معاویہ بن حکم کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی پس کسی نے چھینکا تو میں نے یرحمک اللہ
پس لوگ مجھ کو اپنی تیز نظروں دیکھنے لگے پس میں نے کہا اس کی ماں اس کو گم کرے مجھے کیا ہو گیا کہ میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم م
اپنی کڑی نظروں سے دیکھ رہے ہو۔ پس انہوں نے اپنی ران پر اپنا ہاتھ مارا پس میں سمجھ گیا کہ یہ لوگ مجھ کو خاموش کرنا چاہتے ہیں
پس جب حضور ﷺ فارغ ہو گئے تو مجھ کو بلایا بخدا میں نے آپؐ سے اچھا معلم نہیں دیکھا نہ مجھ کو آپ نے جھڑکا اور نہ مجھ کو ڈانٹا بلکہ
کہ ہماری اس نماز میں لوگوں کے کلام میں سے کوئی چیز لائق نہیں ہے یہ تو فقط تسبیح تہلیل اور قراءۃ قرآن ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں کلام کا نہ ہونا نماز کا حق ہے جس طرح کہ طہارت کا پایا جانا نماز کا حق ہے پس جس طرح عدم و
کے ساتھ نماز جائز نہیں ہوتی اسی طرح وجود کلام کے ساتھ بھی جائز نہیں ہوگی امام شافعیؒ کی پیش کردہ حدیث کا جواب یہ ہے کہ
رفع عن امتی الخطأ والنسیان، رفع اثم پر محمول ہے حاصل یہ ہے کہ حدیث میں حکم آخرت یعنی گناہ بالاجماع مراد ہے اب
دنیوی یعنی مفسد ہونا بھی مراد لیا جائے تو عموم مشترک لازم آئے گا حالانکہ عموم مشترک جائز نہیں ہے "بخلاف السلام" سے امام شا
قیاس کا جواب ہے۔

قیاس کا حاصل یہ ہے کہ سلام، کلام کے مانند ہے کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک قاطع نماز ہے اور سلام کے حق میں عمد
کے درمیان تفصیل ہے یعنی سہواً سلام مفسد نہیں اور عمداً مفسد ہے پس یہی تفصیل کلام میں بھی ہونی چاہئے تھی یعنی سہواً کلام مفسد نہ
عمداً کلام مفسد ہوتا۔

حاصل جواب یہ ہے کہ سلام من کل وجہ کلام کے مانند نہیں ہے کیونکہ سلام تو اذکار نماز سے ہے حتی کہ التحیات میں پڑھا جاتا ہے

علیک ایہا النبی الخ" اور سلام باری تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے البتہ سلام نے کاف خطاب کی وجہ سے کلام کا حکم لے لیا۔ حاصل یہ ہوا کہ السلام علیک من وجہ ذکر ہے اور من وجہ کلام ہے پس ہم نے دونوں وجہوں پر عمل کیا اور کہا اگر سلام ناسیا ہے تو وہ اذکار کے ساتھ لاحق ہوگا۔ اور نماز فاسد نہیں ہوگی اور اگر عمداً ہے تو کلام کے ساتھ لاحق ہو گیا۔ اور نماز فاسد ہو جائے گی۔

نماز میں کراہنا اور رونا خواہ خشیت سے ہو یا تکلیف اور درد سے مفسد صلوٰۃ ہے یا نہیں

فان ان فیہا او تاوّہ او بکی فارتفع بکاؤہ فان کان من ذکر الجنۃ او النار لم یقطعہا لانہ یدل علی زیادۃ الخشوع وان کان من وجع او مصیبۃ قطعہا لان فیہ اظہار الجزع والتأسف فکان من کلام الناس وعن ابی یوسف ان قولہ اہ لم یفسد فی الحالین واوہ یفسد وقیل الاصل عندہ ان الکلمۃ اذا اشتملت علی حرفین وہما زائدتان او احداہما لاتفسد وان کانتا اصلیتین تفسد وحروف الزوائد جمعوہا فی قولہم "الیوم تنساہ" وہذا لا یقوی لان کلام الناس فی متفاہم العرف یتبع وجود حروف الہجاء وافہام المعنی و یتحقق ذلک فی حروف کلہا زوائد

ترجمہ..... اور اگر نماز میں کوئی کراہایا آہ کیا یا رو دیا پس اس کا رونا بلند ہوا پس اگر یہ جنت یا دوزخ کے ذکر سے ہے تو نماز کو قطع نہیں کرے گا کیونکہ یہ خشوع کی زیادتی پر دلیل ہے اور اگر درد یا مصیبت کی وجہ سے ہے تو نماز کو قطع کر دیگا کیونکہ اس میں جزع اور تاسف کا اظہار ہے تو کلام الناس میں سے ہو گیا۔ اور ابو یوسف سے مروی ہے کہ آہ کہنا دونوں حالتوں میں مفسد نہیں ہے اور وہ مفسد ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ ابو یوسف کے نزدیک اصل یہ ہے کہ کلمہ جب دو حرفوں پر مشتمل ہوا اور وہ دونوں زائد ہوں۔ یا ان دونوں میں ایک زائد ہو تو نماز فاسد نہیں ہوگی اور اگر دونوں اصلی ہوں تو فاسد ہو جائے گی اور حروف زوائد کو اہل لغت نے اپنے قول الیوم تنساہ میں جمع کیا ہے اور یہ اصل قوی نہیں کیونکہ کلام الناس ہونا عرف کی اصطلاح میں تابع ہوتا ہے حروف ہجاء کے پائے جانے اور معنی سمجھانے کے اور یہ متحقق ہو جاتا ہے ایسے حروف میں کہ وہ سب کے سب زائد ہوں۔

تشریح..... انین مبتلائے درد کی آواز جسکو اردو میں کراہنا کہتے ہیں اور بعض حضرات نے کہا کہ انین آہ کہنا اور تاوہ اوکہنا اور ارتفاع بکاء یہ ہے کہ اس سے حروف پیدا ہو جائیں حاصل مسئلہ یہ کہ نماز میں کراہنا یا اوہ کہنا یا رونا اس طور پر ہو کہ اس سے حروف پیدا ہو جائیں ان میں سے ہر ایک جنت یا دوزخ کے ذکر کی وجہ سے ہوگا یا درد یا کسی اور مصیبت کی وجہ سے پس اگر اول ہے یعنی جنت یا دوزخ کے ذکر کی وجہ سے رویا یا اوہ کہا تو نماز فاسد نہیں ہوگی کیونکہ یہ خشوع کی زیادتی پر دلیل ہے اور چونکہ نماز میں خشوع ہی مطلوب ہے اس لئے خشوع کی زیادتی مفسد نماز کیسے ہو سکتی ہے۔

دوسری دلیل یہ کہ اگر یہ شخص صراحۃً اللّٰھم انی اسألک الجنۃ واعوذبک من النار کہتا تو نماز فاسد نہ ہوتی پس کنایہ کی صورت میں بدرجہ اولی نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر ثانی ہے یعنی یہ باتیں درد یا کسی مصیبت کی وجہ سے پیدا ہوئیں تو نماز فاسد ہو جائے گی یہی قول امام مالک اور امام احمدؒ کا ہے کیونکہ اس میں جزع اور تاسف کا اظہار ہے اس وجہ سے یہ کلام الناس میں سے ہو گیا اور کلام الناس مفسد نماز ہے لہٰذا یہ بھی مفسد نماز ہوگا۔ دوسری بات یہ کہ یہ شخص اگر درد اور مصیبت کا اظہار بصراحت کرتا مثلاً کہتا انی مصاب خدایا

میری مدد کر میں مصیبت زدہ ہوں تو اس کی نماز فاسد ہو جاتی۔ پس اسی طرح دلالۃً اور کنایۃً جزع اور تاسف کے اظہار سے نماز
ہو جائے گی۔

دونوں صورتوں پر یہ اثر بھی مستدل ہوگا سئلت عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عن الانین فی الصلوٰۃ فقالت ان کان من
خشیۃ اللہ تعالیٰ لاتفسد صلاتہ وان کان من الالم تفسد وقال علیہ السلام طوبی للبکائین فی ال
عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نماز کے اندر کراہنے اور آہ و بکار کے سلسلہ میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر یہ خشیت خدا
وجہ سے ہے تو نماز فاسد نہیں ہوگی اور اگر درد والم کی وجہ سے ہے تو نماز فاسد ہو جائے گی اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ نماز کے اندر رو
کے لئے خوشخبری ہو۔ امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ آہ (ہمزہ کے فتحہ اور ہاء کے جزم کے ساتھ) کہنا دونوں حالتوں میں مفسد
خواہ جنت یا دوزخ کے ذکر سے ہو یا درد اور مصیبت کی وجہ سے اور اوہ کہنا مفسد ہے۔

بعض حضرات نے کہا کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ضابطہ یہ ہے کہ جب کلمہ دو حرفوں پر مشتمل ہو اور وہ دونوں حرف زوائد
ہوں یا ان میں سے ایک حروف زوائد میں سے ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر دونوں حروف اصلی ہوں تو نماز فاسد ہو جائے گی دلیل
ہے کہ کلام عرب کی بنیاد تین حرفوں پر ہوتی ہے۔ کیونکہ ایک حرف کی ضرورت تو اس لئے پیش آئے گی کہ اس سے ابتداء کی جا
ایک کی اس لئے کہ اس پر وقف کیا جائے اور ایک حرف ان دونوں کے درمیان فصل کرنے کے لئے ہوگا پس حرف واحد تو اقل جمل
پر لفظ کلمہ یا کلام کا اطلاق نہیں ہوگا اور دو حرف اگر ان میں سے ایک زائد ہو تو حرف اصلی کی طرف نظر کرتے ہوئے اس کی بنا بھی
حرف پر رہ گئی اور اگر دو حرف اصلی ہیں تو تین حروف میں سے اکثر پائے گئے اور اکثر کل کے قائم مقام ہوتا ہے لہٰذا دو اصلی حروف
کلمہ کا تلفظ نماز کو فاسد کر دے گا۔

پس اس ضابطہ کے مطابق آہ کہنا مفسد نماز نہیں ہے کیونکہ یہ کلمہ دو حرفوں (ہمزہ ہاء) پر مشتمل ہے اور دونوں حروف زوائد میں
اور اوہ کہنا نماز کو فاسد کر دے گا کیونکہ اس میں دو حروف سے زائد حروف ہیں اور دو حرف سے زوائد میں ان کے اصلی اور زوائد
ہونے کی طرف نظر نہیں کی جاتی بلکہ دو حروف سے زائد حروف پر مشتمل کلمہ مطلقاً نماز کو فاسد کر دے گا خواہ وہ سب کے سب حروف
میں سے کیوں نہ ہوں۔

فاضل مصنف نے کہا کہ حروف زوائد کو اہل لغت نے اپنے قول الیوم تنساہ میں جمع کر دیا ہو۔

شیخ رضی نے حروف زوائد پر ایک واقعہ نقل کیا ہے واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک شاگرد نے اپنے استاد سے حروف زوائد
پوچھا تھا۔ استاد صاحب نے جواب دیا مسئلتہ یہاں شاگرد یہ کہا کہ استاد نے ماسبق میں بتلاتے ہوئے کلام کی طرف اشارہ کیا
قبل میں نہ میں نے سوال کیا تھا اور نہ استاد نے کچھ جواب دیا تھا اس لئے فوراً اس نے کہا ماسئلت قطکہ حضرت میں نے
کبھی پوچھا بھی نہیں۔ پھر استاد نے جواب دیا۔ الیوم تنساہ شاگرد یہ سمجھا کہ ”ظ بول کر صرف اس کے معانی مراد لے
یعنی شاگرد یہ سمجھ کر استاد صاحب میرے قصور حافظہ کو عذر بنا“ لنا چاہتے ہیں کہ اگر میں تم کو بتاؤں تو آج بھول جاؤ گے اس لئے
نے برجستہ کہا و اللہ لا انساہ، جب استاد صاحب نے دیکھا کہ شاگرد کے لئے اشارہ ناکافی ہے تو پھر تنبیہ فرمائی اور کہا
اجبتک مرتین۔

وھذا لا یقوی الخ سے کہتے ہیں جو اصول امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بیان فرمایا ہے۔ وہ قوی نہیں ہے کیونکہ مفسد نماز کلام الناس ہے اور عرف عام میں کلام الناس ہونا دو باتوں کے تابع ہے۔ اول یہ کہ حروف ہجاء پائے جائیں حتی کہ اگر مصلی کی آواز میں کوئی حرف ہی نہ ہو تو بالاتفاق مفسد نہیں ہے، دوم یہ کہ وہ حروف ہجا مفید معنی ہوں حتی کہ اگر وہ حروف مفید معنی نہ ہوں تو مفسد نماز نہ ہوگا۔

اور یہ بات مسلم ہے کہ کلام ہونا اس وقت بھی متحقق ہوجاتا ہے جب کہ اس کے تمام حروف زوائد میں سے ہوں مثلاً کسی نے کہا کہ الیوم سالتمو نیہا، اس جملہ میں مبتداء وخبر کی ترکیب ہے اور اس کلام کے تمام حروف زوائد میں سے ہیں اس کے باوجود مفسد نماز ہے۔ پس معلوم ہوا کہ مطلقاً کلام مفسد نماز ہے حروف زوائد پر مشتمل ہو یا حروف اصلی پر۔ مگر صاحب نہایہ نے جواب میں فرمایا کہ امام ابو یوسفؒ کا کلام دو حرفوں میں ہے یعنی اگر کلام دو حرف زائد پر مشتمل ہو تو وہ مفسد نماز نہیں ہوگا اور اگر دو حروف سے زائد حروف پر مشتمل ہو اگرچہ وہ سب حروف زوائد میں سے ہوں تو امام ابو یوسفؒ کا قول بھی طرفین کے قول کے مانند ہے یعنی نماز فاسد ہوجائے گی۔

نماز میں کھانسنا عذر سے ہو یا بغیر عذر کے اسی طرح چھینکنے اور ڈکار لینے کا کیا حکم ہے

وان تنحنح بغیر عذر بان لم یکن مدفوعا الیه وحصل به الحروف ینبغی ان یفسد عندھما وان کان بعذر فهو عفو کالعطاس والجشاء اذا حصل به حروف

ترجمہ...... اور اگر مصلی نے تنحنح کیا بغیر عذر کے بایں طور کو مدفوع الیہ نہ ہوا اور اس سے حروف پیدا ہوجائیں تو مناسب یہ ہے کہ طرفین کے نزدیک نماز فاسد ہوجائے اور تنحنح عذر کی وجہ سے ہو تو یہ معاف ہے جیسے چھینک اور ڈکار جب کہ اس سے حروف پیدا ہوجائیں۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر مصلی نے تنحنح کیا یعنی کھنکھارا اور اس کی وجہ سے حروف بھی پیدا ہوگئے مثلاً اح (بالفتح یا بالضم) کہا تو اس کی دو صورتیں ہیں عذر کی وجہ سے ہوگا یا بغیر عذر کے۔ اگر بغیر عذر کے ہو یعنی اضطراری نہ ہو بلکہ اختیاری ہو تو طرفین کے نزدیک نماز فاسد ہو جانی چاہئے اور اگر عذر کی وجہ سے ہے تو یہ معاف ہے یعنی نماز فاسد نہ ہوگی جیسے چھینک اور ڈکار سے نماز فاسد نہیں ہوتی اگرچہ اس سے حروف بظاہر ہوجائیں۔

نماز میں چھینک کا جواب دینا مفسد صلوٰۃ ہے

ومن عطس فقال له آخر یرحمک الله وھو فی الصلوٰۃ فسدت صلوٰته لانه یجری فی مخاطبات الناس فکان من کلامهم بخلاف ما اذا قال العاطس او السامع الحمدلله علی ما قالوا لانه لم یتعارف جوابا

ترجمہ...... اور اگر کسی کو چھینک آئی پھر اس سے دوسرے نے جو نماز پڑھتا ہے کہا یرحمک الله تو اس کی نماز فاسد ہوگئی۔ کیونکہ یہ لوگوں کے مخاطبات میں جاری ہوتا ہے لہٰذا یہ لوگوں کے کلام سے ہوگا۔ برخلاف اس کے جب چھینکنے والے مصلی یا سننے والے مصلی نے کہا الحمدلله اس بنا پر جو مشائخ نے کہا کیونکہ الحمدلله کہنا جواب متعارف نہیں ہے۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص کو چھینک آئی پس دوسرے آدمی نے جو نماز پڑھتا ہے یرحمک الله کہا تو اس قائل کی نماز فاسد ہو گئی کیونکہ یرحمک الله میں کاف خطاب کا ہے اور لوگوں میں یہ بول چال جاری بھی ہے۔ اس لئے یہ کلام الناس کے قبیل سے ہوگا اور

کلام الناس مفسد نماز ہے لہٰذا یہ بھی مفسد نماز ہوگا۔ اس کے برخلاف اگر چھینکنے والے مصلی نے یا سننے والے مصلی نے الحمدللہ
مشائخ کے قول کے مطابق مفسد نماز نہ ہوگا کیونکہ الحمدللہ کہنا عرف میں جواب شمار نہیں ہوتا بلکہ یہ ذکر اللہ ہے اور ذکر اللہ نماز کا
کرتا اس وجہ سے کہا گیا کہ الحمدللہ کہنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

صاحب عنایہ نے محیط کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ چھینکنے والا اپنے دل میں الحمدللہ
اپنی زبان کو حرکت نہ دے اگر اس نے اپنی زبان کو حرکت دی تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

نمازی کا اپنے امام کے علاوہ کو لقمہ دینے کا حکم

**وان استفتح ففتح عليه في صلاته تفسد ومعناه ان يفتح المصلي على غير امامه، لانه تعليم و تعلم، فكا
كلام الناس ثم شرط التكرار في الاصل لانه ليس من اعمال الصلوٰة فيعفى القليل منه و لم يشترط
الجامع الصغير لان الكلام بنفيه قاطع و ان قل**

ترجمہ ...... اور اگر کسی نے لقمہ چاہا پس مصلی نے اپنی نماز میں لقمہ دیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اس قول کے معنی یہ ہے کہ مصلی
اپنے امام کے علاوہ دوسرے کو لقمہ دیا۔ کیونکہ یہ سکھلانا اور سیکھنا ہے اس لئے یہ کلام الناس سے شمار ہو گیا پھر امام محمدؒ نے مبسوط میں تکرار کی
شرط لگائی ہے کیونکہ یہ فعل اعمال صلوٰۃ میں سے نہیں ہے اس لئے اس کا قلیل معاف ہوگا۔ اور جامع صغیر میں یہ شرط نہیں ہے کیونکہ
بذات خود مفسد نماز ہے اگرچہ قلیل ہو۔

تشریح ...... استفتاح لقمہ طلب کرنا اور مدد طلب کرنا اللہ تعالیٰ نے فرمایا یستفتحون ای یستنصرون عقلی اعتبار سے استفتاح کی
قسمیں ہیں۔ اس لئے کہ لقمہ لینے والا اور لقمہ دینے والا یا دونوں نماز میں نہیں ہوں گے اور یا دونوں نماز میں ہوں گے یا مستفتح (لقمہ
لینے والا) نماز میں ہوگا نہ کہ فاتح (لقمہ دینے والا) یا اس کے برعکس ہوگا یعنی فاتح (لقمہ دینے والا) نماز میں ہو اور مستفتح (لقمہ لینے
والا) نماز میں نہ ہو۔ پہلی صورت یعنی جب دونوں نماز میں نہ ہوں تو ہماری بحث سے خارج ہے اور دوسری قسم یعنی جب دونوں نماز میں
ہوں تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو دونوں کی نماز متحدہ ہوگی بایں طور۔ مستفتح یعنی لقمہ لینے والا امام ہو اور فاتح یعنی لقمہ دینے والا مقتدی
ہو۔ یا دونوں کی نماز متحد نہ ہوگی پہلی صورت کو اگلی سطروں میں ذکر کریں گے۔ اور دوسری صورت میں یعنی جب دونوں کی نماز متحد نہ ہو
ان دونوں میں سے ہر ایک کی نماز فاسد ہو جائے گی مستفتح کی بھی اور فاتح کی بھی، کیونکہ یہ تعلیم اور تعلم ہے یعنی فاتح نے تعلیم دی اور
مستفتح نے تعلم کیا یعنی سیکھا پس اس تعلیم و تعلم کی وجہ سے یہ کلام الناس سے ہو گیا اور کلام الناس مفسد نماز ہوتا ہے اس لئے یہ دونوں
کے لئے مفسد ہوگا۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ امام محمدؒ نے مبسوط میں لکھا ہے کہ اگر لقمہ دینے میں تکرار پایا گیا تو اس کی نماز فاسد ہوگی اور اگر تکرار نہ
فاسد نہ ہوگی۔ اور دلیل یہ ذکر کی کہ لقمہ دینا ایک عمل ہے جو اعمال صلوٰۃ میں سے نہیں ہے اور منافی صلوٰۃ عمل اگر کثیر ہو تو مفسد نماز ہے
اور اگر قلیل ہو تو مفسد نماز نہیں ہوتا پس ایک بار لقمہ دینا عمل قلیل ہے اور اس سے زائد عمل کثیر ہے اس وجہ سے امام محمدؒ نے کہا کہ
میں اگر تکرار پایا گیا تو نماز فاسد ہوگی ورنہ نہیں۔

لیکن جامع صغیر میں یہ شرط نہیں ہے کیونکہ لقمہ دینا کلام کرنا ہے اور کلام کرنا بذات خود مفسد نماز ہے اگرچہ قلیل کیوں نہ ہو۔ حاصل یہ
دینے کو مبسوط میں فعل شمار کیا ہے اور جامع صغیر میں قول اور کلام شمار کیا ہے اور فعل کثیر مفسد ہوتا ہے قلیل مفسد نہیں ہوتا اور کلام قلیل
مفسد ہوتا ہے۔ صاحب ہدایہ نے اگرچہ کسی کو ترجیح نہیں دی لیکن بعض مشائخ نے جامع صغیر کی روایت کو اصح کہا ہے۔

مقتدی کا اپنے امام کو لقمہ دینے کا حکم

فتح علی امامہ لم یکن کلاما استحسانا لانہ مضطر الی اصلاح صلاتہ فکان ھذا من اعمال صلاتہ
وینوی الفتح علی امامہ دون القراءۃ ھو الصحیح لانہ مرخص فیہ و قراءتہ ممنوع عنہا

ترجمہ ...... اور اگر مقتدی نے اپنے امام کو لقمہ دیا تو یہ کلام نہ ہوگا (اور یہ حکم) استحسانی ہے کیونکہ مقتدی اپنی نماز درست کرنے کی طرف مجبور ہے اس لئے یہ لقمہ دینا معنی اس کی نماز کے اعمال میں سے ہوگیا اور مقتدی اپنے امام کو لقمہ دینے کی نیت کرے نہ کہ قرأت قرآن کی یہی صحیح ہے کیونکہ لقمہ دینا ایسا امر ہے جس کی اجازت دی گئی ہے اور مقتدی کا قرآن پڑھنا ایسا امر ہے کہ اس سے منع کیا گیا ہے۔

تشریح ...... اس عبارت میں پہلی صورت جس کا گذشتہ مسئلہ میں وعدہ کیا گیا تھا اس کا بیان ہے یعنی اگر مستفتح اور فاتح دونوں کی نماز ہو اس طور کو مستفتح امام فاتح اور مقتدی ہو تو یہ استحسانا کلام نہ ہوگا دلیل استحسان وہ اثر ہے جس کو روایت کیا گیا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرأ فی الصلوٰۃ سورۃ المؤمنین فترک منہا کلمتہ فلما فرغ منہا قال صلی اللہ علیہ وسلم الم یکن فیکم ابی بن کعب فقال بلی یارسول اللہ فقال صلی اللہ علیہ وسلم ھلافتحت فقال ظننت انہا نسخت فقال علیہ السلام لونسخت لانباتکم یعنی رسول اللہ ﷺ نے نماز میں سورۂ مؤمنون پڑھی اور ایک کلمہ چھوڑ دیا پس جب آپ فارغ ہوئے تو فرمایا کہ تم نے لقمہ کیوں نہیں دیا۔ ابی بن کعب نے کہا کہ میں نے خیال کیا کہ یہ کلمہ منسوخ ہوگیا ہے حضور ﷺ نے فرمایا اگر منسوخ ہوتا تو میں تم کو ضرور خبر کرتا۔ (عنایہ) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اپنے امام کو لقمہ دینا مفسد نماز نہیں ہے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اذا استطعمک الامام فاطعمہ یعنی جب امام تجھ سے لقمہ مانگے تو اس کو لقمہ دو۔ (فتح القدیر) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ زمانہ رسول اللہ ﷺ میں اماموں کو لقمہ دیتے تھے۔ (حاکم)

دلیل عقلی یہ ہے کہ مقتدی اپنی نماز درست کرنے کی طرف مجبور ہے لہذا یہ لقمہ دینا معنی اس کی نماز کے اعمال میں سے ہوگا۔ اور نماز کا عمل مفسد نہیں ہے اس لئے لقمہ دینا مفسد نہیں ہوگا۔

مشائخ کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ مقتدی اپنے امام کو لقمہ دینے کی نیت کرے یا قرأت قرآن کی نیت کرے بعض نے کہا کہ تلاوت اور قرأت کی نیت کرے نہ کہ لقمہ دینے کی۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ لقمہ دینے کی نیت کرے نہ کہ قرأت قرآن کی کیونکہ مقتدی کو لقمہ دینے کی اجازت دی گئی ہے۔ اور قرأت کرنے سے روکا گیا ہے اس لئے جس چیز کی اجازت اس کو دی گئی ہے اس کو چھوڑ کر وہ کام نہ کرے جس سے اس کو روکا گیا ہے یعنی قرأت کی نیت نہ کرے۔

لقمہ دینے میں جلد بازی سے کام لیا اور امام دوسری آیت کی طرف منتقل ہو گیا تو لقمہ دینے والے کی نماز کا حکم

ولو كان الامام انتقل الى آية اخرى تفسد صلوة الفاتح، وتفسد صلوة الامام لو اخذ بقوله لوجود التلقين والتلقن من غير ضرورة وينبغي للمقتدى ان لايعجل بالفتح وللامام ان لايلجئهم اليه بل يركع اذا جاء اوانه، او ينتقل الى اية اخرى

ترجمہ..... اور اگر امام دوسری آیت کی طرف منتقل ہو گیا تو لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر امام نے اس کے قول کو لے لیا تو امام کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی کیونکہ مقتدی کا تلقین کرنا اور امام کو اس کا لینا بلا ضرورت کے پایا گیا۔ اور مقتدی کے لئے مناسب ہے کہ وہ لقمہ دینے میں جلدی نہ کرے اور امام کو چاہئے کہ مقتدیوں کو لقمہ دینے پر مجبور نہ کرے بلکہ رکوع کر دے جبکہ اس کا وقت آ گیا یا دوسری آیت کی طرف منتقل ہو جائے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ امام جس آیت پر اٹکا تھا وہ نکلی نہیں بلکہ وہ دوسری آیت پڑھنے لگا۔ پھر مقتدی نے لقمہ دیا تو لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر امام نے اس کے لقمہ کو لے لیا تو امام کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔ دلیل یہ ہے کہ مقتدی کی طرف سے تلقین اور امام کی طرف سے تلقن بلا ضرورت پایا گیا اس لئے استحسان تو رہا نہیں البتہ بمقتضائے قیاس یہ کلام مفسد ہو جائے گا۔

یہ خیال رہے کہ یہ بعض مشائخ کا قول ہے جس کو مصنف ہدایہ نے اختیار کیا ہے اور بعض کا قول یہ ہے کہ نہ امام کی نماز فاسد ہوگی اور نہ مقتدی کی یعنی نہ لقمہ دینے والے کی فاسد ہوگی اور نہ لقمہ لینے والے امام کی فاسد ہوگی کیونکہ سابق میں جو اثر ان رسول اللہ ﷺ قرأ فی الصلوۃ سورۃ المؤمنین گذرا ہے وہ مطلق ہے اور اس کے اطلاق کا تقاضہ یہ ہے کہ لقمہ دینے والے اور امام کی نماز کسی حال میں فاسد نہ ہو۔

صاحب ہدایہ نے امام اور مقتدی دونوں کو ہدایت فرمائی ہے چنانچہ فرمایا کہ مقتدی لقمہ دینے میں جلدی نہ کرے اور امام مقتدیوں کو لقمہ دینے پر مجبور نہ کرے مثلاً بار بار کسی آیت کو لوٹاتا رہے یا خاموش کھڑا رہ جائے ایسا نہ کرے بلکہ جب مقدار مفروض یعنی امام صاحب کے نزدیک ایک آیت اور صاحبین کے نزدیک تین آیات پڑھ چکا تو رکوع کر دے اور بعض حضرات نے قرأت مستحب کا اعتبار کیا ہے یعنی جب قرأت مستحب کر چکا تو رکوع کر دے یا امام دوسری آیت کی طرف منتقل ہو جائے یعنی جس آیت پر اٹکا ہے اس کو چھوڑ کر دوسری آیت شروع کر دے حاصل یہ کہ ان کو لقمہ دینے پر مجبور نہ کرے۔

نماز میں کسی کو "لا الہ الا اللہ" کے ساتھ جواب دینے کا حکم

فلو اجاب في الصلوة رجلا بلا اله الا الله فهذا كلام مفسد عند ابي حنيفةؒ و محمدؒ و قال ابو يوسفؒ لايكون مفسدا و هذا الخلاف فيما اذا اراد به جوابه له انه ثناء بصيغته فلا يتغير بعزيمته ولهما انه اخرج الكلام مخرج الجواب و هو يحتملة فيجعل جوابا كالتشميت والاسترجاع على الخلاف في الصحيح

ترجمہ..... پس اگر مصلی نے نماز کے اندر کسی آدمی کو لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ جواب دیدیا تو یہ کلام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک مفسد ہوگا اور ابو یوسفؒ نے کہا کہ مفسد نہیں ہوگا اور یہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ مصلی نے اس کلام سے کہنے والے کے جواب کا ارادہ کیا ہو ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ کلام اپنی وضع کے اعتبار سے ثناء الٰہی ہے پس وہ مصلی کے عزم سے متغیر نہ ہوگا اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ (لا الٰہ الا اللہ) جواب کے طور پر استعمال ہوا ہے اور یہ جواب کا احتمال بھی رکھتا ہے اس لئے اس کو جواب قرار دیا جائے گا جیسے چھینک کا جواب اور استرجاع (انا للہ وانا الیہ راجعون) بھی صحیح روایت میں اسی اختلاف پر ہے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر مصلی کے سامنے کسی نے کہا االٰہ مع اللہ (یعنی کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود ہے؟) تو اس مصلی نے سن کر لا الٰہ الا اللہ تو اب یہ کلام دو حال سے خالی نہیں ہے یا تو اس سے جواب کا قصد کیا ہوگا اور یا اپنے نماز میں ہونے کی اطلاع کا ارادہ کیا ہوگا۔ اگر ثانی ہے تو اس کا حکم اگلی سطروں میں آئے گا اور اگر اول ہے تو طرفین کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوگی۔ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ کلام اپنے معنی موضوع لہ کے اعتبار سے ثناء باری اور حمد باری ہے اور جو معنی موضوع لہ کے اعتبار سے ثناء باری ہو وہ متکلم کے عزم اور ارادے سے متغیر نہیں ہوتا جیسا کہ جب مصلی نے اپنے اس کلام سے اپنے نماز میں ہونے کی خبر دینے کا ارادہ کیا ہو تو اس سے معنی موضوع لہ متغیر نہیں ہوتے اسی طرح جواب کا ارادہ کرنے کی صورت میں بھی معنی موضوع لہ متغیر نہیں ہوں گے اور معنی موضوع لہ چونکہ ثناء اور حمد کے ہیں اور ثناء اور حمد باری سے نماز فاسد نہیں ہوتی اس لئے لا الٰہ الا اللہ کہنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کہنا ایسا کلام ہے جو ثناء باری اور جواب دونوں کا احتمال رکھتا ہے لہٰذا یہ کلام مشترک کے مانند ہوا اور مشترک کے معانی میں سے قصد اور ارادے سے ایک معنی کو متعین کرنا جائز ہے پس جب مصلی نے لا الٰہ الا اللہ سے جواب کا ارادہ کیا تو اس کو جواب قرار دیا جائے گا جیسے چھینک کا جواب یعنی یرحمک اللہ چونکہ جواب ہے اس لئے کلام الناس سے ہو گیا اور کلام الناس چونکہ مفسد صلوٰۃ ہوتا ہے اس لئے لا الٰہ الا اللہ بھی جواب مراد لینے کی صورت میں مفسد نماز ہوگا۔

صاحب عنایہ نے اس موقع پر ایک اعتراض اور جواب ذکر کیا ہے۔ اس کو بھی ملاحظہ فرمائیے۔

اعتراض یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت مانگی۔ اس وقت اللہ کا نبی ﷺ نماز پڑھ رہا تھا آپ نے جواب میں فرمایا۔ اُدْخُلُوْھَا بِسَلَامٍ اٰمِنِیْنَ اور اس سے آپ نے جواب کا ارادہ کیا حالانکہ آپ کی نماز فاسد نہیں ہوئی اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی آیت یا کلمہ توحید سے جواب کا ارادہ کیا ہو تب بھی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ شمس الائمہ سرخسیؒ نے جواب میں کہا کہ حضور ﷺ پیچھے سے تلاوت کرتے کرتے ابن مسعودؓ کے اجازت چاہنے کے وقت اس آیت تک پہنچ گئے تھے پس معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے اس کو بقصد تلاوت پڑھا نہ کہ بقصد جواب لہٰذا اس کو لے کر اعتراض کرنا درست نہیں ہوگا صاحب ہدایہ نے کہا کہ اگر مصلی کے سامنے کسی نے کہا کہ فلاں مر گیا پس مصلی نے کہا انا للہ وانا الیہ راجعون، تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے چنانچہ بعض مشائخ نے کہا کہ یہ صورت بھی مختلف فیہ ہے یعنی طرفین کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فاسد نہیں ہوگی۔ اور بعض مشائخ نے کہا کہ یہ صورت متفق علیہ ہے یعنی امام ابو یوسفؒ نے استرجاع کے مفسد صلوٰۃ ہونے میں طرفین کی موافقت کی ہے رہی یہ بات کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فرق کیا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ مفسد نہیں اور استرجاع مفسد ہے اس کا

جواب یہ ہے کہ استرجاع اظہار مصیبت کے لئے ہوتا ہے اور نماز اس کے لئے مشروع نہیں کی گئی ہی اور لا الہ الا اللہ تعظیم اور توحید ...
ہے۔اور نماز کی مشروعیت بھی اسی لئے ہوئی ہے۔

حاصل یہ کہ استرجاع منافی صلوٰۃ ہونے کی وجہ سے مفسد ہے اور لا الہ الا اللہ چونکہ منافی صلوٰۃ نہیں اس لئے یہ کلمہ مفسد نہیں ...
صاحب ہدایہ نے کہا کہ مختلف فیہ ہونے کا قول صحیح ہے۔

اگر دوسرے کو نماز میں ہونے پر خبردار کرنے کے لئے کلمہ یا آیت پڑھی تو بالاجماع نماز فاسد نہیں ہوگی

و ان اراد به اعلامه انه فی الصلوٰة لم تفسد بالاجماع لقوله علیه السلام اذا نابت احدکم نائبة فی الص...
فلیسبح

ترجمہ...... اور اگر کلمہ ثنا یا قرآن پڑھنے سے ارادہ کیا دوسرے کو آگاہ کرنے کا کہ میں نماز میں ہوں تو بالاجماع نماز فاسد نہیں ...
کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں کسی کو نماز میں کوئی واقعہ پیش آئے تو تسبیح پڑھ دے۔

تشریح...... ماقبل کے مسئلہ میں دوسرے احتمال کا وعدہ کیا گیا تھا اس عبارت میں اس کا بیان ہے یعنی کسی مصلی نے کلمہ توحید یا قرآن ... کوئی آیت اس ارادے سے پڑھی کہ دوسرے کو اس کا نماز ہونا معلوم ہو جائے تو اس سے بالاجماع نماز فاسد نہیں ہوگی۔دلیل حضور ... قول اذانابت احدکم نائبة فی الصلوٰة فلیسبح للرجال و التصفیق للنساء یعنی جب نماز میں تم میں کسی کو کوئی واقعہ پیش آ... تو تسبیح پڑھنی چاہئے کیونکہ تسبیح مردوں کے لئے ہے اور تصفیق عورتوں کے لئے اور تصفیق یہ ہے کہ عورت اپنے دائیں ہاتھ کو ہتھیلی ... سے بائیں ہاتھ کی پشت پر مار دے۔

ظہر کی ایک رکعت پڑھنے کے بعد عصر یا نفل میں شروع ہوا تو ظہر کی نماز باطل ہو جائے گی

ومن صلی رکعة من الظهر ثم افتتح العصر و التطوع فقد نقض الظهر لانه صح شروعه فی غیره فیخرج ...

ترجمہ...... اور اگر کسی نے (مثلاً) ظہر کی ایک رکعت پڑھی پھر عصر کی نماز یا نفل نماز شروع کی تو اس نے ظہر کو توڑ دیا کیونکہ اس ...
اس کا شروع کرنا صحیح ہوا تو ظہر سے نکل جائے گا۔

تشریح...... اگر کسی شخص نے کسی نماز مثلاً ظہر کی ایک رکعت پڑھی پھر عصر کی نماز یا نفل نماز کی نیت کی اور یہ نیت دل سے کی ہے نہ ک... سے اور کانوں تک ہاتھ بھی نہیں اٹھائے تو اس صورت میں پہلی نماز یعنی ظہر باطل ہو گئی۔دلیل یہ ہے کہ اس شخص کا دوسری نماز شرو... شرعاً صحیح ہے اور دوسری نماز شروع کرنے کے لئے پہلی سے نکلنا ضروری ہے اس لئے پہلی نماز باطل ہو جائے گی۔

ظہر کی ایک رکعت پڑھنے کے بعد دوبارہ ظہر میں شروع ہوا تو پہلی پڑھی رکعت محسوب ہوگی

ولو افتتح الظهر بعد ما صلی منها رکعة فهی هی و یجتزئ بتلک الرکعة لانه نوی الشروع فی عین ...
فیه فلغت نیته و بقی المنوی علی حالــــــه

ترجمہ...... اور اگر ظہر کی ایک رکعت پڑھنے کے بعد پھر ظہر کی نماز شروع کی تو یہ دوسری نماز وہی پہلی نماز ہے اور وہ رکعت محسوب ہوگی کیونکہ مصلی نے شروع کرنے کی نیت کی ایسے فرض میں کہ وہ بعینہ رہی ہے جس میں موجود ہے تو اس کی نیت لغو ہوگئی اور جس کی نیت کی ہے وہ اپنی حالت پر باقی رہا۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ پہلے ظہر شروع کر کے اس میں سے ایک رکعت پڑھنے کے بعد پھر دوبارہ اسی ظہر کی نیت سے تکبیر تحریمہ کہے بغیر زبان سے نیت کئے ہوئے تو یہ دوسری نماز پہلی نماز ہے یعنی پہلی نماز سے خارج نہ ہوگا اور جو رکعت پڑھ چکا وہ بھی شمار ہوگی حتی کہ اگر اس کے بعد تین رکعتیں پڑھیں تو فریضہ ظہر ادا ہو جائے گا اور اگر اس کے بعد چار رکعتیں پڑھیں اس گمان کے ساتھ کہ پہلی رکعت باطل ہوگئی اور تیسری رکعت پر بیٹھا بھی نہیں تو قعدۂ اخیرہ کے فوت ہونے کی وجہ سے اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

دلیل یہ ہے کہ مصلی نے بعینہ اس چیز کو شروع کرنے کی نیت کی ہے جس میں وہ پہلے سے موجود ہے اس لئے اس کی نیت لغو ہوگئی اور جس کی نیت کی وہ اپنی حالت پر باقی رہا۔

نماز میں مصحف سے دیکھ کر پڑھنا مفسد صلوٰۃ ہے یا نہیں ...... اقوالِ فقہاء

واذا قرأ الامام من المصحف فسدت صلاته عند ابی حنیفةؒ وقالا هی تامة لانه عبادة انضافت الی عبادة الا انه یکره لانه یشبه بصنع اهل الکتاب ولابی حنیفةؒ ان حمل المصحف والنظر فیه وتقلیب الاوراق عمل کثیر ولانه تلقن من المصحف فصار کما اذا تلقن من غیره وعلی هذا لا فرق بین المحمول والموضوع وعلی الاول یفترقان

ترجمہ...... اور اگر امام نے مصحف میں سے قرأت کی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کی نماز فاسد ہوگئی اور صاحبین نے کہا کہ دیکھ کر پڑھنے والے کی نماز پوری ہے کیونکہ یہ ایک عبادت ہے جو دوسری عبادت سے مل گئی مگر یہ مکروہ ہے کیونکہ یہ صورت اہل کتاب کے طریقہ کے مشابہ ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مصحف کا اٹھائے رہنا اور اس میں دیکھنا اور ورق التنا عمل کثیر ہے اور اس لئے کہ مصحف سے سیکھنا ایسا ہے جیسا کہ دوسرے آدمی سے سیکھنا۔ اور اس وجہ کے موافق (رحل پر) رکھے ہوئے (قرآن سے) پڑھنے اور اٹھائے ہوئے سے پڑھنے میں کچھ فرق نہیں اور وجہ اول کے موافق دونوں میں فرق ہے۔

تشریح...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر امام یا منفرد نے مصحف میں سے دیکھ کر قرأت کی تھوڑی یا زیادہ تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کی نماز فاسد ہوگئی اور صاحبین نے فرمایا کہ مع الکراہت جائز ہے یعنی نماز پوری ہوگئی البتہ مکروہ ہے۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک تو بلا کراہت جائز ہے۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ قرأت ایک عبادت ہے اور مصحف میں نظر کرنا بھی عبادت ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا **اعطوا اعینکم من العبادة حظها قبل و ما حظها من العبادة قال النظر فی المصحف** یعنی اپنی آنکھوں کو عبادت میں سے حصہ دو کہا گیا کہ عبادت میں سے انکا حصہ کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ مصحف میں نظر کرنا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مصحف میں نظر کرنا آنکھوں کی عبادت ہے پس یہاں ایک عبادت دوسری عبادت کے ساتھ مل گئی اور تنہا ایک عبادت مفسد نماز پس جب دو عبادتیں مل گئیں تو بدرجہ اولیٰ مفسد نماز نہیں ہوں گی۔ دوسری دلیل حدیث ذکوان **انه کان یوم عائشة فی رمضان و کان یقرأ من المصحف** ہے یعنی حضرت عائشہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا آزاد کیا ہوا غلام ذکوان نامی رمضان میں حضرت ام المومنین کی امامت کرتا تھا اور وہ مصحف سے پڑھا کرتا تھا اور کراہت اس لئے ہے کہ یہ صورت اہل کتاب کے طریقہ کے مشابہ ہے کیونکہ اہل کتاب اذکار وغیرہ حفظ نہ ہونے کی وجہ سے اسی طرح ہاتھ میں لیکر پڑھتے ہیں اور اہل کتاب کی مشابہت سے صحیح حدیث میں منع کیا گیا ہے پس جس صورت میں بغیر مشابہت کے شریعت پر عمل کرنا ممکن ہو اس صورت میں اہل کتاب کے ساتھ تشابہ مکروہ ہوگا۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ قرآن پاک اٹھائے رہنا اور اس میں نظر کرنا اور ورقوں کو پلٹنا یہ مجموعہ عمل کثیر ہے اور عمل کثیر مفسد نماز ہوتا ہے اس لئے یہ صورت مفسد نماز ہوگی۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ مصحف سے پڑھنا اس سے سیکھ لینا ہے پس یہ ایسا ہوگیا جیسے کسی دوسرے آدمی سے نماز میں سیکھتا گیا اور نماز میں کسی دوسرے سے تعلم اور تلقین کرنا مفسد نماز ہے لہٰذا اس صورت میں بھی نماز فاسد ہوگی۔ صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ دوسری دلیل کی بنا پر کسی چیز پر رکھے ہوئے قرآن سے پڑھنے اور ہاتھوں میں اٹھائے ہوئے سے پڑھنے میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ تلقین دونوں صورتوں میں پایا گیا اور وہی باعث فساد ہے اور دلیل اول کی بنا پر دونوں میں فرق ہے کیونکہ اگر قرآن کسی چیز پر رکھا ہوا ہے اور مصلی اس سے دیکھ کر پڑھتا ہے تو اس میں عمل کثیر نہیں ہے اور اگر ہاتھوں میں لئے پڑھتا ہے تو یہ عمل کثیر ہے شمس الائمہ سرخسی نے دوسری دلیل کو اصح قرار دیا ہے۔

نماز میں مکتوب چیز کی طرف دیکھ کر اسے سمجھ لیا تو یہ بالاجماع مفسد صلوٰۃ نہیں

ولو نظر الى مكتوب وفهمه فالصحيح انه لا تفسد صلاته بالاجماع بخلاف ما اذا حلف لا يقرأ كتاب فلان حيث يحنث بالفهم عند محمد لان المقصود هنالك الفهم اما فساد الصلاة فبالعمل الكثير ولم يوجد

ترجمہ...... اور اگر مصلی نے (قرآن کے علاوہ) کسی لکھی ہوئی چیز کی طرف دیکھا اور اس کو سمجھ بھی لیا تو صحیح قول یہ ہے کہ بالاجماع اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی اس کے برخلاف جب اس نے قسم کھائی کہ فلاں کی کتاب نہیں پڑھے گا تو امام محمدؒ کے نزدیک فقط سمجھنے سے حانث ہوجائیگا کیونکہ یہاں مقصود سمجھنا ہے رہا نماز کا فاسد ہونا تو وہ عمل کثیر سے ہوتا ہے اور وہ پایا نہیں گیا۔

تشریح...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ مصلی نے قرآن کے علاوہ کسی دوسری چیز کو لکھا ہوا دیکھا اور اس کو سمجھ بھی لیا مگر زبان سے تلفظ نہیں کیا اس بارے میں بعض مشائخ کے قول کے مطابق امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوگی اور امام محمدؒ کے نزدیک فاسد ہوجائے گی جیسے اگر کسی نے قسم کھائی کہ فلاں کی کتاب نہیں پڑھوں گا پھر اس پر نظر ڈالی حتی کہ اس کو سمجھ بھی لیا مگر زبان سے تکلم نہیں کیا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حانث نہیں ہوگا اور امام محمدؒ کے نزدیک حانث ہوجائے گا امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ زبان سے قرأت کا مقصد فہم اور مراد کا سمجھنا ہے پس سمجھنا قرأت کے مانند ہوگیا یعنی جس طرح قرأت اور تکلم سے حانث ہوجاتا ہے اسی طرح فہم معانی سے بھی حانث ہوجائے گا امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ قرأت زبان سے ہوتی ہے کیونکہ قرأت کلام کے قبیل سے ہے اور کلام زبان سے ہوتا ہے پس معلوم ہوا کہ قرأت بھی زبان سے ہوتی ہے اور مسئلہ یہ ہے کہ حالف نے زبان سے کچھ نہیں پڑھا بلکہ لکھا ہوا دیکھ کر صرف سمجھا ہے اس لئے وہ حانث نہیں ہوگا اور اگر مصلی ہے تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ مسئلہ مذکورہ میں بالاجماع نماز فاسد نہ ہوگی۔ مسئلہ مذکورہ میں صاحب ہدایہ کے بیان کے مطابق امام محمدؒ بھی عدم فساد نماز کے حکم میں ابو یوسفؒ کے ساتھ ہیں اب حاصل یہ ہوا کہ قرآن کے علاوہ لکھی ہوئی چیز کو دیکھ کر اگر سمجھ لیا اور زبان سے

پڑھا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر نہ پڑھنے کی قسم کھائی تھی تو اس سے حانث بھی نہیں ہوگا۔ اور امام محمدؒ نماز فاسد نہ ہونے کے حکم میں امام ابو یوسفؒ کے ساتھ ہیں لیکن اگر یہ قسم کھائی کہ فلاں کی کتاب نہیں پڑھوں گا پھر اس نے اس کتاب کو دیکھا اور سمجھ لیا لیکن زبان سے نہیں پڑھا تو امام محمدؒ کے نزدیک حانث ہو جائے گا امام محمدؒ کے نزدیک دونوں مسئلوں میں وجہ فرق یہ ہے کہ مسئلہ یمین میں مقصود فہم ہے یعنی قسم کھانے والے کا مقصود یہ ہے کہ فلاں کا راز اس کی تحریر سے دریافت نہ کروں گا پس جب دریافت کیا تو حانث ہو گیا خواہ زبان سے پڑھے یا نہ پڑھے کیونکہ مقصود یمین پایا گیا رہا نماز کا فاسد ہونا تو وہ عمل کثیر سے ہوتا ہے اور عمل کثیر پایا نہیں گیا۔ کیونکہ سمجھ لینا عمل خفیف ہے بلکہ عمل ظاہر ہی نہیں ہے اس لئے اس صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی۔ (عنایہ)

عورت کا نمازی کے سامنے سے گذرنا مفسد صلوٰۃ نہیں

وان مرّت امرأة بين يدى المصلى لم يقطع الصلاة لقوله عليه السلام لا يقطع الصلاة مرور شيء الا ان المار آثم لقوله عليه السلام لو علم المارّ بين يدى المصلى ماذا عليه من الوزر لوقف أربعين وإنما يأثم اذا مر في موضع سجوده على ما قيل ولا يكون بينهما حائل ويحاذى اعضاء المار اعضائه لو كان يصلى على الدكان

ترجمہ — اور اگر مصلی کے سامنے سے کوئی عورت گذری تو (یہ گذرنا) نماز قطع نہ کرے گا۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کسی چیز کا گذرنا نماز کو قطع نہیں کرتا لیکن گذرنے والا گنہگار ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر مصلی کے سامنے سے گذرنے والا جانتا کہ اس پر کیا گناہ ہے تو وہ چالیس تک کھڑا رہتا۔ اور گنہگار جب ہی ہوگا جب کہ مصلی کی جائے سجود میں گذرے اس بنا پر کہ کہا گیا اور دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو اور گذرنے والے کے اعضاء مصلی کے اعضاء کے مقابل ہو جائیں اگر وہ چبوترے پر نماز پڑھتا ہو۔

تشریح — مسئلہ مصلی کے سامنے سے عورت کا گذرنا نماز کو فاسد نہیں کرتا عورت خواہ حائضہ ہو یا غیر حائضہ اسی طرح گدھے اور کتے کا گذرنا بھی مفسد نماز نہیں ہے اصحاب ظواہر کہتے ہیں کہ ان تینوں کا گذرنا مفسد نماز ہے۔ امام احمدؒ بن حنبل کی مشہور روایت یہی ہے۔

اصحاب ظواہر کی دلیل حضور ﷺ کا قول تقطع المرأة الصلوة والكلب والحمار ہے۔ یہ حدیث ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے (عنایہ کفایہ) یعنی عورت کتا اور گدھا قاطع نماز ہے۔

جمہور علماء کے دلائل سے پہلے فاضل علامہ جلال الدین بن شمس الدین الخوارزمی صاحب کفایہ کی زبان میں اصحاب ظواہر کی پیش کردہ حدیث کا جواب ملاحظہ فرمائیے۔ فاضل موصوف فرماتے ہیں کہ جس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ حدیث پہنچی تو آپ نے انکار فرمایا اور حضرت عروہ کو مخاطب کر کے فرمایا عروه ماذا يقول اهل العراق قال يقولون يقطع الصلوة مرور المرأة والحمار والكلب فقالت يا اهل العراق والشقاق النفاق قرنتمونا بالكلاب والحمر كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى بالليل وانا معترضة بين يديه اعتراض الجنازة فاذاسجد حبست رجلى واذا قام مددتها یعنی اے عروہ اہل عراق کیا کہتے ہیں حضرت عروہ نے فرمایا کہ اہل عراق کہتے ہیں کہ عورت، گدھے اور کتے کا گذرنا نماز کو قطع کرتا ہے پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اے اہل عراق والشقاق والنفاق تم نے ہم عورتوں کو کتوں اور گدھوں کے ساتھ ملا دیا رسول اللہ ﷺ رات میں نماز پڑھتے تھے اور میں آپ کے سامنے لیٹی رہتی جیسے جنازہ رکھا جاتا ہے جب آپ ﷺ سجدہ کرتے تو میں اپنے پاؤں کھینچ

لیتی ۔اور جب آپ ﷺ کھڑے ہوتے تو پاؤں پھیلا دیتی تھی۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حدیث ابوذر کا بڑی سختی سے انکار کیا اور مصلی کے سا
سے عورت کے گذرنے سے نماز فاسد ہونے کی سخت لب ولہجہ میں تردید فرمائی۔زیادہ سے زیادہ یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ کلام مصلی
سامنے سے گذرنے میں ہے نہ کہ پاؤں پھیلا کر لیٹنے میں۔اور حضرت عائشہؓ کے بیان سے پاؤں پھیلا کر لیٹنا تو ثابت ہوتا ہے مگر
بین المصلی ثابت نہیں ہوتا۔جواب جب پاؤں پھیلا کر لیٹے رہنا مفسد نماز نہیں تو مرور بدرجہ اولیٰ مفسد نہیں ہوگا۔

جمہور علماء کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا قول لایقطع الصلوٰة مرور شیٔ فادرؤا ما استطعتم فانه الشیطان' ہے یعنی کسی
گزرنا نماز کو قطع نہیں کرتا جس قدر ممکن ہو دفع کرو کیونکہ وہ شیطان ہے لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ مصلی کے سامنے سے گذرنے والا
ہوگا۔کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا لوعلم المار بین یدی المصلی ماذا علیه من الوزر لوقف اربعین یعنی اگر مصلی کے سامنے
گذرنے والا جانتا کہ اس پر کس قدر گناہ پڑتا ہے تو وہ چالیس تک کھڑا رہتا۔راوی کہتا ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ چالیس سال ہیں یا چا
ماہ ہیں یا چالیس یوم ہیں۔بعض حضرات نے کہا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے بطریق صحت ثابت ہے کہ چا
سال مراد ہیں۔

وانما یأثم اذا مر الخ سے اس مقام کا بیان ہے جس کے اندر سے گذرنا حرام ہے یعنی وہ مقام جس کے اندر گذرنا حرام ہے
حد یہ بیان کی گئی کہ مصلی کے قدم سے لے کر مقام سجدہ تک ہے یہی اصح ہے۔اور اسی کو شمس الائمہ السرخسی، شیخ الاسلام اور قاضی خان
اختیار کیا ہے۔

بعض مشائخ کی رائے: بعض مشائخ نے کہا کہ حد یہ ہے کہ جب مصلی اپنی نظر اپنے سجدہ کی جگہ ڈال کر پڑھتا ہو تو گذ
والے پر اس کی نگاہ نہ پڑے یعنی حد موضع سجود سے بھی آگے وہاں تک ہے کہ موضع سجود پر نظر رکھنے کی حالت میں جہاں تک آ
پڑتی ہے پھر جہاں نہ پڑے وہاں سے گذرنا مکروہ نہیں ہے بعض نے دو صف یا تین صف کی مقدار کے ساتھ مقدر کیا ہے اور بعض نے
ذراع کے ساتھ اور بعض نے پانچ ذراع کے ساتھ مقدر کیا ہے اور بعض نے چالیس ذراع کے ساتھ مقدر کیا ہے یہ حکم اسی وقت ہے
کہ وہ صحراء یا میدان میں نماز پڑھتا ہو اور اگر مسجد میں پڑھتا ہے تو بعض کی رائے یہ ہے کہ پچاس ذراع چھوڑ کر گذر سکتا ہے اور بعض
قول یہ ہے کہ مصلی اور قبلہ کی دیوار کے درمیان سے گذرنا مناسب نہیں ہے بلکہ دیوار کی اس طرف سے ہو کر گذرے۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ مرور بین المصلی کی کراہت اس وقت ہے جبکہ مصلی اور گذرنے والے کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو
ستون' دیوار' سترہ یا آدمی کی پیٹھ وغیرہ' اگر کوئی چیز حائل ہو تو گذرنے والا گنہگار نہ ہوگا۔اس کے بعد فرمایا کہ اگر کوئی شخص چبوترے پر
پڑھتا ہو تو اس کے سامنے سے گذرنے والا اس وقت گنہگار ہوگا۔جبکہ گذرنے والے کے اعضاء مصلی کے اعضاء کے محاذی اور مقا
جائیں اور اگر آدمی کے قد کے برابر اونچی جگہ پر نماز پڑھتا ہو تو اس کے آگے سے گذرنے والا گنہگار نہ ہوگا۔

صحرا (میدان) میں نماز پڑھنے والے کے لئے سترہ قائم کرنا مستحب ہے

**وینبغی لمن یصلی فی الصحراء أن یتخذ أمامه سترة لقوله علیه السلام اذا صلی احدکم فی الصحـ
فلیجعل بین یدیه سترة ومقدارها ذراع فصاعدا لقوله علیه السلام أیعجز أحدکم إذا صلی فی الصحراء
یکون أمامه مثل مؤخرة الرحل وقیل ینبغی أن یکون فی غلظ الاصبع لأن ما دونه لا یبدو للناظرین من**

لا یحصل المقصود

ترجمہ.....اور جو شخص میدان میں نماز پڑھتا ہے اس کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ اپنے آگے سترہ بنائے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی تم میں سے میدان میں نماز پڑھے تو اپنے سامنے سترہ کرلے۔ اور سترہ کی مقدار ایک ذراع یا زیادہ ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا عاجز ہوتا ہے تم میں کوئی جب میدان میں نماز پڑھے یہ کہ اس کے سامنے مثل مؤخرہ کجاوہ کے ہو۔ اور کہا گیا کہ مناسب ہے کہ موٹائی میں انگلی کی مقدار ہو۔ کیونکہ اس سے کم موٹائی تو دور سے دیکھنے والوں کو ظاہر نہ ہوگی پس مقصد حاصل نہ ہوگا۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص میدان میں نماز پڑھتا ہو تو وہ اپنے آگے سترہ قائم کرلے اور یہ امر مستحب ہے۔ دلیل حضور ﷺ کا قول اذا صلی احدکم فی الصحراء فلیجعل بین یدیہ سترۃ ہے رہی یہ بات کہ سترہ کی مقدار کیا ہوگی تو اس بارے میں فرمایا کہ سترہ لمبائی میں کم از کم ایک ذراع ہونا چاہئے۔ اور زیادہ جس قدر ہو کوئی حرج نہیں۔ دلیل حضور ﷺ کا قول ایعجز احدکم اذا صلی فی الصحراء ان یکون امامہ مثل موخرۃ الرحل، موخرۃ میم کا ضمہ اور خاء کا کسرہ اس لکڑی کو کہتے ہیں جو کجاوے کے پیچھے بیٹھنے والے کے سر کے برابر ہوتی ہے۔ خاء کو مشدد پڑھنا غلط ہے رحل کجاوہ کے معنی میں ہے۔ صاحب قدوریؒ نے کہا کہ موٹائی ایک انگلی کے برابر ہونی چاہئے۔ دلیل یہ ہے کہ اس سے کم موٹائی دور سے دیکھنے والوں کو ظاہر نہ ہوگی پس اس سے کم موٹائی والے سترہ سے مقصود حاصل نہ ہوگا اس لئے کہا گیا کہ کم از کم ایک انگلی کی مقدار موٹائی ہونی چاہئے۔

نمازی سترہ اپنے قریب گاڑھے، سترہ لگانے کا طریقہ

ویقرب من السترہ لقولہ علیہ السلام من صلی الی سترۃ فلیدن منھا ویجعل السترۃ علی حاجبہ الایمن او علی الایسر بہ ورد الاثر ولا بأس بترک السترۃ اذا امن المرور ولم یواجہ الطریق

ترجمہ.....اور سترہ سے قریب رہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص سترہ کی طرف نماز پڑھے تو اس سے نزدیک رہے اور سترہ کو اپنے دائیں یا بائیں بھوؤں کے مقابل رکھے اسی کے ساتھ اثر وارد ہوا ہے۔ اور جب کسی کے گذرنے سے امن ہو اور راستہ کا مواجہہ نہ ہو تو سترہ ترک کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

تشریح.....اس عبارت میں بیان کیا گیا کہ سترہ مصلی اپنے دائیں یا بائیں بھوؤں کے بالمقابل رکھے یعنی دونوں آنکھوں کے بیچ نہ رکھے کیونکہ اسی کے ساتھ اثر وارد ہوا ہے چنانچہ امام ابوداؤد نے ضباعہ بنت المقداد بن الاسود سے اور انہوں نے اپنے والد مقداد بن الاسود سے روایت کیا ہے قال مارأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی الی عود ولا عمود ولا شجرۃ الا جعلہ علی حاجبہ الایمن او الایسر ولا یصمد لہ صمدا مقداد نے فرمایا کہ نہیں دیکھا میں نے اللہ کے برحق نبی کو کسی لکڑی یا ستون یا درخت کی طرف نماز پڑھتے ہوئے مگر یہ کہ اس کو اپنے دائیں یا بائیں بھوؤں کے مقابل کردیا اور اس کا ارادہ نہیں فرماتے تھے۔ (فتح القدیر) صاحب عنایہ نے اس اثر کو ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے انہ صلی اللہ علیہ وسلم ما صلی الی شجرۃ ولا الی عود ولا عمودا الا جعلہ علی حاجبہ الایمن ولہ یصمد صمدا ای لم یقصدہ قصدا الی المواجھۃ۔

صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ سترہ ترک کرنے میں اس وقت کوئی مضائقہ نہیں جب کہ لوگوں کے گذرنے سے امن ہو اور راستہ نہ ہو۔ اس عبارت میں اس طرف اشارہ ہے کہ سترہ کی علت مساوی مرور ہے پس جہاں کسی کے گذرنے کا غالب گمان نہ ہو ترک کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے البتہ امن کے باوجود سترہ رکھنا مستحب ہے۔

امام کا سترہ مقتدی کے لئے کافی ہے

وسترة الامام سترة للقوم لانه عليه السلام صلى ببطحاء مكة الى عنزة ولم يكن للقوم سترة

ترجمہ...... اور امام کا سترہ وہی قوم کا سترہ ہے کیونکہ حضور ﷺ نے بطحا مکہ میں پوری دار عصاء کی طرف نماز پڑھی اور قوم کے لئے سترہ نہ تھا۔

تشریح...... نماز باجماعت کی صورت میں امام کا سترہ مقتدیوں کے لئے کافی ہوگا۔ دلیل وہ حدیث ہے جس کو امام بخاری اور امام حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ علامہ ابن الہمام کے بیان کے مطابق متن حدیث یہ ہے انہ صلی اللہ علیہ وسلم صلى بهم بالبطحاء وبين يديه عنزة والمرأة والحمار يمرون من ورائها یعنی حضور ﷺ نے مقام بطحا میں نماز پڑھائی اور آپ کے آگے پوری دار عصاء تھا اور عورت اور گدھا عصاء کے ماوراء سے گذر رہے تھے۔ مصنف ہدایہ کہتے ہیں مقتدیوں کے واسطے سترہ نہیں تھا اس سے معلوم ہوا کہ امام کا سترہ مقتدیوں کے لئے کافی ہو جائے گی۔

سترہ گاڑھنے کا اعتبار ہے ڈال دینا اور خط کھینچنا کافی نہیں

ويعتبر الغرز دون الالقاء والخط لان المقصود لايحصل به

ترجمہ...... اور سترہ کو گاڑ دینا معتبر ہے نہ کہ اس کا ڈال دینا اور نہ خط کھینچنا کیونکہ اس سے مقصود حاصل نہ ہوگا۔

تشریح...... ماتن نے کہا کہ سترہ کا گاڑنا معتبر ہے اس کا زمین پر گاڑنا یا خط کھینچنا معتبر نہیں ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب زمین نرم ہو کا گاڑھنا ممکن ہو اور اگر زمین سخت ہو سترہ کا گاڑنا ممکن نہ ہو تو سترہ کو طولاً زمین پر رکھدے نہ کہ عرضاً اور طولاً اس لئے رکھے تاکہ وہ گاڑنے کی ہیئت پر ہو جائے۔ اور اگر سترہ بنانے کے لئے لکڑی وغیرہ کوئی چیز نہ ہو تو کیا زمین پر خط کھینچنا معتبر ہو گیا یا نہیں تو صاحب عنایہ کے مطابق طرفین سے مروی ہے کہ خط کھینچنا معتبر نہیں ہوگا اور یہ کوئی چیز نہیں ہے۔

البتہ امام شافعیؒ نے کہا کہ ایک طویل خط کھینچ دے اور اسی کے قائل بعض مشائخ متأخرین ہیں۔ صاحب ہدایہ نے طرفین کی دلیل بیان کرتے ہوئے کہا کہ سترہ سے مقصود مصلی اور گذرنے والے کے درمیان حیلولت ہے اور یہ مقصود اس سے حاصل نہیں ہوگا لہٰذا خط کا ہونا اور نہ ہونا دونوں برابر ہیں۔

نمازی سترہ کی عدم موجودگی میں گذرنے والے کو دفع کرے

ويدرأ المار اذا لم يكن بين يديه سترة او مر بينه و بين السترة لقوله عليه السلام فادرؤا ما استطعتم بالاشارة كما فعل رسول الله ﷺ بولدى ام سلمة اويدفع بالتسبيح لما روينا من قبل ويكره الجمع لان باحدهما كفاية

ترجمہ..... اور مصلی گذرنے والے کو دفع کرے جب کہ اس کے سامنے سترہ نہ ہو یا مصلی اور سترہ کے درمیان سے گذرا۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جہاں تک ہو سکے تم اس کو دفع کرو اور دفع کرے اشارے سے جیسا کہ حضور ﷺ نے ام سلمہؓ کے دو بیٹوں کے ساتھ کیا تھا یا اس کو دفع کرے تسبیح پڑھنے کے ساتھ۔ اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی ہے اس سے پیشتر اور دونوں کو جمع کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں کفایت ہے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر مصلی کے سامنے سترہ نہ ہو یا سترہ تو ہے مگر سترہ اور مصلی کے درمیان سے کوئی گذرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو مصلی اس گذرنے والے کو دفع کرے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ فادرؤا ما استطعتم یعنی جس قدر ممکن ہو اس کو دفع کرو۔

رہی یہ بات کہ مصلی گذرنے والے کو کس طرح دفع کرے سو اس بارے میں فرمایا کہ اشارے سے دفع کرے جیسا کہ حضور ﷺ نے ام سلمہ کے دو بچوں کو دفع کیا تھا۔ تفصیل صاحب کفایہ اور عنایہ نے یہ ذکر کی ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی بیت ام سلمتہ فقام ولدھا عمر لیمربین یدیہ فاشار الیہ ان قف فوقف تم قامت بنتھا زینب لتمربین یدیہ فاشار الیھا ان قفی فابت فمرت فلما فرغ من صلوتہ قال ناقصات العقل ناقصات الدین صواحب یوسف صواحب کرسف یغلبن الکرام، ویغلبھن اللئام، یعنی حضور اقدس فخر دو عالم محسن اعظم ﷺ حضرت ام سلمہؓ کے مکان میں نماز پڑھ رہے تھے پس ام سلمہ کا فرزند نیک ارجمند عمر کھڑا ہوا تا کہ کائنات کے آقا ﷺ کے آگے سے ہو کر گذرے آپ نے اس کی طرف اشارہ کیا کہ ٹھہر جا، سو وہ ٹھہر گیا۔ پھر ام سلمہ کی سادہ لوح صاحبزادی زینب کھڑی ہوئی تا کہ آپ ﷺ کے آگے سے گذرے آپ ﷺ نے اس کی طرف اشارہ کیا کہ ٹھہر جاؤ لیکن وہ نہ مانی اور گذر گئی پس جب یہ صاحب شریعت اپنی نماز سے فراغت پا چکا تو یوں گویا ہوا کہ (یہ آدم کی بیٹیاں ناقصات العقل ناقصات دین 'صواحب یوسف اور صواحب کرسف ہیں۔ یہ کریم اور بھلے لوگوں پر غالب آجاتی ہیں اور کمین لوگ ان پر چڑھ بیٹھتے ہیں۔ بہر حال اس حدیث سے اشارہ سے دفع کرنا ثابت ہوا۔

یا اس کو تسبیح پڑھ کر دفع کرے۔ دلیل سابق میں گذر چکی ہے یعنی حضور ﷺ کا قول اذا نابت احد کم نائبۃ فی الصلوۃ فلیسبح اور اشارہ اور تسبیح دونوں کو جمع کرنا مکروہ ہے کیونکہ ان دونوں میں سے ایک کافی ہے۔

مکروہات نماز

فصل

نماز میں کپڑے، بدن سے کھیلنا اور عبث کام مکروہ ہے

ویکرہ للمصلی ان یعبث بثوبہ او بجسدہ لقولہ علیہ السلام ان اللہ تعالیٰ کرہ لکم ثلاثا وذکر منھا العبث فی الصلوۃ ولان العبث خارج الصلوۃ حرام فما ظنک فی الصلوۃ

ترجمہ..... (یہ) فصل (مکروہات نماز کے بیان میں ہے)۔ اور مصلی کے لئے مکروہ ہے یہ کہ کھیلے اپنے کپڑے یا بدن کے ساتھ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تین چیزوں کو مکروہ کیا ہے اور ان تین چیزوں میں سے ایک نماز میں عبث کرنا ہے اور اس لئے کہ عبث خارج صلوٰۃ حرام ہے پس نماز میں تیرا کیا گمان ہے۔

تشریح ...... ماسبق میں مفسدات نماز کا بیان تھا اس فصل میں مکروہات کا ذکر ہے امام بدرالدین کردریؒ کے قول کے مطابق عبث وہ ہے جس میں غرض تو ہو مگر شرعی نہ ہو اور سفہ وہ ہے جس میں کوئی غرض نہ ہو۔

مسئلہ یہ ہے کہ نمازی کا اپنے کپڑے یا بدن سے کھیلنا مکروہ ہے۔ دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تین چیزیں مکروہ کی ہیں ان میں سے ایک نماز کے اندر کھیلنا ہے اور باقی دو میں سے ایک روزہ کی حالت میں گندی گفتگو کرنا ہے اور دوسرا قبرستان میں قہقہہ لگانا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ فعل عبث نماز سے باہر حرام ہے پس نماز میں تیرا کیا خیال ہے یعنی نماز میں بدرجہ اولیٰ حرام ہے۔

کنکریوں کو پلٹنے کا حکم

ولایقلب الحصا لانه نوع عبث الا ان لایمکنه من السجود فیسویه مرة لقوله علیه السلام مرة یا ابا ذر والا فذر ولان فیه اصلاح صلاته

ترجمہ ...... اور کنکریوں کو نہ لوٹے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا عبث ہے مگر یہ کہ اس کو سجدہ کرنا ممکن نہ ہو تو ایک مرتبہ اس کو برابر کردے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک بار اے ابوذر ورنہ اس کو بھی چھوڑ اور اس لئے کہ اس میں مصلی کی نماز کی اصلاح ہے۔

تشریح ...... مسئلہ یہ ہے کہ نماز کی حالت میں کنکریاں نہ لوٹے اس لئے کہ یہ بھی ایک طرح کا فعل عبث ہے۔ ہاں اگر سجدہ کرنا ممکن نہ ہو تو ایک بار الٹ سکتا ہے یعنی ایک بار موضع سجدہ کو برابر کرسکتا ہے، غیر ظاہر الروایۃ میں دو مرتبہ کی بھی اجازت ہے۔ دلیل حضور ﷺ کا قول "مرة یا اباذر والا فذر" ہے یعنی اے ابوذر ایک بار ورنہ اس کو بھی چھوڑ مراد یہ ہے کہ موضع سجدہ سے ایک بار کنکریاں ہٹانے کی اجازت ہے اور اگر ایک بار بھی نہ ہٹائے بلکہ چھوڑ دے تو یہ افضل ہے۔

علامہ ابن الہمام شارح ہدایہ نے یہ لکھا ہے کہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ غریب ہے عبدالرزاق نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے سئلت النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن کل شئی حتی عن مسح الحصی فقال واحدة او دع حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے ہر چیز کے بارے میں سوال کیا حتی کہ کنکریوں کو ہٹانے کے بارے میں بھی تو آپ نے فرمایا کہ ایک بار ورنہ چھوڑ دے۔ اور معیقیب سے روایت ہے کہ انه صلی اللہ علیہ وسلم قال تمسح الحصی وانت تصلی فان کنت لا بدفاعلا فواحدة یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ کنکریاں مت ہٹاؤ درانحالیکہ تم نماز میں ہو پس اگر ضرور کرنا پڑجائے تو ایک بار۔

عقلی دلیل یہ ہے کہ کنکریاں ہٹانے میں اپنی نماز کی اصلاح ہے اور جس عمل سے نماز کی اصلاح مقصود ہو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

نماز میں انگلیاں چٹخانا اور کھوکھوں پر ہاتھ رکھنا مکروہ ہے

و لایفرقع اصابعه لقوله علیه السلام لاتفرقع اصابعک وانت تصلی ولایتخصر وهو وضع الید علی الخاصرة لانه علیه السلام نهی عن الاختصار فی الصلوٰة ولان فیه ترک الوضع المسنون

ترجمہ ...... اور اپنی انگلیاں نہ چٹخائے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تو انگلیاں نہ چٹخا درانحالیکہ تو نماز میں ہو۔ اور تخصر نہ کرے اور تخصر

پر ہاتھ رکھنا ہے کیونکہ حضور ﷺ نے نماز میں تخصر کرنے سے منع کیا ہے اور اس لئے کہ اس میں مسنون طریقہ کا چھوڑنا ہے۔

تشریح۔۔۔۔نماز کے اندر انگلیوں کا چٹخانا بھی مکروہ ہے۔ دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا انی احب لک ما احب لنفسی لا تفرقع اصابعک وانت تصلی یعنی میں تمہارے لئے وہی چیز پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں تو بحالت نماز اپنی انگلیاں مت چٹخا۔ بعض کے نزدیک خارج نماز بھی مکروہ ہے۔ وجہ کراہت یہ ہے کہ یہ قوم لوط کا فعل ہے۔

نماز کی حالت میں تخصر بھی مکروہ تحریمی ہے کیونکہ نماز کی حالت میں تخصر کرنے سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے چنانچہ ابوہریرہ نے روایت کیا انہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن الاختصار فی الصلوٰۃ۔ عقلی دلیل یہ ہے کہ تخصر کرنے کی صورت میں مسنون طریقہ کو چھوڑنا لازم آتا ہے خارج صلوٰۃ مرد اور عورت دونوں کے لئے مکروہ تنزیہی ہے۔

تخصر کی ایک تفسیر تو صاحب ہدایہ نے کی ہے یعنی کوکھ پر ہاتھ رکھنا۔ یہی تفسیر اولیٰ اور انسب ہے بعض نے کہا کہ تخصر عصا پر ٹیک لگانا ہے۔ اور بعض نے کہا کہ تخصر یہ ہے کہ آیت سجدہ کو حذف کردے اور باقی کو پڑھے۔

گردن موڑ کر دائیں بائیں التفات کرنا مکروہ ہے

ولا یلتفت لقولہ علیہ السلام لو علم المصلی من یناجی ما التفت ولو نظر بموخر عینیہ یمنۃ و یسرۃ من غیر ان یلوی عنقہ لا یکرہ لانہ علیہ السلام کان یلاحظ اصحابہ فی صلاتہ بموق عینیہ

ترجمہ۔۔۔۔اور نماز میں التفاف نہ کرے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر مصلی جانتا کہ کس کے ساتھ مناجات کرتا ہے تو التفات نہ کرتا۔ اور اگر مصلی نے گوشہ چشم سے دائیں بائیں نظر کی بغیر اس کے کہ اپنی گردن پھیرے تو مکروہ نہیں ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نماز میں اپنے اصحاب کو اپنی آنکھوں کے گوشہ سے ملاحظہ فرمایا کرتے تھے۔

تشریح۔۔۔۔مسئلہ گردن موڑ کر التفات نہ کرے کیونکہ اس میں کراہت ہے۔ دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر مصلی جانتا کہ کس سے مناجات کرتا ہے تو (ادھر ادھر) التفات نہ کرتا۔ نیز حضور ﷺ سے مروی ہے کہ ان الرحمتہ تواجہ العبد مادام فی صلاتہ فاذا التفت اعرض عنہ یعنی اللہ تعالیٰ برابر بندہ پر نماز میں اقبال فرماتا ہے پس جب اس نے التفاف کیا تو وہ وجہ کریم اس سے پھیر لیتا ہے۔

عقلی دلیل یہ ہے کہ گردن موڑ کر التفات کرنے میں بعض گردن کے ساتھ انحراف عن القبلہ ہے اگر پورے بدن کے ساتھ انحراف عن القبلہ ہوتا تو اس کی نماز فاسد ہو جاتی۔ پس جب بعض بدن کے ساتھ انحراف عن القبلہ ہوا تو نماز مکروہ ہوگی۔ جیسے نماز کے اندر عمل قلیل مکروہ ہے کیونکہ عمل کثیر مفسد صلوٰۃ ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں سالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من التفات الرجل فی الصلاۃ فقال ھو اختلاس یختلسہ الشیطان من صلاۃ العبد یعنی میں نے رسول اللہ ﷺ سے مروی نماز میں التفات کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ اختلاس (فریب دے کر چھپا مارنا) ہے کہ اس کو بندہ کی نماز میں سے شیطان اچک لیتا ہے۔ (بخاری)

بہر حال ان روایات اور عقلی دلیل سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ التفات مفسد نماز نہیں اگرچہ دائیں یا بائیں جانب انحراف عن القبلہ ہو

جائے بشرطیکہ استدبار قبلہ نہ ہو۔

اور اگر مصلی نے اپنی نظر کے گوشہ سے دائیں یا بائیں جانب دیکھا بغیر اس کے کہ گردن پھیرے تو مکروہ نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نماز میں اپنے اصحاب کو اپنی آنکھوں کے گوشہ سے ملاحظہ فرماتے تھے البتہ آسمان کی طرف نظر اٹھانا مکروہ ہے۔

کتے کی طرح بیٹھنا اور بازوؤں کو زمین پر بچھادینا بھی مکروہ ہے

ولایقعی ولایفترش ذراعیہ لقول ابی ذر نہانی خلیلی عن ثلاث ان انقر نقر الدیک وان اقعی اقعاء الکلب وان افترش افتراش الثعلب والاقعاء ان یضع الیتیہ علی الارض و ینصب رکبتیہ نصبا ہو الصحیح

ترجمہ ...... اور اقعاء (کتے جیسی بیٹھک نہ کرے..) اپنی بانہیں نہ بچھائے کیونکہ ابوذر نے کہا کہ میرے خلیل نے مجھ کو تین چیزوں سے منع فرمایا (ایک یہ کہ) چونچ ماروں مرغ کے مثل (دوم یہ کہ) کتے کی طرح اقعاء کروں (سوم یہ کہ) لومڑی کی طرح ہاتھ بچھاؤں اور اقعاء یہ ہے کہ رکھدے اپنے دونوں وچوتڑ زمین پر اور دونوں گھٹنے کھڑے کر لے۔ یہی صحیح ہے۔

تشریح ...... صاحب قدوریؒ نے کہا کہ اقعاء، اور سجدہ کی حالت میں دونوں ہاتھوں کو بچھانا مکروہ ہے۔ صاحب ہدایہ نے دلیل میں ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول پیش کیا ہے مگر شارحین ہدایہ نے کہا کہ امام احمدؒ نے اپنی مسند میں قول ابو ہریرہ روایت کیا ہے اور قول ابی ذر غریب ہے متن حدیث یہ ہے نہانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ثلاثۃ عن نقرۃ کنقرۃ الدیک واقعاء کاقعاء الکلب والتفات کالتفات الثعلب 'ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مجھ کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تین باتوں سے منع فرمایا ایک مرغ کی طرح چونچ مارنے سے یعنی سجدہ اس قدر خفیف کرے کہ جیسے مرغ چونچ مار کر سر اٹھالیتا ہے۔ اسی طرح بیٹھنے یعنی التحیات اور دونوں سجدوں کے درمیان کتے کی طرح بیٹھنے سے منع فرمایا' سوم لومڑی کی طرح ادھر ادھر تاک جھانک سے منع فرمایا۔ اور حدیث ابی ذر جس کو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا اس میں تیسری بات یہ ہے ان افترش افتراش الثعلب یعنی لومڑی کی طرح (حالت سجدہ میں) ہاتھوں کے بچھانے سے منع فرمایا ہے۔

اقعاء کی صورتیں: اقعاء کی دو تفسیریں کی گئی ہیں ایک امام طحاویؒ کے نزدیک دوسری امام کرخی کے نزدیک' امام طحاویؒ کے نزدیک اقعاء یہ ہے کہ اپنے چوتڑ پر بیٹھے اپنی دونوں رانوں کو کھڑا کرے اپنے دونوں گھٹنوں کو سینے سے ملائے اور دونوں ہاتھ زمین پر رکھے یہی صحیح تفسیر ہے۔ اسی کو صاحب ہدایہ نے اختیار کیا ہے امام کرخیؒ کے نزدیک اقعاء یہ ہے کہ اپنے دونوں قدموں کو کھڑا کرے ایڑیوں پر بیٹھ جائے اور دونوں ہاتھ زمین پر رکھے۔

نماز میں سلام کا جواب دینے کا حکم

ولا یرد السلام بلسانہ لانہ کلام ولابیدہ لانہ سلام معنی حتی لو صافح بنیۃ التسلیم تفسد صلوتہ

ترجمہ ...... اور اپنی زبان سے سلام کا جواب نہ دے کیونکہ یہ کلام ہے اور نہ اپنے ہاتھ سے کیونکہ معنیٰ یہ بھی سلام ہے حتی کہ اگر سلام کی نیت سے مصافحہ کیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

تشریح...... نماز میں زبان سے سلام کا جواب دینا مفسد نماز ہے کیونکہ یہ کلام ہے اور کلام نماز کو فاسد کر دیتا ہے لہذا اسلام کا جواب بھی نماز کو فاسد کر دے گا۔ سلام اور جواب سلام کے کلام ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں فلاں سے کلام نہیں کروں گا پھر اس کو سلام کیا تو یہ شخص حانث ہو جائے گا اور ہاتھ سے سلام کا جواب دینا مکروہ ہے کیونکہ یہ بھی معنی سلام ہے چنانچہ بہ نیت سلام اگر مصافحہ کیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

یہاں ایک اعتراض ہے وہ یہ کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں نے بلال سے کہا کہ کیف کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یرد علیھم حین کانوا یسلمون علیه وھو فی الصلوۃ قال کان یشیر بیدہ یعنی جس وقت حضور ﷺ نماز میں ہوتے اور لوگ آپ کو سلام کرتے تو آپ کس طرح جواب دیتے تھے بلال نے کہا کہ ہاتھ سے اشارہ فرماتے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ سے سلام کا جواب دینا مکروہ نہیں ہے۔

جواب...... یہ واقعہ ماقبل التحریم پر محمول ہے لہذا اس کو عدم کراہت کی دلیل نہ بنایا جائے۔

نماز میں چار زانو بیٹھنے اور بالوں کو گوندھنے کا حکم

ولا یتربع الا من عذر لان فیه ترک سنة القعود ولا یعقص شعرہ وھو ان یجمع شعرہ علی ھامته ویشدہ بخیط او بصمغ لیتلبد فقد روی انه علیه السلام نھی ان یصلی الرجل وھو معقوص

ترجمہ...... اور چار زانو نہ بیٹھے مگر عذر کی وجہ سے کیونکہ اس میں سنت قعود کا ترک ہے اور بالوں کو معقوص نہ کرے۔ اور عقص یہ ہے کہ اپنے بالوں کو پیشانی پر جمع کر کے دھاگے سے باندھے یا گوند سے چوڑا کر دے تا کہ چپک جائے کیونکہ مروی ہے کہ حضور ﷺ نے معقوص ہونے کی حالت میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔

تشریح...... مسئلہ نماز کی حالت میں بلا عذر چار زانو بیٹھنا مکروہ ہے کیونکہ اس بیٹھک میں قعود کی سنت کا ترک ہے بعض حضرات نے کراہت کی علت یہ بیان کی کہ متکبروں کی بیٹھک ہے پس اس علت کی بناء پر یہ بیٹھک خارج نماز بھی مکروہ ہوگی لیکن شمس الائمہ سرخسی وغیرہ نے اس کو رد کر دیا کیونکہ خارج نماز حضور ﷺ کا اپنے صحابہؓ کے ساتھ چار زانو بیٹھنا ثابت ہے۔ (فتح القدیر) اسی طرح مسجد نبوی میں فاروق اعظمؓ کی عام نشست تربعاً (چار زانو) ہوتی تھی صحیح بات یہ ہے کہ چار زانو بیٹھنے کی بہ نسبت دونوں گھٹنوں پر بیٹھنا تواضع کے زیادہ قریب ہے۔ لہذا نماز کی حالت میں بھی یہی بیٹھک اولیٰ ہے الا یہ کہ کوئی عذر ہو۔

نماز کی حالت میں سر کے بالوں کو چٹلا بنانا بھی مکروہ ہے۔ صاحب کفایہ نے بالوں کو معقوص کرنے کی تین صورتیں لکھی ہیں،

۱) سر کے اردگرد بالوں کی مینڈھیاں بنا کر باندھے جیسے عورتیں کرتی ہیں۔ ۲) پیشانی پر جمع کر کے دھاگے سے باندھے۔
۳) کسی لیس دار چیز یا گوند سے چپکا دے۔

دلیل ابورافع کی حدیث ہے قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ان یصلی الرجل ورأسه معقوص یعنی حضور ﷺ نے مرد کو اس حال میں نماز پڑھنے سے منع کیا کہ اس کے سر پر بالوں کا چٹلا ہو نیز حضور ﷺ سے مروی ہے امرت ان اسجد علی سبعته وان لا اکف شعرا ولا ثوبا یعنی مجھ کو سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم کیا گیا اور اس بات کا کہ بالوں کو کف نہ کروں اور نہ

کپڑے کو۔ اور چونکہ بالوں کو چٹلا بنانے میں انکا کف ہے اس لئے چٹلا بنانے سے منع کیا گیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہ مر برجل ساجد عاقص شعرہ فحلہ حلا عنیفا وقال اذا طول احدکم شعرہ فلیر سلہ لیسجد معہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک آدمی کے پاس سے گذرے کہ وہ سجدہ کررہا تھا اور اس کے بالوں کا جوڑا بنا ہوا تھا پس حضرت عمرؓ نے اس کو سختی سے کھولا اور فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کے بال دراز ہو جائیں تو اس کو چھوڑے رکھے تاکہ اس کے ساتھ وہ بھی سجدہ کریں۔

نماز میں کپڑے کو سمیٹنا اور سدل کرنا مکروہ ہے

ولایکف ثوبہ لانہ نوع تجبر ولایسدل ثوبہ، لانہ علیہ السلام نہی عن السدل وھو ان یجعل ثوبہ علی رأسہ وکتفیہ ثم یرسل اطرافہ من جوانبہ ولا یاکل ولا یشرب لانہ لیس من اعمال الصلوٰۃ

ترجمہ ...... اور اپنا کپڑا نہ سمیٹے کیونکہ اس میں ایک طرح کا تکبر ہے۔ اور نہ اپنا کپڑا لٹکائے کیونکہ حضور ﷺ نے لٹکانے سے منع کیا ہے۔ اور سدل یہ ہے کہ اپنا کپڑا اپنے سر اور کندھوں پر ڈال کر اس کے کنارے اپنی جوانب میں لٹکے چھوڑے اور (نماز میں) نہ کھائے اور نہ پئے کیونکہ یہ نماز کے اعمال سے نہیں ہے۔

تشریح ...... کف ثوب یہ ہے کہ جب سجدہ کرنے کا ارادہ کرے تو اپنے آگے یا پیچھے سے کپڑا اٹھائے۔ اب حاصل مسئلہ یہ ہوا کہ کپڑا زمین پر گرتا ہو تو اس کو نہ روکے کیونکہ اس میں ایک قسم کا تکبر ہے۔

اور کپڑے کو بے طریقہ لٹکا نہ چھوڑے۔ دلیل یہ ہے کہ امام ابوداؤد نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے انہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن السدل فی الصلوٰۃ وان یغطی الرجل فاہ یعنی حضور ﷺ نے نماز کے اندر سدل سے منع فرمایا اور اس سے بھی کہ مرد اپنا منہ ڈھکے سدل یہ ہے کہ اپنا کپڑا اپنے سر اور کندھوں پر ڈال کر اس کے کنارے اپنی جوانب میں لٹکے چھوڑے۔

صاحب کفایہ نے کہا کہ سدل یہ ہے کہ چادر یا قباء اپنے کندھوں پر ڈالے اور اپنے ہاتھ کو آستینوں میں نہ ڈالے خواہ قمیص کے اوپر ہو یا قمیص کے نیچے۔

اور نماز میں نہ کھائے اور نہ پئے کیونکہ یہ نماز کے اعمال میں سے نہیں ہے لیکن اگر دانتوں کے درمیان میں کوئی چیز ہو پھر اس کو نگل لیا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ جو چیز دانتوں کے درمیان ہے وہ تھوک کے تابع ہے اور تھوک کا نگل جانا مفسد نماز نہیں لہٰذا اس کا بھی نگل جانا بھی مفسد نماز نہیں ہوگا۔

نماز میں جان بوجھ کر یا بھول کر کھانا پینا مفسد صلوٰۃ ہے

فان اکل او شرب عامدا او ناسیا فسدت صلوتہ لانہ عمل کثیر وحالۃ الصلوٰۃ مذکرۃ

ترجمہ ...... پھر اگر نمازی نے کھایا یا پیا عمداً یا سہواً تو اس کی نماز فاسد ہوگئی کیونکہ یہ عمل کثیر ہے اور نماز کی حالت یاد دلانے والی ہے۔

تشریح ...... مسئلہ یہ ہے کہ نماز کی حالت میں کھانا یا پینا مفسد نماز ہے نماز خواہ فرض ہو یا نفل اور کھانا پینا عمداً ہو یا سہواً ہو یا نسیاناً ہو دلیل یہ ہے کہ اکل اور شرب ان دونوں میں سے ہر ایک عمل کثیر ہے اور عمل کثیر مفسد نماز ہے اس لئے ان صورتوں میں نماز فاسد ہو جائے گی۔

وحالۃ الصلوۃ مذکرۃ سے ایک سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ نماز کی حالت میں بھول چوک سے کھانا پینا اسی طرح معاف ہونا چاہئے جیسا کہ روزہ کی حالت میں معاف ہے۔

جواب نماز کی حالت روزے کے مانند نہیں ہے کیونکہ نماز کی حالت یاد دلانے والی ہے یعنی بیداری اور ہوشیاری کی ہے لہٰذا نماز کی حالت میں کھانا پینا نسیاناً اور سہواً نہیں ہوسکتا۔ اس کے برخلاف روزہ کہ وہ حالت مذکرہ نہیں ہے۔ اس وجہ سے روزہ کی حالت میں نسیان اور بھول کو معاف کر دیا گیا۔

امام کا مسجد میں کھڑا ہونا اور سجدہ محراب میں کرنا مکروہ نہیں ہے، مکمل محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے

ولاباس بان یکون مقام الامام فی المسجد وسجودہ فی الطاق ویکرہ ان یقوم فی الطاق لانہ یشبہ صنیع اھل الکتاب من حیث تخصیص الامام بالمکان بخلاف ما اذا کان سجودہ فی الطاق ویکرہ ان یکون الامام وحدہ علی الدکان لما قلنا وکذا علی القلب فی ظاہر الروایۃ لانہ ازدراء بالامام

ترجمہ ..... اور کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ امام مسجد میں کھڑا ہو اور اس کا سجدہ محراب میں ہو اور مکروہ ہے کہ امام محراب میں کھڑا ہو۔ کیونکہ یہ اہل کتاب کے عمل کے مشابہ ہے اس حیثیت سے کہ امام کی جگہ مخصوص کرتے ہیں برخلاف اس کے جب امام کا سجدہ کرنا محراب میں ہو۔ اور مکروہ ہے کہ امام تنہا چبوترہ پر ہو اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی۔ اور یوں ہی برعکس بھی ظاہر الروایۃ میں مکروہ ہے۔ اس لئے کہ یہ صورت امام کے حق میں تحقیر ہے۔

تشریح ..... مسئلہ اگر امام کے قدم مسجد میں ہوں اور سجدہ کرنا محراب میں ہو تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے کیونکہ اعتبار قدم کا ہوتا ہی پس جب قدم مسجد میں ہیں تو مقتدیوں کے برابر ہے اگرچہ سجدہ محراب کے اندر واقع ہوگا اور اگر امام کے قدم بھی محراب میں ہوں تو یہ مکروہ ہے کیونکہ اس میں اہل کتاب کے ساتھ مشابہت پائی گئی اس طور پر کہ اہل کتاب امام کی جگہ مخصوص کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف اگر امام کے قدم محراب سے باہر ہوں اور سجدہ کرنا محراب میں ہو تو مشابہت نہیں ہے اور اس میں کراہت کی وجہ مشابہت ہی ۔ پس جس صورت میں مشابہت پائی جائے گی کراہت ہوگی اور جس صورت میں مشابہت نہ ہو اس میں کراہت نہ ہوگی۔

بعض حضرات نے کراہت کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ امام اگر تنہا محراب میں کھڑا ہو یعنی اس کے قدم محراب کے اندر ہوں تو امام کے دائیں بائیں کھڑے ہونے والے مقتدیوں پر اس کا حال مخفی ہوگا چنانچہ اگر محراب ایسے طور پر ہو کہ امام کا حال مخفی نہ ہو تو امام کا تنہا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ نہیں ہے یہی قول امام ابوجعفر طحاوی کا ہے۔ (عنایہ)

اور یہ بھی مکروہ ہے کہ امام کسی بلند جگہ پر کھڑا ہو اور تمام مقتدی نیچے کھڑے ہوں کیونکہ اس میں بھی یہود کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے اور اگر امام کے ساتھ کچھ لوگ بھی کھڑے ہوں تو مکروہ نہیں ہے۔ مصنف ہدایہ نے بلندی کی مقدار بیان نہیں کی ہے اس سلسلہ میں چند اقوال ہیں امام طحاوی نے کہا کہ متوسط آدمی کے قد کے برابر بلندی ہو تو مکروہ ہے اور اگر اس سے کم ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ یہی امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے۔ بعض نے کہا کہ اس قدر بلند جگہ ہو کہ اس سے امتیاز واقع ہو سکے۔ اور بعض نے کہا کہ ایک ذراع کی بلندی ہو۔ اس تیسرے قول کو سترہ پر قیاس کیا گیا ہے اور اسی پر اعتماد ہے۔ یہ خیال رہے کہ کراہت اسی وقت تک ہے جب تک کہ کوئی عذر نہ ہو۔ ہاں اگر

کوئی عذر ہو تو تنہا امام کے بلند جگہ ہونے میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

صاحب کتاب نے فرمایا کہ اگر معاملہ برعکس ہو یعنی امام نیچے اور مقتدی بلندی پر ہوں تو بھی ظاہر الروایۃ کے مطابق مکروہ ہے اس صورت میں یہود کے ساتھ تشابہ اگرچہ نہیں پایا گیا مگر امام کے حق میں تحقیر ہے۔ حالانکہ ہم کو اس کی تکریم اور تعظیم کرنی چاہئے۔ طحاویؒ نے کہا کہ چونکہ اس صورت میں یہود بے یہود کے ساتھ مشابہت نہیں رہی اس لئے یہ صورت مکروہ نہیں ہوگی لیکن اس کا جواب سابق دلیل کے ذیل میں گذر چکا ملاحظہ فرمائیے۔

بیٹھ کر باتیں کرنے والے کی پیٹھ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا مکروہ نہیں

ولا بأس ان یصلی الی ظہر رجل قاعد یتحدث لان ابن عمرؓ ربما کان یستتر بنافع فی بعض اسفارہ

ترجمہ...... اور ایسے آدمی کی پیٹھ کی طرف نماز پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں جو باتیں کرتا ہو کیونکہ ابن عمرؓ بسا اوقات بعض اسفار میں نافع کو سترہ بنالیتے تھے۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ کسی ایسے شخص کی پیٹھ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا جو باتیں کرتا ہو مکروہ نہیں ہے۔ دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سفر وغیرہ میں سترہ کے لئے جب درخت وغیرہ نہ پاتے تو اپنے غلام نافع سے فرماتے کہ اپنی پیٹھ پھیر دے اور دوسرے آدمی کے چہرہ کی طرف نماز پڑھے تو مکروہ ہوگا کیونکہ مروی ہے ان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رأی رجلا یصلی الی وجہ غیرہ فعزرہما بالدرۃ وقال للمصلی تستقبل صورۃ فی صلوٰتک وقال للقاعد اتستقبل المصلی بوجھک یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ دوسرے آدمی کے چہرہ کی طرف نماز پڑھ رہا ہے پس آپ نے درہ سے دونوں کی پٹائی کی اور مصلی سے کہا کہ تو اپنی نماز میں صورت کا استقبال کرتا ہے اور بیٹھنے والے شخص سے کہا کہ تو اپنے چہرہ سے مصلی کا استقبال کرتا ہے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ یہ مکروہ ہے ورنہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قدر سختی کیوں فرماتے ہاں اگر کسی آدمی کا چہرہ کی طرف نماز پڑھی اور مصلی اور اس کے درمیان ایک تیسرا آدمی ہے جس کی پیٹھ مصلی کے چہرہ کی طرف ہے تو یہ صورت غیر مکروہ ہے ماتن کے قول الی ظہر رجل یتحدث سے معلوم ہوا کہ اس میں بھی مضائقہ نہیں ہے کہ ایک آدمی نماز پڑھے اور اس کے نزدیک کچھ لوگ باتیں کرتے رہیں مگر بعض حضرات نے اس کو مکروہ کہا ہے وجہ کراہت یہ حدیث ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی ان یصلی الرجل وعندہ قوم یتحدثون او نائمون یعنی اللہ کے برحق نبیؐ نے منع فرمایا کہ آدمی نماز پڑھے حالانکہ اس کے قریب لوگ باتیں کرتے یا سوتے ہیں۔ ہماری طرف سے حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ ممانعت اس وقت ہے جب کہ ان لوگوں کی آوازیں اس قدر بلند ہوں کہ اس کی وجہ سے نماز میں غلطی واقع ہونے کا خوف ہو یا یہ خوف ہو کہ اگر سونے والوں میں سے کسی نے باآواز ریح خارج کی تو یہ ہنس پڑے گا پس اگر یہ خوف نہ ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

نمازی کے سامنے مصحف یا تلوار لٹکی ہوئی تو کوئی حرج نہیں

ولا بأس بان یصلی وبین یدیہ مصحف معلق او سیف معلق لانہما لا یعبدان وباعتبارہ تثبت الکراہۃ

ترجمہ ۔۔۔ اور کوئی حرج نہیں کہ آدمی نماز پڑھے اور اس کے سامنے مصحف لٹکا ہو یا تلوار لٹکی ہو کیونکہ مصحف اور تلوار کی عبادت نہیں کی جاتی اور کراہت اسی اعتبار سے ثابت کی جاتی ہے۔

تشریح ۔۔۔ مصنف نے کہا کہ مصلی کے سامنے اگر قرآن پاک لٹکا ہو یا تلوار لٹکی ہو تو اس میں کراہت نہیں ہے کیونکہ ان دونوں کی عبادت نہیں کی جاتی حالانکہ عبادت ہی کا اعتبار کر کے کراہت ثابت کی جاتی ہے پس جب ان کی عبادت نہیں کی جاتی تو ان کو سامنے لٹکانے میں کراہت بھی نہیں ہوگی۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ عمل مکروہ ہے اور دلیل یہ ذکر کی کہ تلوار حرب اور جنگ کا آلہ ہے اور لوہے اور ہتھیاروں میں شدید قسم کی لڑائی کا امکان ہے لہذا نماز جیسے تفرغ اور تخشع کے مقام میں اس کو آگے رکھنا مناسب نہیں ہے کہا گیا کہ یہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے۔

اور قرآن پاک کو آگے رکھنے میں کراہت اس لئے ہے کہ اس میں اہل کتاب کے ساتھ تشابہ ہے کیونکہ اہل کتاب اپنی کتابوں کے ساتھ یہی معاملہ کرتے تھے کہا گیا کہ یہ قول ابراہیم نخعی کا ہے۔

ہماری طرف سے اول کا جواب یہ ہے کہ بلا شبہ تلوار حرب اور لڑائی کا آلہ ہے لیکن خیال رہے کہ نماز بھی موضع حرب ہے یہی وجہ ہے کہ امام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو محراب کہتے ہیں پس جب نماز موضع حرب ہے تو نمازی کے پاس ہتھیاروں کا رکھنا مناسب ہے کیونکہ ہم کو صلوٰۃ خوف میں ہتھیار ساتھ رکھنے کا حکم کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ پس جب تلوار نمازی کے پاس لٹکی ہوگی تو ضرورت پیش آنے پر اس کا لینا ممکن ہوگا پس ثابت ہوگیا کہ تلوار کا نمازی کے آگے لٹکا ہوا ہونا موجب کراہت نہیں ہے نیز سفر وغیرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے نیزہ گاڑ دیا جایا کرتا اور آپ اس کی طرف رخ کر کے نماز ادا فرماتے اور ظاہر ہے کہ نیزہ بھی ہتھیار ہے پس ظاہر ہوگیا کہ مصلی کے سامنے ہتھیار رکھنے میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ اہل کتاب کتاب کو مصلی کے سامنے اس لئے نہیں رکھتے تھے کہ وہ عبادت ہے بلکہ اس لئے رکھتے تھے تاکہ نماز کے اندر اس میں سے دیکھ کر پڑھیں اور ظاہر ہے کہ یہ تو ہمارے نزدیک بھی مکروہ ہے بلکہ مفسد صلوٰۃ ہے لیکن اگر یوں ہی مصلی کے سامنے رکھ دیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے پس اسی طرح اگر لٹکا دیا جائے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں ہوگا۔ (فتح القدیر، غایہ)

تصویر والے بچھونے پر نماز پڑھنا مکروہ نہیں

ولا بأس بان یصلی علی بساط فیه تصاویر، لان فیه استهانة بالصور ولایسجد علی التصاویر لانه یشبه عبادة الصورة واطلق الكراهية فی الاصل لان المصلی معظم

ترجمہ ۔۔۔ اور ایسے بچھونے پر نماز پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں جس میں تصویریں بنی ہوں کیونکہ ایسا کرنے میں تصویروں کی تحقیر اور توہین ہے اور سجدہ تصویر پر نہ کرے کیونکہ یہ تصویر کی پرستش کے مشابہ ہے اور مبسوط میں کراہت کو مطلق لکھا ہے کیونکہ جائے نماز معظم چیز ہے۔

تشریح ۔۔۔ ایسا بچھونا جس پر تصویریں بنی ہوں اس پر نماز پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں یعنی بلا کراہت جائز ہے۔ دلیل یہ ہے کہ ایسا کرنے

میں تصویروں کی تحقیر اور تذلیل کرنا ہے اور ہم کو اس بات کا حکم کیا گیا ہے کہ اگر کوئی نادان جاندار کی تصویر بنا کر حماقت ظاہر کرے تو تصویر کو ذلیل وخوار سمجھیں اور اس کے ساتھ ذلت اور توہین کا برتاؤ کریں۔

مصنفؒ کہتے ہیں کہ سجدہ تصویر پر نہ کرے کیونکہ یہ تصویر کی پرستش کے مشابہ ہے جامع صغیر کی اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ تصویر دار بچھونے پر نماز تو پڑھے لیکن سجدہ تصویر پر نہ کرے۔

مبسوط میں لکھا ہی کہ تصویر دار بچھونے پر نماز پڑھنا مطلقا مکروہ ہے خواہ تصویر پر سجدہ کرے یا نہ کرے اور دلیل یہ ذکر کی کہ مصلی نماز کے لئے تیار کیا گیا ہے یعنی مصلی فی نفسہ معظم اور مکرم ہے۔ پس اگر اس میں تصویریں ہوں گی تو ان تصویروں کی ایک گونہ تعظیم لازم آئے گی حالانکہ ہم کو ان کی اہانت کا حکم کیا گیا ہے اس لئے جائے نماز پر تصویروں کا ہونا مطلقا مناسب نہیں خواہ اس تصویر پر سجدہ کرے یا سجدہ نہ کرے۔

فائدہ..... تصویر وہ ہوتی ہے جو مخلوق خدا کے مشابہ بنائی گئی ہو خواہ ذی روح کی ہو یا غیر ذی روح کی۔ اور تمثال ذی روح کے ساتھ خاص ہے لیکن یہاں ذی روح کی تصویر مراد ہے کیونکہ غیر ذی روح کی تصویر میں کوئی کراہت نہیں ہے کیونکہ ابن عباسؓ نے ابن عباسؓ نے ایک مصور سے کہا تھا ان کنت لا بدفا علا فعلیک بتمثال غیر ذی الروح" یعنی اگر تجھ کو تصویر بنانا ہی ہے تو غیر ذی روح کی تصویر بنالیا کر۔ (فتح القدیر)

نمازی کے سر کے اوپر چھت میں یا سامنے یا دائیں بائیں تصویر ہوں تو مکروہ ہے

ویکرہ ان یکون فوق رأسه فی السقف اوبین یدیه او بحذائه تصاویر او صورة معلقة لحدیث جبرئیل علیه السلام انا لا ندخل بیتا فیه کلب او صورة ولو کانت الصورة صغیرة بحیث لاتبدو للناظر لا یکره لان الصغار جدا لا تعبد

ترجمہ..... اور مکروہ ہے یہ کہ مصلی کے سر کے اوپر چھت میں یا اس کے سامنے یا اس کے دائیں بائیں تصویریں ہوں یا کوئی تصویر لٹکی ہو۔ کیونکہ حدیث جبرئیل ہے کہ ہم ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو یا تصویر ہو۔ اور اگر تصویر اس قدر چھوٹی ہو کہ دیکھنے والے کو ظاہر نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ کیونکہ بہت ہی چھوٹی تصویریں پوجی نہیں جاتیں۔

تشریح..... فرمایا کہ مصلی کے سر کے اوپر چھت میں یا سامنے یا اس کے دائیں بائیں اگر تصویریں ہوں تو اس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے یا کوئی تصویر لٹکی ہو تو بھی نماز مکروہ ہے دلیل حدیث جبرئیل ہے عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه انه قال استاذن جبرئیل علیه السلام علی النبی صلی الله علیه وسلم فقال ادخل فقال کیف ادخل وفی بیتک ستر فیه تصاویر ما ان تقلع رأسها او تجعل بساطاً یوطا فانا معاشره الملائکة لاندخل بیتا فیه تصاویر. (شرح نقایہ) یعنی حضرت ابوہریرہ نے فرمایا کہ جبرئیل نے اللہ کے نبی سے اجازت مانگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ داخل ہو جاؤ جبرئیل نے کہا کس طرح داخل ہوں حالانکہ آپ کے گھر میں ایک پردہ ہے جس میں تصویریں ہیں یا تو ان کا سر کاٹ دیا جائے یا بچھونے کر دیئے جائیں جو جابجا بچھائے جائیں۔ کیونکہ ہم فرشتوں کی جماعت ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتی جس میں تصویریں ہوں۔

اس حدیث سے اس طور پر استدلال ہوگا کہ جس مکان میں ملائکہ داخل نہیں ہوتے وہ مکان شر البیوت ہوتا ہے۔ اور نماز

نہیں مکروہ ہے اس لئے ایسے مکان میں نماز پڑھنا مکروہ ہوگا یہ بات پیش نظر رہے کہ حدیث میں ملائکہ سے مراد ملائکہ رحمت ہیں اور رہے ملائکہ حفظہ تو وہ دو اوقات کے علاوہ کسی وقت بھی انسان سے جدا نہیں ہوتے۔ وہ دو وقت یہیں ایک قضاء حاجت کے وقت دوم بیوی کے ساتھ ہمبستر ہونے کے وقت۔ (شرح نقایہ)

اور اگر وہ تصویر اس قدر چھوٹی ہے کہ دیکھنے والے کو ظاہر نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ کیونکہ بہت ہی چھوٹی تصویر پوجی نہیں جاتی پس وہ بت کے حکم میں نہ ہوگی۔

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک ایسی انگوٹھی تھی جس پر دو مکھیوں کی تصویر بنی ہوئی تھی۔

حضرت دانیال کی انگوٹھی کا واقعہ: ایک واقعہ صاحب فتح القدیر، صاحب کفایہ اور ملا علی قاری سب ہی نے ذکر کیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں حضرت دانیال علیہ السلام (جو نبی گزرے ہیں) کی انگوٹھی دستیاب ہوئی۔ اس انگوٹھی کے نگینہ پر ایک شیر اور ایک شیرنی اور دونوں کے درمیان ایک بچہ کی تصویر تھی۔ تصویر میں دکھلایا گیا تھا کہ شیر اور شیرنی دونوں اس بچہ کو چاٹ رہے ہیں۔ فاروق اعظمؓ نے جب اس کو دیکھا تو آپ کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈب ڈبا گئیں۔ اور وہ انگوٹھی حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ کر دی۔ اس واقعہ کا پس منظر یہ ہے کہ بخت نصر مجوسی جس وقت تخت نشین ہوا تو اس کو کسی نجومی نے خبر دی کہ ایک بچہ پیدا ہوگا۔ جو تجھ کو ہلاک کرے گا یہ سن کر بخت نصر نے پیدا ہونے والے ہر بچہ کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ پس جب حضرت دانیال کی والدہ نے دانیال کو جنا تو سلامتی کی امید کر کے ان کو ایک بیابان جنگل میں ڈال آئیں۔ اس لق ودق بیابان میں مربی حقیقی کے سوا نہ کوئی آدم تھا نہ آدم زاد۔ خدائے بزرگ و برتر نے اس معصوم بچہ اور مستقبل کے چشمہ رُشد و ہدایت کی تربیت اور حفاظت کا انتظام اس طرح فرمایا کہ ایک شیر کو بھیجا تاکہ وہ اس نونہال کی درندہ جانوروں سے حفاظت کرے اور ایک شیرنی کو دودھ پلانے کے لئے مامور کیا یہ دونوں اس فرزند نیک ارجمند کو چاٹتے رہتے تھے۔ بڑے ہو کر حضرت دانیال علیہ السلام نے انگوٹھی کے ایک نگ پر یہ نقش بنوایا تاکہ اس کو دیکھ کر ہمہ وقت اللہ کی نعمتیں یاد رہیں۔

اس واقعہ سے بھی ظاہر ہوا کہ بہت چھوٹی تصویر کا گھر میں رکھنا مکروہ نہیں ہے ورنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت دانیال کی یہ انگوٹھی حضرت ابو موسیٰ اشعری کے حوالہ کیونکر کرتے، جمیل احمد عفی عنہ

سر کٹی یا سر مٹی تصویر کے حکم میں نہیں

ولو كان التمثال مقطوع الرأس اى ممحو الرأس فليس بتمثال لانه لاتعبد بدون الرأس و صار كما اذا صلى الى شمع او سراج على ما قالوا.

ترجمہ... اور جب تصویر سر کٹی ہو یعنی سر مٹا ہوا ہو تو وہ تصویر ہی نہیں ہے کیونکہ تصویر بغیر سر کے نہیں پوجی جاتی۔ اور یہ ایسا ہو گیا جیسے کسی نے موم بتی یا چراغ کی طرف نماز پڑھی ہو اس بناء پر کہ بعض مشائخ نے کہا۔

تشریح... اگر تصویر سر کٹی ہوئی ہو یعنی اس کا سر بالکل مٹا دیا گیا ہو تو چونکہ یہ تصویر ہی نہیں بلکہ جمادات کے مانند ہے اس لئے اس کی جانب نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہوگا۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ بغیر سر کی تصویر کی ... [illegible]

کے آگے رکھنے میں کراہت کی وجہ یہی تھی کہ اس کی پرستش کی جاتی ہو۔ پس جب یہ وجہ نہیں پائی گئی تو کراہت بھی نہیں ہوگی۔
نے یہی کہا ہے۔
بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ سامنے موم بتی یا چراغ رکھ کر نماز پڑھنا مکروہ ہے جیسا کہ اگر مصلی کے سامنے انگیٹھی ہو اور
دہکتے ہوئے انگارے ہوں یا شعلہ زن آگ ہو تو یہ مکروہ ہے لیکن صحیح قول عدم کراہت کا ہے۔

تصویر پڑے تکیے یا بچھونے پر ہو تو نماز مکروہ نہیں

ولو كانت الصورة على وسادة ملقاة او على بساط مفروش لا يكره لانها تداس و توطأ بخلاف ما اذا كانت
الوسادة منصوبة او كانت على الستر لانه تعظيم لها واشدها كراهة ان تكون امام المصلي ثم من فوق رأسه
ثم على يمينه ثم على شماله ثم خلفه

ترجمہ...... اور اگر تصویر پڑے ہوئے تکیہ پر ہو یا بچھے ہوئے بچھونے پر تو مکروہ نہیں ہے کیونکہ تکیہ اور بچھونا روندا اور بچھایا جاتا ہے۔ بخلاف
اس کے جب کہ تکیہ کھڑا ہو یا تصویر پردہ پر ہو۔ کیونکہ یہ تصویر کی تعظیم ہے۔ اور سب سے زیادہ کراہت یہ ہے کہ تصویر مصلی کے سامنے ہو
پھر یہ کہ مصلی کے سر کے اوپر ہو۔ پھر یہ کہ مصلی کے دائیں ہو پھر اس کے بائیں ہو پھر اس کے پیچھے ہو۔

تشریح...... مسئلہ، اگر تصویر پڑے ہوئے تکیہ یا بچھے ہوئے بچھونے پر ہو تو یہ مکروہ نہیں ہے کیونکہ تکیہ اس حالت میں روندا جاتا ہے اور
بچھایا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں تصویر کی توہین اور تذلیل ہوگی نہ کی تعظیم، چنانچہ اس کی تائید ایک حکایت سے بھی ہوتی ہے،
حکایت یہ ہے کہ ایک دفعہ حسن بصریؒ اور عطاؒ ایک ایسے مکان میں داخل ہوئے جس میں ایک بچھونے پر تصویریں تھیں پس عطا کھڑے
ہو گئے اور حسن بصری اس پر بیٹھ گئے۔ حضرت حسن بصری نے کہا کہ تصویر کی تعظیم اس پر نہ بیٹھنے میں ہے۔ ہاں اگر تکیہ کھڑا ہو یا تصویر پردہ
پر ہو تو مکروہ ہے کیونکہ یہ تصویر کی تعظیم ہے یعنی کوئی بے تعظیمی اس کے ساتھ نہیں ہے۔

واشدها كراهة...... الخ سے اس بات کا بیان ہے کہ کراہت کے احاد و افراد شدت وضعف کے اعتبار سے مختلف ہیں
سب سے زیادہ کراہت اس میں ہے کہ تصویر مصلی کے آگے ہو پھر اس سے کم اس میں ہے کہ تصویر مصلی کے سر کے اوپر ہو پھر اس
کہ مصلی کے دائیں ہو پھر یہ کہ بائیں ہو پھر یہ کہ مصلی کے پیچھے ہو۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ اگر تصویر مصلی کے پیچھے ہو تو نماز مکروہ نہیں
لیکن اس کا گھر میں ہونا مکروہ ہے کیونکہ نماز کی جگہ کو ایسی چیزوں سے پاک کرنا جو دخول ملائکہ سے مانع ہوں مستحب ہے۔

تصویر والے لباس میں نماز مکروہ ہے

ولو لبس ثوبا فيه تصاوير يكره لانه يشبه حامل الصنم والصلوٰة جائزة في جميع ذلك لاستجماع
شرائطها و اتعاد على وجه غير مكروه وهو الحكم في كل صلوٰة اديت مع الكراهة

ترجمہ...... اور اگر ایسا کپڑا پہنا جس میں تصویریں ہوں تو مکروہ ہے کیونکہ بت اٹھانے والے کے مشابہ ہے۔ رہی نماز تو ان سب
صورتوں میں جائز ہے۔ کیونکہ شرائط نماز سب جمع ہیں۔ اور غیر مکروہ طریقہ پر نماز کا اعادہ کیا جائے اور یہی حکم ہر اس نماز میں ہے جو

کے ساتھ ادا کی گئی ہو۔

تشریح — ایسا کپڑا پہننا جس میں تصویریں ہوں مکروہ ہے کیونکہ یہ شخص بت اٹھانے والے کے مشابہ ہے۔ یہ شبہ اس لئے کہا گیا کہ کپڑے میں واقعۃً بت نہیں۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ ان سب مکروہ صورتوں میں نماز جائز ہے۔ کیونکہ نماز کی تمام شرطیں جمع ہیں۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ نماز اگر مکروہ طریقہ پر ادا کی گئی ہو تو احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو غیر مکروہ طریقہ پر لوٹایا جائے۔ شیخ قوام الدین کاکی نے شرح منار میں واجب کے لفظ کی تصریح فرمائی ہے یعنی نماز اگر مع الکراہت ادا ہوئی تو اس کا اعادہ واجب ہے۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ نماز اگر کراہتِ تحریمی کے ساتھ ادا کی گئی ہو تو اس کا اعادہ واجب ہے کیونکہ مکروہ تحریمی واجب کے مرتبہ میں ہوتا ہے اور اگر کراہت تنزیہی کے ساتھ ادا کی گئی ہو تو اس کا اعادہ مستحب ہے۔ کیونکہ مکروہ تنزیہی مستحب کے مرتبہ میں ہوتا ہے۔ (فتح القدیر)

غیر ذی روح کی تصاویر مکروہ نہیں

و لا یکرہ تمثال غیر ذی الروح لانہ لایعبد

ترجمہ ...... اور غیر ذی روح کی تصویر مکروہ نہیں کیونکہ اس کی پرستش نہیں کی جاتی۔

تشریح ...... واضح ہے۔

دورانِ نماز موذی جانوروں کے مارنے کا حکم

لا باس بقتل الحیۃ والعقرب فی الصلوٰۃ لقولہ علیہ السلام اقتلوا الاسودین ولو کنتم فی الصلوٰۃ ولان فیہ ازالۃ الشغل فاشبہ درء المار ویستوی جمیع انواع الحیات ھو الصحیح لاطلاق ما روینا

ترجمہ ...... اور سانپ اور بچھو کو نماز کے اندر مارنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قتل کرو تم دونوں کالوں کو (سانپ بچھو) اگرچہ تم نماز میں ہو۔ اور اس لئے کہ اس میں دل کو مشغولیت کا دور کرنا ہے پس گزرنے والے کو دفع کرنے کے مشابہ ہو گیا۔ اور حکم میں سانپ کی تمام قسمیں داخل ہیں۔ یہی صحیح ہے اس حدیث کے مطلق ہونے کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی ہے۔

تشریح ...... نماز کی حالت میں سانپ اور بچھو کو قتل کرنا بلا کراہت مباح ہے دلیل حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے (اقتلوا الاسودین ولو کنتم فی الصلوٰۃ) حدیث میں اسودین سے مراد سانپ اور بچھو ہیں۔ ترجمہ ہوا کہ سانپ اور بچھو کو مار ڈالو اگرچہ تم نماز میں ہو۔ اور عقلی دلیل یہ ہے کہ سانپ اور بچھو کو مارنا اس وجہ سے جائز ہے کہ اس میں دل کا مشغول ہونا دور ہوتا ہے یعنی نمازی کی نظر جب تک ان پر پڑی رہے گی تو اس کا دل اسی طرف متوجہ رہے گا اور نماز کی روح حضورِ قلب اس کو حاصل نہ ہو سکے گا۔ اس لئے کہا گیا کہ اس کو مار ڈالو تاکہ دل کی مشغولیت ختم ہو جائے اور حضورِ قلب نصیب ہو جائے۔ پس یہ سانپ اور بچھو کو مارنا نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو دفع کرنے کے مشابہ ہو گیا۔

صاحب عنایہ نے لکھا ہے کہ مصنف ہدایہ نے اس کی کوئی تفصیل ذکر نہیں کی کہ ایک بار مار کر اس کو قتل کرے یا چند بار مارنے کی

ضرورت پیش آئے تو چند مرتبہ مار کر قتل کر دے یہی قول شمس الائمہ السرخسی کا ہے یعنی اگر ضرب واحد سے قتل کرنا ممکن ہو تو ایک ہی کو عمل میں لائے اور اگر چند ضربوں کی ضرورت پڑے تو اس سے بھی دریغ نہ کرے۔ حاصل یہ کہ مقصود اس کو قتل کرنا ہے ایک بار سے ہو یا متعدد ضربوں سے ہو۔ دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اقتلوا الاسودین" فرمایا ہے اور اس میں کوئی تفصیل نہیں ہے۔

بعض فقہاء کا خیال یہ ہے کہ اگر ایک ضرب سے قتل کرنا ممکن ہو تو مار ڈالے اور نماز نہ لوٹائے۔ اور اگر متعدد ضربیں عمل میں پڑیں تو نماز کا اعادہ کرے کیونکہ یہ عمل کثیر ہے اور عمل کثیر مفسد نماز ہے لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ متعدد بار ڈنڈا مارنا عمل کثیر ہے لیکن یہ عمل کثیر ایسا ہے جس کی منجانب شرع رخصت اور اجازت ہے۔ جیسے نماز میں حدیث پیش آنے کے بعد مصلی کا چلنا، پانی کا نکالنا اور وضو کرنا یہ مجموعہ عمل کثیر ہے مگر شریعت کے رخصت دینے کی وجہ سے مفسد نماز نہیں ہے۔ ایسے ہی یہاں بھی شریعت کی طرف سے رخصت ہے۔ اس لئے بار بار مارنا مفسد نماز نہیں ہوگا۔

فاضل مصنف نے کہا کہ اس حکم میں سانپ کی تمام قسمیں داخل ہیں خواہ وہ سفید ہو یا گیسو دار ہو یا کالا لانگ ہو۔ یہی قول صحیح ہے جو حدیث ہم نے روایت کی ہے وہ مطلق ہے سب کو شامل ہے فقیہ ابو جعفر ہندوانی نے کہا بعض سانپ سفید رنگ کے گھروں میں سیدھے چلتے ہیں وہ جن ہوتے ہیں ان کو قتل کرنا مباح نہیں۔ کیونکہ اللہ کے سچے رسول علیہ السلام نے فرمایا۔ ایاکم والحیۃ البیضاء فانہا من الجن۔ یعنی سفید رنگت کے سانپ کو قتل کرنے سے بچو اس لئے کہ وہ جن ہوتا ہے۔ حدیث میں نماز اور غیر نماز کی کوئی قید نہیں ہے لہذا اس قسم کے سانپ کو غیر نماز میں بھی مارنے کی اجازت نہیں ہے ہاں اگر پہلے یہ کہہ دیا کہ تم چلے جاؤ مسلمانوں کا راستہ چھوڑ دو ورنہ ہم مار ڈالیں گے اس کے باوجود بھی اگر وہ نہ جائے تو اس کو قتل کرنا مباح ہے۔

امام ابو جعفر طحاوی نے کہا کہ سانپوں کے درمیان فرق کرنا غلط ہے کیونکہ حضور ﷺ نے جنات سے یہ عہد و پیمان لیا تھا کہ وہ امت کے سامنے سانپ کی صورت میں ظاہر نہ ہوں اور نہ ان کے گھروں میں گھسیں پس جب انہوں نے نقض عہد کیا تو ان کا قتل مباح ہوگیا۔ اس قول کو شمس الائمہ سرخسی نے اختیار کیا ہے اور حدیث میں اس دین سے مراد سیاہ سانپ نہیں بلکہ یہ لفظ عرب کے عرف میں مطلق سانپ کے لئے بولا جاتا ہے خواہ کسی رنگ کا ہو۔

نماز میں آیات اور تسبیحات کا شمار کرنا مکروہ ہے

و یکرہ عد الای و التسبیحات بالید فی الصلوۃ و کذلک عد السور لان ذلک لیس من اعمال الصلوۃ وعن ابی یوسف و محمد انہ لاباس بذلک فی الفرائض و النوافل جمیعا مراعاۃ لسنۃ القراءۃ والعمل بماجاء ت بہ السنۃ قلنا یمکنہ ان یعد ذلک قبل الشروع فیستغنی عن العد بعدہ واللہ اعلم

ترجمہ...... اور نماز کے اندر ہاتھ کے ذریعہ تسبیحات اور آیات کو شمار کرنا مکروہ ہے اور یہی حکم سورتوں کے شمار کرنے کا ہے کیونکہ یہ نماز کے اعمال میں سے نہیں ہے اور صاحبین سے مروی ہے کہ اس کا کوئی مضائقہ نہیں فرائض اور نوافل میں سنیت قراءت کی رعایت کرنے اور اس چیز پر عمل کرنے کی وجہ سے جو سنت میں آئی ہے ہم جواب دیتے ہیں مصلی کے لئے ممکن ہے کہ اس کو شروع نماز سے پہلے شمار کر لے تو اس کے بعد شمار کرنے سے مستغنی ہوگا۔ واللہ اعلم

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ نماز کے اندر ہاتھ کے ذریعہ تسبیحات اور آیتوں کا شمار کرنا مکروہ ہے نماز خواہ فرض ہو خواہ نفل، اسی طرح

شمار کرنا بھی مکروہ ہے کیونکہ آیات یا تسبیحات یا سورتوں کا شمار کرنا نماز کے اعمال سے نہیں ہے یہی ظاہر الروایۃ ہے بالید کی قید سے معلوم ہوا کہ انگلیوں کے پوروں سے دبا کر یا دل سے یاد کرنا مکروہ نہیں ہے۔ بالید کی قید سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زبان سے شمار نہ کرے کیونکہ زبان سے شمار کرنا مفسد نماز ہے۔

مصنف نے فی الصلوٰۃ کی قید ذکر کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ غیر نماز کی صورت میں شمار کرنا مکروہ نہیں ہے لیکن علامہ فخر الاسلام نے ذکر کیا کہ خارج صلوٰۃ بھی تسبیح کا شمار کرنا بدعت ہے اور فرمایا و کان السلف یقولون نذنب ولانحصی و نسبح و نحصی، یعنی اسلاف کہتے تھے کہ ہم گناہ تو بے شمار کرتے ہیں اور اس کو شمار نہیں کرتے، اور تسبیح پڑھتے ہیں تو شمار کرتے ہیں یہ غیر ظاہر الروایۃ میں صاحبین سے مروی ہے آیات یا تسبیحات کو فرائض اور نوافل دونوں میں شمار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ بسا اوقات انسان کو آیات شمار کرنے کی ضرورت پڑتی ہے مثلاً وہ چاہتا ہے کہ فرائض میں مسنون طریقہ پر قراءت کرے یعنی چالیس یا ساٹھ آیات پڑھے جیسا کہ سنت رسول ﷺ سے ثابت ہے یا مثلاً صلوٰۃ التسبیح میں جس پر سنت وارد ہوئی ہے اس پر عمل کرنا چاہتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ ان دونوں صورتوں میں بغیر شمار کے کوئی چارہ کار نہیں ہے لہٰذا اس وقت شمار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔ امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ قراءت مسنونہ پر عمل اس طور پر بھی ہو سکتا ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے شمار کر کے متعین کر لے کہ پہلی رکعت میں یہاں سے یہاں تک پڑھوں گا اور دوسری میں یہاں سے یہاں تک پڑھوں گا پس اس صورت میں نماز میں شمار کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ رہا صلوٰۃ التسبیح کا معاملہ تو اس میں بھی ہاتھ سے شمار کرنے کی چنداں ضرورت نہیں بلکہ انگلیوں کے پوروں کو شمار کرے۔

واللہ اعلم بالصواب، جمیل احمد عفی عنہ

فصل

خارج نماز کے مکروہات کا بیان

بیت الخلاء میں فرج کے ساتھ استقبال قبلہ اور استدبار قبلہ مکروہ ہے

ویکره استقبال القبلة بالفرج فی الخلاء لانه علیه السلام نهی عن ذلک والاستدبار یکره فی روایة لما فیه من ترک التعظیم ولا یکره فی روایة لان المستدبر فرجه غیر موازی للقبلة وما ینحط منه ینحط الی الارض بخلاف المستقبل لان فرجه موازلها وما ینحط منه ینحط الیها

ترجمہ..... یہ فصل ہے۔ اور مکروہ ہے بیت الخلاء میں شرمگاہ کے ساتھ قبلہ کا رخ کرنا کیونکہ حضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور ایک روایت میں استدبار بھی مکروہ ہے کیونکہ اس میں بھی ترک تعظیم ہے اور ایک روایت میں مکروہ نہیں ہے کیونکہ استدبار کرنے والا اس حال میں کہ اس کی شرمگاہ متوازی قبلہ نہیں ہے اور جو کچھ شرمگاہ سے گرتا ہے وہ زمین کی طرف گرتا ہے برخلاف استقبال قبلہ کرنے والے کے کیونکہ اس کی شرمگاہ تو متوازی قبلہ ہے اور جو کچھ شرمگاہ سے گرتا ہے وہ قبلہ رخ جاتا ہے۔

تشریح..... قبل میں مکروہات نماز کا بیان تھا اس فصل میں خارج نماز کے مکروہات کا بیان ہے مسئلہ یہ ہے کہ قضاء حاجت یعنی پیشاب پائخانہ

کے وقت اپنی شرمگاہ (ذکر) کے ساتھ قبلہ کی طرف رخ کرنا مکروہ تحریمی ہے خواہ کھلے میدان میں ہو یا آبادی میں، سامنے کی طرف
نہ ہو بہر صورت مکروہ تحریمی ہے۔ دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے چنانچہ آقا کا ارشاد ہے عن سلمان قال قیل
لقد علمکم نبیکم کل شیء حتی الخراءۃ قال اجل لقد نہانا ﷺ ان نستقبل القبلۃ بغائط او بول الحدیث
داؤد) سلمان فارسیؓ سے کسی نے کہا کہ تم کو تمہارے نبی نے ہر چیز کی تعلیم دی ہے حتی کہ بول و براز کرنے کی بھی (قائل کی یہ بات
تمسخر تھی)۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے فرمایا: ہاں، ہم کو ہمارے نبی نے بول و براز کی حالت میں استقبال قبلہ کرنے سے منع فرمایا
ابوداؤد ہی کی دوسری روایت ہے اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلوا القبلۃ بغائط ولا بول ولکن شرقوا او غربوا یعنی
قضاء حاجت کے لئے جاؤ تو استقبال قبلہ اور استدبار قبلہ مت کرو لیکن تم شرقاً یا غرباً رخ کر لیا کرو۔

یہ ذہن نشین رہے کہ ولکن شرقوا او غربوا کا حکم خاص طور پر اہل مدینہ کے لئے ہے کیونکہ کعبۃ المکرمۃ مدینہ منورہ
جانب مشرق میں ہے اور نہ جانب غرب میں بلکہ جنوب میں ہے ہم ہندوستانیوں کے لئے یہ حکم نہیں ہوگا بلکہ ہمارے لئے لکن شرقوا
او جنبوا ہوگا یعنی قضاء حاجت کے وقت شمالاً یا جنوباً رخ کر کے بیٹھو۔

استدبار قبلہ یعنی کعبہ مکرمہ کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھنے میں حضرت امام ابوحنیفہؒ سے دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت کے مطابق
قبلہ میں بھی ترک تعظیم ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ استدبار قبلہ مکروہ نہیں۔ کیونکہ جو شخص قبلہ کی جانب پیٹھ کر کے بیٹھے گا۔ اس کی
قبلہ کی طرف نہیں ہوگی اور جو کچھ شرمگاہ سے گرتا ہے وہ زمین کی طرف گرتا ہے۔ یعنی پیشاب کی دھار دوسری طرف جاتی ہے
رخ نہیں ہے۔ برخلاف استقبال قبلہ کرنے والے کے کہ جب وہ قبلہ کی طرف رخ کر کے بیٹھے گا تو اس کی شرمگاہ قبلہ کے
سامنے ہوگی۔ اور جو کچھ پیشاب کرنے میں شرمگاہ سے گرتا ہے وہ قبلہ رخ ہو کر گرے گا۔ اس لئے استقبال قبلہ کو مکروہ قرار دیا گیا
مسئلہ میں بہت تفصیل جس کا میدان سنن کی کتابیں ہیں اس دن کا انتظار فرمائیے جب آپ دورہ حدیث کے سال اس اہم مسئلہ
سماعت فرمائیں گے۔ جمیل احمد

مسجد کی چھت پر وطی، پیشاب پاخانہ مکروہ تحریمی ہے

ویکرہ المجامعۃ فوق المسجد والبول والتخلی لان سطح المسجد لہ حکم المسجد حتی یصح الاقتداء
منہ بمن تحتہ ولا یبطل الاعتکاف بالصعود الیہ ولا یحل للجنب الوقوف علیہ

ترجمہ...... مسجد کی چھت پر جماع کرنا اور پیشاب پاخانہ کرنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ مسجد کی چھت کے لئے مسجد ہی کا حکم ہے حتی کہ چھت
سے اقتداء کرنا اس شخص کی جو مسجد کے نیچے ہے صحیح ہے اور چھت پر چڑھنے سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا اور جنبی کے لئے مسجد کی چھت پر
کھڑا ہونا حلال نہیں ہے۔

تشریح...... مسئلہ، مسجد کی چھت پر جماع کرنا، پیشاب، پاخانہ کرنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ مسجد کی چھت کا وہی حکم ہے جو مسجد کا ہے۔ چنانچہ
کی چھت پر کھڑے ہو کر اگر کوئی شخص اس امام کی اقتداء کرے جو نیچے ہے تو شرعاً درست ہے۔ اور مسجد کی چھت پر چڑھنے کی وجہ سے
کا اعتکاف باطل نہیں ہوتا۔ اور جنبی کے لئے مسجد کی چھت پر کھڑا ہونا جائز نہیں ہے۔ جس طرح کہ مسجد کے اندر کھڑا ہونا جائز نہیں

پس ثابت ہوا کہ مسجد کی چھت کے لئے مسجد ہی کا حکم ہے اور چونکہ مسجد کے اندر یہ سب کام کرنا جو متن میں مذکور ہیں حرام ہیں تو مسجد کی چھت کے اوپر بھی حرام (مکروہ تحریمی) ہوں گے۔

گھر کی مسجد کی چھت پر پیشاب کرنا مکروہ نہیں

ولاباس بالبول فوق بیت فیہ مسجد و المراد ما اعد للصلوٰۃ فی البیت لانہ لم یاخذ حکم المسجد وان ندبنا الیہ.

ترجمہ۔۔۔ اور ایسے گھر کی چھت پر پیشاب کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جس گھر میں مسجد ہو اور مراد وہ جگہ ہے جو گھر میں نماز کے لئے مقرر کر لی گئی ہو کیونکہ اس نے مسجد کا حکم نہیں لیا اگر چہ ہم کو گھروں میں مسجد بنانے کی ترغیب دی گئی ہے۔

تشریح۔۔۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر گھر میں نماز کی کوئی جگہ مقرر کر لی جائے تو اس گھر کی چھت پر پیشاب پاخانہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اس جگہ کو حقیقی مسجد کا حکم نہیں دیا جائے گا حتیٰ کہ اس کو بیچا بھی جا سکتا ہے اور اس میں وراثت بھی جاری ہوگی لیکن ہم کو گھروں میں مسجد بنانے کی ترغیب دی گئی ہے چنانچہ ہر انسان کے لئے مستحب ہے کہ وہ اپنے گھر میں نماز کے لئے کوئی جگہ مقرر کر لے تا کہ اس میں سنن اور نوافل ادا کرے، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے قصہ میں فرمایا ہے۔ وَاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً اور اپنے گھروں کو قبلہ بناؤ، قبلہ یعنی اپنے گھروں میں نماز کی جگہ مقرر کر لو اور حضور ﷺ نے فرمایا لا تتخذوا بیوتکم قبرا اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ مراد یہ ہے کہ گھروں میں نماز ترک کر کے ان کو قبرستان جیسی جگہ نہ بناؤ، بلکہ گھروں میں نماز پڑھو۔ اور اللہ کی عبادت کرو۔

مسجد کا دروازہ بند کرنا مکروہ ہے

ویکرہ ان یغلق باب المسجد لانہ یشبہ المنع من الصلوٰۃ و قیل لاباس بہ اذا خیف علی متاع المسجد فی غیر اوان الصلوٰۃ

ترجمہ۔۔۔ اور مسجد کا دروازہ مقفل کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ نماز سے روکنے کے مشابہ ہے اور کہا گیا کہ کچھ مضائقہ نہیں جب کہ مسجد کے سامان پر خوف ہو سوائے اوقات نماز کے۔

تشریح۔۔۔ مسئلہ، مسجد کا دروازہ بند رکھنا مکروہ ہے کیونکہ یہ نماز سے روکنے کے مشابہ ہے اور نماز سے روکنا حرام ہے۔ خداوند قدوس کا ارشاد ہے وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ یعنی اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو مساجد میں اللہ کا ذکر کرنے سے منع کرے۔

بعض حضرات نے کہا کہ اگر مسجد کے سامان کے ضائع ہونے اور چوری وغیرہ کا اندیشہ ہو تو پھر دروازہ بند کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے کیونکہ زمانے کے اختلاف سے لوگوں کی حالتیں مختلف ہوتی رہتی ہیں۔ چنانچہ آپ غور کیجئے کہ ایک زمانہ میں عورتوں کو مساجد میں آنے کی اجازت تھی لیکن فتنہ کا خوف ہوا تو ان کو روک دیا گیا۔ بلکہ اس زمانہ میں ان کو مساجد میں آنے سے روکنا درست ہے اسی طرح اس فتنے کے دور میں مساجد کے دروازوں کو بند رکھنے میں کوئی قباحت نہیں ہوگی بلکہ ٹھیک ہوگا۔

مسجد کو چونے، لکڑی، سونے کے پانی کے ساتھ منقش کرنے کا حکم

ولاباس بان ینقش المسجد بالجص والساج وماء الذهب وقوله لاباس يشير الى انه لايوجر عليه ولا يأثم به و قيل هو قربة وهذا اذا فعل من مال نفسه اما المتولى يفعل من مال الوقف مايرجع الى احكام البناء دون مايرجع الى النقش حتى لو فعل يضمن والله اعلم بالصواب

ترجمہ......اور مساجد کو گچ، سال کی لکڑی اور سونے کے پانی سے منقش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور مصنف کا قول لاباس اس طرف مشیر ہے کہ نقش کرنے والے کو نقش کرنے پر کوئی اجر نہیں دیا جائے گا لیکن اس کی وجہ سے گنہگار بھی نہیں ہوگا۔ اور کہا گیا کہ نقش ونگار کرنا عبادت اور یہ لا بأس اس وقت ہے جبکہ اپنے ذاتی مال سے کیا ہو۔ رہا متولی تو وہ مال وقف میں سے وہی کام کرے جس سے عمارت مضبوط ہو نہ کہ وہ کام جس کا مرجع نقش ونگار ہو۔ چنانچہ اگر متولی نے ایسا کیا تو ضامن ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب

تشریح......اس مسئلہ میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض حضرات نے مساجد کو منقش اور مزین کرنا مکروہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک مزخرف (منقش اور مزین) مسجد کے قریب سے ہو کر گزرے تو آپؓ نے فرمایا لمن هذه البيعة یہ گرجا کس کا ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ کا فرمانا مساجد میں اس عمل کے مکروہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ نیز حضور ﷺ نے علامات قیامت میں سے تزئین مساجد کو بھی شمار کیا ہے۔ ولید بن عبد الملک نے مدینہ منورہ میں مسجد نبوی ﷺ کی آرائش کے لئے مال بھیجا تو عمر بن عبد العزیز نے اس کو محتاجوں میں خیرات کیا یہ سب دلائل تزئین مساجد کی کراہت پر شاہد ہیں۔

لیکن فقہاء احناف کے نزدیک اس میں کوئی قباحت نہیں دلیل یہ ہے کہ فاروق اعظمؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں مسجد نبوی کو کشادہ بھی کیا اور آراستہ بھی۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ مساجد کو آراستہ کرنے کی وجہ سے لوگ اعتکاف کی طرف بھی رغبت کریں گے اور نماز کے انتظار میں وہاں بیٹھیں گے بھی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بات حسن ہے لہٰذا مساجد کو آراستہ کرنا بھی حسن ہوگا۔ اور اگر حسن نہ ہو تو مکروہ بھی نہ ہوگا جیسا کہ ہمارا مذہب ہے۔

شمس الائمہ سرخسی نے کہا کہ ماتن کے قول لا بأس سے اس طرف اشارہ ہے کہ مساجد کو منقش اور مزین کرنے پر نہ ثواب مرتب ہوگا اور نہ گناہ اور معصیت کا۔ بعض حضرات نے کہا کہ مساجد کو آراستہ کرنا عبادت ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو مساجد کی عمارت یعنی ان کو آباد کرنے اور آراستہ کرنے پر ابھارا اور راغب کیا ہے چنانچہ ارشاد باری ہے اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ نیز کعبۃ اللہ کو سونے اور چاندی کے پانی سے مزخرف اور مزین کیا گیا ہے۔ دیباج یعنی ریشمی کپڑے سے چھپایا گیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ خانہ خدا کو آراستہ کرنا عبادت اور باعث ثواب ہے۔ علامہ ابن الہمام نے کہا کہ مساجد کو آراستہ کرنا عبادت ہے کہ اس میں مساجد کی تعظیم وتوقیر ہے۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ تزئین مساجد کا عبادت ہونا یا اس میں مضائقہ نہ ہونا اس وقت ہے جبکہ متولی اپنا ذاتی مال خرچ کرے بشرطیکہ وہ حلال ہو۔ وہ مال خرچ نہ کرے جو مسجد بنوانے والے نے اس کے مصارف پر وقف کیا ہے۔ چنانچہ متولی مال وقف میں سے وہ کام کرے گا جس سے عمارت مضبوط ہو نہ کہ وہ کام جس کا مرجع نقش ونگار ہو تو متولی اس مال کا ضامن ہوگا۔ یعنی متولی کو اپنے پاس سے تاوان دینا پڑے گا۔ ابوبکر رازی سے مروی ہے کہ ہمارے زمانہ میں ظالموں کے خوف سے بچا ہوا مال عمارت کے استحکام کے...

پر خرچ کرنا جائز ہے یعنی متولی ضامن نہ ہوگا۔ جمیل عفی عنہ

باب صلوٰۃ الوتر

ترجمہ...... (یہ) باب نماز وتر کے (بیان میں) ہے۔

تشریح...... جب مصنف علیہ الرحمہ مفروضات اور ان کے متعلقات یعنی اوقات، کیفیت ادا اور ادا کامل اور قاصر کے بیان سے فارغ ہو گئے تو اب اس باب کے تحت اس نماز کا بیان ہے جو فرض سے کمتر اور نفل سے برتر ہے یعنی صلوٰۃ وتر۔ اس مناسبت کی وجہ یہ ہے کہ آگے نوافل کا بیان ہے۔ پس واجب یعنی وتر کو فرض اور نفل کے درمیان میں ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ اس کا حق ہے۔

وتر کی شرعی حیثیت.........اقوالِ فقہاء و دلائل

الوتر واجب عند ابی حنیفة وقالا سنة لظهور آثار السنن فيه حيث لا يكفر جاحده ولا يؤذن له ولابی حنيفة قوله عليه السلام أن الله تعالىٰ زادكم صلاة ألا وهی الوتر فصلوها ما بين العشاء الى طلوع الفجر امر وهو للوجوب ولهذا وجب القضاء بالإجماع وإنما لا يكفر جاحده لان وجوبه ثبت بالسنة وهو المعنى بما روى عنه انه سنة وهو يؤدى فی وقت العشاء فاكتفى بأذانه وإقامته

ترجمہ...... وتر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے۔ اور صاحبین نے کہا کہ وتر سنت ہے۔ کیونکہ وتر میں سنتوں کے آثار ظاہر ہیں۔ چنانچہ وتر کا منکر کافر نہیں ہوتا۔ اور وتر کے لئے اذان نہیں ہے۔ اور ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے واسطے ایک نماز زائد فرمائی ہے۔ آگاہ رہو کہ وہ وتر ہے۔ پس اس کو عشاء اور طلوع فجر کے درمیان پڑھو۔ حدیث میں امر ہے اور امر وجوب کے لئے آتا ہے اسی وجہ سے وتر کی قضاء بالاجماع واجب ہے اور اس کے منکر کی تکفیر اس لئے نہیں ہوتی کہ اس کا وجوب سنت سے ثابت ہے۔ یہی معنی ہیں اس قول کے جو ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ وتر سنت ہے اور وتر چونکہ عشاء کے وقت میں ادا کیا جاتا ہے۔ تو عشاء کی اذان اور اقامت پر اکتفاء کیا گیا۔

تشریح...... وتر کے مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ سے تین روایات ہیں اول یہ کہ وتر واجب ہے۔ دوم یہ کہ وتر سنت مؤکدہ ہے اسی کو صاحبین اور امام شافعی نے اختیار کیا ہے۔ سوم یہ کہ وتر فرض ہے یہ قول امام زفرؒ اور مالکیہ کا ہے۔ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ وتر میں سنتوں کے آثار ظاہر ہیں۔ مثلاً سنتوں کی طرح وتر کا منکر کافر نہیں ہے۔ اور نہ ہی وتر کے لئے اذان دی جاتی جیسا کہ سنتوں کے لئے اذان نہیں ہوتی۔ پس معلوم ہوا کہ وتر سنت ہے۔

صاحب شرح نقایہ نے صاحبین کی طرف سے نقلی دلیل بھی بیان فرمائی ہے دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ایک اعرابی سے فرمایا تھا خمس صلوٰۃ کتبهن الله علیک قال هل علی غیرها قل لا الا ان تطوع یعنی اللہ جل شانہ نے تجھ پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اعرابی نے کہا کہ اس کے علاوہ بھی مجھ پر فرض ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں مگر یہ کہ نفل پڑھے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پانچ وقتی نمازوں کے علاوہ سب نفل ہیں لہٰذا وتر کا واجب ہونا ثابت نہیں ہوگا کیونکہ وتر بھی پانچ نمازوں کے علاوہ ہے۔

دوم یہ کہ صحیحین میں ابن عمرؓ سے مروی ہے ان النبی ﷺ اوتر علی البعیر یعنی نبی کریم ﷺ نے وتر کی نماز سواری پر پڑھی بات ظاہر ہے کہ سواری پر نفل نماز ادا کی جا سکتی ہے نہ کہ فرض اور واجب پس اگر وتر کی نماز واجب ہوتی تو آنحضرت ﷺ سواری پر ادا نہ فرماتے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل حضور ﷺ کا یہ قول ہے ان اللہ تعالیٰ زادکم صلوٰۃ الا و ھی الوتر فصلوھا ما بین العشاء الی طلوع الفجر صاحب عنایہ نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے چند طریقوں پر استدلال کیا گیا ہے۔ اول یہ کہ زیادتی کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہے اور سنتوں کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کی جاتی پس اگر وتر کی نماز سنت ہوتی تو حدیث میں بجائے اللہ کی طرف نسبت کرنے کے رسول کی طرف نسبت کی جاتی لیکن چونکہ رسول کی طرف نسبت نہیں کی گئی اس لئے وتر کی نماز سنت نہیں بلکہ واجب ہوگی۔

دوم یہ کہ کسی چیز پر زیادتی اسی وقت ہوتی ہے جبکہ شی مزید علیہ (جس پر زیادتی کی گئی ہو) محدود العدد ہو اور یہ مسلم ہے کہ نوافل غیر محدود ہیں ان کی کوئی انتہا نہیں پس زیادتی فرائض پر ہوگی۔ کیونکہ محدود العدد ہیں اور چونکہ مزید (جس کی زیادتی کی گئی) کا مزید علیہ کے ہم جنس ہونا ضروری ہے اس لئے اس کی مقتضی یہ ہے کہ فرائض پر جس چیز کی زیادت کی گئی یعنی وتر کی وہ بھی فرض ہو مگر چونکہ حدیث خبر واحد ہونے کی وجہ دلیل غیر قطعی ہے اور دلیل غیر قطعی سے واجب تو ثابت ہو سکتا ہے لیکن فرض ثابت نہیں ہوتا اس لئے وتر واجب ہوگا۔

سوم یہ کہ حدیث مذکور میں فصلوھا امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کے لئے آتا ہے لہذا اس سے بھی وتر کا وجوب ثابت ہوگا۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ وتر چونکہ واجب ہے اس لئے اس کی قضاء واجب ہوتی ہے ورنہ سنتوں کی قضاء واجب نہیں ہوتی صاحب کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ سردار دو جہاں ﷺ نے فرمایا کہ الوتر حق واجب فمن لم یوتر فلیس منا وتر حق واجب ہے جس نے وتر کی نماز نہیں پڑھی وہ ہم میں سے نہیں ہے (ابوداؤد) مسلم شریف میں ابوسعید خدریؓ کی حدیث ہے النبی ﷺ قال اوتروا قبل ان تصبحوا یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ صبح ہونے سے پہلے پہلے وتر پڑھ لو۔ اس حدیث میں امر کا صیغہ ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

صاحبین کی طرف سے پیش کردہ عقلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ وتر کا منکر کافر اس لئے نہیں ہوتا کہ وتر کا ثبوت سنت غیر متواترہ سے اور یہ جو امام ابوحنیفہؒ سے روایت ہے کہ وتر سنت ہے اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ وتر کا ثبوت تو سنت سے ہے اور چونکہ وتر کی نماز عشاء کے وقت میں ادا کی جاتی ہے اس لئے عشاء کی اذان اور اقامت پر اکتفاء کیا گیا۔ وتر کے لئے علیحدہ اذان واقامت کی ضرورت نہیں

صاحبین کی طرف سے پیش کردہ حدیث اعرابی کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث وجوب وتر سے پہلے کی ہے۔ اور حدیث ابن عمرؓ اوتر علی البعیر کا جواب بقول طحاویؒ کے یہ ہے کہ حدیث ابن عمر، حدیث حنظلہ بن ابی سفیان عن نافع عن ابن عمر کے معارض ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں انہ کان یصلی علی راحلته و یوتر بالارض و یزعم ان النبی ﷺ فعل ذلک یعنی ابن عمرؓ سواری پر نماز پڑھتے تھے مگر وتر زمین پر پڑھتے۔ اور ابن عمر فرماتے تھے کہ نبیؐ نے یہی کیا یعنی وتر کی نماز زمین پر ادا کی۔ پس جب ابن عمرؓ کی روایتوں میں تعارض واقع ہوگیا تو دونوں ساقط ہو جائیں گی۔

وتر کی تین رکعتیں ایک سلام کے ساتھ پڑھی جائیں

قال الوتر ثلاث ركعات لا يفصل بينهن بسلام لما روت عائشةؓ انه عليه السلام كان يوتر بثلاث وحكى الحسن اجماع المسلمين على الثلاث وهذا احد اقوال الشافعيؒ وفي قول يوتر بتسليمتين وهو قول مالك والحجة عليهما ما رويناه

ترجمہ۔۔۔ وتر تین رکعات ہیں۔ ان میں سلام سے جدائی نہ کرے کیونکہ حضرت عائشہؓ نے روایت کیا کہ حضور ﷺ وتر تین رکعات پڑھتے تھے۔ اور حسن بصری نے تین رکعات پر مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے۔ اور یہی امام شافعیؒ کے اقوال میں سے ایک قول ہے۔ اور ایک قول میں دو سلاموں کے ساتھ وتر پڑھے۔ اور یہی امام مالک کا قول ہے اور دونوں کے خلاف حجت وہ حدیث ہے جس کو ہم روایت کر چکے۔

تشریح۔۔۔ وتر کی رکعتوں کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے۔ اور اس بات میں اختلاف ہے کہ وتر ایک سلام کے ساتھ ہے یا دو سلاموں کے ساتھ۔ علماء احناف کے نزدیک وتر کی تین رکعتیں ایک سلام کے ساتھ واجب ہیں۔ درمیان میں ایک اور سلام لا کر ان کے درمیان فصل نہ کرے۔ امام شافعیؒ کے دو قول ہیں ایک قول تو احناف کے قول کے مطابق ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وتر کی تین رکعتیں دو سلاموں کے ساتھ ادا کرے۔ یہی قول امام مالک کا ہے اور بعض نے کہا کہ وتر کی ایک رکعت ہے۔

ایک رکعت کے قائلین نے حدیث ابن عمرؓ سے استدلال کیا ہے۔ حدیث یہ ہے ان رجلا سأل النبی ﷺ عن صلاة الليل فقال مثنىٰ مثنىٰ فاذا خشيت الصبح فصل ركعة توتر لك ما صليت یعنی حضور ﷺ سے کسی آدمی نے صلاۃ اللیل کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ دو دو رکعتیں ہیں۔ پس جب تجھ کو طلوع صبح کا اندیشہ ہو تو ایک رکعت پڑھ کہ وہ تیرے لئے پڑھی ہوئی نماز کو وتر کر دے گی نیز مسلم شریف میں ابن عمرؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ الوتر ركعة من آخر الليل یعنی آخر رات میں وتر ایک رکعت ہے۔ نیز حضور ﷺ سے روایت ہے قال من احب ان يوتر بخمس فليفعل و من احب ان يوتر بواحدة فليفعل یعنی آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے وتر کی پانچ رکعات کو پسند کیا تو اس کو کرے اور جس نے ایک رکعت کو پسند کیا تو وہ اس کو کرے۔ وتر کی سات، نو اور گیارہ رکعت کی تعداد بھی مروی ہے۔ (عنایہ)

ہمارے دلائل یہ ہیں:۔

(۱) حضرت عائشہؓ سے مروی ہے ان النبی ﷺ كان يوتر بثلاث ركعات

(۲) حسن بصریؒ نے وتر کی ایک سلام کے ساتھ تین رکعات پر مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے چنانچہ حسن بصریؒ سے مروی ہے قال اجمع المسلمون على ان الوتر ثلث لا يسلم الا في آخرهن یعنی کہا کہ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ وتر کی تین رکعتیں ہیں صرف ان کے آخر میں سلام پھیرے۔

(۳) عن عائشة قالت كان رسول الله ﷺ لا يسلم في الركعتين الا وليين من الوتر یعنی حضرت عائشہؓ نے کہا کہ حضور ﷺ وتر کی پہلی دو رکعتوں میں سلام نہیں پھیرتے تھے۔

۴) ابن مسعودؓ سے مروی ہے وتر اللیل ثلث کوتر النهار یعنی رات کا وتر تین رکعتیں ہیں جیسا کہ دن کا وتر تین رکعتیں
کے وتر سے مراد مغرب کی نماز ہے۔ (فتح القدیر)

۵) ابوخالد نے بیان کیا کہ میں نے جلیل القدر تابعی ابوالعالیہ سے وتر کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا کہ علمنا اصحاب ر
ط ان الوتر مثل صلوٰة المغرب هذا وتر اللیل و هذا وتر النهار یعنی ہم کو اصحاب رسول اللہ ﷺ نے تعلیم
مغرب کی نماز کے مانند ہے۔ یہ رات کا وتر ہے اور یہ یعنی مغرب دن کا وتر ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ مغرب کی نماز کی
بھی تین رکعتیں ہیں۔

۶) عن عائشة ان النبی ﷺ کان یوتر بثلاث یقرأ فی اول رکعة سبح اسم ربک و فی الثانیة قل یایها الکا
فی الثالثة قل هو الله والمعوذتین یعنی حضور ﷺ تین رکعتیں وتر کی پڑھتے تھے، پہلی میں سبح اسم ربک
رکعت میں قل یا ایها الکافرون، اور تیسری رکعت میں قل هو الله احد اور معوذتین پڑھتے تھے۔

۷) مشہور اثر ہے نهی رسول الله ﷺ عن البتیراء یعنی حضور ﷺ نے صلوٰة بتیراء یعنی ایک رکعت پڑھنے سے منع فرمایا
جو حضرات وتر کی ایک رکعت کے قائل ہیں ان کی طرف سے پیش کردہ حدیث ابن عمرؓ کا جواب بقول امام طحاویؒ یہ ہے کہ
کے قول فصل رکعة کے معنی یہ ہیں۔ صل رکعة مع ثنتین قبلها یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس سے پہلی دو رکعتوں
کر ایک رکعت اور پڑھ لے۔ پس اب تین رکعتیں ہوئیں نہ کہ ایک۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ایک رکعت یا پانچ رکعتیں یا سات
کی روایت استقرار وتر سے پہلے کی ہیں۔ لیکن جب تین رکعتوں پر استقرار ہو گیا اور ٹھہراؤ ہو گیا تو باقی روایتیں منسوخ ہو گئیں۔

قنوت وتر کب پڑھی جائے؟ رکوع سے پہلے یا بعد میں ...... اقوالِ فقہاء

و یقنت فی الثالثة قبل الرکوع وقال الشافعی بعده لما روی انه علیه السلام قنت فی آخر الوتر بعد الرکوع ولنا ماروی انه علیه السلام قنت قبل الرکوع ومازاد علی نصف الشیء آخره.

ترجمہ...... اور تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھے اور امام شافعیؒ نے کہا کہ رکوع کے بعد (قنوت پڑھے) کیونکہ مروی
آنحضرت ﷺ نے آخر وتر میں قنوت پڑھا اور آخر وتر رکوع کے بعد ہوگا۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ روایت کیا گیا کہ حضور ﷺ
سے پہلے قنوت پڑھا۔ اور کسی چیز کے آدھے پر جو متجاوز ہو وہ اس کا آخر ہے۔

تشریح...... اس عبارت میں دعاء قنوت کے محل کا ذکر ہے ہمارے نزدیک دعاء قنوت کا محل رکوع سے پہلے ہے اور شوافع کے نزدیک
کے بعد ہے۔

شوافع کی دلیل یہ ہے کہ انه علیه السلام قنت فی آخر الوتر یعنی حضور ﷺ نے آخر وتر میں قنوت پڑھا اور آخر وتر
بعد ہوتا ہے۔ لہٰذا قنوت رکوع کے بعد پڑھا جائے گا۔

ہماری دلیل ابی بن کعبؓ کی روایت ہے ان رسول الله ﷺ کان یوتر فیقنت قبل الرکوع یعنی حضور ﷺ وتر
قنوت رکوع سے پہلے پڑھتے، جو الفاظ صاحب ہدایہ نے بیان فرمائے ہیں وہ عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہیں۔ نیز ہمارے مذہب

اس کے بھی ہوتی ہے عن عاصم الاحول سألت انسا عن القنوت فی الصلوة قال نعم فقلت اكان قبل الركوع او بعده قال قبله قلت فان فلانا اخبرنی عنک انک قلت بعده قال كذب انما قنت رسول الله ﷺ بعد الركوع شهرا یعنی عاصم احول سے مروی ہے کہ میں نے حضرت انسؓ سے قنوت فی الصلوٰۃ کے بارے میں دریافت کیا تو کہا کہ ہاں، میں نے کہا رکوع سے پہلے یا بعد میں، فرمایا کہ رکوع سے پہلے، میں نے کہا کہ فلاں نے مجھ کو آپ کی طرف سے یہ خبر دی کہ آپ نے کہا کہ رکوع کے بعد ہے۔ انسؓ نے کہا کہ وہ شخص جھوٹا ہے۔ حضور ﷺ نے صرف ایک ماہ رکوع کے بعد قنوت پڑھا۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ قنوت رکوع سے پہلے ہے نہ کہ بعد میں۔ رہا امام شافعیؒ کی پیش کردہ روایت کا جواب تو اس کے بارے میں عرض ہے کہ حدیث میں قنت فی آخر الوتر کے الفاظ ہیں اور شئی کے آدھے سے جو زائد ہو اس پر آخر کا اطلاق کیا جاتا ہے لہٰذا تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے پر بھی آخر وتر کا اطلاق ہو جائے گا۔ پس یہ حدیث بھی ہمارے خلاف نہ ہوگی۔ جمیل احمد

قنوتِ وتر پورا سال پڑھی جائے گی، امام شافعیؒ کا نقطہ نظر

ویقنت فی جميع السنة خلافا للشافعی فی غير النصف الاخير من رمضان لقوله عليه السلام للحسن بن علی حين علمه دعاء القنوت اجعل هذا فی وترک من غير فصل

ترجمہ — اور پورے سال قنوت پڑھے۔ رمضان کے نصف اخیر کے علاوہ میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے کیونکہ حضور ﷺ نے حسنؓ بن علیؓ سے کہا جبکہ حسن کو دعاء قنوت سکھلائی کہ اس کو اپنے وتر میں داخل کر، بغیر کسی تفصیل کے۔

تشریح — ہمارے نزدیک وتر میں پورے سال دعائے قنوت کا پڑھنا واجب ہے حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک فقط رمضان المبارک کے نصف اخیر میں دعاء قنوت پڑھنا مستحب ہے اور جواز بلا کراہت پورے سال ہے۔ (عین الہدایہ)

امام شافعیؒ کی دلیل یہ روایت ہے ان عمر امر ابی بن كعب بالا مامة فی ليال رمضان و امر بالقنوت فی النصف الا خیر منه، یعنی حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب کو رمضان کی راتوں میں امامت کا حکم فرمایا اور رمضان کے نصف اخیر میں دعاء قنوت کا فرمایا

اور ہمارے نزدیک دلیل یہ حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے حسن بن علیؓ کو دعاء قنوت کی تعلیم دی اور پھر فرمایا کہ اجعل هذا فی وترک یعنی اس دعا کو اپنے وتر میں داخل کر لو۔ اس میں رمضان اور غیر رمضان کی کوئی تفصیل نہیں ہے لہٰذا پورے سال دعاء قنوت کا پڑھنا ثابت ہے۔ امام شافعیؒ کے پیش کردہ اثرِ عمرؓ کا جواب یہ ہے کہ قنوت سے مراد نماز کے اندر طول قرأۃ ہے یعنی حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب کو رمضان کے نصف آخر میں طول قراءۃ کا امر فرمایا۔ اس جواب کے بعد یہ اثر امام شافعیؒ کا مستدل نہیں ہو سکے گا۔ اور اگر تسلیم بھی کر لیں کہ قنوت سے مراد دعاء قنوت ہے نہ کہ طول قراءت۔ تو ہم جواب دیں گے کہ یہ صحابی کا اثر ہے اور امام شافعیؒ صحابی کے اثر کو قابل استدلال نہیں سمجھتے۔ لیکن امام شافعیؒ کی طرف سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ اثر اس لئے قابل استدلال ہے کہ یہ معنی اجماع ہے کیونکہ حضرت ابی بن کعب صحابہ کی ایک بڑی جماعت کی موجودگی میں امامت فرماتے تھے اور کسی صحابی نے اس پر نکیر نہیں کی اس لئے یہ اجماع کے قائم مقام ہو گیا۔

ہم جواب میں کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ کا اختلاف ثابت ہے۔ کیونکہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ لا اعرف القنوت الاطول القيام یعنی میرے

نزدیک طول قیام کے علاوہ قنوت کے کوئی معنی نہیں ہیں پس ابن عمرؓ کے اختلاف کے ساتھ اجماع کس طرح منعقد ہوسکتا ہے

وتر میں ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورۃ پڑھی جائے گی

ویقرأ فی کل رکعة من الوتر فاتحة الکتاب وسورة لقوله تعالیٰ فَاقْرَؤُا مَا تَیَسَّرَ

ترجمہ...... اور وتر کی ہر رکعت میں فاتحہ اور کوئی سورت پڑھے۔ کیونکہ باری تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن میں سے جو آسان ہو پڑھو

تشریح...... وتر کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور دوسری کسی سورت کا پڑھنا بالاتفاق واجب ہے صاحبین اور امام شافعیؒ کے نزدیک تو اس لئے کہ وتر سنت ہے اور سنن ونوافل کی ہر رکعت میں قرأت ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وتر اگرچہ واجب ہے لیکن چونکہ اس کا ثبوت سنت سے ہے اور سنت مفید یقین نہیں ہوتی اس لئے وتر کے واجب ہونے میں ایک گونہ شبہ رہا۔ پس احتیاطاً وتر کی ہر رکعت میں قرأت کو واجب قرار دیا، جیسا کہ سنتوں اور نوافل کی ہر رکعت میں قرأت واجب ہے۔

صاحب ہدایہ کا باری تعالیٰ کے قول فاقرؤا ما تیسر من القران سے استدلال کرنا مطلق قرأت کے وجوب پر تو ہو سکتا ہے فاتحہ کی تعیین اور ضم سورت کی تعیین پر نہیں ہوسکتا۔

قنوت پڑھنے کا طریقہ

وان اراد ان یقنت کبر لان الحالة قد اختلفت ورفع یدیه وقنت لقوله علیه السلام لاترفع الایدی الا فی سبع مواطن وذکر منها القنوت

ترجمہ...... اور اگر قنوت پڑھنا چاہے تو تکبیر کہے کیونکہ حالت بدل گئی اور دونوں ہاتھ اٹھائے اور قنوت پڑھے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہاتھ نہ اٹھائے جائیں مگر سات جگہوں میں اور انہیں سات میں قنوت کا ذکر کیا۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ تیسری رکعت میں قرأت فاتحہ اور ضم سورت کے بعد جب دعاء قنوت پڑھنے کا ارادہ کرے تو ہاتھ کانوں تک اٹھائے اور تکبیر کہے پھر دعائے قنوت پڑھے۔ تکبیر کہنا واجب ہے۔ دلیل یہ ہے کہ مصلی کی حالت بدل گئی ہے یعنی حقیقت قرأۃ میں مشغول تھا اور اب شبیہ قرأت یعنی دعاءِ قنوت میں مشغول ہوگا اور چونکہ تکبیرات مشروع کی گئی ہیں حالت بدلنے کے وقت، اس لئے اس موقع پر بھی تکبیر کہنا واجب ہے۔ لیکن اس دلیل پر بعض حضرات نے اعتراض کیا ہے۔ وہ یہ کہ تکبیر اس وقت مشروع کی گئی ہے جبکہ افعال کے اندر تبدیلی واقع ہو۔ یعنی ایک فعل سے دوسرے فعل کی طرف منتقل ہوتے وقت۔ جیسے جھکتے اور اٹھتے وقت تکبیر مشروع ہے، اقوال کے اندر اختلاف کے وقت تکبیر مشروع نہیں ہوئی ہے۔ چنانچہ آپ غور کریں کہ مصلی جب ثناء کے بعد قرأت شروع کرتا ہے تو اس وقت تکبیر نہیں ہے۔ حالانکہ ثناء سے قرأت کی طرف حالت تبدیل ہوگئی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اختلاف اقوال کے وقت تکبیر مشروع نہیں، بلکہ اختلاف افعال کے وقت مشروع ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حالت میں ہاتھوں کا اٹھانا حضور ﷺ کے قول لا ترفع الایدی الا فی سبع مواطن سے ثابت ہے اور نماز کے اندر ہاتھوں کا اٹھانا بغیر تکبیر کے غیر مشروع ہے۔ جیسے تکبیر افتتاح اور تکبیرات عیدین میں پس اس حدیث سے

قنوت ہو جائے گا۔

وتر کے علاوہ قنوت کا حکم، اقوالِ فقہاء

ولایقنت فی صلوۃ غیرھا خلافا للشافعی فی الفجر لما روی ابن مسعود انه علیه السلام قنت فی صلوۃ الفجر شهرا ثم ترکه

ترجمہ۔۔۔۔اور سوائے وتر کے کسی نماز میں قنوت نہ پڑھے۔ فجر کی نماز میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے۔ کیونکہ ابن مسعودؓ نے روایت کی کہ حضور ﷺ نے فجر کی نماز میں ایک ماہ تک قنوت پڑھا پھر اس کو چھوڑ دیا۔

تشریح۔۔۔۔علماء احناف کے نزدیک سوائے وتر کے کسی نماز میں قنوت نہیں ہے۔ امام شافعیؒ نے کہا کہ فجر کی نماز میں قنوت مسنون ہے۔ ابونصر بغدادی نے کہا کہ امام شافعیؒ کے نزدیک فجر کی نماز میں قنوت پڑھنا مسنون ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل حدیث انسؓ ہے کان النبی ﷺ یقنت فی صلوۃ الفجر الی ان فارق الدنیا یعنی حضور ﷺ فجر کی نماز میں قنوت پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے۔

احناف کی دلیل ابن مسعود کی حدیث ہے ان النبی ﷺ قنت فی صلوۃ الفجر شهرا یدعو علی حی من احیاء العرب حضور ﷺ نے ایک ماہ فجر کی نماز میں قنوت پڑھا عرب کے کسی قبیلہ کے لئے بددعا فرماتے تھے۔ خود حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ قال قنت رسول الله ﷺ فی صلاۃ الفجر شهرا او قال اربعین یوما علی اهل ذکوان و عصبة حین قلتوا اهراء و هم سبعون رجلا او ثمانون یعنی حضور ﷺ نے ایک ماہ یا چالیس یوم قنوت پڑھا، مقصد ان لوگوں پر بددعا کرنا تھا جنہوں نے ستر یا اسی قراء کو شہید کر دیا تھا اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے فجر کی نماز میں چند یوم کے علاوہ دعاء قنوت نہیں پڑھی۔ ابو عثمان نہدیؒ نے کہا صلیت خلف ابی بکرؓ سنتین و صلیت خلف عمرؓ کذلک فلم ار واحدا منهما یقنت فی صلوۃ الفجر یعنی میں نے ابوبکر اور عمرؓ کے پیچھے دو دو سال نماز پڑھی مگر ان میں سے کسی کو نماز فجر میں دعاء قنوت پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔

قنوتِ نازلہ فجر کی نماز میں پڑھی جائے گی اور مقتدی کے لئے قنوت پڑھنے کا حکم......اقوالِ فقہاء

فان قنت الامام فی الصلوۃ الفجر یسکت من خلفه عند ابی حنیفه و محمد و قال ابو یوسف یتبعة لانه تبع لامامه والقنوت فی الفجر مجتهد فیه ولهما انه منسوخ ولامتابعة فیه ثم قیل یقف قائما لیتابعه فیما تجب متابعة وقیل یقعد تحقیقا للمخالفة لان الساکت شریک الداعی والاول اظهر ودلت المسألة علی جواز الاقتداء بالشفعویة وعلی المتابعة فی قراءة القنوت فی الوتر واذا علم المقتدی منه ما یزعم به فساد صلاته کالفصد وغیره لایجزیه الاقتداء به والمختار فی القنوت الاخفاء لانه دعاء.

ترجمہ۔۔۔۔پھر اگر امام نے فجر کی نماز میں قنوت پڑھا تو جو لوگ اس کے پیچھے ہیں۔ طرفین کے نزدیک وہ سکوت کریں اور امام ابو یوسفؒ نے کہا کہ امام کی اتباع کریں کیونکہ مقتدی اپنے امام کے تابع ہے اور فجر میں قنوت امر مجتہد فیہ ہے اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ قنوت

منسوخ ہے اور منسوخ میں متابعت نہیں ہے پھر کہا گیا کہ ٹھہرا رہے تا کہ ایسے میں امام کی متابعت کرے جس میں اس کی متابعت
ہے۔ اور بعض نے کہا کہ مقتدی بیٹھ جائے تا کہ مخالفت ثابت ہو جائے کیونکہ مساکت داعی کا شریک ہوتا ہے۔ اور اول اظہر ہے۔
مسئلہ نے اس بات پر دلالت کی کہ شافعی المسلک کے پیچھے اقتداء کرنا جائز ہے۔ اور اس بات پر دلالت کی کہ وتر میں قنوت پڑھنے میں
کی اتباع کرے اور جب مقتدی (حنفی) کو امام (شافعی المذہب) سے ایسی بات معلوم ہو جائے جس سے اس کی نماز فاسد ہو جاتی
جیسے فصد وغیرہ۔ تو اس حنفی کے لئے اس کی اقتداء کرنا کافی نہ ہوگا۔ اور قنوت میں مختار اخفاء ہے کیونکہ وہ دعا ہے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر امام شافعی المسلک نے فجر کی نماز میں دعاءِ قنوت پڑھی اور مقتدی حنفی المذہب ہو تو ایسی صورت
میں طرفین کے نزدیک حنفی المسلک مقتدی سکوت کرے، قنوت نہ پڑھے۔ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ مقتدی بالیقین امام کا تابع
ہے۔ اور اصل یہ ہے کہ مقتدی امام کی متابعت کرے۔ اور فجر کی نماز میں قنوت پڑھنا مختلف فیہ ہے کیونکہ بعض مجتہدین کے نزدیک فجر کی
نماز میں قنوت پڑھنا مسنون ہے اور بعض کے نزدیک فجر کی نماز میں قنوت تھا مگر منسوخ ہو گیا۔ پس اس اختلاف کی وجہ سے فجر کی نماز
قنوت کا پڑھنا نہ پڑھنا نہ مشکوک اور محتمل ہے۔ اور یہ اصول ثابت شدہ ہے کہ اصل اور یقینی چیز کو شک کی وجہ سے ترک نہیں کیا جاتا اس لئے
متابعتِ امام کو ترک نہ کیا جائے بلکہ امام کی متابعت کرتے ہوئے حنفی المسلک مقتدی بھی قنوت پڑھے۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ فجر کی نماز میں قنوت پڑھنا منسوخ ہو چکا کیونکہ حضور ﷺ نے فجر میں ایک ماہ قنوت پڑھا اور پھر اس کو ترک کر
دیا۔ اور منسوخ میں متابعت نہیں کی جاتی اس لئے حنفی المسلک مقتدی قنوت پڑھنے میں امام کی متابعت نہ کرے بلکہ خاموش کھڑا رہے۔

رہی یہ بات کہ مقتدی جب متابعت نہیں کرے گا تو کیا کرے تو اس بارے میں بعض حضرات کی رائے تو یہ ہے کہ مقتدی خاموش کھڑا
رہے تا کہ جس چیز میں متابعت واجب ہے اس میں متابعت ہو جائے یعنی قیام اور قنوت دو چیزیں ہیں۔ پس حنفی المسلک مقتدی قیام میں
اپنے امام کی متابعت کرے۔ اور قنوت میں متابعت نہ کرے۔

اور بعض کا قول ہے کہ جب شافعی المسلک امام قنوت پڑھنا شروع کرے تو حنفی المسلک مقتدی بیٹھ جائے۔ تا کہ امام کی مکمل مخالفت
ظاہر ہو۔ کیونکہ خاموش رہنے والا دعاء کرنے والے کا شریک شمار ہوتا ہے۔ جیسے مقتدی قرأت نہیں کرتا بلکہ خاموش رہتا ہے لیکن اس کے
باوجود قرأت میں امام کا شریک ہوتا ہے۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ قول اول اظہر ہے۔ یعنی ساکت کھڑا رہنا ہی اظہر ہے۔ صاحب عنایہ نے اظہر ہونے کی وجہ یہ ذکر کی ہے کہ
امام کا فعل مشروع اور غیر مشروع دونوں پر مشتمل ہے پس قیام جو مشروع ہے اس میں امام کی اتباع کرے اور قنوت جو غیر مشروع ہے اس
میں اتباع نہ کرے بلکہ خاموش کھڑا رہے۔ عین الہدایہ میں لکھا ہے کہ قول اول اس لئے اظہر ہے کہ نماز میں امام کی مخالفت پیدا کرنا اگر
کسی رکن یا شرط میں نہ ہو دو وجہ سے برا ہے۔ اول تو یہ شانِ اقتداء کے خلاف ہے کیونکہ حدیث میں ہے انما جعل الامام لیؤتم به
یعنی امام تو اسی لئے ہوتا ہے کہ اس کی متابعت کی جائے۔ دوم یہ کہ یہ فعل اگر چہ کثیر نہ ہونے کی وجہ سے مفسد نہیں لیکن قلیل مکروہ ہے۔

بعض حضرات نے کہا کہ جب امام قنوت پڑھے تو حنفی المسلک مقتدی بیٹھ کر التحیات وغیرہ پڑھ کر امام سے پہلے ہی سلام پھیر دے
کیونکہ امام، حنفی المسلک مقتدی کے نزدیک بدعت میں مشغول ہو گیا لہٰذا اس کے انتظار کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

مصنف ہدایہ نے اس قول کو ذکر نہیں کیا کیونکہ اس صورت میں سلام جو امر مشروع ہے اس میں امام کی مخالفت کرنا لازم آتا ہے اور

کسی طرح مناسب نہیں۔

ودلت المسألة علی جواز الاقتداء اس عبارت سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ یہ مسئلہ دو باتوں پر دلالت کرتا ہے اول یہ کہ حنفی المذہب کا شافعی المذہب کی اقتداء کرنا جائز ہے۔ اسی طرح مالکی اور حنبلی کی اقتداء کرنا بھی جائز ہے۔ دوم یہ کہ مقتدی قنوت وتر میں اپنے امام کی متابعت کرے گا۔ کیونکہ اختلاف قنوت فجر میں متابعت کرنے کے سلسلہ میں ہے نہ کہ قنوت وتر میں۔ پس جہاں قنوت مسنون بلکہ واجب ہے وہاں مقتدی خاموش نہ رہے گا بلکہ قنوت پڑھے گا۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ اگر حنفی المسلک مقتدی کو اپنے شافعی المسلک امام کی طرف سے یقینی طور پر کوئی ایسی بات معلوم ہو جائے کہ احناف کے مذہب کے مطابق اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے تو اس حنفی کے لئے اس کی اقتداء کرنا جائز نہ ہوگا۔ مثلاً شافعی المسلک امام نے وضو کیا پھر فصد وغیرہ لگوائی یا غیر سبیلین سے خروج نجاست پایا گیا۔ اور وضو کا اعادہ نہیں کیا تو حنفی کے لئے اس کی اقتداء کرنا جائز نہیں ہوگا کیونکہ یہ چیزیں شوافع کے نزدیک اگرچہ ناقض وضو نہیں لیکن احناف کے نزدیک ناقض ہیں۔ اس لئے کہ حنفی المذہب مقتدی کے گمان کے مطابق اس کا امام محدث ہے اور محدث کے پیچھے اقتداء کرنا جائز نہیں۔

دعائے قنوت میں اخفار مختار ہے: فرمایا کہ قنوت میں اخفا مختار ہے دعاء قنوت پڑھنے والا خواہ مقتدی ہو خواہ منفرد ہو، کیونکہ قنوت ایک دعا ہے اور دعا میں اخفاء اولیٰ ہے۔ بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ قنوت بالجہر پڑھے۔ کیونکہ قنوت قرآن کے مشابہ ہے یہی وجہ ہے کہ اللّٰهم انا نستعينك کے بارے میں صحابہؓ نے اختلاف کیا ہے کہ آیا یہ قرآن ہے یا قرآن نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت ابن مسعودؓ کا قول یہ ہے کہ قنوت قرآن کی سورت ہے اور حضرت ابی بن کعبؓ کہتے ہیں کہ یہ قرآن نہیں ہے عامۃ العلماء بھی اسی کے قائل ہیں لیکن احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ حائضہ، نفساء اور جنبی اس کی قرأت سے اجتناب کریں۔ (کفایہ)

فوائد..... صاحب کفایہ نے لکھا ہے کہ سب سے طویل دعا قنوت وہ ہے جو حضرت عمرؓ سے مروی ہے اللّٰهم اغفرلنا و للمؤمنين والمومنات والمسلمين والمسلمات و الف بين قلوبهم و اصلح ذات بينهم و انصرهم على عدوك و عدوهم، اللّٰهم العن كفرة اهل الكتاب الذين يصدون عن سبيلك و يكذبون رسلك و يقاتلون اوليائك اللهم خالف بين كلمتهم و زلزل اقدامهم و انزل بهم بأسك الذى لا يرد عن القوم المجرمين بسم الله الرحمن الرحيم اللّٰهمّ انا نستعينك و نستغفرك و نؤمن بك و نتوكل عليك و نثنى عليك الخير و نشكرك ولا نكفرك و نخلع و نترك من يفجرك ، بسم الله الرحمن الرحيم اللّٰهمّ اياك نعبد و لك نصلى و نسجد و اليك نسعىٰ و نحفد و نرجو رحمتك و نخشى عذابك ان عذابك بالكفار ملحق ۔

بعض روایات میں اللّٰهمّ انا نستعينك سے آغاز کیا گیا ہے۔ جمیل احمد عفی عنہ

باب النوافل

ترجمہ..... (یہ) باب نوافل کے (بیان میں) ہے۔

تشریح..... سابق میں فرض اور واجب کا بیان تھا اس باب کے تحت سنن اور نوافل کا بیان ہے نفل کے معنی (جو فرض پر زائد ہو) چونکہ سنن کو

بھی شامل ہیں اس لئے عنوان میں فقط نوافل کا ذکر کیا گیا ہے اور سنن کا ذکر نہیں کیا گیا۔

سنن اور نوافل کا بیان، سنن مؤکدہ اور غیر مؤکدہ کی تعدادِ رکعات

السنة ركعتان قبل الفجر و اربع قبل الظهر و بعدها ركعتان و اربع قبل العصر و ان شاء ركعتين وركعتين بعد المغرب و اربع قبل العشاء و اربع بعدها وان شاء ركعتين والاصل فيه قوله عليه السلام من ثابر على ثنتى عشرة ركعة فى اليوم والليلة بنى الله له بيتا فى الجنة وفسر على نحو ما ذكر فى الكتاب غير انه لم يذكر الاربع قبل العصر فلهذا سماه فى الاصل حسنا وخير لاختلاف الاثار والافضل هو الاربع ولم يذكر الاربع قبل العشاء ولهذا كان مستحبا لعدم المواظبة وذكر فيه ركعتين بعد العشاء وفى غيره ذكر الاربع فلهذا خير الا ان الاربع افضل خصوصا عند ابى حنيفة على ماعرف من مذهبه والاربع قبل الظهر بتسليمة واحدة عندنا كذا قاله رسول الله ﷺ و فيه خلاف الشافعى.

ترجمہ...... مسنون فجر سے پہلے دو رکعتیں ہیں اور چار رکعتیں ظہر سے پہلے اور دو رکعت ظہر کے بعد اور چار رکعت عصر سے پہلے اور اگر چاہے تو دو رکعت (پڑھے) اور مغرب کے بعد دو رکعت اور عشاء سے پہلے چار رکعت اور چاہے تو دو رکعت (پڑھے) اور ان نمازوں کے مسنون ہونے میں اصل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے دن رات میں بارہ رکعات پر مواظبت کی اللہ تعالیٰ اس کے واسطے جنت میں ایک گھر بنائے گا۔ اور آنحضور ﷺ نے (بارہ رکعات) کی جو تفسیر فرمائی ہے اسی کے مطابق کتاب میں مذکور ہے مگر یہ کہ آپ ﷺ نے عصر سے پہلے کی چار رکعات کا ذکر نہیں فرمایا۔ اسی وجہ سے امام محمدؒ نے مبسوط میں ان چار رکعات کو حسن رکھا ہے۔ اور آثار کے مختلف ہونے کی وجہ سے اختیار دیا گیا ہے۔ اور افضل یہ ہے کہ چار رکعت پڑھے۔ اور عشاء سے پہلے چار رکعت مذکور نہیں ہیں اسی وجہ سے یہ چار رکعات مستحب ہوئیں کیونکہ (چار رکعات پر) مواظبت نہیں پائی گئی اور حدیث مذکور میں عشاء کے بعد دو رکعت مذکور ہیں۔ اور دوسری حدیث میں چار رکعات کا ذکر ہے اسی واسطے اختیار دیا گیا ہے مگر چار رکعات (پڑھنا) افضل ہے خاص طور پر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس بناء پر جو ان کا مذہب معلوم ہوا ہے۔

اور ہمارے نزدیک ظہر سے پہلے ایک سلام کے ساتھ چار رکعت ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اور اس میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے۔

تشریح...... صاحب ہدایہ اس باب کے تحت اگرچہ سنن اور نوافل دونوں کو ذکر کریں گے لیکن اہم اور اشرف ہونے کی بناء پر سنن کا ذکر مقدم کیا گیا۔

پھر سنن کی دو قسمیں ہیں، مؤکدہ اور غیر مؤکدہ۔ مؤکدہ وہ سنتیں کہلاتی ہیں جن پر کبھی کبھار ترک کے ساتھ آنحضرت ﷺ نے ہمیشگی فرمائی ہو۔ اور غیر مؤکدہ وہ سنتیں ہیں جن پر اللہ کے نبی ﷺ نے ہمیشگی نہیں فرمائی، سنن مؤکدہ بارہ رکعات اس طرح ہیں نماز فجر سے پہلے دو رکعت ظہر سے پہلے چار رکعت اور ظہر کے بعد، دو رکعت، مغرب کے بعد دو رکعت اور عشاء کے بعد دو رکعت ان کے علاوہ سنن غیر مؤکدہ ہیں۔

صاحب قدوری نے مؤکدہ اور غیر مؤکدہ دونوں کو اس طور پر ذکر فرمایا کہ نماز فجر سے پہلے دو رکعت ہیں اور ظہر سے پہلے چار رکعت

کے بعد دو رکعت ہیں۔ عصر سے پہلے چار رکعت ہیں جی چاہے تو دو رکعت پر اکتفاء کرلے اور مغرب کے بعد دو رکعت ہیں۔ اور عشاء سے پہلے چار رکعت ہیں اور عشاء کے بعد چار رکعت پڑھے۔ یا دو رکعت پر اکتفاء کرے۔ رہی یہ بات کہ صاحب قدوری نے سنت فجر سے ابتداء کیوں فرمائی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ سنت فجر اقوی سنن ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے سنت فجر کے بارے میں فرمایا ہے **صلوھا ولو طردتکم الخیل** یعنی تم سنت فجر پڑھتے رہو اگر چہ تم کو گھوڑے روند ڈالیں۔

حسن بن زیاد نے امام اعظمؒ سے روایت کی ہے کہ اگر کسی نے بغیر عذر کے سنت فجر کو بیٹھ کر ادا کیا تو جائز نہیں ہے۔ علماء و مشائخ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی عالم مرجع خلائق ہو، لوگ اس سے فتاویٰ اور مسائل شرعیہ دریافت کرتے ہیں تو لوگوں کی ضرورت کے خاطر اس کے لئے تمام سنتوں کا ترک کرنا جائز ہے علاوہ سنت فجر کے۔ اس سے بھی سنت فجر کا اقوی ہونا ثابت ہوتا ہے۔

صاحب عنایہ نے سنت کے مقدم کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ذکر کی ہے کہ اوقات نماز کو ذکر کرتے وقت چونکہ وقت فجر کا ذکر مقدم کیا گیا ہے اس لئے سنت فجر کو دوسری سنتوں پر مقدم کیا گیا۔

حضرت امام محمدؒ نے مبسوط میں سنت ظہر کے ذکر کو مقدم کیا ہے اور وجہ تقدیم یہ بیان کی ہے کہ سنت فرض کے تابع ہے۔ اور حضور ﷺ پر سب سے اول ظہر کی نماز فرض کی گئی پس چونکہ ظہر کا فرض اول فرض ہے اس لئے ظہر کی سنتوں کا ذکر بھی اولاً کر دیا گیا۔

رہا یہ کہ سنت فجر کے بعد کون سی سنتیں اقوی ہیں: سو اس بارے میں قدرے اختلاف ہے۔ امام حلوائیؒ نے کہا کہ سنت فجر کے بعد اقوی ہونے میں سنتِ مغرب کا درجہ ہے کیونکہ اللہ کے پاک نبی ﷺ نے مغرب کی سنتوں کو سفر اور حضر میں کبھی نہیں چھوڑا۔ پھر فرمایا کہ سنت مغرب کے بعد ظہر کے بعد کی سنتوں کا درجہ ہے اور وجہ یہ ذکر کی کہ ظہر کے بعد کی سنتیں متفق علیہا ہیں اور ظہر سے پہلے کی سنتیں مختلف فیہا ہیں۔ پھر فرمایا کہ ظہر کے بعد کی سنتوں کے بعد عشاء کے بعد کی سنتوں کا درجہ ہے۔ پھر ظہر سے پہلے کی سنتوں کا درجہ ہے۔ پھر عصر سے پہلے کی سنتوں کا درجہ ہے پھر عشاء سے پہلے کی سنتوں کا درجہ ہے۔

بعض علماء کا خیال: ہے کہ فجر کی سنتوں کے بعد بہ نسبت دوسری سنتوں کے ظہر سے پہلے کی سنتیں زیادہ مؤکد اور اقوی ہیں۔ یہی قول اصح ہے کیونکہ ان کو ترک کرنے پر وعید آئی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا **من ترک اربعا قبل الظهر لم تنله شفاعتی** یعنی جس نے ظہر سے پہلے کی چار رکعت کو چھوڑا اس کو میری شفاعت نصیب نہیں ہوگی۔ علامہ حلوائیؒ نے یہ بھی فرمایا کہ سوائے تراویح کے تمام سنتوں کا گھر میں ادا کرنا افضل ہے۔ کیونکہ تراویح میں تمام صحابہؓ کا اجماع ہے کہ وہ تراویح کی نماز مسجد میں ادا کرتے تھے۔ (عنایہ)

صاحب ہدایہ نے کہا کہ مذکورہ بارہ رکعات کے سنت مؤکدہ ہونے میں اصل اور دلیل حضور ﷺ کا قول ہے امام ترمذی اور ابن ماجہ نے اس حدیث کے الفاظ اس طرح ذکر کئے ہیں **عن عائشة رضی الله عنها قالت قال رسول الله ﷺ من ثابر علی اثنتی عشرة رکعة من السنة بنی الله له بیتا فی الجنة اربع رکعات قبل الظهر و رکعتین بعدها و رکعتین بعد المغرب و رکعتین بعد العشاء و رکعتین قبل الفجر** ۔ یعنی حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جس شخص نے بارہ رکعات مسنونہ پر مداومت کی اللہ تعالیٰ اس کے واسطے جنت میں ایک گھر بنائے گا۔ (بارہ رکعات یہ ہیں) چار ظہر سے پہلے، دو ظہر کے بعد، دو مغرب کے بعد، دو عشاء کے بعد اور دو فجر سے پہلے۔ امام بخاریؒ کے علاوہ جماعت محدثین نے اس حدیث کو ام حبیبہ بنت ابی سفیان سے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے **انها سمعت رسول الله ﷺ یقول ما من عبد مسلم یصلی لله فی کل یوم اثنتی عشرة رکعة تطوعا من غیر الفریضة الا بنی الله له بیتا فی الجنة** یعنی ام حبیبہؓ نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے

ہوئے سنا کہ جو بندہ مسلم خالص اللہ کے لئے ہر روز بارہ رکعات فرض سے زائد پڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ یقیناً اس کے واسطے جنت میں گھر
بنائے گا۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے بارہ رکعات کی تفسیر اسی کے مطابق بیان فرمائی ہے جو متن کتاب میں مذکور ہے۔ مگر
حدیث کی تفسیر کے وقت عصر سے پہلے کی چار رکعات کا ذکر نہیں ہے۔ اسی لئے امام محمدؒ نے مبسوط میں ان چار رکعات کو مستحب قرار
اختیار دیا کہ عصر سے پہلے چار رکعت پڑھے یا دو رکعت پڑھے، کیونکہ عصر سے پہلے کی تعداد رکعات میں آثار مختلف ہیں چنانچہ
مروی ہے قال قال رسول اللہ ﷺ رحم اللہ امرأ صلی قبل العصر اربعا حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس انسان پر رحم
کرے جو عصر سے پہلے چار رکعات پڑھتا ہے اور حضرت علیؓ سے مروی ہے ان النبی ﷺ کان یصلی قبل العصر رکعتین
حضور ﷺ عصر سے پہلے دو رکعت پڑھتے تھے۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ افضل یہی ہے کہ عصر سے پہلے چار رکعت پڑھے کیونکہ چار رکعات کا عدد بھی زائد ہے اور تحریمہ بھی
رہے گا لہٰذا بہ نسبت دو رکعت کے چار رکعات پڑھنے کا ثواب بھی زائد ہوگا۔

فاضل مصنفؒ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بارہ رکعات کی تفسیر کے موقع پر عشاء سے پہلی چار رکعات کا ذکر بھی نہیں فرمایا
ہے کہ یہ چار رکعات بھی استحباب کے درجہ میں ہیں کیونکہ ان چار رکعات پر مواظبت نہیں فرمائی ہے۔ صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ
مثابرہ میں عشاء کے بعد دو رکعات کا ذکر ہے، لیکن حدیث مثابرہ کے علاوہ دوسری احادیث میں چار رکعات کا ذکر ہے۔ چنانچہ
عاذب کی حدیث ہے قال قال رسول اللہ ﷺ من صلی قبل الظهر اربعا کان کانما تهجد من لیلة و من صلاها بعد
العشاء کان کمثلهن من لیلة القدر یعنی براء بن عاذب نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے قبل الظہر چار رکعتیں
پڑھیں گویا رات بھر عبادت کی اور جس نے عشاء کے بعد چار رکعت پڑھیں گویا لیلۃ القدر کی چار رکعتیں پائیں۔ پس چونکہ چار اور دو کے
درمیان الفاظ حدیث میں اختلاف ہے اس لئے صاحبِ قدوری نے اختیار دیا کہ عشاء کے بعد چار رکعات پڑھے خواہ دو رکعت پڑھے
افضل یہ ہے کہ چار رکعت پڑھے۔ خاص کر امام ابوحنیفہ کے نزدیک۔ امام صاحبؒ اور صاحبین کا اصل اختلاف اس میں ہے کہ
نماز مثنیٰ مثنیٰ افضل ہے یا ایک سلام کے ساتھ چار رکعت پڑھنا افضل ہوگا۔ سو امام صاحب کے نزدیک چار رکعت پڑھنا افضل
کے ہاں مثنیٰ مثنیٰ افضل ہے پس اس مسئلہ کو بنیاد بنا کر امام صاحبؒ کے نزدیک عشاء کے بعد چار رکعت کا پڑھنا افضل ہوگا۔

مصنف ہدایہ کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک ظہر سے پہلے چار رکعت ایک سلام کے ساتھ ہیں چنانچہ اگر کسی نے دو سلاموں کے ساتھ
ہمارے نزدیک ان کا اعتبار نہیں ہوگا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک افضل یہ ہے کہ دو سلاموں کے ساتھ ادا کرے۔ امام شافعیؒ کی دلیل
ابوہریرہؓ ہے ان النبی ﷺ کان یصلیهن بتسلیمتین یعنی حضور ﷺ ان چار رکعات کو دو سلام کے ساتھ پڑھتے تھے اور ایک
میں ہے۔ ان النبی ﷺ قال صلاة اللیل والنهار مثنی مثنی یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ رات اور دن کی نماز دو دو رکعتیں
ہمارا استدلال ابوایوب انصاریؓ کی حدیث ہے ان النبی ﷺ کان یصلی بعد الزوال اربع رکعات فقلت ما هذه
الصلاة التی تداوم علیها فقال هذه ساعة تفتح فیها ابواب السماء واجب ان یصعد لی فیها عمل صالح قلت
افی کلهن قراءة قال نعم فقلت ابتسلیمة ام بتسلیمتین فقال بتسلیمة واحدة یعنی نبی پاک ﷺ زوال کے بعد چار
رکعتیں پڑھا کرتے تھے (ابوایوب انصاریؓ کہتے ہیں) کہ میں نے کہا کہ یہ کون سی نماز ہے جس کو آپ ہمیشہ پڑھتے ہیں۔ آپ

فرمایا کہ یہ وہ ساعت ہے جس میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ اس ساعت میں میرے اعمال صالحہ اوپر چڑھیں، میں نے کہا کہ کیا تمام رکعتوں میں قرأت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں، میں نے کہا کہ ایک سلام کے ساتھ یا دو سلام کے ساتھ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک سلام کے ساتھ۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ظہر سے پہلے چار رکعت ایک سلام کے ساتھ مسنون ہیں۔

امام شافعیؒ کی طرف سے پیش کردہ حدیث ابوہریرہ کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں تسلیمتین سے مراد تشہدین ہیں یعنی حضور ﷺ ظہر سے پہلے چار رکعت دو تشہد کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ پس حدیث میں حال یعنی تسلیم بول کر محل یعنی تشہد مراد لیا گیا ہے۔ یہ خیال رہے کہ یہ تاویل رئیس الفقہاء حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے۔

اور حدیث ثانی کا جواب یہ ہے کہ صلوٰۃ اللیل مثنٰی مثنی کے الفاظ تو مشہور ہیں اور والنہار کا لفظ غریب ہے، قابل استدلال ہے۔ لہٰذا اس حدیث سے قبل الظہر چار رکعات دو سلام کے ساتھ پڑھنے پر استدلال درست نہیں ہوگا۔

دن اور رات کے نوافل کی تعداد رکعات

قال ونوافل النهار ان شاء صلى بتسليمة ركعتين وان شاء اربعا و تكره الزيادة على ذٰلك فامانافلة الليل قال ابوحنيفة ان صلى ثمان ركعات بتسليمة جاز و تكره الزيادة على ذلك وقالالايزيد بالليل على ركعتين بتسليمة وفى الجامع الصغير لم يذكر الثمانى فى صلوٰة الليل و دليل الكراهة انه عليه السلام لم يزد على ذلك ولو لاالكراهة لزاد تعليما للجواز والافضل فى الليل عند ابى يوسف و محمد مثنى مثنى و فى النهار اربع اربع وعند الشافعى فيهما مثنى مثنى وعند ابى حنيفه فيهما اربع اربع للشافعىؒ قوله عليه السلام صلوٰة الليل والنهار مثنى مثنى ولهما الاعتبار بالتراويح ولابى حنيفة انه عليه السلام كان يصلى بعد العشاء اربعا روته عائشة وكان يواظب على الاربع فى الضحى ولانه ادوم تحريمة فيكون اكثر مشقة وازيد فضيلة ولهذا لو نذر ان يصلى اربعا بتسليمة لايخرج عنه بتسليمتين وعلى القلب يخرج والتراويح تؤدى بجماعة فيراعى فيها جهة التيسير و معنى ماروا ه شفعا لاوترا واللّٰه اعلم

ترجمہ…… صاحبِ قدوری نے کہا، اور دن کے نوافل چاہے تو ایک سلام کے ساتھ دو رکعت پڑھے اور چاہے تو چار رکعتیں پڑھے۔ اور اس پر زیادتی مکروہ ہے۔ رہیں رات کی نفلیں تو ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ اگر ایک سلام کے ساتھ آٹھ رکعتیں پڑھے تو جائز ہے اور اس پر زیادتی کرنا مکروہ ہے۔ اور صاحبین نے کہا کہ ایک سلام کے ساتھ رات میں دو رکعت پر زیادہ نہ کرے۔ اور جامع صغیر میں امام محمدؒ نے صلوٰۃ اللیل میں آٹھ کو ذکر نہیں کیا اور کراہت کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے آٹھ پر زیادتی نہیں کی۔ اگر کراہت نہ ہوتی تو جواز کی تعلیم دینے کے لئے زیادہ کر دیتے اور رات میں صاحبین کے نزدیک دو دو رکعت افضل ہیں۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک رات اور دن دونوں میں دو دو رکعت ہیں۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں میں چار چار رکعت ہیں۔

امام شافعیؒ کی دلیل حضور ﷺ کا قول صلوٰۃ اللیل والنہار مثنٰی مثنٰی ہے۔ اور صاحبینؒ کی دلیل تراویح پر قیاس ہے۔ اور ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ عشاء کے بعد چار رکعت پڑھتے تھے، اس کو حضرت عائشہؓ نے روایت کیا ہے۔ اور چاشت میں چار

رکعت پر مواظبت فرماتے تھے۔ اور سلئے کہ تحریمہ کے اعتبار سے اس کو زیادہ دوام ہے۔ لہٰذا از راہ مشقت بھی زیادہ ہوگا اور فضیلت میں بڑھا ہوا ہوگا۔ اسی لئے اگر نذر کی کہ ایک سلام کے ساتھ چار رکعت پڑھے گا تو دو سلام کے ساتھ اس نذر سے نہیں نکلے گا اور بر عکس صورت میں نکل جائے گا۔ اور تراویح جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی ہے اس لئے اس میں آسانی کی جہت ملحوظ رکھی جاتی ہے۔ اور حدیث کے معنی جس کو امام شافعیؒ نے روایت کیا جوڑ جوڑ ہے نہ کہ طاق، واللہ اعلم۔

تشریح...... اب تک سنن کا بیان تھا۔ اگلی سطروں میں نوافل کا ذکر ہے۔ علماء نے اباحت اور افضلیت کے اعتبار سے رات اور دن کے نوافل کی مقدار میں اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ نے کہا کہ دن کے نفلوں میں مباح یہ ہے کہ ایک سلام کے ساتھ دو رکعت پڑھے یا چار رکعت پڑھے۔ اس سے زائد پڑھنا مکروہ ہے۔ اور رات میں ایک سلام کے ساتھ آٹھ رکعت پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔ اور آٹھ سے زائد پڑھنا مکروہ ہے۔ جامع صغیر میں آٹھ رکعت کا ذکر نہیں بلکہ چھ کا ذکر ہے یعنی امام محمدؒ نے جامع صغیر میں کہا کہ رات میں ایک سلام کے ساتھ چھ رکعت ادا کر سکتا ہے۔

صاحب ہدایہؒ نے کہا ہے کہ رات میں ایک سلام کے ساتھ آٹھ رکعت سے زائد کے مکروہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے آٹھ رکعت پر زیادتی نہیں فرمائی۔ اگر ایک سلام کے ساتھ آٹھ رکعت پر زیادتی کرنا مکروہ نہ ہوتا تو بیان جواز کے لئے ایک دو بار حضور ﷺ اس پر زیادتی ضرور فرماتے۔ لیکن آپ نے ایک سلام کے ساتھ آٹھ رکعت سے زائد نفلیں کبھی نہیں پڑھیں۔ اس لئے آٹھ سے زائد کو ایک سلام کے ساتھ ادا کرنا مکروہ ہوگا۔

مگر معترض کہہ سکتا ہے کہ صلوٰۃ لیل میں آٹھ پر زیادتی کے ساتھ بھی سنت وارد ہوئی ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ انہ علیہ السلام کان یصلی باللیل خمس رکعات سبع رکعات تسع رکعات احد عشر رکعۃ ثلاث عشرۃ رکعۃ یعنی آنحضرت ﷺ رات میں پانچ رکعت بھی پڑھتے تھے، سات بھی، نو بھی، گیارہ بھی اور کبھی تیرہ بھی۔

ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ خمس رکعات میں دو رکعت صلوٰۃ اللیل ہے یعنی نفل ہیں اور تین وتر ہیں۔ اور سبع رکعات میں چار رکعت صلاۃ اللیل اور تین رکعت وتر ہیں اور تسع رکعات میں چھ رکعت صلوٰۃ اللیل اور تین رکعات وتر ہیں اور احد عشرۃ رکعۃ میں آٹھ رکعت صلوٰۃ اللیل اور تین رکعت وتر ہیں۔ اور ثلاث عشرۃ رکعۃ میں آٹھ رکعت صلوٰۃ اللیل اور تین رکعت وتر اور دو رکعت سنت فجر ہیں۔ حضور ﷺ یہ تمام رکعتیں ایک سلام کے ساتھ ادا فرماتے تھے پھر اس طرح تفصیل بیان فرمائی جو اوپر گذری۔ بس اس تفصیل کے بعد اعتراض کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ (فتح القدیر)

قدوری کی عبارت و قالا لا یزید باللیل علی رکعتین بتسلیمۃ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ صاحبینؒ کے نزدیک رات میں ایک سلام کے ساتھ دو رکعت پر زیادتی کرنا ناجائز ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ صاحبین کے نزدیک دو رکعت پر زیادتی افضل نہیں ہے۔

اور قال ابو حنیفۃ ان صلی ثمان رکعات سے امام شافعیؒ کے قول سے احتراز کیا گیا ہے کیونکہ امام شافعیؒ نے کہا کہ ایک سلام کے ساتھ چار رکعت پر زیادتی نہ کرے اور اگر چار پر زیادتی کی تو یہ مکروہ ہوگا۔

والافضل فی اللیل سے افضلیت میں کلام کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ صاحبین کے نزدیک رات میں افضل یہ ہے کہ......

پڑھے اور دن میں چار چار رکعت پڑھے اور امام شافعیؒ کے نزدیک رات و دن دونوں میں دو دو رکعت پڑھنا افضل ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں میں چار چار رکعت پڑھنا افضل ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صلوۃ اللیل والنہار مثنی مثنی ہے یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ رات اور دن کی نماز (نفل) دو دو رکعت ہیں۔

صاحبینؒ کی دلیل تراویح پر قیاس ہے یعنی تراویح کی نماز بالاتفاق دو دو رکعت کر کے ادا کرنا افضل ہے۔ پس اسی طرح رات میں دوسرے نوافل بھی دو دو رکعت کر کے ادا کرنا افضل ہے۔

امام اعظمؒ کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ابوداؤد نے ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت کیا کہ عشاء کے بعد حضور ﷺ چار رکعت پڑھتے تھے یعنی ایک سلام کے ساتھ اور حضور ﷺ چاشت کی چار رکعت پر مواظبت فرماتے تھے۔ ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ دن اور رات دونوں میں چار چار رکعت پڑھنا افضل ہے۔

عقلی دلیل یہ ہے کہ ایک سلام کے ساتھ چار رکعت ادا کرنے میں از راہ تحرمہ دوام ہے پس درمیان میں فارغ نہ ہونے کی وجہ سے زیادہ مشقت ہوگی اور جس عبادت میں مشقت زیادہ ہو وہ افضل ہوتی ہے۔ اس لئے ایک سلام کے ساتھ چار رکعت ادا کرنا افضل ہوگا بہ نسبت دو رکعت ادا کرنے کے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے ایک سلام کے ساتھ چار رکعت ادا کرنے کی نذر کی پھر اس نے دو سلام کے چار رکعت ادا کی تو اس کی یہ نذر ادا نہ ہوگی کیونکہ نذر کی تھی افضل طریقہ پر چار رکعت ادا کرنے کی اور ادا کیا مفضول طریقہ پر اور قاعدہ ہے کہ افضل اور اعلیٰ مفضول اور ادنیٰ سے ادا نہیں ہوسکتا۔ اور گر دو سلام کے ساتھ پڑھنے کی نذر کی تو ایک سلام کے ساتھ پڑھنے سے نذر پوری ہو جائے گی کیونکہ مفضول افضل کے ساتھ ادا ہو جاتا ہے۔

والتراویح تؤدی بجماعة یہ عبارت صاحبین کے قیاس کا جواب ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ بلاشبہ تراویح کی نماز دو دو رکعت کے ساتھ ادا کرنا افضل ہے لیکن تراویح کی نماز جماعت سے ادا کی جاتی ہے اور جماعتی کاموں میں عام لوگوں کی رعایت کے پیش نظر سہولت اور آسانی کو ملحوظ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے جیسے فرمایا گیا کہ امام کو چاہئے کہ وہ ہلکی پھلکی نماز پڑھائے۔ ظاہر ہے کہ اس امر میں عام مقتدیوں کی رعایت کی گئی ہے پس چونکہ تراویح کی نماز با جماعت ادا کی جاتی ہے اس لئے عام لوگوں کی رعایت کے پیش نظر دو دو رکعت پڑھنے کا حکم کیا گیا۔ کیونکہ دو دو رکعت ادا کرنے میں آسانی ہے۔ بہ نسبت چار چار رکعت ادا کرنے کے اور اگر تنہا تراویح کی نماز پڑھے تو چار چار رکعت افضل ہیں بشرطیکہ طاقت ہو۔ اور نوافل چونکہ با جماعت ادا نہیں کئے جاتے اس لئے نوافل میں یہ رعایت ملحوظ نہیں ہوگی۔

ومعنی ماروٰاہ شفعا لا وترا سے امام شافعیؒ کی پیش کردہ حدیث **صلوۃ اللیل والنہار مثنی مثنی** کا جواب ہے۔ حاصل جواب یہ ہے کہ رات اور دن کی نماز جفت ہے نہ کہ طاق، یعنی حضور ﷺ کا منشاء دو دو کا عدد بیان کرنا نہیں ہے بلکہ منشاء رسول ﷺ یہ ہے کہ نوافل طاق رکعتوں کے ساتھ ادا نہ کئے جائیں بلکہ جفت یعنی جوڑ جوڑ ادا کئے ہیں خواہ دو رکعت ایک سلام کے ساتھ ہوں یا چار یا آٹھ۔ واللہ اعلم

فصل فی القراءة

قرأت کا بیان...... فرائض میں قرأت کا حکم...... امام شافعیؒ کا نقطہ نظر و دلائل

والقراءة في الفرض واجبة في الركعتين وقال الشافعي في الركعات كلها لقوله عليه السلام لا صلاة الا بقراءة وكل ركعة صلاة وقال مالك في ثلاث ركعات اقامة للأكثر مقام الكل تيسيرا ولنا قوله تعالى ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ والأمر بالفعل لا يقتضي التكرار وإنما أوجبنا في الثانية استدلالا بالأولى لأنهما تتشاكلان من كل وجه فأما الأخريان تفارقانهما في حق السقوط بالسفر وصفة القراءة وقدرها فلا تلحقان بهما والصلاة فيما روى مذكورة تصريحا فتصرف الى الكاملة وهي الركعتان عرفا كمن حلف لا يصلي صلاة بخلاف ما اذا حلف لا يصلي

ترجمہ...... یہ فصل قرأت کے بیان میں ہے، فرض نماز میں دو رکعتوں میں قرأت کرنا واجب ہے۔ اور امام شافعیؒ نے کہا کہ تمام رکعتوں میں واجب ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ بغیر قرأت کے نماز نہیں ہے۔ اور ہر رکعت نماز ہے۔ اور امام مالکؒ نے کہا کہ تین رکعتوں میں (فرض) ہے کیونکہ آسانی کے پیش نظر اکثر کل کے قائم مقام ہوتا ہے۔

اور ہماری دلیل باری تعالیٰ کا قول فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ہے اور کسی فعل (کام) کا امر تکرار کا تقاضہ نہیں کرتا۔ اور دوسری رکعت میں ہم نے واجب کیا پہلی رکعت سے استدلال کرتے ہوئے۔ کیونکہ دونوں رکعتیں من کل وجہ ہم شکل ہیں۔ رہیں بعد کی دو رکعتیں تو وہ اولیین سے سفر کی وجہ سے ساقط ہونے میں اور قرأت کی صفت میں اور قرأت کی مقدار میں مفارقت رکھتی ہیں لہٰذا اخریین اولیین کے ساتھ لاحق نہ ہوں گی۔

اور امام شافعیؒ کی روایت کردہ حدیث میں لفظ صلوٰۃ صراحتہً مذکور ہے اس لئے صلوٰۃ کاملہ کی طرف پھیرا جائے گا اور وہ عرف میں دو رکعتیں ہیں۔ جیسے کسی نے قسم کھائی کہ کوئی نماز نہیں پڑھے گا۔ اس کے برخلاف جب لا يصلي کہہ کر قسم کھائی۔

تشریح...... صاحب ہدایہ نماز مفروضہ، واجبات اور نوافل کے بیان سے فارغ ہو کر اب اس فصل میں مسئلہ قرأت کو ذکر فرمائیں گے چنانچہ رباعی فرض نماز میں مسئلہ قرأت کے اندر پانچ قول ہیں۔

۱) علماءِ احناف کے نزدیک دو رکعتوں میں قرأت فرض ہے۔
۲) امام شافعیؒ کے نزدیک تمام رکعتوں میں فرض ہے۔
۳) امام مالکؒ نے کہا کہ تین رکعتوں میں فرض ہے۔
۴) حسن بصریؒ ایک رکعت میں فرضیت قرأت کے قائل ہیں۔
۵) ابوبکر اصم نماز میں سنیت قرأت کے قائل ہیں۔

ابوبکر نے قرأت کو باقی دوسرے اذکار پر قیاس کیا ہے۔ یعنی جس طرح نماز کے اندر رکوع اور سجدہ کی تسبیحات اور ثناء وغیرہ مسنون ہیں اسی طرح قرأت قرآن بھی مسنون ہے۔

حسن بصریؒ کی دلیل یہ ہے کہ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ میں اقرؤا امر کا صیغہ ہے اور امر تکرار کا تقاضہ نہیں کرتا۔ اس لئے ایک ہی رکعت میں قرأت کرنا فرض ہوگا۔

امام مالکؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا لا صلوۃ الا بقرائۃ اور ہر رکعت صلوۃ ہے۔ لہٰذا کوئی رکعت بغیر قراءت کے نہیں ہوگی مگر چونکہ تین رکعت اکثر ہیں اور آسانی کے پیش نظر اکثر کو کل کے قائم مقام کر دیا جاتا ہے اس لئے تین رکعات کو چار کے قائم مقام قرار دے کر تین میں قرأت فرض کی گئی۔

امام شافعیؒ کی دلیل بھی یہی حدیث ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ بغیر قرأت کے نماز نہیں ہوتی اور ہر رکعت نماز ہے لہٰذا ہر رکعت میں قرأت کرنا فرض ہوگا۔ ہر رکعت کے نماز ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں نماز نہیں پڑھوں گا۔ پھر اس نے ایک رکعت پڑھی تو حانث ہو جائے گا پس ایک رکعت پڑھنے سے حانث ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ ایک رکعت نماز ہے ورنہ حانث نہ ہوتا۔

احناف کی دلیل باری تعالیٰ کا قول فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ بایں طور کہ اقرؤا امر کا صیغہ ہے اور امر تکرار کا تقاضہ نہیں کرتا پس ایک رکعت میں فرضیت قرأت عبارت النص سے ثابت ہو گئی اور چونکہ رکعت ثانیہ من کل وجہ رکعت اولیٰ کے مشابہ ہے اس لئے دلالت النص سے رکعت ثانیہ میں بھی قرأت کو واجب کیا گیا۔ حاصل یہ کہ پہلی رکعت میں قرأت کا وجوب عبارت النص سے ثابت ہوا اور دوسری رکعت میں دلالت النص سے ثابت ہوا۔

سوال: یہاں ایک سوال ہوگا وہ یہ کہ پہلی اور دوسری رکعت میں مشابہت نہیں ہے بلکہ مفارقت ہے۔ اس طور پر کہ پہلی رکعت میں ثناء، تعوذ اور بسملہ ہے اور دوسری میں یہ چیزیں نہیں ہیں۔

جواب...... یہ چیزیں امر زائد ہیں۔ اعتبار فقط ارکان کا ہے اور اصل ارکان میں دونوں رکعتیں یکساں ہیں۔ رہیں آخر کی دو رکعتیں سو وہ پہلی دو رکعتوں سے مختلف ہیں اور یہ فرق چند باتوں میں ہے۔

۱) سفر کی وجہ سے آخر کی دو رکعتیں ساقط ہوتی ہیں پہلی دو ساقط نہیں ہوتیں۔
۲) اول کی دو رکعتوں میں بالجہر قرأت ہوتی ہے اور آخر کی دو رکعتوں میں بالسر۔
۳) اول کی دو رکعتوں میں فاتحہ کے ساتھ سورت کا ملانا بھی واجب ہے اور آخر کی دو میں فاتحہ کے ساتھ سورت کا ضم نہیں ہوتا۔ پس جب اس قدر تفاوت ہے تو آخر کی دو رکعتوں کو اول کی دو کے ساتھ لاحق نہیں کیا جائے گا۔

والصلوٰۃ فیما یروی سے امام شافعیؒ کی پیش کردہ حدیث لا صلوۃ الا بقراءۃ کا جواب ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ حدیث میں صریحی لفظ صلوٰۃ سے مراد صلوٰۃ کاملہ ہے اور عرف میں صلوٰۃ کاملہ کا اطلاق دو رکعتوں پر ہوتا ہے پس حدیث سے دو رکعتوں میں قرأت کا ثبوت ہوگا نہ کہ ہر رکعت میں۔

رہی یہ بات کہ صریحی لفظ صلوٰۃ سے عرف میں دو رکعت مراد ہوتی ہیں، کیسے معلوم ہوا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کسی نے ان الفاظ کے ساتھ قسم کھائی کہ لا یصلی صلوۃ یعنی لفظ صلوٰۃ صراحۃ ذکر کیا تو دو رکعت پڑھنے سے حانث ہوگا۔ اور اگر فقط لا یصلی کہا اور لفظ صلوٰۃ نہیں کہا تو ایک رکعت پڑھنے سے بھی حانث ہو جائے گا۔

فرائض کی آخری دو رکعتوں میں قرأت کا حکم

وهو مخير في الاخريين معناه ان شاء سكت وان شاء قرأ وان شاء سبح كذا روى عن ابي حنيفة وهو المأثور عن على وابن مسعود وعائشة الا ان الافضل ان يقرأ لأنه عليه السلام داوم على ذلك ولهذا لا يجب السهو بتركها في ظاهر الرواية

ترجمہ...... اور مصلی کو اخیرین میں اختیار ہے۔ اس کی مراد یہ ہے کہ جی چاہے خاموش رہے اور جی چاہے تو پڑھے اور اگر چاہے تو تسبیح پڑھے۔ یہی امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے اور یہی علیؓ، ابن مسعودؓ اور عائشہؓ سے منقول ہے۔ مگر افضل قرأت کرنا ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے اس پر مداومت کی ہے اور اسی وجہ سے ترک قرأت سے (اخیرین میں) ظاہر الروایہ کے مطابق سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا۔

تشریح...... صاحب قدوری نے فرمایا کہ آخر کی دو رکعتوں میں مصلی کو اختیار ہے، سورۂ فاتحہ کی قرأت کرے یا تین تسبیحات کی مقدار خاموش کھڑا رہے یا تین تسبیح پڑھے امام ابوحنیفہؒ سے یہی مروی ہے یعنی ظاہر الروایہ یہی ہے۔ اور یہ تسبیح کرنا حضرت علی، ابن مسعود، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی منقول ہے مگر آخیرین میں سورۂ فاتحہ کی قرأت کرنا افضل ہے کیونکہ حضور ﷺ نے کبھی کبھی ترک کے ساتھ اس پر مداومت فرمائی ہے یہی وجہ ہے کہ آخیرین میں اگر قرأت فاتحہ ترک کردی گئی تو اس پر سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا۔ اس سے بھی آخیرین میں قرأت فاتحہ کا افضل ہونا معلوم ہوا۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ ظاہر الروایہ بھی یہی ہے۔

امام حسن بن زیادؒ نے امام اعظم سے روایت کی ہے کہ اخریین میں مصلی نے اگر نہ قرأت کی اور نہ عمداً تسبیح کی تو گنہگار ہوگا اور اگر ان چیزوں کو ترک کردیا تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ اخریین میں قیام مقصود ہے لہٰذا اس کو قرأت اور ذکر سے خالی کرنا مکروہ ہوگا۔ صاحب عنایہ نے کہا کہ ظاہر الروایہ اصح ہے۔ کیونکہ قیام کے اندر اصل تو قرأت ہے پس جب قرأت ساقط ہوگئی تو مطلق قیام باقی رہا۔ پس ایسا ہوگیا جیسے مقتدی کا قیام۔ (عنایہ)

نوافل میں قرأت کا حکم

و القراءة واجبة في جميع ركعات النفل و في جميع ركعات الوتر اما النفل فلان كل شفع منه صلوة على حدة والقيام الى الثالثة كتحريمة مبتدأة و لهذا لا يجب بالتحريمة الاولى الا ركعتان في المشهور عن اصحابنا و لهذا قالوا يستفتح في الثالثة اى يقول سبحانك اللهم و اما الوتر فللاحتياط

ترجمہ...... اور نفل کی تمام رکعتوں میں قرأت واجب ہے اور وتر کی تمام رکعتوں میں بہر حال نفل تو اس لئے کہ نفل کی ہر دو رکعت علیحدہ نماز ہے اور تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہونا نئے سرے سے تحریمہ کے مانند ہے اسی وجہ سے ہمارے اصحاب کے قول مشہور کے مطابق تحریمہ اولیٰ سے فقط دو رکعت واجب ہوں گی۔ اور اسی وجہ سے مشائخ نے کہا کہ تیسری رکعت میں سبحانک اللھم و بحمدک پڑھے۔ اور رہا وتر تو احتیاط کی وجہ سے ہے۔

تشریح...... مسئلہ: قرأت، نفل اور وتر کی تمام رکعتوں میں واجب ہے۔ نفل کی تمام رکعتوں میں قرأت اس لئے واجب ہے کہ نفل کی ہر دو رکعت علیحدہ نماز ہے۔ چنانچہ پہلے تحریمہ سے دو ہی رکعت واجب ہوں گی اگرچہ دو رکعت سے زیادہ کی نیت کی ہو۔ علماء احناف کا

مشہور یہی ہے حتیٰ کہ اگر چار کی نیت کی پھر دو رکعت پوری کرنے سے پہلے فاسد کر دیا تو شروع کرنے کی وجہ سے اس پر صرف ایک دوگانہ قضاء کرنا واجب ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اول تحریمہ سے صرف دو رکعت لازم آئیں۔

چونکہ ہر دو رکعت علیحدہ نماز ہے اسی لئے مشائخ احناف نے کہا کہ تیسری کے لئے کھڑا ہونے پر ثناء پڑھے کیونکہ تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہونا نئی تحریمہ کے مرتبہ میں ہے اور وتر کی تمام رکعتوں میں قرأت اس لئے واجب ہے کہ نماز میں قرأت لذاتہ رکن مقصود ہے اور وتر کا وجوب حدیث سے ثابت ہوا ہے پس وتر کے نفل ہونے کا احتمال پیدا ہو گیا لہٰذا احتیاط کی وجہ سے وتر کی تمام رکعتوں میں قرأت واجب کی گئی۔ حاصل یہ کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وتر کی نماز اگرچہ واجب ہے لیکن چونکہ نفل ہونے کے آثار اس پر ظاہر ہیں تو ہم نے احتیاطاً اس کی ہر رکعت میں مثل سنت و نفل کے قرأت واجب کی ہے۔

نفل شروع کرنے کے بعد فاسد کرنے سے قضا کا حکم

قال ومن شرع فی نافلة ثم افسدها قضاها وقال الشافعیؒ لاقضاء علیه لانه متبرع فیه ولا لزوم علی المتبرع ولنا ان المؤدی وقع قربة فیلزم الاتمام ضرورة صیانته عن البطلان

ترجمہ...... کہا کہ جس نے نفل نماز شروع کی پھر اس کو فاسد کیا تو اس کو قضاء کرے اور امام شافعیؒ نے کہا کہ اس پر قضاء واجب نہیں ہوئی کیونکہ وہ اس نفل میں متبرع ہے اور متبرع پر لزوم نہیں ہوتا اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نفل کا جو حصہ ادا کیا گیا وہ طاعت واقع ہوا پس اس کو بطلان سے محفوظ رکھنے کے لئے پورا کرنا لازم ہے۔

تشریح...... یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ نفل نماز یا نفل روزہ شروع کرنے سے لازم ہو جاتا ہے یا نہیں۔ اس بارے میں علماء احناف کا مذہب یہ ہے کہ نفل (نماز ہو یا روزہ) شروع کرنے سے لازم ہو جاتا ہے چنانچہ نفل نماز شروع کرنے کے بعد اگر اس کو فاسد کر دیا تو اس کی قضاء واجب ہوگی۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک نفل شروع کرنے سے لازم نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ شوافع کے نزدیک اگر نفل نماز شروع کرنے کے بعد فاسد کر دے تو اس کی قضاء واجب نہیں ہوتی۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ نفل نماز پڑھنے والا اپنے فعل میں متبرع ہے اور تبرع کرنے والے پر لزوم نہیں ہوتا۔ (کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ۔) لہٰذا نفل نماز شروع کرنے والے پر بھی لزوم نہیں ہوگا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ شروع کرنے کے بعد نفل کا جو حصہ ادا کیا گیا وہ قربت اور عبادت ہو کر واقع ہوا ہے اور جو چیز قربت عبادت ہو کر واقع ہو اس کا پورا کرنا لازم ہوتا ہے تاکہ ابطال حق غیر سے محفوظ رکھا جا سکے کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَلَا تُبْطِلُوْا اَعْمَالَكُمْ (اپنے اعمال کو باطل مت کرو) پس نفل شروع کرنے کے بعد جب اس کا پورا کرنا واجب ہوا تو درمیان میں فاسد کرنے سے اس کی قضاء بھی واجب ہوگی۔

امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ متبرع پر شروع کرنے سے پہلے لزوم نہیں ہوتا البتہ شروع کرنے کے بعد لزوم ہو جاتا ہے اور آیت ما علی المحسنین من سبیل اول پر محمول ہے نہ کہ ثانی پر۔

نوافل کی چار رکعتیں پڑھنا شروع کیں پہلی دو میں قرأت کی اور قعدۂ اولیٰ بھی کیا پھر آخری دو رکعتوں کو فاسد کر دیا تو کتنی رکعتوں کی قضا لازم ہے

وان صلى اربعا و قرأ في الاوليين وقعد ثم افسد الاخريين قضى ركعتين لان الشفع الاول قد تم والقيام الى الثالثة بمنزلة التحريمة مبتدأة فيكون ملزما هذا اذا افسد الاخريين بعد الشروع فيهما ولو افسد قبل الشروع في الشفع الثاني لايقضي الاخريين وعن ابي يوسف انه يقضي اعتبارا للشروع بالنذر ولهما ان الشروع ملزما ما شرع فيه وما لاصحة له الابه و صحة الشفع الاول في النذر لا تتعلق بالثاني بخلاف الركعة الثانية وعلى هذا سنة الظهر لانها نافلة و قيل يقضي اربعا احتياطا لانها بمنزلة صلوة واحدة

ترجمہ...... اور اگر چار رکعت کی نیت سے (نفل نماز) شروع کی اور پہلی دو رکعتوں میں قرأت کی اور قعدہ کیا پھر بعد کی دو رکعتوں کو فاسد کر دیا تو دو ہی رکعت قضاء کرے کیونکہ پہلا شفع تو پورا ہو چکا اور تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہونا نئے تحریمہ کے مرتبہ میں ہے پس وہ اس دوگانہ کو لازم کرنے والا ہوا۔ یہ حکم قضاء اس وقت ہے جبکہ بعد کے شفع کو شروع کرنے کے بعد فاسد کیا ہو اور اگر شفع ثانی کو شروع کرنے سے پہلے فاسد کر دیا تو اخریین کی قضاء نہیں کرے گا۔ اور ابو یوسفؒ سے روایت کیا جاتا ہے کہ (چار کی) قضاء کرے۔ شروع کو نذر پر قیاس کرتے ہوئے۔ اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ شروع کرنا اس چیز کو لازم کرتا ہے جس کو شروع کیا ہو اور اس چیز کو جس کے بغیر شروع کی ہوئی چیز صحیح نہ ہو اور پہلے شفع کا صحیح ہونا دوسرے شفع پر موقوف نہیں۔ برخلاف دوسری رکعت کے۔ اور اسی اختلاف پر ظہر کی سنت ہے کیونکہ وہ نفل ہے اور بعض مشائخ نے کہا کہ چار رکعت کی قضاء کرے (یہ حکم احتیاط پر مبنی ہے) اس لئے کہ ظہر سے پہلے کی چار رکعت سنت ایک نماز کے مرتبہ میں ہے۔

تشریح...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے چار رکعت کی نیت سے نفل نماز شروع کی اور پہلی دو رکعت میں قرأت واجبہ بھی کر لی اور دو رکعت پر قعدہ بھی کیا پھر دوسرے شفع (اخریین) کو فاسد کر دیا تو اس پر فقط شفع ثانی کی قضاء واجب ہوگی۔ مسئلہ کے اندر دو رکعت پر بیٹھنے کی قید اس لئے ذکر کی گئی کہ اگر دو رکعت پر نہیں بیٹھا اور اخریین یعنی شفع ثانی کو فاسد کر دیا تو بالاتفاق چار رکعت کی قضاء واجب ہوگی۔

حاصل یہ کہ اگر تیسری رکعت کے واسطے کھڑا ہونے کے بعد شفع ثانی کو فاسد کیا تو اس پر شفع ثانی کی قضاء واجب ہوگی۔ کیونکہ شفع اول تو پورا ہو چکا اور تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہونا نئے تحریمہ کے مرتبہ میں ہے پس اس تحریمہ سے فقط شفع ثانی لازم ہوا لہٰذا اس کو فاسد کر دینے کی صورت میں اسی کی قضاء واجب ہوگی۔ اور اگر تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہونے سے پہلے فاسد کر دیا تو اس پر کسی چیز کی قضاء واجب نہیں ہوگی اس لئے کہ دو رکعت پر قعدہ کرنے سے شفع اول تو پورا ہو گیا اور شفع ثانی کو ابھی تک شروع نہیں کیا پس شفع اول کی قضاء تو اس لئے نہیں کہ وہ پورا ہو چکا ہے اور شفع ثانی کی اس لئے نہیں کہ اس کو شروع نہیں کیا۔

امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ شفع اول کو فاسد کرے یا شفع ثانی کو بہر صورت چار رکعت کی قضاء واجب ہوگی۔ امام ابو یوسفؒ نے چار رکعت نفل نماز کے شروع کرنے کو نذر پر قیاس کیا ہے یعنی جس طرح چار رکعت نفل کی نذر کرنے سے چار رکعت واجب ہوتی ہیں اسی طرح اگر چار رکعت کی نیت کے ساتھ نفل نماز شروع کی تو چار رکعت واجب ہوں گی۔ حتیٰ کہ اگر شفع اول میں نفل کو باطل کیا

تو بھی چار رکعت کی قضاء واجب ہے اور اگر شفع ثانی میں نفل کو باطل کیا تب بھی چار ہی کی قضاء واجب ہوگی۔ اس قیاس کی علت جامعہ اور سبب لزوم ہے یعنی جس طرح نذر سے نفل لازم ہوجاتا ہے اسی طرح شروع کرنے سے بھی نفل لازم ہوجاتا ہے۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ شروع کرنا اس چیز کے وجوب کا سبب ہوتا ہے جس کو شروع کیا گیا ہو اور اس چیز کے وجوب کا سبب ہوتا ہے جس پر شروع کی ہوئی چیز کی صحت موقوف ہو مثلاً نفل نماز شروع کرتے ہی رکعت اولی واجب ہوگئی۔ کیونکہ رکعت اولی ماشرع فیہ (شروع کی ہوئی چیز) ہے اور رکعت اولی کی صحت موقوف ہے رکعت ثانیہ پر لہذا شروع کرنے سے رکعت ثانیہ بھی واجب ہوگئی۔

رہی یہ بات کہ رکعت اولی کی صحت رکعت ثانیہ پر کیوں موقوف ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر رکعت اولی بغیر رکعت ثانیہ کے رہ جائے تو صلاۃ بتیراء کہلائے گی اور صلوۃ بتیراء سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ رکعت اولی کی صحت رکعت ثانیہ پر موقوف ہے۔ رہا شفع ثانی (آخر کی دو رکعت) تو وہ نہ ماشرع فیہ ہے اور نہ اس پر ماشرع فیہ (شفع اول) کی صحت موقوف ہے لہذا شفع اول کو شروع کرنے سے شفع ثانی واجب نہیں ہوگا اور جب شفع ثانی واجب نہ ہوا تو شفع اول کو باطل کرنے سے شفع ثانی کی قضا بھی واجب نہیں ہوگی اسی طرح اگر شفع ثانی کو باطل کیا تو فقط شفع ثانی کی قضاء واجب ہوگی شفع اول کی قضاء واجب نہیں ہوگی۔ اس کے برخلاف نذر کہ اگر ایک سلام کے ساتھ چار رکعت کی نذر کی تو ایک سلام کے ساتھ چار رکعت واجب ہوں گی اگر دو سلام کے ساتھ چار رکعت پڑھیں تو تو نذر پوری نہیں ہوگی۔

یہی اختلاف ظہر سے قبل کی چار سنتوں میں ہے یعنی اگر ظہر سے قبل چار سنتوں کی نیت کر کے نماز پڑھنا شروع کی پھر پہلی دو رکعت پڑھ کر تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہونے کے بعد اس کو فاسد کر دیا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چار کی قضاء کرے اور طرفین کے نزدیک دو رکعت کی قضا کرے گا۔

بعض مشائخ نے کہا کہ اس صورت میں احتیاطاً چار رکعت کی قضاء کرے کیونکہ یہ چاروں رکعت ایک نماز کے مرتبہ میں ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی عورت ان سنتوں کے شفع اول میں ہو یعنی تیسری رکعت شروع کرنے سے پہلے اس کے شوہر نے اس کو خیار طلاق دے دیا اس نے چار رکعت پوری کر کے سلام پھیرا تو اس عورت کا خیار باطل نہیں ہوا حالانکہ مجلس کے بدلنے سے خیار باطل ہوجاتا ہے اور کام بدلنے سے مجلس بدل جاتی ہے پس معلوم ہوا کہ ظہر سے قبل کی چار سنت ایک نماز ہے اور نہ اگر پہلا دوگانہ علیحدہ نماز ہوتا اور دوسرا دوگانہ علیحدہ تو دوسرا دوگانہ شروع کرتے ہی خیار باطل ہوجاتا کیونکہ عمل کے بدلنے سے مجلس بدل گئی۔

چار رکعتیں پڑھیں اور کسی میں بھی قرأت نہیں کی کتنی رکعتوں کا اعادہ لازم ہے...... اقوالِ فقہاء

وان صلی اربعا ولم يقرأ فيهن شيئا اعاد ركعتين وهذا عند ابی حنيفة و محمدؒ و عند ابی يوسف يقضی اربعا وهذه المسألة على ثمانية اوجه والاصل فيها ان عند محمد ترک القراءة فی الاولیين او فی احدهما يوجب بطلان التحريمة لانها تعقد للافعال و عند ابی يوسف ترک القراءة فی الشفع الاول لايوجب بطلان التحريمة وانما يوجب فساد الاداء لان القراءة ركن زائد الاترى ان للصلوة وجودا بدونها غير انه لا صحة للاداء الابها و فساد الاداء لايزيد على تركة فلايبطل التحريمة وعند ابی حنيفة ترک القراءة فی الاولیين يوجب بطلان التحريمة و فی احدهما لايوجب لان كل شفع من التطوع صلوة علیحدة و فسادها بترک

القراءة فی رکعة واحدة مجتهد فیه فقضینا بالفساد فی حق وجوب القضاء و حکمنا ببقاء التحریمة فی حق لزوم الشفع الثانی احتیاطا اذا ثبت هذا نقول اذا لم یقرأ فی الکل قضی رکعتین عندهما لان التحریمة بطلت بترک القراءة فی الشفع الاول عندهما فلم یصح الشروع فی الثانی و بقیت عند ابی یوسف فصح الشروع فی الشفع الثانی ثم اذا فسد الکل بترک القراءة فیه فعلیة قضاء الاربع عند

ترجمہ..... اور اگر نفل کی چار رکعتیں پڑھیں اور کسی میں قرأت نہیں کی تو دو رکعت کا اعادہ کرے یہ حکم امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے۔ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک چار کی قضاء کرے۔ یہ مسئلہ آٹھ صورتوں پر ہے۔ اور اصل اس میں یہ ہے کہ امام محمدؒ کے نزدیک پہلی رکعتوں میں یا ان دو میں سے ایک میں قرأت چھوڑنا بطلان تحریمہ کا موجب ہے کیونکہ تحریمہ افعال کے لئے باندھا جاتا ہے اور ابو یوسفؒ کے نزدیک شفع اول میں قرأت چھوڑنا بطلان تحریمہ کا موجب نہیں ہے بلکہ فساد ادا کو واجب کرتا ہے کیونکہ قرأت رکن زائد ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ نماز کا بغیر قرأت کے وجود ہے مگر یہ کہ بغیر قرأت کے ادا صحیح نہیں ہوتی۔ اور ادا کا فاسد ہونا ادا کو ترک رکنے سے بڑھ کر نہیں پس تحریمہ باطل نہیں ہوگا۔ اور ابوحنیفہؒ کے نزدیک اولیین میں ترک کرنے سے بڑھ کر نہیں پس تحریمہ باطل نہیں ہوگا۔ اور ابوحنیفہؒ کے نزدیک اولیین میں قرأت چھوڑنا بطلان تحریمہ کا موجب ہے اور ان دونوں میں سے ایک میں چھوڑنا بطلان تحریمہ کا موجب نہیں ہے کیونکہ نفل کا شفع علیحدہ نماز ہے اور ایک رکعت میں قرأت چھوڑنے سے اس کا فاسد ہونا مختلف فیہ ہے۔ پس ہم نے حکم دیا فساد کا وجوب قضاء کے حق میں اور بقاء تحریمہ کا حکم دیا شفع ثانی کا لزوم کے حق میں احتیاطاً۔ جب یہ ثابت ہو چکا تو ہم کہتے ہیں کہ اسنے جب تمام میں قرأت نہ کی تو طرفین کے نزدیک دو رکعت کی قضاء کرے گا کیونکہ ان دونوں کے نزدیک شفع اول میں قرأت چھوڑنے کی وجہ سے تحریمہ باطل ہو گیا تو دوسرے شفع کو شروع کرنا ہی صحیح نہ ہوا اور ابو یوسفؒ کے نزدیک تحریمہ باقی ہے تو شفع ثانی کو شروع کرنا صحیح ہو گیا۔ پھر جب اس نے کل کو فاسد کر دیا اس میں قرأت ترک کرنے کی وجہ سے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس پر چاروں کی قضاء واجب ہوگی۔

تشریح..... متن کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے نفل کی چار رکعت پڑھیں اور کسی رکعت میں قرأت نہیں کی تو طرفین کے نزدیک دو رکعت قضاء کرنا واجب ہے اور ابو یوسفؒ کے نزدیک چار کی قضاء واجب ہے۔

بقول صاحب عنایہ کے اس مسئلہ کا لقب مسئلہ ثمانیہ ہے کیونکہ عقلی طور پر اس مسئلہ میں آٹھ صورتیں نکلتی ہیں۔ لیکن تھوڑے سے تأمل سے پتہ چلتا ہے کہ سولہ صورتیں نکلتی ہیں۔

۱) چاروں میں قرأت کی۔
۲) چاروں میں قرأت ترک کر دی۔
۳) پہلی دو رکعت میں ترک کی۔
۴) شفع ثانی یعنی بعد کی دو میں ترک کی۔
۵) فقط رکعت اولیٰ میں ترک کی۔
۶) فقط رکعت ثانیہ میں ترک کی۔
۷) فقط رکعت ثالثہ میں ترک کی۔
۸) فقط رکعت رابعہ میں ترک کی۔
۹) اول اور رکعت ثالثہ میں ترک کی۔
۱۰) شفع اول اور رکعت رابعہ میں ترک کی۔
۱۱) رکعت اول اور شفع ثانی میں ترک کی۔
۱۲) رکعت ثانیہ اور شفع ثانی میں ترک کی۔
۱۳) رکعت اولیٰ اور ثالثہ میں ترک کی۔
۱۴) رکعت اولیٰ اور رابعہ میں ترک کی۔

۱۵) رکعت ثانیہ اور ثالثہ میں ترک کی۔ ۱۶) رکعت ثانیہ اور رکعت رابعہ میں ترک کی۔

مصنف نے پہلی صورت کو بیان نہیں کیا کیونکہ مقصود اقسام فساد کو بیان کرنا ہے اور پہلی صورت میں چونکہ تمام رکعتوں میں قرأت کی گئی اس لئے وہ اقسام فساد میں سے نہیں ہوگی۔ اور چونکہ سات صورتیں اتحاد حکم کی وجہ سے انہیں آٹھ میں متداخل ہوگئیں اس لئے اب کل آٹھ صورتیں باقی رہیں جن کے بارے میں فاضل مصنف نے فرمایا و هذه المسئلة علي ثمانية اوجه۔

صاحب ہدایہ کے پیش نظر آٹھ صورتوں میں سے یہ آٹھ ہیں:۔

۱) چاروں میں قرأت کو ترک کردیا گیا ہو۔ ۲) شفع ثانی میں ترک کردیا گیا ہو۔

۳) شفع اول میں ترک کیا گیا ہو۔ ۴) شفع ثانی کی کسی ایک رکعت میں ترک کیا گیا ہو۔

۵) شفع اول کی کسی ایک رکعت میں ترک کیا گیا ہو۔ ۶) شفع اول کی کسی ایک رکعت میں اور شفع ثانی کی کسی ایک رکعت میں ترک کیا گیا ہو۔

۷) شفع ثانی کی دونوں رکعتوں اور شفع اول کی کسی ایک رکعت میں ترک کیا گیا ہو۔ ۸) شفع اول کی دونوں رکعتوں اور شفع ثانی کی کسی ایک رکعت میں ترک کیا گیا ہو۔ (الکفایۃ)

چونکہ اس مسئلہ کی تخریج ائمہ ثلثہ کے علیحدہ علیحدہ اصول پر مبنی ہے اس لئے صاحب ہدایہ نے اولاً اصول کو ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ کہا کہ امام محمدؒ کی اصل اور بنیادی بات یہ ہے کہ پہلی دو رکعتوں میں قرأت چھوڑنا یا ان دونوں میں سے کسی ایک میں چھوڑنا تحریمہ کو باطل کردیتا ہے۔ کیونکہ تحریمہ منعقد کیا جاتا ہے افعال کے لئے اور افعال ترک قرأت کی وجہ فاسد ہوجاتے ہیں۔ لہٰذا وہ تحریمہ جو افعال کے لئے منعقد کیا جاتا ہے وہ بھی فاسد ہوجائے گا۔

امام ابو یوسفؒ کی اصل یہ ہے کہ شفع اول میں قرأت چھوڑنا تحریمہ کو باطل نہیں کرتا بلکہ ادا کو فاسد کردیتا ہے کیونکہ قرأت ایک رکن زائد ہے۔ چنانچہ آپ غور کیجئے کہ بغیر قرأت کے بھی نماز پائی جاتی ہے جیسے گونگے کے حق میں نماز بلا قرأت ہے۔ البتہ بغیر قرأت کے ادا صحیح نہیں ہوتی۔ بہرحال شفع اول میں قرأت کا ترک کرنا فساد ادا کا موجب ہے بطلان تحریمہ کا موجب نہیں ہے اور فساد ادا ترک ادا سے کم نہیں یعنی ادا کو اگر ترک کردیا مثلاً حدث ہوگیا اور وضو کے لئے گیا تو اس صورت میں اس نے ادا چھوڑ دی مگر تحریمہ باطل نہیں ہوا پس جب ترک ادا سے تحریمہ باطل نہیں ہوتا تو فساد ادا سے بدرجۂ اولیٰ تحریمہ باطل نہیں ہوگا۔

امام ابو حنیفہؒ کی اصل یہ ہے کہ اول کی دو رکعتوں میں قرأت چھوڑنا تحریمہ باطل کردیتا ہے اور ایک رکعت میں چھوڑنا تحریمہ باطل نہیں کرتا۔ پہلی بات کی دلیل یہ ہے کہ نفل کا ہر شفع علیحدہ مستقل نماز ہے پس اس میں قرأت چھوڑنا نماز کو قرأت سے خالی کرنا ہے۔ اور نماز قرأت سے خالی ہونے کی صورت میں اس طرح فاسد ہوجاتی ہے کہ اس کی قضاء واجب ہوگی۔ اور تحریمہ باطل ہوجائے گا۔

دوسری بات کی دلیل یہ ہے کہ ایک رکعت میں قرأت چھوڑنے کی وجہ سے قیاس کا تقاضہ تو یہی ہے کہ مثل اول کے تحریمہ باطل ہو جائے اور نماز فاسد ہوجائے جیسے کہ فجر کی ایک رکعت میں قرأت چھوڑنے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے مگر ایک رکعت میں ترک قرأت کی وجہ سے نماز کا فاسد ہونا مختلف فیہ ہے۔ کیونکہ حسن بصریؒ کا مذہب ہے کہ ایک رکعت میں قرأت کرنا کافی ہے اگر دو میں سے ایک میں قرأت کی اور ایک میں نہیں کی تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ پس احتیاط پر عمل کرتے ہوئے ہم نے کہا کہ ایک رکعت میں ترک قرأت سے نماز تو

فاسد ہو جائے گی اور قضاء واجب ہوگی لیکن شفع ثانی کے لزوم کے حق میں تحریمہ باقی رہے گا۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ جب ہر ایک کی بیان کردہ اصل ثابت ہو چکی تو مسئلہ متن کی توضیح اس طرح ہوگی کہ جب مصلی نے چاروں رکعتوں میں قرأت نہیں کی تو طرفین کے نزدیک شفع اول میں ترک قرأت کی وجہ سے تحریمہ باطل ہو گیا اور جب تحریمہ باطل ہو گیا تو شفع ثانی کا شروع کرنا درست نہیں ہوا۔ پس گویا اس نے دو ہی رکعت کے لئے تحریمہ باندھا تھا اور انہیں کو فاسد کر دیا۔ تو اس کی قضاء واجب ہوگی اور چونکہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تحریمہ باطل نہیں ہوا لہذا شفع ثانی کو شروع کرنا بھی صحیح ہوا۔ لیکن ترک قرأت کی وجہ سے چاروں رکعتیں فاسد ہو گئیں۔ اس لئے چاروں کی قضاء واجب ہوگی۔ واللہ اعلم، جمیل

پہلی دو رکعتوں میں قرأت کی آخری دو میں قرأت نہیں کی بالاجماع آخری دو کی قضا لازم ہے

ولو قرأ في الاوليين لا غير فعليه قضاء الاخريين بالاجماع لان التحريمة لم تبطل فصح الشروع في الثاني ثم فساده بترك القرأة لا يوجب فساد الشفع الاول.

ترجمہ...... اور اگر اس نے فقط اولیین میں قرأت کی تو اس پر بالاجماع اخریین کی قضاء واجب ہے کیونکہ تحریمہ تو باطل نہیں ہوا پس شفع ثانی کو شروع کرنا صحیح ہوا۔ پھر ترک قرأت کی وجہ سے شفع ثانی کا فساد شفع اول کے فساد کو واجب نہیں کرتا۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر نفل کی پہلی دو رکعتوں میں قرأت کی۔ اور آخری دو میں قرأت نہیں کی تو بالاجماع اس پر آخری دو رکعتوں کی قضاء کرنا واجب ہوگا۔ کیونکہ شفع اول میں قرأت کے پائے جانے کی وجہ سے تحریمہ باطل نہیں ہوا پس جب تحریمہ باطل نہیں ہوا تو شفع ثانی کا شروع کرنا بھی صحیح ہوا۔

لیکن ترک قرأت کی وجہ سے شفع ثانی کا فاسد ہونا شفع اول کے فساد کو متلازم نہیں۔ پس جب شفع ثانی ہی فاسد ہوا ہے تو قضاء بھی فقط شفع ثانی ہی کی واجب ہوگی نہ کہ شفع اول کی۔

یہ خیال رہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جبکہ شفع اول پر قعدہ کیا ہو چنانچہ اگر قعدہ نہیں تو چار کی قضاء واجب ہوگی شفع ثانی کی قضاء ترک قرأت کی وجہ سے واجب ہوگی اور شفع اول کی قعدۂ اخیرہ کے ترک کی وجہ سے۔

آخری دو میں قرأت کی پہلی دو میں نہیں کی بالاجماع پہلی دو رکعتوں کی قضا لازم ہے

و لو قرأ في الاخريين لا غير فعليه قضاء الاوليين بالاجماع لان عندهما لم يصح الشروع في الشفع الثاني و عند ابي يوسفؒ ان صح فقد اداهما

ترجمہ...... اور اگر اس نے فقط اخریین میں قرأت کی تو اس پر بالاجماع اولیین کی قضاء واجب ہوگی کیونکہ طرفین کے نزدیک شفع ثانی کا شروع ہونا صحیح نہیں ہوا۔ اور ابو یوسف کے نزدیک اگرچہ صحیح ہے لیکن اس نے آخری دو رکعتوں کو ادا کیا۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ مصلی نے اگر آخری دو رکعتوں میں قرأت کی اور اول کی دو میں قرأت کو چھوڑ دیا تو بالاتفاق پہلی دو کی قضاء واجب ہے اس مسئلہ کے حکم میں تینوں حضرات متفق ہیں مگر تخریج میں مختلف ہیں چنانچہ طرفین نے کہا کہ پہلی دو رکعتوں میں قرأت

کرنے کی وجہ سے تحریمہ باطل ہو گیا حتی کہ اگر کسی نے شفع ثانی میں اس کی اقتداء کی تو اس کا اقتداء کرنا صحیح نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر شفع ثانی میں یہ شخص قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تو اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اگر تحریمہ باطل نہ ہوتا اور شفع ثانی کا شروع کرنا درست ہوتا تو اس کی اقتداء کرنا بھی درست ہوتا اور قہقہہ مارنے سے وضو بھی ٹوٹ جاتا۔

بہر حاصل یہ ہوا کہ اولیین میں ترک قرأت کی وجہ سے تحریمہ باطل ہو گیا اور جب تحریمہ باطل ہو گیا تو شفع ثانی کا شروع کرنا بھی صحیح نہیں ہوا۔ اور جب شفع ثانی کا شروع کرنا صحیح نہیں ہوا تو اس کی قضا بھی واجب نہیں ہوگی بلکہ فقط پہلی دو رکعت کی قضاء واجب ہوگی امام ابو یوسفؒ نے کہا کہ اولیین میں ترک قرأت کی وجہ سے تحریمہ باطل نہیں ہوا لہٰذا شفع ثانی کا شروع کرنا صحیح ہوا۔ پس شفع ثانی کا شروع کرنا اگر صحیح ہو گیا تو یہ شخص شفع ثانی کو ادا بھی کر چکا اور جب شفع ثانی ادا ہو گیا تو قضاء فقط اولیین کی واجب ہوگی نہ کہ اخریین کی۔

پہلی دو اور آخری دو میں سے ایک میں قرأت کی اسی طرح آخری دو اور پہلی میں سے ایک میں قرأت کی اور پہلی دو میں سے ایک میں اور آخری دو میں سے ایک میں قرأت کی کتنی رکعتوں کی قضا لازم ہے

ولو قرأ فی الاولیین واحدی الاخریین فعلیه قضاء الاخریین بالاجماع ولو قرأ فی الاخریین و احدی الاولیین فعلیه قضاء الاولیین بالاجماع و لو قرأ فی احدی الاولیین واحدی الاخریین علی قول ابی یوسف قضاء الاربع وکذا عند ابی حنیفة لان التحریمة باقیة وعند محمد قضاء الاولیین لان التحریمة قد ارتفعت عنده وقد انکر ابو یوسفؒ هذه الروایة عنه و قال رویت لک عن ابی حنیفة انه یلزمه قضاء رکعتین ومحمد لم یرجع عن روایة عنه

ترجمہ..... اور اگر پہلی دو میں اور اخریین کی ایک رکعت میں قرأت کی تو بالاتفاق اس پر اخریین کی قضاء کرنا واجب ہوگا۔ اور اگر اخریین میں اور اولیین میں سے ایک میں قرأت کی تو اس پر بالاجماع اولیین کی قضا واجب ہے اور اگر اولیین میں سے ایک میں اور آخریین میں سے ایک میں قرأت کی تو ابو یوسفؒ کے نزدیک چار کی قضاء واجب ہے اور یوں ہی ابو حنیفہؒ کے نزدیک۔ کیونکہ تحریمہ باقی ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک اولیین کی قضاء واجب ہے کیونکہ ان کے نزدیک تحریمہ مرتفع ہو گیا۔ امام ابو یوسفؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے اس روایت کا انکار کیا ہے اور ابو یوسفؒ نے کہا کہ میں نے تو ابو حنیفہؒ سے تم کو یہ روایت کی تھی کہ اس پر دو رکعت کی قضاء لازم ہوگی۔ اور امام محمدؒ نے رجوع نہیں کیا ابو یوسفؒ کے ابو حنیفہؒ سے روایت کرنے سے۔

تشریح..... اس عبارت میں تین صورتیں مذکور ہیں:

۱) یہ کہ پہلی دو رکعتوں اور آخر کی کسی ایک رکعت میں قرأت کی ہے اس صورت میں بالاتفاق آخر کی دو رکعتوں کی قضاء واجب ہوگی۔

۲) یہ کہ آخر کی دونوں اور پہلے شفع کی ایک رکعت میں قرأت کی ہے اس صورت میں بالاتفاق پہلی دو کی قضاء واجب ہے

۳) یہ کہ اولیین میں سے کسی ایک میں اور اخریین میں سے کسی ایک میں قرأت کی ہے تو اس صورت میں امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چار رکعت کی قضاء واجب ہے۔

یہی امام اعظمؒ کا مذہب ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک پہلی دو کی قضاء واجب ہے۔ امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ اولیین میں سے کسی ایک رکعت میں ترک قرأت کی وجہ سے تحریمہ مرتفع ہو گیا یعنی تحریمہ باطل ہو گیا کیونکہ امام محمدؒ کے نزدیک شفع اول کی ایک رکعت میں ترک

قرأت بطلان تحریمہ کا موجب ہوتا ہے۔ پس جب تحریمہ باطل ہو گیا تو شفع ثانی کا شروع کرنا بھی صحیح نہیں ہوا اور جب شفع ثانی کا شروع کرنا صحیح نہیں ہوا تو اس کی قضاء بھی واجب نہیں ہوگی۔ بلکہ فقط شفع اول کی قضاء واجب ہوگی۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چونکہ ترک قرأت کی وجہ سے تحریمہ باطل نہیں ہوتا۔ اس لئے ان کے نزدیک شفع ثانی شروع کرنا بھی صحیح ہوگا۔ اور جب شفع ثانی کا شروع کرنا صحیح ہے تو چونکہ دونوں شفعوں کی ایک ایک رکعت میں قرأت چھوڑ دی گئی ہے اس لئے دونوں شفعوں یعنی چاروں رکعت کی قضاء واجب ہے۔

وقد انكر ابو يوسف هذه الرواية الخ سے امام ابوحنیفہؒ کا مذہب بواسطہ امام ابو یوسفؒ یہ بیان کیا ہے کہ چار رکعت کی قضاء واجب ہے۔ مگر امام محمدؒ نے جامع صغیر کی تصنیف سے فراغت کے بعد جب جامع صغیر امام ابو یوسف کو سنائی تو امام ابو یوسفؒ نے امام محمد سے کہا کہ میں نے تمہارے سامنے امام صاحب سے یہ روایت نہیں کی تھی بلکہ میں نے تمہارے سامنے ابو حنیفہؒ سے یہ روایت کی تھی کہ اس شخص پر دو رکعت کی قضاء واجب ہے امام محمدؒ نے کہا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ آپ نے تو مجھ سے یہی روایت کی تھی کہ امام صاحب کے نزدیک اس شخص پر چار رکعت کی قضاء واجب ہے۔

حضرت امام محمدؒ اپنی یادداشت پر اس قدر ڈٹے ہوئے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ کے انکار پر اصرار کے باوجود رجوع نہیں کیا۔ خادم راقم الحروف کا خیال بھی یہی ہے کہ امام محمدؒ کی بات ہی درست ہے کیونکہ سابق میں امام ابو حنیفہؒ کی اصل یہ بیان کی گئی ہے کہ اولیین میں ترک قرأت بطلان تحریمہ کا موجب ہے ایک رکعت میں ترک قرأت سے تحریمہ باطل نہیں ہوتا اور مسئلہ مذکورہ میں یہی صورت فرض کی گئی ہے کہ اولیین کی ایک رکعت میں اور اخریین کی ایک رکعت میں قرأت کی اور ایک ایک میں قرأت کو ترک کر دیا پس جب اولیین کی ایک رکعت میں ترک قرأت سے امام اعظمؒ کے نزدیک تحریمہ باطل نہیں ہوتا تو شفع ثانی کا شروع کرنا صحیح ہوا اور جب شفع ثانی کا شروع کرنا صحیح ہو گیا تو اولیین کی ایک رکعت اور اخریین کی ایک میں ترک قرأت کی وجہ سے دونوں شفعوں یعنی چاروں رکعات کی قضاء واجب ہوگی نہ کہ فقط ایک شفع کی۔ واللہ اعلم جمیل

پہلی رکعت کے علاوہ کسی رکعت میں قرأت نہیں کی کتنی رکعتوں کی قضاء لازم ہے..... اقوال فقہاء

ولو قرأ في احدى الاوليين لا غير قضى اربعا عندهما و عند محمد قضى ركعتين ولو قرأ في احدى الاخريين لا غير قضى اربعا عند ابى يوسف و عندهما ركعتين قال و تفسير قوله عليه السلام لا يصلى بعد صلوة مثلها يعني ركعتين بقراة و ركعتين بغير قراة فيكون بيان فرضية القراة في ركعات النفل كلها

ترجمہ..... اور اگر اس نے قرأت کی اول دوگانہ کی ایک رکعت میں فقط تو شیخین کے نزدیک چار کی قضاء کرے اور امام محمدؒ کے نزدیک دو رکعت قضاء کرے اور اگر اخریین کی ایک رکعت میں قرأت کی تو ابو یوسف کے نزدیک چار کی قضاء کرے اور طرفین کے نزدیک دو کی قضاء کرے امام محمد نے کہا کہ حضور ﷺ کے قول **لا يصلى بعد صلوة مثلها** کی تفسیر یہ ہے کہ نہ پڑھے دو رکعت قرأت کے ساتھ اور دو رکعت بغیر قرأت کے پس یہ حدیث نفل کی تمام رکعتوں میں فرضیت قرأت کا بیان ہو جائے گی۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر اول کی دو رکعتوں میں سے کسی ایک رکعت میں قرأت کی اور باقی میں ترک کر دیا تو شیخین کے نزدیک چار کی قضاء کرے اور امام محمدؒ کے نزدیک دو رکعت کی قضاء واجب ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اخریین کی ایک رکعت میں قرأت کی اور باقی تین میں ترک کر دیا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چار رکعت کی قضاء واجب ہے امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک دو رکعت کی قضاء کرے۔

پہلے مسئلہ میں شیخین کی دلیل یہ ہے کہ ان دونوں بزرگوں کے نزدیک تحریمہ باقی ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو اس لئے کہ اولیین کی ایک رکعت میں ترک قرأت ان کے نزدیک تحریمہ باطل نہیں کرتا اور رہے امام ابویوسف تو ان کے نزدیک کسی صورت میں بھی تحریمہ باطل نہیں ہوتا بہرحال جب ان دونوں کے نزدیک تحریمہ باطل نہیں ہوا تو شفع ثانی کا شروع کرنا صحیح ہوا مگر چونکہ شفع اول کی ایک رکعت میں اور شفع ثانی کی دونوں میں قرأت ترک کردی گئی اس لئے چاروں کی قضاء واجب ہوگی اور امام محمدؒ کے نزدیک چونکہ اول کی ایک رکعت میں بھی ترک قرأت تحریمہ کو باطل کردیتا ہے اس لئے ان کے نزدیک شفع ثانی کا شروع کرنا صحیح نہیں ہوگا اور جب شفع ثانی کا شروع کرنا صحیح نہ ہوا تو اس کی قضاء بھی واجب نہ ہوگی البتہ شفع اول کی ایک رکعت میں ترک قرأت کی وجہ سے اس کی قضاء واجب ہوگی۔

دوسرے مسئلہ میں امام ابویوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ ان کے نزدیک تحریمہ مطلقاً باطل نہیں ہوتا پس جب تحریمہ باطل نہیں ہوا تو شفع ثانی کا شروع کرنا بھی صحیح ہوگیا مگر چونکہ اس نے اولیین کی دونوں میں اور اخریین کی ایک رکعت میں قرأت نہیں کی اس لئے دونوں شفعوں یعنی چاروں کی قضاء واجب ہوگی۔ طرفین کے نزدیک چونکہ اولیین کی دونوں رکعتوں میں ترک قرأت سے تحریمہ باطل ہوجاتا ہے اس لئے شفع ثانی کا شروع کرنا صحیح نہ ہوا اور جب شفع ثانی کا شروع کرنا صحیح نہ ہوا تو اس کی قضاء بھی واجب نہ ہوگی البتہ شفع اول کی دونوں رکعتوں میں ترک قرأت کی وجہ سے شفع اول کی قضاء واجب ہوگی۔

صاحب ہدایہ نے **هذه المسئلة على ثمانية اوجه** کہہ کر جن آٹھ مسائل کی طرف اشارہ کیا تھا اور خادم نے بالاجمال ان کا ذکر کیا تھا ان کی توضیح وتشریح مع الدلائل ذکر کردی گئی۔

اب صاحب ہدایہ نے امام محمدؒ کے قول **و تفسير قوله عليه السلام ال يصلى بعد صلوة مثلها** سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ نفل کی تمام رکعات میں قرأت فرض ہے۔ حضرت امام محمدؒ نے کہا کہ حدیث کی مراد یہ ہے کہ فرض کے مثل ایسی چار رکعات اس کے بعد نہ پڑھے کہ دو بقرأت ہوں اور دو بغیر قرأت ہوں، تا کہ فرض کے مثل ہوجائے بلکہ چاروں رکعت قرأت کے ساتھ ہوں۔ پس اس حدیث سے نفل کی تمام رکعات میں فرضیت قرأت کا ثبوت ہوگیا۔

قدرت علی القیام کے باوجود بیٹھ کر نفل پڑھنے کا حکم

ويصلى النافلة قاعدا مع القدرة على القيام لقوله عليه السلام صلوٰة القاعد على النصف من صلوٰة القائم و لان الصلوة خير موضوع و ربما يشق عليه القيام فيجوز له تركه كيلا ينقطع عنه و اختلفوا فى كيفية القعود والمختار ان يقعد كما يقعد فى حالة التشهد لانه عهد مشروعا فى الصلوة

ترجمہ..... اور کھڑے ہونے پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر نفل نماز پڑھ سکتا ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنا کھڑے ہوکر پڑھنے کی بہ نسبت آدھا درجہ رکھتی ہے اور اس لئے کہ نماز خیر موضوع ہے اور بسا اوقات بندہ پر قیام دشوار ہوتا ہے اس لئے اس کے واسطے قیام کا ترک کرنا جائز ہے۔ تا کہ اس سے یہ خیر منقطع نہ ہوجائے اور علماء نے بیٹھنے کی کیفیت میں اختلاف کیا ہے۔ مختار یہ ہے کہ اس طرح بیٹھے جس طرح تشہد کی حالت میں بیٹھتا ہے کیونکہ نماز میں یہی مشروع ہوکر متعارف ہوا ہے۔

تشریح..... مسئلہ، قادر علی القیام کے لئے بیٹھ کر نفل نماز پڑھنا جائز ہے۔ دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا **صلوٰة القاعد على النصف**

من صلوۃ القائم یعنی کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کی بہ نسبت بیٹھ کر نماز پڑھنے میں آدھا ثواب ہے۔ اس حدیث سے استدلال
گا کہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی مراد یا تو یہ ہے کہ عذر کی وجہ سے بیٹھ کر پڑھے یا بغیر عذر کے اول تو ہو نہیں سکتا کیونکہ عذر کی
پڑھنا اور کھڑے ہوکر پڑھنا ثواب میں دونوں برابر ہیں پس متعین ہوگیا کہ بغیر عذر کے بیٹھ کر پڑھنا مراد ہے رہا یہ کہ حدیث
مراد ہے یا نفل تو ہم کہتے ہیں فرض بالاجماع مراد نہیں ہے کیونکہ بغیر عذر کے بالاجماع فرض نماز بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں ہے۔
نفل متعین ہوگیا یعنی یہ ثابت ہوگیا کہ نفل نماز بغیر عذر کے بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے البتہ کھڑے ہوکر پڑھنے کی بہ نسبت ثواب آدھا

دلیل عقلی یہ ہے کہ نفل نماز خیر موضوع ہے یعنی بندے کے لئے یہ نیکی اس طرح مہیا کردی گئی کہ جمیع اوقات میں حاصل
حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ الصلوۃ خیر موضوع فمن شاء استقل و من شاء استکثر
خیر موضوع ہے جو چاہے کم لے اور جو چاہے بہت لے

حاصل یہ ہے کہ نفل نماز غیر واجب ہے۔ اور جو چیز اس انداز پر ہو اس میں اس طرح کی کوئی شرط نہیں لگائی جاتی جو اس کے
سبب ہو کیونکہ جو ترک خیر کا سبب ہوگا وہ خیر نہیں ہو سکتا اور قیام کی شرط لگانا نفل کو چھوڑنے کا سبب ہو سکتا ہے اس لئے کہ بسا اوقات
شاق ہوتا ہے پس اگر قیام کو نفل نماز کے لئے شرط قرار دے دیا جائے تو بسا اوقات قیام کے شاق ہونے کی وجہ سے نفل ہی کا ترک کر
گا۔ حالانکہ نفل خیر موضوع ہے یعنی جمیع اوقات میں حاصل کرنے کی نیکی ہے اس لئے نفل نماز کے لئے قیام کی شرط نہیں لگائی گئی۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ علماء نے نفل کی بیٹھک کی کیفیت میں اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ امام محمدؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے روایت
نفل پڑھنے والا جس طرح چاہے بیٹھ کر نفل نماز پڑھے کیونکہ جب اس کے لئے اصل قیام کا چھوڑ دینا جائز ہے تو صفت قعود کا
اولیٰ جائز ہوگا۔ امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ حبوہ بنا کر بیٹھے کیونکہ حضور ﷺ آخری عمر میں بحالت احتباء نماز پڑھا کرتے
کر بیٹھنا یہ ہے کہ دونوں زانوں کھڑے رکھے اور سرین زمین پر ٹیک دے پھر دونوں ہاتھ باندھ لے) امام محمدؒ سے مروی
زانوں ہوکر بیٹھے امام زفرؒ نے فرمایا کہ تشہد کی کیفیت پر بیٹھے۔ مصنفؒ کے نزدیک یہی پسندیدہ مذہب ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے کیونکہ
یہی طریقہ مشروع ہوکر معلوم ہوا ہے۔

کھڑے ہوکر نفل شروع کئے پھر بغیر عذر کے بیٹھ کر مکمل کرنے کا حکم، اقوالِ فقہاء

و ان افتتحها قائما ثم قعد من غير عذر جاز عند ابی حنيفة و هذا استحسان و عندهما لا يجزيه
لان الشروع معتبر بالنذر له انه لم يباشر القيام فيما بقي و لما باشر صحة بدونه بخلاف النذر لانه
نصا حتیٰ لو لم ينص على القيام لا يلزمه القيام عند بعض المشائخ

ترجمہ ...... اور اگر نفل کو کھڑے ہوکر شروع کیا پھر بغیر عذر کے بیٹھ گیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے اور یہ استحسان ہے
کے نزدیک ناجائز ہے اور یہی قیاس ہے کیونکہ شروع کرنا نذر پر قیاس کیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ متنفل نے
نہیں کیا اور (جس میں قیام) کیا وہ بغیر قیام کے صحیح ہے۔ برخلاف نذر کے کیونکہ اس نے صراحۃً قیام کو لازم کرلیا حتیٰ کہ اگر
نہ کی ہوتی تو بعض مشائخ کے نزدیک اسپر قیام لازم نہ ہوتا۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے نفل نماز کھڑے ہو کر شروع کی پھر بلا عذر بیٹھ گیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک ناجائز ہے حکم اول استحسانی ہے اور ثانی قیاسی ہے۔ صاحبین کی دلیل قیاس ہے یعنی نفل نماز شروع کرنا قیاس کیا گیا ہے نذر پر یعنی جو کہ اگر کسی نے کھڑے ہو کر نفل پڑھنے کی نذر کی تو اس کے لئے بیٹھ کر پڑھنا جائز نہ ہوگا اسی طرح اگر کھڑے ہو کر نفل نماز شروع کی تو بیٹھ کر پڑھنا جائز نہ ہوگا۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ سابق میں گذر چکا ہے کہ شروع کرنا اس چیز کو لازم کرتا ہے جس کو شروع کیا گیا ہے اور جس پر ما شرع کی صحت موقوف ہے تو نفل شروع کرنے سے رکعت اولی اور ثانیہ دونوں واجب ہوں گی۔ رکعتِ اولی تو اس لئے واجب ہوگی کہ اس کو شروع کیا گیا ہے اور رکعت ثانیہ اس لئے کہ اس پر رکعت اولی کی صحت موقوف ہے کیونکہ صلوۃ بتیراء ممنوع ہے۔ مگر مسئلہ مذکورہ میں رکعت اولی کھڑے ہو کر شروع کیا گیا ہے لیکن اس کی صحت اس پر موقوف نہیں کہ رکعت ثانیہ کو بھی کھڑے ہو کر پڑھا جائے۔

لہذا رکعت اولی کو کھڑے ہو کر شروع کرنے سے رکعت ثانیہ میں قیام لازم نہیں ہوگا۔ اس کے برخلاف نذر ہے کیونکہ نذر کی صورت میں اس نے صراحۃً اپنے اوپر قیام لازم کرلیا ہے لہذا کھڑے ہو کر پڑھنے سے نذر پوری ہوگی چنانچہ اگر کسی نے قیام کی صراحت نہیں کی، مطلقاً یہ کہا کہ میں نفل نماز پڑھوں گا تو بعض مشائخ کے نزدیک اس پر قیام لازم نہیں ہے۔

شہر سے باہر چوپائے پر نفل پڑھنے کا حکم ...... اقوالِ فقہاء

ومن كان خارج المصر تنفل على دابة الى اى جهة توجهت يومى ايماءً، لحديث ابن عمر رضى الله عنهما قال رأيت رسول الله ﷺ يصلى على حمار وهو متوجه الى خيبر يومى ايماء ولان النوافل غير مختصة بوقت فلو الزمناه النزول والاستقبال تنقطع عنه القافلة او ينقطع هو عن القافلة اما الفرائض مختصة بوقت والسنن الرواتب نوافل و عن ابى حنيفة انه ينزل لسنة الفجر لانها اكدمن سائر والتقييد بخارج المصر ينفى اشتراط السفر والجواز فى المصر و عن ابى يوسف انه يجوز فى المصر ايضا ووجه الظاهر ان النص ورد فى خارج المصر والحاجة الى الركوب فيه اغلب

ترجمہ: اور جو شخص شہر سے باہر ہو وہ اپنی سواری پر نفل نماز پڑھے جس طرف چاہے متوجہ ہو درانحالیکہ اشارہ کرے۔ حدیث ابن عمرؓ کی وجہ سے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ اشارہ کرتے ہوئے گدھے پر نماز پڑھ رہے تھے۔ درانحالیکہ آپ خیبر کی طرف متوجہ تھے۔ اور اس لئے کہ نوافل وقت کے ساتھ مختص نہیں ہیں۔ پس اگر ہم اس پر سواری سے اترنا اور قبلہ کی طرف متوجہ ہونا لازم کردیں تو اس سے نفل نماز منقطع ہو جائے گی یا یہ قافلہ سے بچھڑ جائے گا۔ رہے فرائض تو وہ خاص اوقات کے ساتھ مخصوص ہیں اور راتبہ سنتیں بھی نفل ہیں۔ اور ابوحنیفہؒ سے روایت کیا جاتا ہے کہ سنت فجر کے لئے اتر پڑے کیونکہ وہ دوسری سنتوں سے زیادہ مؤکدہ ہے اور خارج مصر کی قید اشتراط سفر کی نفی کرتا ہے۔ اور شہر میں جواز کی نفی کرتا ہے۔ اور ابویوسفؒ سے مروی ہے کہ شہر میں بھی جائز ہے۔ اور ظاہر الروایۃ کی وجہ یہ ہے کہ نص شہر سے باہر ہونے کی وارد ہوئی ہے۔ اور وہاں سواری کی ضرورت بھی زائد ہے۔

تشریح: مسئلہ شہر سے باہر سواری پر نفل نماز پڑھنا جائز ہے خواہ عذر کی وجہ سے ہو یا بغیر عذر کے افتتاح نماز میں قبلہ کی طرف متوجہ ہو یا

متوجہ نہ ہو یعنی جس طرف سواری کا رخ ہو اسی طرف منہ کر کے ادا کر لیا امام شافعیؒ نے ابتداء نماز میں استقبال قبلہ کو واجب کہا ہے یعنی صلوٰۃ کے وقت امام شافعیؒ کے نزدیک استقبال قبلہ ضروری ہے پھر جس طرف سواری کا رخ ہو اسی طرف رخ کر کے پڑھتا رہے۔ رہے کہ سواری پر نماز اشارہ کے ساتھ ادا کی جاتی ہے اور سجدہ کے لئے اشارہ رکوع کے اشارہ سے پست ہوگا ان سب باتوں کی دلیل ابن عمرؓ ہے۔ قال رأیت رسول اللہ ﷺ یصلی علی حمار وھو متوجہ الی خیبر یؤمی ایماء یعنی حضرت ابن عمرؓ میں نے اللہ کے پاک رسول ﷺ کو گدھے پر اشارے سے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا درانحالیکہ آپ خیبر کی جانب متوجہ تھے۔

عقلی دلیل یہ ہے کہ سواری پر نوافل کا جواز اس لئے ہے کہ نوافل کسی وقت کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں پس اگر ہم مصلی پر سواری سے اترنے اور استقبال قبلہ کو لازم قرار دے دیں تو اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو وہ سواری سے اتر کر قبلہ رخ متوجہ ہوگا یا نہ سواری سے اترے گا اور نہ استقبال قبلہ کرے گا۔ پس اگر ثانی صورت ہے تو نفل اس سے منقطع ہو جائے گا کیونکہ جب تک وہ سواری پر ہے نفل ادا نہیں کر سکتا اور جب اس وقت میں نوافل ادا نہیں کر سکتا تو وہ نوافل کی خیر موضوع (یعنی تمام اوقات میں عمومیت سے) محروم ہو گیا حالانکہ نوافل اسی لئے موضوع ہیں یعنی اس نیکی کو ہمہ وقت حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر پہلی صورت ہے یعنی سواری سے اتر کر قبلہ رخ ہو کر نماز نوافل پڑھے تو اس صورت میں وہ قافلہ سے پیچھے رہ جائے گا پس اس عذر کی وجہ سے سواری پر نفل نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی۔

رہے فرائض تو وہ خاص اوقات کے ساتھ مخصوص ہیں لہٰذا ان مخصوص اوقات میں اتر کر استقبال قبلہ لازم ہونے میں کوئی ضرر نہیں ہے اس وجہ سے سواری پر فرض نماز ادا کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ البتہ عذر کی وجہ سے جائز ہے مثلاً چور کا خوف یا درندہ کا خوف ہو کہ اگر سواری سے اتر کر فرض ادا کیا تو سواری کے جانور اور سامان کو چور لے جائے گا یا درندہ ہلاک کر دے گا۔ یا مثلاً ساری زمین اس قدر کیچڑ اور گارا ہے کہ اس پر سجدہ کرنا ممکن نہیں یا مثلاً سوار اس قدر بوڑھا اور شیخ فانی ہے کہ وہ سواری پر تنہا سوار نہیں ہو سکتا اور دوبارہ سوار کرنے والا بھی موجود نہیں تو ان صورتوں میں سواری پر فرائض کا ادا کرنا شرعاً جائز ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُکْبَانًا یعنی اگر تم کو اندیشہ ہو تو کھڑے کھڑے یا سواری پر چڑھے چڑھے پڑھ لیا کرو۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ سنن مؤکدہ بھی نفل ہیں یعنی نفل کی طرح سنن مؤکدہ بھی سواری پر جائز ہیں۔ رہا وتر تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک سواری پر جائز نہیں کیونکہ ان کے نزدیک وتر کی نماز واجب ہے اور صاحبین کے نزدیک جائز ہے کیونکہ ان کے نزدیک وتر سنت ہے اور سنت بمنزلہ نفل کے سواری پر جائز ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ فجر کی سنتیں سواری سے اتر کر ادا کرے کیونکہ فجر کی سنت دوسری سنتوں کی بہ نسبت زیادہ مؤکدہ ہیں اس لئے اس کا حکم عام سنتوں سے مختلف ہوگا۔ ابن شجاع فقیہ نے کہا کہ ایسا لگتا ہے کہ امام صاحب سے یہ روایت بیان جواز کے لئے ہے یعنی اولیٰ یہ ہے کہ فجر کی سنت سواری سے اتر کر ادا کرے۔

والتقیید بخارج المصر سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اصل مسئلہ میں یہ قید لگانا کہ آبادی سے باہر ہو دو باتوں کو ثابت کرتا ہے یہ سواری پر نفل نماز جائز ہونے کے لئے مسافر ہونا شرط نہیں بلکہ آبادی سے باہر ہونا کافی ہے خواہ مقیم ہو خواہ مسافر۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ سواری پر نفل کا جائز ہونا مسافر کے ساتھ خاص ہے یعنی جو شخص ۴۸ میل کے ارادے سے شہر سے باہر نکلا ہو اس کے لئے سواری پر نفل ادا کرنا جائز ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اشارہ سے نماز کا جواز ضرورۃً ثابت ہوا ہے اور حضر میں کوئی ضرورت نہیں

اس لئے حضر میں سواری پر نفل پڑھنا جائز نہ ہوگا۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس حکم میں مسافر اور مقیم دونوں برابر ہیں۔ بشرطیکہ آبادی سے باہر ہو۔ رہی یہ بات کہ آبادی سے کتنی دوری ہو تو اس میں اختلاف ہے چنانچہ مبسوط میں ہے کہ آبادی سے فرسخ یعنی ایک میل کی دوری پر ہو تو سواری پر نفل پڑھنا جائز ہے ورنہ نہیں۔ بعض حضرات نے کہا کہ جہاں سے مسافر کو قصر پڑھنا جائز ہوتا ہے وہاں سواری پر نفل جائز ہے۔ یعنی فناشہر سے باہر۔

دوسری بات یہ ہے کہ شہر اور آبادی کے اندر سواری پر نفل پڑھنا جائز نہیں ہے کیونکہ شہر سے باہر سواری پر نفل کا جواز خلاف قیاس نص سے ثابت ہے اور شہر خارج شہر کے حکم میں بھی نہیں ہے لہٰذا شہر کے اندر قیاس پر عمل کیا جائے گا اور خارج شہر میں خلاف قیاس نص پر عمل ہوگا۔

امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ شہر کے اندر بھی بلا کراہت سواری پر نفل جائز ہے۔ اور امام محمدؒ سے مع الکراہت مروی ہے۔ امام ابو یوسفؒ کا مستدل حدیث ابن عمرؓ ان النبی ﷺ رکب الحمار فی المدینة یعود سعد بن عبادة رضی الله عنه و کان یصلی وھو راکب ہے یعنی آنحضور ﷺ مدینہ میں گدھے پر سوار ہو کر سعد بن عبادہؓ کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور آپ ﷺ سواری پر ہی نماز پڑھ رہے تھے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ شہر کے اندر بھی سواری پر نفل پڑھنا جائز ہے۔

علامہ ابن الہمام نے لکھا ہے کہ جب امام ابو حنیفہؒ نے یہ کہا کہ آبادی کے اندر سواری پر نفل پڑھنا جائز نہیں ہے تو امام ابو یوسفؒ نے امام اعظمؒ کے سامنے یہ حدیث پیش کی یہ حدیث سن کر امام صاحب نے اپنا سر نہیں اٹھایا اب بعض لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ سر نہ اٹھانا اپنے قول سے رجوع کرنے کے لئے تھا۔ یعنی حضرت امام صاحب نے اپنے قول سے رجوع فرمالیا اور حدیث رسول ﷺ کے سامنے سر نیاز جھکا دیا۔ اور بعض لوگوں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ کا آبادی کے اندر سواری پر نفل نماز پڑھنا امر شاذ ہے اور امر شاذ حجت نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ حدیث امام صاحب کے خلاف حجت نہیں ہوگی۔

امام محمدؒ کا مستدل بھی یہی حدیث ہے لیکن ان کے نزدیک وجہ کراہت یہ ہے کہ آبادی کے اندر بھیڑ بھاڑ بہت رہتی ہے اسی وجہ سے قرأت میں غلطی واقع ہونے سے محفوظ نہیں رہے گا اس وجہ سے آبادی کے اندر سواری پر نفل پڑھنا مکروہ قرار دیا گیا۔

ظاہر الروایہ کی وجہ یہ ہے کہ نص (یعنی حدیث ابن عمرؓ جو شروع مسئلہ میں ذکر کی گئی ہے) آبادی کے باہر جائز ہونے پر وارد ہوئی ہے اور آبادی سے باہر سواری کی ضرورت بھی زائد ہے لہٰذا شہر کے اندر کو اس پر قیاس نہیں کر سکتے۔

سواری پر نفل شروع کئے پھر اتر کر اسی پر بنا کرنے کا حکم اسی طرح اتر کر ایک رکعت پڑھی پھر سوار ہو گیا تو از سر نو پڑھے

فان افتتح التطوع راکبا ثم نزل یبنی و ان صلی رکعة نازلا ثم رکب استقبل لان احرام الراکب انعقد مجوزا للرکوع والسجود لقدرته علی النزول فاذا اتی بھما صح واحرام النازل انعقد لوجوب الرکوع والسجود فلا یقدر علی ترک ما لزمه من غیر عذر و عن ابی یوسف انه یستقبل اذا نزل ایضاً و کذا عن محمد اذا نزل بعد ما صلی رکعة والاصح ھو الظاھر

ترجمہ...... پس اگر نفل نماز سواری پر شروع کی پھر اتر گیا تو (اسی پر) بنا کرے اور ایک رکعت اتر کر زمین پر پڑھی پھر سوار ہو گیا تو از سر نو پڑھے۔ کیونکہ سوار کا تحریمہ منعقد ہوا تھا (اس طور پر کہ) رکوع اور سجدہ کو جائز رکھنے والا تھا اس لئے کہ وہ سواری سے اترنے پر قادر ہے پس جب دونوں کو بجالایا تو صحیح ہو گیا اور زمین پر موجود کا تحریمہ رکوع اور سجدہ کو واجب کرنے کے لئے منعقد ہوا تھا لہٰذا اس کو بغیر عذر کے اس چیز کو ترک کرنے کی قدر نہیں جو اس پر لازم ہو گئی اور ابو یوسف سے مروی ہے کہ جب اترے تو بھی از سر نو پڑھے اور ایسے ہی امام محمد سے بھی روایت ہے جبکہ ایک رکعت پڑھ کر اترے اور اصح وہی ظاہر الروایہ ہے۔

تشریح...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے سواری پر سوار ہو کر اشارہ سے نفل نماز شروع کی پھر وہ زمین پر اتر آیا تو یہ شخص اسی پر بنا کرے از سر نو اعادہ کی ضرورت نہیں اور اگر زمین پر نفل نماز شروع کی اور ایک رکعت پڑھی یا اس سے کم، پھر سوار ہو گیا تو یہ شخص از سر نو پڑھے اس پر بناء کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔

دلیل سے پہلے بطور تمہید ایک مقدمہ ذہن میں رکھئے۔ مقدمہ یہ ہے بعض صلوٰۃ کی بناء بعض پر اس وقت جائز ہوتی ہے جبکہ دونوں کو ایک تحریمہ شامل ہو اور اگر دونوں کو ایک تحریمہ شامل نہ ہو تو بنا جائز نہیں ہوتی۔

اب دلیل یہ ہوگی کہ سواری پر سوار ہو کر جو تحریمہ باندھی گئی ہے وہ رکوع اور سجدہ کے اشارہ کے علاوہ رکوع اور سجدہ کو بھی جائز کرتی ہے کیونکہ ہی شخص بغیر مبطل کے سواری سے اتر کر رکوع سجدہ کرنے پر قادر ہے پس اس نے جو نماز سواری پر اشرہ سے پڑھی ہے۔ اور جو نماز رکوع اور سجدہ کے ساتھ پڑھی ہے دونوں ایک تحریمہ کا موجب ہیں یعنی دونوں کو تحریمہ واحدہ شامل ہے پس جب دونوں کو ایک تحریمہ شامل ہے تو احدہما کی آخر پر بنا کرنا بھی جائز ہے۔ اور جو تحریمہ زمین پر سواری سے اتر کر باندھا گیا ہے وہ فقط موجب للرکوع والسجود ہو کر منعقد ہوا ہے یعنی اس سے رکوع اور سجدہ ہی واجب ہوا ہے اشارہ واجب نہیں ہوا کیونکہ بغیر مبطل کے سوار ہو کر اس پر قادر نہیں ہے اور مبطل عمل کثیر ہے پس جو نماز رکوع اور سجدہ کے ساتھ زمین پر پڑھی ہے اور جو سوار ہو کر اشارہ کے ساتھ ادا کی ہے ان دونوں کو ایک تحریمہ شامل نہیں ہے اور جب ایک تحریمہ دونوں کو شامل نہیں تو احدہما کی آخر پر بنا کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ اگر سواری پر نفل نماز شروع کی پھر زمین پر اتر آیا تو اس صورت میں بھی بنا نہ کرے بلکہ از سر نو پڑھے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ اس صورت میں ضعیف پر قوی کی بنا کرنا لازم آتا ہے کیونکہ جو نماز سواری پر اشارہ سے ادا کی وہ ضعیف ہے اور جو سواری سے اتر کر زمین پر رکوع اور سجدہ کے ساتھ ادا کرے گا وہ قوی ہے اور قوی کی بنا ضعیف پر جائز نہیں ہے۔ جیسے مریض اشارہ کے ساتھ نماز پڑھنے والا اگر درمیان نماز رکوع اور سجدہ پر قادر ہو جائے تو وہ از سر نو نماز پڑھے گا تا کہ بنا قوی علی الضعیف لازم نہ آئے۔

ہماری طرف سے جواب میں وہ مقدمہ ذکر کر دینا کافی ہوگا جو خادم نے بطور تمہید پیش کیا ہے یعنی آپ بلا خوف وخطر صاف صاف کہئے کہ امام ابو یوسف کا قیاس فاسد ہے اس لئے کہ مریض جو رکوع اور سجدہ سے عاجز ہے اس کا تحریمہ رکوع اور سجدہ کو عدم قدرت کی وجہ سے شامل نہیں ہے پس تحریم جس کو شامل نہ ہو اس کی بنا اس چیز پر کس طرح درست ہوگی جس کو تحریمہ شامل ہے۔ اس وجہ سے مریض جو رکوع اور سجدہ سے عاجز ہے وہ اگر درمیان نماز رکوع اور سجدہ پر قادر ہو گیا تو اس کی بنا جائز نہیں ہے۔ برخلاف اس کے کہ ایک شخص نے سواری پر نفل نماز شروع کی پھر سواری سے اتر آیا تو اس شخص کے واسطے بنا کرنا جائز ہے کیونکہ سواری پر جو تحریمہ باندھا گیا ہے وہ رکوع اور سجدہ

بھی جائز رکھنے والا تھا پس یہاں تحریمہ اس کو بھی شامل تھا، جو نماز سواری پر ادا کی گئی اور اس کو بھی شامل ہے جو اتر کر رکوع اور سجدہ کے ساتھ ادا کی گئی ہے پس جب تحریمہ دونوں کو شامل ہے تو ایک کی دوسرے پر بنا کرنا بھی جائز ہے۔
امام محمدؒ سے یہ روایت ہے کہ اگر سواری پر ایک رکعت پوری کر کے اترا ہے تو از سر نو پڑھے بنا نہ کرے کیونکہ ایک رکعت نماز ہے لہٰذا اس میں قوی کی ضعیف پر بنا نہ کرے اور اگر ایک رکعت پورا کئے بغیر اتر آیا تو بنا کر سکتا ہے کیونکہ ایک رکعت پوری ہونے سے پہلے فقط تحریمہ پایا گیا اور تحریمہ نماز کی شرط ہے۔ اور شرط جو ضعیف کے لئے منعقد کی گئی ہو وہ قوی کے لئے بھی شرط ہوگی مثلاً جو وضو نفل کے لئے کیا ہے۔ وہ فرض کے لئے بھی کافی ہوگا پس ایک رکعت پوری ہونے سے پہلے اگر اتر آیا تو وہ بنا کرے اور اس میں قوی کی بنا ضعیف پر لازم نہیں آتی۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ قول اول جو متن میں مذکور ہے وہی اصح ہے۔ اور وہی ظاہر الروایہ ہے۔ جمیل احمد عفی عنہ

فصلٌ فی قیام رمضان

ترجمہ……یہ فصل رمضان کے قیام (کے بیان) میں ہے۔

تشریح……تراویح کی نماز چونکہ نوافل سے ایک گونہ مختلف ہے۔ اس لئے تراویح یعنی قیام لیل کو علیحدہ فصل میں ذکر کیا ہے۔ تراویح عام نوافل سے چند باتوں میں مختلف ہے اول یہ کہ عام نوافل میں جماعت نہیں اور تراویح میں جماعت ہے۔ دوم یہ کہ نوافل میں تحدید رکعات نہیں ہے اور تراویح میں تقدیر رکعات ہے۔ سوم یہ کہ نوافل کسی وقت کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتے اور تراویح رمضان کی راتوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ چہارم یہ کہ تراویح میں ایک قرآن ختم کرنا مسنون ہے دوسرے نوافل میں یہ سنت نہیں۔ (عنایہ)
صاحب ہدایہ نے عنوان میں قیام رمضان کا لفظ حدیث کا اتباع کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ان اللہ تعالیٰ فرض علیکم صیامه هو سننت لکم قیامه یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر رمضان کا روزہ فرض کیا اور میں نے تمہارے لئے اس کے قیام کو مسنون کیا (ابن ماجہ) چونکہ حدیث میں قیام رمضان کا لفظ موجود ہے اس لئے فصل کا عنوان بھی اسی لفظ کے ساتھ تجویز کیا گیا۔

نماز تراویح کے لئے اجتماع مستحب ہے، نماز تراویح کی رکعات

یستحب ان یجتمع الناس فی شهر رمضان بعد العشاء، فیصلی بهم امامهم خمس ترویحات کل ترویحة بتسلیمتین، ویجلس بین کل ترویحتین مقدار ترویحة، ثم یوتر بهم ذکر لفظ الاستحباب والاصح انها سنة، کذا روی الحسن عن ابی حنیفة، لانه واظب علیها الخلفاء الراشدون والنبی علیه السلام بین العذر فی ترکه المواظبة، وهو خشیة ان تکتب علینا

ترجمہ……رمضان کے ماہ میں عشاء کے بعد لوگوں کا جمع ہونا مستحب ہے پس ان کا امام ان کو پانچ ترویحات پڑھائے۔ ہر ترویحہ دو سلام کے ساتھ اور ہر دو ترویحوں کے درمیان ایک ترویحہ کی مقدار بیٹھے پھر امام ان کو وتر پڑھائے۔ قدوری نے لفظ استحباب ذکر کیا اور اصح یہ ہے کہ تراویح سنت ہے یوں ہی حسنؒ نے بھی ابو حنیفہؒ سے روایت کیا ہے کیونکہ خلفاء راشدین نے اس پر مواظبت فرمائی ہے اور حضور ﷺ نے ترک مواظبت پر عذر بیان کر دیا تھا اور وہ ہم پر فرض ہونے کا خوف ہے۔

تشریح……امام قدوری نے کہا کہ عشاء کے فرضوں کے بعد رمضان کے مہینہ میں بغرض تراویح لوگوں کا اجتماع مستحب ہے۔ امام ان

لوگوں کو پانچ ترویحے پڑھائے ہر ترویحہ دو سلام کے ساتھ ادا کرے اور ہر دو ترویحوں کے درمیان ایک ترویحہ کی مقدار بغرض آرام کرے۔ پھر امام ان کو وتر کی نماز پڑھائے۔

صاحب عنایہ نے تحریر کیا ہے کہ ترویحہ چار رکعت کا نام ہے کیونکہ چار رکعتیں راحت وآرام تک پہونچا دیتی ہیں یعنی چار رکعت کے بعد راحت وآرام کی اجازت دی گئی ہے۔

نماز تراویح سنت مؤکدہ ہے: قدوری کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ تراویح کی نماز مستحب ہے۔ صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ تراویح سنت مؤکدہ ہے مردوں کے لئے بھی اور عورتوں کے لئے بھی امام ابوحنیفہؒ سے بھی یہی مروی ہے کہ تراویح سنت مؤکدہ ہے۔ سنت مؤکدہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ خلفاء راشدین نے تراویح کی نماز پر مواظبت اور مداومت فرمائی ہے اور خلفاء راشدین کا کسی عمل پر مواظبت فرمانا اس کے مسنون ہونے کی دلیل ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے **علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین من بعدی** یعنی تم پر میری اور میرے بعد خلفاء کی سنت لازم ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح آنحضرت ﷺ کے معمول بہا طریق کو سنت کہتے ہیں اسی طرح خلفاء راشدین کے طریقہ کو بھی سنت کہتے ہیں۔ لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ ہدایہ کی اس عبارت میں خلفاء کا لفظ تغلیباً استعمال کیا گیا ہے ورنہ یہاں خلفاء سے حضرت عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ مراد ہیں کیونکہ باجماعت بیس رکعات تراویح کا آغاز فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت سے ہوا ہے ورنہ اس سے پہلے لوگ فرادیٰ فرادیٰ پڑھتے تھے چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا انی اری ان اجمع الناس علی امام واحد جمعهم علی ابی بن کعب فصلی بهم خمس ترویحات عشرین رکعة، میں لوگوں کو ایک امام پر اکٹھا کرنا چاہتا ہوں پس ان کو ابی بن کعب پر اکٹھا فرمایا پھر ابی بن کعب نے لوگوں کو پانچ ترویحوں میں بیس رکعات نماز پڑھائی۔

اعتراض: اب ایک اعتراض ہوگا۔ وہ یہ کہ تراویح کی نماز اگر سنت مؤکدہ ہے تو آنحضرت ﷺ نے اس پر مواظبت کیوں نہیں فرمائی۔ **جواب:** صاحب ہدایہ نے جواب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے ترک مواظبت پر یہ عذر بیان فرمایا کہ میرے مواظبت کرنے سے امت پر فرض ہونے کا احتمال تھا اس لئے میں نے تراویح پر مداومت نہیں کی بلکہ کبھی کبھی چھوڑ بھی دی ہے۔ چنانچہ مروی ہے

انه ﷺ خرج لیلة من لیال رمضان و صلی عشرین رکعة فلما کانت اللیلة الثانیة اجتمع الناس فخرج و صلی بهم عشرین رکعة ما کانت اللیلة الثالثة کثر الناس فلم یخرج علیه السلام و قال عرفت اجتماعکم لکنی خشیت ان تکتب علیکم فکان الناس یصلونها فرادی الی زمن عمر رضی الله عنه

یعنی رمضان کی راتوں میں سے ایک رات اللہ کے نبی ﷺ تشریف لائے اور لوگوں کو بیس رکعات پڑھائیں۔ پس جو دوسری رات ہوئی اور لوگ جمع ہو گئے تو آپ ﷺ تشریف لائے اور لوگوں کو بیس رکعت پڑھائیں پس جب تیسری رات ہوئی اور لوگ بہت ہو گئے تو آپ تشریف نہ لائے اور یہ فرمایا کہ مجھے تمہارا جمع ہونا معلوم ہے لیکن مجھے خوف ہے کہ کہیں تم پر فرض نہ کر دی جائے۔ پس لوگ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت تک فرادیٰ فرادیٰ نماز پڑھتے رہے۔

سوال...... جب تراویح کی نماز سنت مؤکدہ ہے تو صاحب قدوری نے لفظ **یستحب** کیوں کہا؟

جواب...... مشائخ متقدمین لفظ مستحب کو کبھی بہت خوب کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اور بہت خوب کا لفظ واجب تک کو شامل ہے پس ممکن ہے کہ مستحب کا لفظ یہاں اسی معنی میں ہو یعنی تراویح کے لئے اجتماع بہت خوب اور بڑی فضیلت کی چیز ہے اور یہ سنت ہے۔

دوسرا جواب ...... یہ ہے کہ شیخ ابوالحسن قدوری نے لوگوں کے اجتماع کو مستحب کہا ہے نہ کہ تراویح کی نماز کو۔ پس یوں کہہ لیجئے رمضان المبارک کے اندر عشاء کی نماز کے بعد لوگوں کا اجتماع تو مستحب ہے لیکن تراویح کی نماز سنت ہے۔

تیسرا جواب ...... یہ ہے کہ بعض صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے وتر سمیت تراویح کی گیارہ رکعت پڑھی ہیں اور بعض سے بیس رکعت کا ثبوت ملتا ہے۔ گیارہ رکعت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کی حدیث سے ثابت ہیں حدیث کے الفاظ یہ ہیں سالت عائشۃؓ کیف کانت صلوۃ رسول اللہ ﷺ فی رمضان فقالت ماکان یزید فی رمضان ولا غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ الحدیث۔ (فتح القدیر) ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ رمضان میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کس طرح تھی۔ آپؓ نے فرمایا کہ آپ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زائد نہیں پڑھتے تھے یعنی آٹھ تراویح کی اور تین وتر کی۔ اور ابن عباسؓ کی حدیث سے بیس رکعات کا ثبوت ملتا ہے انہ ﷺ کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر ابن عباسؓ نے کہا کہ حضور ﷺ رمضان المبارک میں علاوہ وتر کے بیس رکعت پڑھتے تھے (فتح القدیر) اب بعض حضرات نے ان دونوں حدیثوں میں تطبیق دینے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ آٹھ رکعت وتر کے علاوہ سنت ہے اور بیس رکعات مستحب ہیں۔ پس ہوسکتا ہے کہ صاحب قدوری نے اسی قول پر عمل کرتے ہوئے یستحب کہا ہو یعنی بیس رکعات پانچ ترویحوں میں مستحب ہیں۔

تراویح کی جماعت کی شرعی حیثیت

والسنة فيها الجماعة، لكن على وجه الكفاية، حتى لو امتنع اهل المسجد عن اقامتها كانوا مسيئين ولو اقامها البعض فالمتخلف عن الجماعة تارك للفضيلة، لان افراد الصحابة يروى عنهم التخلف والمستحب فى الجلوس بين الترويحتين مقدار الترويحة، وكذا بين الخامسة وبين الوتر لعادة اهل الحرمين، واستحسن البعض الاستراحة على خمس تسليمات، وليس بصحيح، وقوله ثم يوتر بهم يشير الى ان وقتها بعد العشاء قبل الوتر، وبه قال عامة المشائخ، والاصح ان وقتها بعد العشاء الى آخر الليل قبل الوتر وبعده، لانها نوافل سنت بعد العشاء، ولم يذكر قدر القراءة، واكثر المشائخ على ان السنة فيها الختم مرة، فلا يترك لكسل القوم بخلاف ما بعد التشهد من الدعوات حيث يتركها، لانها ليست بسنة

ترجمہ ...... اور سنت تراویح میں جماعت ہے لیکن بطور کفایہ حتی کہ اگر ایک مسجد والے (سب لوگ) قیام جماعت سے باز رہیں تو سب گنہگار ہوں گے اور اگر بعض نے جماعت قائم کر لی تو جو شخص جماعت سے پیچھے رہا وہ فضیلت کو چھوڑنے والا ہوا۔ کیونکہ افراد صحابہ کا پیچھے رہنا مروی ہے اور دو ترویحوں کے درمیان ایک ترویحہ کی مقدار بیٹھنا مستحب ہے۔ اور یوں ہی پانچویں ترویحہ اور وتر کے درمیان بھی کیونکہ اہل حرمین کی عادت ہے۔ اور بعض نے پانچ تسلیمات پر استراحت کو مستحسن سمجھا ہے اور یہ صحیح نہیں ہے اور مصنف کا قول ثم یوتر بھم اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ تراویح کا وقت عشاء کے بعد اور وتر سے پہلے ہے اور اسی کے قائل عامۃ المشائخ ہیں اور اصح یہ ہے کہ تراویح کا وقت عشاء کے بعد ہے آخر رات تک خواہ وتر سے پہلے ہو یا بعد میں کیونکہ تراویح بھی نوافل ہیں جو عشاء کے بعد مقرر کی گئی ہے اور مصنفؒ نے قرأت کی مقدار کو ذکر نہیں کیا اور اکثر مشائخ اس قول پر ہیں کہ تراویح میں ایک بار ختم کرنا سنت ہے پس ایک ختم قوم کی کاہلی کی وجہ سے نہ چھوڑا جائے۔ بخلاف التحیات کے بعد کی دعاؤں کے کہ ان کو ترک کر سکتا ہے کیونکہ وہ سنت نہیں ہیں۔

تشریح ...... صاحب ہدایہ نے کہا کہ اکثر مشائخ کے نزدیک تراویح کی جماعت سنت علی الکفایہ ہے چنانچہ ایک مسجد سے متعلق تمام لوگوں نے اگر جماعتِ تراویح کو ترک کر دیا تو سب گنہگار ہوں گے اور اگر بعض نے جماعت کو قائم کیا اور بعض نے ترک کر دیا تو جماعت میں شریک نہ ہونے والے تارکِ فضیلت ہوں گے۔

دلیل یہ ہے کہ بعض صحابہؓ ایسے ہیں جن سے تراویح کی جماعت میں شریک نہ ہونا مروی ہے۔ یعنی یہ حضرات صحابہؓ جماعت میں شریک نہیں ہوئے بلکہ تنہا پڑھی ہے۔ چنانچہ امام طحاویؒ نے ابن عمر اور عروہ سے اس کو روایت کیا ہے۔ بعض علماء نے تراویح کی جماعت کو سنت علی العین کہا ہے۔ لہٰذا ان کے نزدیک اگر کوئی شخص تنہا تراویح کی نماز ادا کرے تو ترک سنت کی وجہ سے گنہگار ہوگا امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ اگر سنت قرأت کی رعایت کرتے ہوئے گھر میں تراویح پڑھنا ممکن ہو تو جائز ہے کہ وہ گھر میں اکیلا تراویح کی نماز پڑھے لیکن اگر کوئی شخص فقیہ کبیر ہو جس کے عمل کی لوگ اقتداء کرتے ہیں تو یہ فقیہ کبیر گھر میں تراویح ادا نہ کرے۔ امام ابو یوسفؒ کی دلیل حضور ﷺ کا یہ قول ہے **علیکم بالصلوۃ فی بیوتکم فان خیر صلوۃ المرء فی بیتہ الا المکتوبۃ** یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم پر اپنے گھر میں نماز پڑھنا لازم ہے کیونکہ آدمی کی بہترین نماز اس کے گھر میں ہے علاوہ فرض نماز کے۔ ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ قیام رمضان اس حکم سے مستثنیٰ ہے کیونکہ پہلے معلوم ہو چکا کہ آنحضرت ﷺ نے مسجد میں آکر تراویح کی نماز ادا کی ہے اور جب تشریف نہیں لائے تو اس کا عذر بیان فرمایا اور خلفاءِ راشدین کا عمل بھی یہی رہا ہے کہ تراویح کی نماز با جماعت مسجد میں ادا کی ہے اس لئے بلا عذر تراویح کی جماعت چھوڑنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

و المستحب فی الجلوس ...... الخ ،اس عبارت میں بیان کیا گیا ہے کہ دو ترویحوں کے درمیان اور پانچویں ترویحہ اور وتر کے درمیان بیٹھنا مستحب ہے۔ دلیل، اہل حرمین یعنی اہل مکہ اور اہل مدینہ کی عادت ہے اہل مکہ دو ترویحوں کے درمیان بیت اللہ کا طواف کرتے تھے اور اہل مدینہ اس کے عوض چار رکعت نفل نماز پڑھتے تھے اور ہر شہر کے لوگوں کو اختیار ہے کہ وہ دو ترویحوں کے درمیان تسبیح کریں یا کلمہ طیبہ کا ورد کریں یا خاموشی کے ساتھ انتظار کریں۔

علامہ ابن الہمامؒ صاحبِ فتح القدیر، اور صاحبِ عنایہ نے تحریر کیا ہے کہ دو ترویحوں کے درمیان خاموشی کے ساتھ انتظار کرنا مستحب ہے۔ کیونکہ تراویح اور ترویحہ، راحت سے ماخوذ ہے لہٰذا ایسا کام کرے جس میں راحت پائی جائے اور یہ بات ظاہر ہے کہ راحت خاموش بیٹھے رہنے میں ہے۔ اس لئے خاموشی کے ساتھ بیٹھے رہنا اولیٰ اور مستحب ہے۔

لیکن خادم کو اس پر اشکال ہے وہ یہ کہ تراویح بلا شبہ راحت سے ماخوذ ہے مگر راحت فقط دنوی ہی مطلوب نہیں ہوتی بلکہ بسا اوقات اخروی راحت بھی مطلوب ہوتی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اخروی راحت خاموش بیٹھنے میں نہیں ہے بلکہ نیک عمل کرنے میں ہے لہٰذا اس وقت میں تسبیح پڑھے یا کلمہ طیبہ کا ورد کرے یا نفل پڑھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم جمیل احمد

بعض حضرات نے پانچ سلاموں یعنی نصف تراویح پر استراحت کو مستحسن کہا ہے لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ صاحب ہدایہ کی عبارت **و المستحب فی الجلوس** میں قدرے تسامح ہے کیونکہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ دو ترویحوں کے درمیان بیٹھنا مستحب ہے اور دلیل میں اہل حرمین کی عادت کو پیش کیا ہے۔ اور اہل حرمین کی عادت یہ تھی کہ اہل مکہ طواف کرتے تھے اور اہل مدینہ نماز پڑھتے تھے۔ پس معلوم ہوا کہ ان حضرات کی عادت بیٹھنے کی نہ تھی بلکہ انتظار کرنے کی

تھی، انتظار بیٹھ کو ہو یا بغیر بیٹھے ہو۔ اس لئے مناسب یہ تھا کہ یوں کہتے۔ والمستحب فی الانتظار بین الترویحتین مقدار الترویحة۔ (عنایہ، فتح القدیر، کفایہ)

و قولہٗ ثم یوتر بھم الخ، اس عبارت میں تراویح کا وقت بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ تراویح کا وقت عشاء کے بعد اور وتر سے پہلے ہے۔ عامۃ المشائخ اسی کے قائل ہیں۔ حتیٰ کہ اگر عشاء سے پہلے یا وتر کے بعد تراویح کی نماز پڑھی تو وہ تراویح نہیں ہوگی۔ کیونکہ تراویح کا علم صحابہؓ کے فعل سے ہوا ہے لہٰذا صحابہؓ نے جس وقت میں تراویح کی نماز پڑھی ہے وہی تراویح کا وقت ہوگا۔ اور یہ بات مسلم ہے کہ صحابہؓ نے عشاء کے بعد اور وتر سے پہلے تراویح کی نماز پڑھی ہے لہٰذا تراویح کا یہی وقت مشروع ہوگا۔ اور متاخرین مشائخ بلخ کا مذہب یہ ہے کہ پوری رات صبح صادق تک تراویح کا وقت ہے عشاء سے پہلے بھی اور عشاء کے بعد بھی کیونکہ نماز تراویح کا نام قیام لیل ہے۔ پس اس کا وقت بھی لیل یعنی رات ہوگی۔

اصح قول یہ ہے کہ تراویح کا وقت عشاء کے بعد سے آخر رات تک ہے وتر سے پہلے بھی اور وتر کے بعد بھی۔ کیونکہ تراویح نوافل ہیں جو عشاء کے بعد مقرر کیے گئے ہیں۔ پس تراویح کی نماز عشاء کی نماز کے تابع ہوئی اور تابع متبوع سے بعد ہوتا ہے لہٰذا تراویح کی نماز عشاء کے بعد ہوگی نہ کہ پہلے اور تراویح کو تہائی رات تک مؤخر کرنا مستحب ہے بعض نے کہا کہ نصف رات تک مؤخر کرنا مستحب ہے لیکن اگر آدھی رات کے بعد تراویح پڑھی تو بعض کے نزدیک مکروہ ہے کیونکہ تراویح عشاء کے تابع ہے۔ اور عشاء کو آدھی رات کے بعد ادا کرنا مکروہ ہے لہٰذا تراویح بھی آدھی رات کے بعد مکروہ ہوگی اور صحیح قول یہ ہے کہ آدھی رات کے بعد مکروہ نہیں ہے کیونکہ تراویح صلوٰۃ لیل ہے اور صلوٰۃ لیل میں آخر رات افضل ہے لہٰذا تراویح میں آخر رات تک تاخیر افضل ہے نہ کہ مکروہ۔

تراویح کی بیس رکعات میں کتنی مقدار قرأت کرے: و لم یذکر قدر القراءۃ الخ، صاحب ہدایہ نے کہا کہ ماتن نے یہ بیان نہیں کیا کہ تراویح کی بیس رکعات میں کتنا قرآن پڑھے۔ سو اس بارے میں اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ تراویح کے ہر شفع میں اتنی مقدار قرأت کرے جتنی کہ مغرب کی نماز میں قرأت کرتا ہے کیونکہ تراویح کی نماز نفل ہے اور نفل بہ نسبت فرض کے اخف ہوتا ہے لہٰذا مقدار قرأت میں تراویح کو اخف المکتوبات پر قیاس کیا جائے گا' اور اخف المکتوبات مغرب کی نماز ہے لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس مقدار سے پورے ماہ مبارک کی تراویح میں ایک ختم نہیں ہو سکے گا۔ حالانکہ تراویح میں ایک مرتبہ کلام پاک ختم کرنا سنت ہے۔

بعض نے کہا کہ تراویح کے ہر شفع میں اس قدر قرأت کرے جس قدر کہ عشاء میں کرتا ہے کیونکہ تراویح عشاء کے تابع ہے۔ حسن بن زیاد نے امام اعظمؒ سے روایت کی ہے کہ ہر رکعت میں دس آیات کی مقدار قرأت کرے۔ یہی صحیح ہے کیونکہ اس صورت میں لوگوں پر آسانی بھی ہے اور ختم قرآن کی سنت بھی ادا ہو جائے گی۔ کیونکہ تیس راتوں میں تراویح کی چھ سو رکعات ہوتی ہیں اور قرآن پاک کی کل آیات چھ ہزار کچھ ہیں پس جب ہر رکعت میں دس آیات تلاوت کرے گا تو تراویح میں پورا قرآن ایک بار ختم ہو جائے گا اور یہی مسنون بھی ہے۔ صاحب ہدایہ بھی یہی کہتے ہیں کہ تراویح میں ایک بار ختم کلام پاک مسنون ہے۔ حتیٰ کہ اگر لوگ سستی کرنے لگیں تو اس سنت کو ترک نہ کیا جائے۔

کفایہ میں مرقوم ہے کہ دو بار ختم کرنا افضل ہے۔ اور مجتہدین امت ایک عشرہ میں ایک ختم کرتے تھے اور امام الہمام مقتدوۃ الانام امام ربانی حضرت امام ابو حنیفہؒ ماہ رمضان میں اکسٹھ کلام پاک ختم فرماتے تھے۔ تیس رمضان کی راتوں میں اور تیس دن کے اجالوں میں ، ر

ایک تراویح میں۔(فتاوی قاضیخان) اے اللہ تعالی اپنے اس برگزیدہ بندہ کی قبر کو نور سے بھر دے اور مجھ سیاہ کار کی خطاؤں کو بھی معاف کر دے۔آمین

بخلاف ما بعد التشهد کا حاصل یہ ہے کہ اگر التحیات کے بعد کی دعائیں مقتدیوں پر گراں گذریں تو ان کو ترک کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ وہ مسنون نہیں ہیں لیکن التحیات کے بعد درود کا پڑھنا مناسب ہوگا اس کو ترک نہ کرے کیونکہ درود کا پڑھنا امام شافعیؒ کے نزدیک فرض ہے پس ہمارے نزدیک بھی احتیاط اسی میں ہے کہ اس کو پڑھے۔

غیر رمضان میں وتر کی جماعت کا حکم

ولا يصلى الوتر بجماعة فى غير شهر رمضان عليه اجماع المسلمين- والله اعلم

ترجمہ......اور وتر کو جماعت کے ساتھ رمضان المبارک کے علاوہ میں نہ پڑھے۔اسی پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔

تشریح......رمضان المبارک کے علاوہ دوسرے مہینوں میں وتر جماعت کے ساتھ مشروع نہیں ہے۔کیونکہ وتر من وجہ نفل ہے۔اور رمضان کے علاوہ میں نفل کو با جماعت پڑھنا مکروہ ہے۔پس احتیاط اسی میں ہے کہ رمضان کے علاوہ میں وتر کو جماعت کے ساتھ نہ پڑھا جائے۔اسی پر مسلمانوں کا اجماع ہے البتہ رمضان المبارک میں وتر کو با جماعت پڑھنا مکروہ نہیں ہے لیکن افضلیت میں اختلاف ہے۔چنانچہ علامہ ابن الہمام نے کہا کہ رمضان کے مہینے میں وتر کو با جماعت پڑھنا افضل ہے کیونکہ حضرت عمرؓ وتر کو با جماعت پڑھاتے تھے۔ابو علی نسفی نے ذکر کیا ہے۔ہمارے علماء کے نزدیک جماعت کے ساتھ نہ پڑھنا افضل ہے۔کیونکہ حضرت ابی بن کعبؓ وتر کی نماز با جماعت نہیں پڑھاتے تھے۔واللہ اعلم۔جمیل احمد عفی عنہ

باب ادراک الفریضة

ترجمہ......(یہ) باب فریضہ پانے (کے بیان) میں ہے۔

تشریح......گذشتہ ابواب میں فرائض،واجبات اور نوافل کا بیان تھا اب اس باب کے اندر اداء کامل کے معنی با جماعت نماز ادا کرنے کا بیان ہے۔

سنت پڑھنے کے دوران فرائض کی جماعت شروع ہو جائے تو نمازی کے لئے کیا حکم ہے

ومن صلى ركعة من الظهر، ثم اقيمت يصلى اخرى صيانة للمؤدى عن البطلان، ثم يدخل مع القوم احرازا لفضيلة الجماعة، وان لم يقيد الاولى بالسجدة، يقطع ويشرع مع الامام، هو الصحيح، لانه بمحل الرفض والقطع للاكمال، بخلاف ما اذا كان فى النفل، لانه ليس للاكمال، ولو كان فى السنة قبل الظهر والجمعة فاقيم او خطب يقطع على رأس الركعتين، روى ذلك عن ابى يوسف وقد قيل يتمها

ترجمہ......اور جس شخص نے ظہر کی ایک رکعت پڑھی پھر جماعت شروع کر دی گئی تو یہ شخص دوسری رکعت پڑھ لے تا کہ بطلان سے

محفوظ رہے۔ جو ادا کی گئی ہے۔ پھر مقتدیوں کے ساتھ شامل ہو جائے فضیلت جماعت کو حاصل کرنے کے لئے اور اگر اس نے ظہر کی پہلی رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید نہیں کیا تو فوراً قطع کر دے اور امام کے ساتھ شروع کر دے یہی قول صحیح ہے کیونکہ یہ توڑے جانے کا محل ہے اور (یہ) توڑنا مکمل کرنے کے لئے ہے بخلاف اس کے جبکہ نفل میں ہو کیونکہ نفل کا توڑنا کامل کرنے کے لئے نہیں ہے اور اگر وہ شخص ظہر یا جمعہ سے پہلے کی سنتوں میں ہو پھر اقامت ہوئی یا خطبہ شروع کیا گیا تو دو رکعت پوری کر کے قطع کرے یہ امام ابو یوسفؒ سے روایت کیا جاتا ہے اور کہا گیا ہے کہ اس کو تمام کرے۔

تشریح ...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے منفرداً ظہر کی ایک رکعت پڑھی یعنی رکعت اولیٰ کو سجدہ کے ساتھ مقید کر دیا پھر امام نے جماعت کے ساتھ نماز ظہر شروع کر دی تو ایسی صورت میں اس شخص کو چاہئے کہ وہ دوسری رکعت ملالے یعنی دو رکعت پڑھ کر سلام پھیرے ایک رکعت پر سلام نہ پھیرے۔ دلیل یہ ہے کہ اگر ایک رکعت پر سلام پھیر دیا تو یہ رکعت باطل ہو جائے گی کیونکہ حدیث پاک میں صلاۃ بتیراء سے منع کیا گیا ہے پس اس رکعت ادا کی ہوئی کو باطل ہونے سے بچانے کے لئے دوسری ملانے کا حکم کیا گیا ہے اور جب دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو یہ شخص امام کے ساتھ جماعت میں شریک ہو جائے تاکہ جماعت کی فضیلت حاصل ہو جائے اور یہ حکم ایسا ہے جیسے ایک شخص نے جمعہ کے دن جامع مسجد میں ظہر کی نماز شروع کر دی حتیٰ کہ ایک رکعت پڑھ لی پھر جمعہ کی نماز شروع کی گئی تو یہ شخص اس رکعت کے ساتھ دوسری رکعت ملالے پھر دو رکعت پر سلام پھیر کر جمعہ کی فضیلت کو حاصل کرنے کے لئے جمعہ کی نماز میں شریک ہو جائے۔

اعتراض: اس موقعہ پر صاحب عنایہ نے ایک اعتراض و جواب تحریر فرمایا ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ ظہر کی نماز جو منفرداً شروع کی گئی ہے وہ فرض ہے اور جماعت سنت ہے پس اقامت سنت کے لئے صفت فرضیت کو باطل کرنا کس طرح جائز ہوگا۔

جواب ...... فریضہ ظہر جو منفرداً شروع کیا گیا تھا اس کو توڑنا اقامت سنت کے لئے نہیں بلکہ علی وجہ الکمال فریضہ قائم کرنے کے لئے ہے اور اکمال کے لئے توڑنا بھی اکمال ہے جیسے از سر نو مسجد تعمیر کرنے کے لئے مسجد کو منہدم کرنا باعث ثواب ہے نہ کہ باعث عذاب۔ اور یہ بات واضح ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا تنہا پڑھنے کی بہ نسبت ستائیس درجہ افضل ہے۔

صاحب قدوری نے دوسری صورت یہ بیان کی ہے کہ اگر اس شخص نے ظہر کی رکعت اولیٰ کو سجدہ کے ساتھ مقید نہیں کیا اور جماعت کھڑی ہوگئی تو وہ شخص اس کو قطع کر کے امام کے ساتھ شریک ہو جائے۔ یہی صحیح مذہب ہے اور اسی کے قائل فخر الاسلام ہیں۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس صورت میں بھی دو رکعت پر سلام پھیرے۔ پھر امام کے ساتھ شریک ہو۔ شمس الائمہ سرخسی بھی اسی کے قائل ہیں۔ شمس الائمہ کی دلیل یہ ہے کہ رکعت اولیٰ کو سجدہ کے ساتھ مقید کرنے سے پہلے اگرچہ وہ نماز میں ہے لیکن وہ قربت اور عبادت ہے اور جماعت سنت ہے پس سنت کی رعایت کرنے کے لئے اس قربت کا باطل کرنا کیونکر جائز ہوگا۔ جیسے کسی نے نفل نماز شروع کی اور ابھی پہلی رکعت کا سجدہ بھی نہیں کیا تھا کہ فرض نماز کو با جماعت شروع کر دیا گیا تو یہ متنفل اپنا نفل قطع نہ کرے بلکہ دو رکعت پوری کر کے پھر اس کے بعد جماعت میں شریک ہو پس جب رکعت اولیٰ کو سجدے کے ساتھ مقید نہ کرنے کی صورت میں نفل قطع نہیں کیا جاتا تو فرض بدرجہ اولیٰ قطع نہیں کیا جائے گا۔

مذہب صحیح کی دلیل یہ ہے کہ رکعت اولیٰ سجدہ کے ساتھ مقید کرنے سے پہلے محل رفض ہے۔ یعنی اس کو توڑا جا سکتا ہے اور نظیر اس کی یہ

ہے کہ اگر کوئی شخص چوتھی رکعت پر بیٹھے بغیر پانچویں کے لئے کھڑا ہوگیا تو جب تک پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید نہیں کیا جاتا اس کو چھوڑا جا سکتا ہے یعنی پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے پہلے وہ قعدۂ اخیرہ کی طرف لوٹ سکتا ہے۔اس پر چھٹی رکعت کا ملانا ضروری نہیں ہے۔اور رہا یہ کہ فرض کو باطل کرنا لازم آتا ہے تو اس کا جواب گذر چکا کہ یہ قطع اور بطلان اکمال کے لئے ہے یعنی فریضہ ظہر کو علی وجہ الکمال حاصل کرنے کے لئے ہے۔

بخلاف ما اذا کان فی النفل الخ سے شمس الائمہ کے قیاس علی النفل کا جواب ہے۔جواب کا حاصل یہ ہے کہ ظہر کے فرض کو توڑنا جماعت میں شریک ہونے کے لئے فریضہ کو علی وجہ الکمال حاصل کرنے کے لئے ہے یعنی فضیلت جماعت حاصل کرنے کے لئے اور نفل کو توڑنا اکمال کے لئے نہیں ہوتا پس اس فرق کی وجہ سے فرض کو نفل پر قیاس کرنا درست نہیں ہوگا۔اور اگر کسی نے ظہر سے پہلے کی چار رکعت سنت پڑھنی شروع کر دی پھر ظہر کی نماز شروع ہوگئی یا جمعہ سے پہلے سنتوں کی نیت باندھی پھر امام نے خطبہ شروع کر دیا ان دونوں صورتوں میں حکم یہ ہے کہ دو رکعت پوری کر کے سلام پھیر دے اور نماز ظہر میں اور خطبہ میں شریک ہو جائے۔یہ حکم امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے بعض نے کہا کہ چاروں رکعت پوری کرے پھر نماز ظہر یا خطبہ میں شرکت کرے کیونکہ ظہر اور جمعہ سے پہلے کی چار رکعت بمنزلہ صلاۃ واحدہ کے ہے۔اس لئے ان کو دو قسطوں میں تقسیم نہ کرے بلکہ چاروں کو یکبارگی پڑھے۔

فقیہ وقت سغدی کہتے ہیں کہ میں اس پر فتویٰ دیا کرتا تھا کہ اگر نماز ظہر سے پہلے سنتوں کی نیت باندھی اور پھر نماز ظہر شروع ہوگئی تو سنت کی چاروں رکعت پوری کر کے سلام پھیرے برخلاف نفل نماز کے کہ نفل کی دو رکعت پر سلام پھیر دے، لیکن جب میں نے نوادر میں امام اعظمؒ کی یہ روایت دیکھی کہ اگر سنت جمعہ کو شروع کر دیا پھر امام خطبہ کے لئے نکلا تو امام صاحب نے فرمایا کہ اگر ایک رکعت پڑھ چکا ہے تو دوسری رکعت ملا کر سلام پھیر دے تو میں نے اپنے فتویٰ سے رجوع کر لیا اور اسی کا قائل ہوگیا جو امام صاحبؒ سے مروی ہے۔

تین رکعتیں پڑھ چکا تھا پھر جماعت کھڑی ہوگئی تو چوتھی رکعت ملانے کا حکم

وان کان قد صلی ثلاثا من الظهر يتمها، لان للاكثر حكم الكل، فلا يحتمل النقض، بخلاف ما اذا كان في الثالثة بعد ولم يقيدها بالسجدة حيث يقطعها، لانه بمحل الرفض، ويتخير ان شاء عاد فقعد وسلم، وان شاء كبر قائما ينوى الدخول في صلاة الامام، واذا اتمها يدخل مع القوم والذى يصلى معهم نافلة، لان الفرض لا يتكرر في وقت واحد

ترجمہ...... اور اگر وہ شخص ظہر کی تین رکعتیں پڑھ چکا ہے تو اس کو پورا کرے کیونکہ اکثر کے لئے کل کا حکم ہوتا ہے تو وہ قطع کو برداشت نہیں کر سکتا۔برخلاف اس کے جبکہ وہ ابھی تک تیسری رکعت میں ہو اور اس کو سجدہ کے ساتھ مقید نہیں کیا ہے تو اس کو قطع کر دے کیونکہ وہ قطع کرنے کا محل ہے اور اس کو اختیار ہے کہ اگر چاہے تو وہ لوٹ کر بیٹھ جائے اور سلام پھیر دے اور اگر چاہے تو کھڑے کھڑے تکبیر کہے امام کی نماز میں داخل ہونے کی نیت کرتے ہوئے اور جب نماز ظہر کو پورا کر لیا تو مقتدیوں کے ساتھ شریک ہو جائے اور جو نماز ان کے ساتھ پڑھے گا نفل ہوگی کیونکہ ایک وقت میں فرض مکرر نہیں ہوتا۔

تشریح...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ظہر کی تین رکعت پڑھ چکا ہو پھر جماعت کھڑی ہوگئی ہو تو یہ شخص چار رکعت پوری کرے۔بالاتفاق

یہ ہے کہ یہ شخص نماز ظہر کا اکثر حصہ پڑھ چکا ہے اور اکثر کل کے قائم مقام ہوتا ہے۔ پس اس سے فارغ ہونے کا شبہ ثابت ہو جائے گا اور اگر کوئی شخص حقیقۃً فارغ ہو جاتا تو نقض کا احتمال نہ رہتا۔ پس اسی طرح جب شبہ الفراغ ثابت ہو گیا تو بھی نقض کو قبول نہیں کرے گا۔ اس کے برخلاف اگر وہ شخص ابھی تک تیسری رکعت میں ہے اور تیسری رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید نہیں کیا ہے۔ تو اس کو قطع کر کے جماعت میں شریک ہو جائے پس جب اس حالت میں قطع کا ارادہ کر لیا تو اس کو اختیار ہے جی چا تو تیسری رکعت مکا قیام چھوڑ کر بیٹھ جائے اور سلام پھیر دے تا کہ نماز مشروع طریقہ پر ختم ہو جائے۔ رہی یہ بات کہ بیٹھ کر دوسری بار تشہد پڑھے یا نہ پڑھے، اس بارے میں اختلاف ہے بعض نے کہا کہ دوبارہ تشہد پڑھے کیونکہ جب دو رکعت پر قعدہ کیا تھا تو وہ قعدہ ختم نہیں تھا بلکہ قعدۂ ختم اب ہوا ہے جبکہ وہ تیسری رکعت چھوڑ کر بیٹھ گیا اور چونکہ قعدہ م (جس کو قعدۂ اخیرہ کہتے ہیں) میں تشہد واجب ہے اس لئے اس شخص پر دوبارہ تشہد واجب ہوگا۔ اور بعض نے کہا کہ پہلا تشہد کافی ہے کیونکہ قعدہ کی طرف لوٹ آنے سے تیسری رکعت کا قیام بالکل ختم ہو گیا ہے پس ایسا ہو گیا جیسا کہ تیسری رکعت کا قیام پایا ہی نہیں گیا لہذا یہ قعدہ ہی قعدۂ ختم ہوا اور اس میں تشہد پڑھ چکا ہے اس لئے دوبارہ تشہد پڑھنے کی ضرورت نہیں رہی۔

رہا یہ مسئلہ کہ سلام ایک طرف پھیرے یا دونوں طرف تو اس بارے میں بھی بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ دو سلام پھیرے کیونکہ تحلل یعنی نماز سے نکلنے کے لئے دو ہی سلام معہود اور مشروع ہیں اور بعض نے کہا کہ ایک سلام پر اکتفاء کرے کیونکہ دوسرا سلام تحلل کے لئے ہے اور یہ تحلل نہیں ہے یعنی نماز سے نکلنا نہیں ہے بلکہ من وجہ قطع ہے اس لئے ایک سلام کافی ہوگا اور جی چاہے تو تیسری رکعت میں کھڑے کھڑے تکبیر کہہ کر امام کے ساتھ جماعت میں شریک ہو جائے درانحالیکہ امام کے ساتھ شریک ہونے کی نیت بھی کرے۔ کیونکہ یہ فضیلت جماعت کو حاصل کرنے کی طرف مسارعت اور مسابقت ہے اور یہ فعل محمود ہے چنانچہ ارشاد باری ہے۔ وَسَارِعُوْآ اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ اور اس بارے میں مختار ہے کہ ہاتھ کانوں تک اٹھائے یا نہ اٹھائے۔

متن میں مذکور ہے کہ اگر منفرد نے تین رکعات پڑھ لیں اور جماعت کھڑی ہو گئی تو وہ ظہر کی چاروں رکعات پوری کرے پس جب اس نے ظہر کی نماز پوری کر لی تو اب یہ شخص جماعت میں مقتدیوں کے ساتھ شامل ہو جائے لیکن یہ شامل ہونا ضروری نہیں ہے کیونکہ جو نماز مقتدیوں کے ساتھ پڑھے گا وہ نفل ہے اور یہ نماز نفل اس لئے ہے کہ جو نماز منفرداً پڑھی تھی ظہر کا فریضۃ اس سے ادا ہو گیا اب اگر اس کو بھی فرض قرار دیا جائے تو ایک وقت میں ایک فرض دوبار ادا ہوگا حالانکہ ایک وقت میں فرض کا تکرار مشروع نہیں ہے بلکہ ایک وقت میں ایک ہی فرض مشروع ہے۔ بہر حال جو نماز مقتدیوں کے ساتھ جماعت میں شریک ہو کر پڑھی ہے وہ نفل ہے اور نفل میں التزام نہیں ہوتا اس لئے اس شخص پر مقتدیوں کے ساتھ شریک ہونا لازم نہیں ہے البتہ شریک جماعت ہو کر نفل پڑھنا افضل ہے کیونکہ مقتدیوں کے ساتھ شریک ہونے کی صورت میں جماعت سے اعراض کرنے کی تہمت دور ہو جائے گی۔ ورنہ خواہ مخواہ اعراض عن الجماعت کے ساتھ متہم ہوگا۔

اشکال:۔ اس موقع پر ایک بجا اشکال کیا جا سکتا ہے۔ وہ یہ کہ چند صفحات پہلے یہ بات آ چکی ہے کہ غیر رمضان میں جماعت کے ساتھ نفل ادا کرنا مکروہ ہے لیکن یہاں جو صورت ذکر کی گئی ہے اس سے جماعت کے ساتھ نفل ادا کرنا لازم آتا ہے۔

جواب...... کراہت اس وقت ہے جبکہ امام اور مقتدی دونوں نفل پڑھیں۔ مگر جب امام مفترض اور مقتدی متنفل ہو تو کوئی کراہت نہیں ہے چنانچہ مروی ہے کہ:

ان رسول اللہ ﷺ فرغ من الظهر فرئ رجلين في اخريات الصفوف لم يصليا معه فقال على بهما فاتي

بهما و فرائـ ... ا ترعد فقال علی رسلكما فانی ابن امرأة كانت تاكل القديد ثم قال ما لكما لم تصليا معنا فقالا كنا صلينا فی رحالنا فقال عليه السلام اذا صليتما فی رحالكما ثم اتيتما صلاة قام فصليا معهم واجعلا صلاتكما معهم سبحة ای نافلة

یعنی رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز سے فارغ ہو گئے تو آپ ﷺ نے بالکل صفوں کے پیچھے دو آدمیوں کو دیکھا کہ انہوں نے آپ کے ساتھ نماز نہیں پڑھی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان دونوں کو میرے پاس لاؤ۔ پس ان دونوں کو لایا گیا (مارے خوف کے) ان دونوں کے تھر تھر کانپنے لگے پس آپ ﷺ نے فرمایا، کہ تم مطمئن رہو (گھبراؤ مت) میں ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت کھاتی تھی (یعنی بہت غریب گھرانے کا بیٹا ہوں) پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے ہمارے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھی ہے، ان دونوں نے کہا کہ اپنی قیام گاہ پر نماز پڑھ چکے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم اپنی قیام گاہ پر نماز پڑھ چکے ہو اور پھر کسی قوم کی نماز کے وقت آ گئے ہو تو ان کے ساتھ بھی پڑھ لیا کرو اور ان کے ساتھ جو نماز ہو اس کو نفل شمار کر لینا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر امام نے فرض ادا کیا ہو اور مقتدی نے نفل تو اس میں کراہت نہیں ہے۔

فجر کی سنت ایک رکعت پڑھی پھر جماعت کھڑی ہو گئی تو کیا حکم ہے

فان صلى من الفجر ركعة ثم اقيمت يقطع ويدخل معهم، لانه لو اضاف اليها اخرى تفوته الجماعة، وكذا اذا قام الى الثانية قبل ان يقيدها بالسجدة، وبعد الاتمام لا يشرع فی صلوة الامام لكراهية النفل بعده، وكذا بعد المغرب فی ظاهر الرواية، لان التنفل بالثلاث مكروه، وفی جعلها اربعا مخالفة لامامه.

ترجمہ ...... پس اگر فجر کی ایک رکعت پڑھ چکا ہے پھر جماعت کھڑی ہو گئی تو اس کو قطع کر کے مقتدیوں کے ساتھ شریک ہو جائے۔ کیونکہ اگر اس نے دوسری رکعت ملائی تو جماعت فوت ہو جائے گی۔ ایسے ہی اگر دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا قبل اس کے کہ اس کو سجدہ کے ساتھ مقید کرے اور فجر کی نماز پوری کرنے کے بعد امام کی نماز کو شروع نہ کرے کیونکہ نماز فجر کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے۔ اور یونہی عصر کے بعد اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی اور یونہی مغرب کے بعد ظاہر الروایۃ کے مطابق، کیونکہ تین رکعت نفل پڑھنا مکروہ ہے اور اس کو چار کر لینے میں امام کی مخالفت ہے۔

تشریح ...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے فجر کی ایک رکعت پڑھی ہے پھر جماعت کھڑی ہو گئی تو یہ شخص اپنی یہ نماز قطع کر کے لوگوں کے ساتھ جماعت میں شریک ہو جائے کیونکہ اگر دوسری رکعت ملائے گا تو منفرداً اس کی نماز پوری ہو گئی لیکن جماعت فوت ہو گئی حالانکہ جماعت سنت مؤکدہ ہے۔ پس فضیلت جماعت کو حاصل کرنے کے لئے اس نماز کو قطع کر دے جس کو منفرداً شروع کر رکھا ہے۔ اسی طرح اگر یہ شخص فجر کی دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا لیکن دوسری رکعت کا سجدہ نہیں کیا تو اس صورت میں بھی اس کو قطع کر کے جماعت میں شریک ہو جائے۔ البتہ اگر اس نے فجر کی نماز تنہا پڑھ لی اس کے بعد جماعت کھڑی ہوئی تو اب امام کی نماز میں شرکت نہ کرے۔ کیونکہ اس صورت میں امام کے ساتھ جو نماز پڑھے گا وہ نفل ہو گی۔ حالانکہ فجر کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک نفل پڑھنا مکروہ ہے۔ یوں ہی عصر کے بعد غروب تک نفل پڑھنا مکروہ ہے۔ ظاہر الروایہ کے مطابق مغرب کی نماز تنہا پڑھنے کے بعد جماعت میں شرکت نہ کرے کیونکہ اگر امام کے

ساتھ شریک ہو گیا تو دو ہی صورتیں ہیں یا تو امام کے ساتھ سلام پھیرے گا یا امام کے فارغ ہونے کے بعد ایک رکعت اور پڑھے گا تا کہ چار رکعت ہو جائیں تین امام کے ساتھ اور ایک امام کے فارغ ہونے کے بعد پہلی صورت میں نفل کی تین رکعت ہوں گی حالانکہ تین رکعت نفل پڑھنا مکروہ ہے اور دوسری صورت میں امام کی مخالفت کرنا لازم آئے گا اور یہ بھی درست نہیں ہے۔ اس لئے ہم نے کہا کہ اگر کسی نے مغرب کی نماز تنہا ادا کر لی، پھر جماعت کھڑی ہو گئی تو یہ شخص جماعت میں شرکت نہ کرے۔

اذان کے بعد مسجد سے نکلنے کا حکم

ومن دخل مسجدا قد اذن فيه، يكره له ان يخرج حتى يصلي، لقوله عليه السلام: "لا يخرج من المسجد بعد النداء الا منافق". او رجل يخرج لحاجة يريد الرجوع، قال: الا اذا كان ينتظم به امر جماعة، لانه ترك صورة تكميل معنى

ترجمہ...... اور جو شخص ایسی مسجد میں داخل ہوا جس میں اذان دے دی گئی ہے تو اس کے لئے نکلنا مکروہ ہے یہاں تک کہ نماز پڑھ لے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مسجد سے اذان کے بعد کوئی نہیں نکلتا مگر منافق یا وہ شخص جو واپسی کے ارادے سے کسی ضرورت سے نکلا ہو مگر جبکہ اس کے ساتھ کسی جماعت کا انتظام متعلق ہو کیونکہ یہ نکلنا ظاہر میں ترک، باطن میں تکمیل ہے۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی مسجد میں داخل ہوا جس میں اذان دے دی گئی ہو تو اس میں قدرے تفصیل ہے کیونکہ جو شخص ایسی مسجد میں داخل ہوا جس میں اذان دے دی گئی تو اس کی دو حالتیں ہیں یا تو یہ شخص یہ نماز پڑھ چکا ہے یا نہیں پڑھی اگر نماز پڑھ چکا ہے تو اس کا حکم بعد میں بیان کریں گے اور اگر اس نے نماز نہیں پڑھی تو پھر دو صورتیں ہیں یہ مسجد یا تو اس کے محلہ کی ہے یا اس کے محلّہ کی نہیں ہے اگر محلّہ کی ہے تو نماز پڑھنے سے پہلے اس کے لئے نکلنا مکروہ ہے کیونکہ مؤذن نے اس کو نماز کی دعوت دی ہے لہٰذا اس دعوت کو قبول کرے اور بغیر نماز پڑھے نہ نکلے۔ اور اگر یہ مسجد اس کے محلّہ کی نہیں ہے تو پھر دو صورتیں ہیں آیا تو اس کے محلّہ کے لوگ اپنی مسجد میں نماز پڑھ چکے ہیں یا نہیں پڑھی ہے اگر پہلی صورت ہے تو بھی بغیر نماز پڑھے اس کا مسجد سے نکلنا مکروہ ہے کیونکہ اس مسجد میں داخل ہونے کی وجہ سے یہ شخص اسی مسجد کے اہلیان میں سے ہو گیا اور اگر ثانی صورت ہے تو یہ شخص اپنے محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے اس مسجد سے نکل سکتا ہے۔ کیونکہ اس پر اپنے محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھنا واجب ہے۔ (عنایہ)

صاحب ہدایہ نے اس مسئلے کو اس طرح ذکر کیا ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی مسجد میں داخل ہوا جس میں اذان دے دی گئی ہے تو بغیر نماز پڑھے اس مسجد سے نکلنا اس کے لئے مکروہ ہے دلیل اللہ کے نبی کا قول ہے:

لا يخرج من المسجد بعد نداء الا منافق او رجل يخرج لحاجته يريد الرجوع (مراسیل ابی داؤد)

ابن ماجہ نے اس حدیث کو ان لفظوں میں بیان کیا ہے:

عن محمد بن يوسف لولى عثمان بن عفان رضى الله عنه قال قال رسول الله ﷺ من ادرك الاذان فى المسجد ثم خرج لم يخرج لحاجته و هو لا يريد الرجوع فهو منافق

محمد بن یوسف کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے مسجد میں اذان کو پالیا پھر مسجد سے نکل گیا حالانکہ نہ کسی ضرورت

سے نکلا اور نہ لوٹ کر آنے کا ارادہ ہے تو وہ منافق ہے۔

صاحبِ قدوری نے کہا کہ اگر اس شخص سے کسی دوسری مسجد کی جماعت کا معاملہ متعلق ہو مثلاً یہ امام ہو یا موذن تو اذان کے بعد بھی اس کے لئے نکلنا جائز ہے۔ کیونکہ یہ نکلنا ظاہراً تو ترک ہے لیکن باطناً تکمیل ہے۔ رہا یہ اعتراض کہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اذان کے بعد مسجد سے نکلنا مطلقاً ممنوع ہے خواہ اس شخص سے متعلق دوسری کسی مسجد کا انتظام ہو یا نہ ہو۔

جواب...... حدیث میں مقصود ممانعت تہمت ہے یعنی اذان کے بعد مسجد سے نکلنے والے کو لوگ نماز سے اعراض کرنے کے ساتھ متہم کریں گے۔ لیکن امام اور مؤذن کے حق میں یہ تہمت موجود نہیں ہے۔ یعنی ان دونوں کو سبھی لوگ جانتے ہیں کہ یہ دوسری مسجد میں جماعت کا انتظام کریں گے اس لئے ان دونوں کے نکلنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اذان ہونے کے بعد ظہر اور عشاء کی نماز پڑھ چکا تھا تو مسجد سے نکلنے میں کوئی حرج نہیں

وان كان قد صلى وكانت الظهر والعشاء، فلاباس بان يخرج، لانه اجاب داعي الله مرة الا اذا اخذ المؤذن في الاقامة، لانه يتهم لمخالفة الجماعة عيانا، وان كانت العصر والمغرب او الفجر، خرج وان اخذ المؤذن فيها، لكراهية النفل بعدها.

ترجمہ...... اور اگر وہ اس وقت کی نماز پڑھ چکا ہو اور یہ نماز ظہر و عشاء کی ہو تو نکلنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے ایک مرتبہ اذان دینے والے کی دعوت کو قبول کرلیا ہے مگر جبکہ مؤذن اقامت کہنا شروع کردے کیونکہ وہ برملا جماعت کی مخالفت کے ساتھ متہم ہوگا۔ اور اگر یہ نماز عصر یا مغرب یا فجر ہو تو نکل جائے اگرچہ مؤذن اقامت شروع کردے کیونکہ ان نمازوں کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے۔

تشریح...... اس عبارت میں وہ صورت ذکر کی گئی ہے جس کے بیان کرنے کا وعدہ پہلے مسئلے میں کیا گیا ہے صورت یہ ہے کہ ایک شخص ایسی مسجد میں داخل ہوا ہے جس میں اذان دے دی گئی ہے اور یہ شخص یہ نماز پڑھ چکا ہے پس اگر یہ نماز جس کے لئے اذان دی گئی ہے اور یہ شخص اپنے گھر یا دوسری مسجد میں اس نماز کو پڑھ چکا ہے ظہر یا عشاء کی ہو تو اس کے لئے مسجد سے نکلنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس نے ایک مرتبہ اللہ کے داعی یعنی موذن کی دعوت کو قبول کرلیا ہے۔ ہاں اگر موذن نے اقامت شروع کردی تو اس صورت میں یہ شخص مسجد سے نہ نکلے بلکہ جماعت میں شریک ہوجائے درانحالیکہ یہ اس نماز کو پڑھ چکا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اقامت اور جماعت شروع ہونے کے بعد اگر نکلے گا تو لوگ مخالفت جماعت کے ساتھ متہم کریں گے پس اتہام سے بچنے کے لئے جماعت کے اندر شامل ہوجائے۔ اور یہ نماز جو جماعت کے ساتھ ادا کرے گا نفل ہوگی کیونکہ یہ شخص فرض پہلے ادا کرچکا ہے لیکن وہ نماز اگر عصر یا مغرب یا فجر کی ہو تو یہ شخص موذن کے اقامت شروع کردینے کے بعد بھی مسجد سے نکل سکتا ہے کیونکہ یہ شخص فرض تو ادا ہی کرچکا ہے اب اگر جماعت میں شریک ہوگا تو یہ نماز نفل ہوگی۔ حالانکہ عصر اور فجر کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے۔ اور رہی مغرب کی نماز تو مغرب کے بعد نفل پڑھنا اگرچہ مکروہ نہیں لیکن امام کے ساتھ شریک ہونے کی وجہ سے تین رکعت نفل ہوں گی حالانکہ نفل تین رکعت پڑھنا مکروہ ہے۔ اور اگر آپ یہ کہیں کہ امام کے سلام پھیرنے کے

بعد ایک رکعت اور پڑھ لے تا کہ چار رکعت ہو جائیں تو اس صورت میں امام کی مخالفت لازم آئے گی کیونکہ امام نے تین رکعت پر سلام پھیر دیا ہے اور یہ چار رکعت پر پھیر رہا ہے حالانکہ امام کی مخالفت کرنا بھی درست نہیں ہے۔

فجر کی نماز میں دورانِ جماعت سنتِ فجر پڑھنے کا حکم

ومن انتهى الى الامام فى صلوٰة الفجر وهو لم يصل ركعتي الفجر، ان خش ان تفوته ركعة ويدرك الاخرى، يصلى ركعتي الفجر عند باب المسجد، ثم يدخل، لانه امكنه الجمع بين الفضيلتين، وان خشي فوتها دخل مع الامام، لان ثواب الجماعة اعظم، والوعيد بالترك الزم، بخلاف سنة الظهر حيث يتركها في الحالين، لانه يمكنه اداؤها في الوقت بعد الفرض، هو الصحيح، وانما الاختلاف بين ابى يوسف ومحمدؒ في تقديمها على الركعتين وتاخيرها عنهما، ولا كذلك سنة الفجر على ما نبين ان شاء الله تعالى. والتقييد بالاداء عند باب المسجد يدل على الكراهية في المسجد اذا كان الامام في الصلاة، والافضل في عامة السنن والنوافل المنزل، هو المروى عن النبى ﷺ

ترجمہ...... اور اگر ایک شخص جا پہنچا امام تک نمازِ فجر میں اور اس نے فجر کی دو رکعت (سنت) نہیں پڑھی ہیں (پس) اگر اس کو خوف ہو کہ ایک رکعت فوت ہو جائے گی اور دوسری رکعت (امام کے ساتھ) پالے گا تو فجر کی دو رکعت سنت مسجد کے دروازے پر پڑھے پھر (جماعت میں) شامل ہو کیونکہ اس کو دونوں فضیلتیں جمع کر لینا ممکن ہے اور اگر اس کو دوسری رکعت فوت ہونے کا خوف ہو تو امام کے ساتھ داخل ہو جائے۔ کیونکہ جماعت کا ثواب بہت بڑا ہے اور جماعت ترک کرنے کی وعید الزم (بڑی سخت) ہے۔ بخلاف سنت ظہر کے کہ ان کو دونوں حالتوں میں چھوڑ دے کیونکہ سنت ظہر کا فرض کے بعد وقت کے اندر ادا کرنا ممکن ہے یہی صحیح ہے۔ اور اختلاف ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے درمیان ان چار رکعتوں کو دو رکعتوں پر مقدم کرنے اور ان دو سے مؤخر کرنے میں ہے اور یہ حال سنت فجر میں نہیں ہے چنانچہ ہم انشاء اللہ بیان کریں گے۔ اور سنت فجر کو مسجد کے دروازے پر ادا کرنے کی قید لگانا دلالت کرتا ہے کہ مسجد کے اندر ادا کرنا مکروہ ہے بشرطیکہ امام نماز میں ہو۔ اور افضل، عام سنن اور نوافل میں گھر ہے یہی حضور ﷺ سے مروی ہے۔

تشریح...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص اس وقت مسجد میں داخل ہوا جب کہ امام نماز فجر پڑھا رہا تھا اور یہ شخص ابھی تک سنت فجر نہیں پڑھ سکا تھا تو اب سوال یہ ہے کہ یہ شخص بغیر سنت فجر پڑھے جماعت میں شریک ہو جائے یا پہلے سنت پڑھے پھر جماعت میں شریک ہو۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر یہ خوف ہو کہ اگر پہلے سنت پڑھی تو فرض کی ایک رکعت فوت ہو جائے گی اور دوسری رکعت پالے گا تو ایسی صورت میں پہلے مسجد کے دروازے کے پاس فجر کی سنتیں پڑھے پھر امام کے ساتھ شریک جماعت ہو۔

دلیل اس کی یہ ہے کہ سنت فجر سنتوں میں اقوی اور افضل ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا صلوهما و ان طردتكم الخيل یعنی فجر کی دو رکعت سنت پڑھو اگر چہ تم کو گھوڑے روند ڈالیں اور فرمایا کہ ركعتا الفجر خير من الدنيا و ما فيها یعنی فجر کی دو رکعت سنت دنیا اور ما فیہا سے بہتر ہیں اور فجر کی ایک رکعت کو امام کے ساتھ پانا ایسا ہے جیسے کل کو پایا کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے من

ادرک رکعة من الفجر فقد ادرک الصلوة یعنی جس نے فجر کی ایک رکعت کو پالیا۔ گویا پوری نماز کو پالیا۔ (عنایہ) پس یہاں دونوں فضیلتوں یعنی سنت فجر کی فضیلت اور جماعت کی فضیلت کو جمع کرنا ممکن ہے اس لئے جماعت میں شریک ہونے سے پہلے فجر کی دو رکعت سنت ادا کرے پھر جماعت میں شریک ہو تا کہ دونوں فضیلتیں حاصل ہو جائیں۔

اور اگر اس کو یہ خوف ہو کہ اگر سنت فجر پڑھنے میں مشغول ہو گیا تو فجر کی دونوں رکعتیں فوت ہو جائیں گی تو ایسی صورت میں یہ حکم ہے کہ سنت فجر پڑھے بغیر امام کے ساتھ جماعت میں شریک ہو جائے کیونکہ جماعت کا ثواب بہت بڑا ہے اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے صلوٰة الجماعة تفضل صلوٰة المنفرد بسبع و عشرین درجة یعنی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا تنہا پڑھنے کی بہ نسبت ستائیس درجہ افضل ہے اور جماعت چھوڑنے پر سخت وعید آئی ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تارک الجماعة ملعون جماعت چھوڑنے والا ملعون ہے اور حضور ﷺ نے فرمایا لقد هممت ان استخلف من صلی بالناس و انظر الی من لم یحضر الجماعة فامر بعض فتیان بان یحرقوا بیوتهم یعنی میں نے ارادہ کیا کہ کسی کو خلیفہ بناؤں تا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے اور میں ان لوگوں کو دیکھوں جو جماعت میں شریک نہیں ہوئے پھر کچھ نوجوانوں کو حکم دوں کہ وہ ان کے گھروں کو جلا ڈالیں۔

حاصل دلیل یہ ہے کہ جب جماعت کا ثواب بھی زیادہ ہے اور ترک جماعت پر وعید بھی آئی ہے تو یہ شخص جماعت میں شریک ہو جائے اور سنت فجر کو چھوڑ دے۔

اور یہی صورت اگر سنت ظہر میں پیش آ گئی یعنی ایک آدمی بغیر سنت ظہر پڑھے مسجد میں اس وقت داخل ہوا جبکہ امام نماز پڑھ رہا تھا تو اب یہ آدمی سنت ظہر پہلے ادا کرے اور پھر جماعت میں شامل ہو یا پہلے جماعت میں شامل ہو اور سنت ظہر کو چھوڑ دے تو اس بارے میں فاضل مصنف نے فرمایا کہ ظہر کی سنتوں میں مشغول ہونے کی وجہ سے امام کے ساتھ ظہر کی پوری نماز فوت ہونے کا اندیشہ ہو یا بعض کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو دونوں حالتوں میں ظہر کی سنتیں چھوڑ دے اور جماعت میں شامل ہو جائے کیونکہ وقت کے اندر اندر فرض کے بعد ظہر کی سنتوں کا ادا کرنا ممکن ہے پس جب ظہر کے فرضوں کے بعد سنتوں کا ادا کرنا ممکن ہے تو ان سنتوں کی وجہ سے فضیلت جماعت کو نہ چھوڑے یہی صحیح قول ہے۔ کیونکہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ظہر سے پہلے کی چار سنتیں فوت ہو گئیں تو آپ ﷺ نے ظہر کے بعد ان کی قضا فرمائی اس کو حضرت عائشہؓ سے روایت کیا گیا ہے۔ (عنایہ)

ظہر کی سنت فرض سے پہلے نہ ادا کر سکا تو کب پڑھے: البتہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ جب ظہر سے پہلے کی سنت فوت ہو گئی تو ظہر کے بعد کی دو رکعتوں سے پہلے ان کی قضاء کرے یا ان دو رکعتوں کے بعد قضاء کرے اس بارے میں امام ابو یوسف کا مذہب یہ ہے کہ پہلے ظہر کے بعد کی دو رکعت سنت ادا کرے پھر ظہر سے پہلے کی چار رکعت سنت کی قضاء کرے اور امام محمدؒ نے کہا کہ پہلے چار رکعت کی قضاء کرے پھر ظہر کے بعد کی دو رکعت پڑھے۔ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ چار رکعت تو اپنے موضع مسنون یعنی قبل الظہر سے فوت ہو ہی گئیں ہیں لیکن بعد کی دو رکعت کو ان کی جگہ سے فوت نہ کرے بلکہ ان کو ظہر کے بعد ادا کرے اور ظہر سے پہلے کی چار کو ان کے بعد پڑھے دنیا کے قانون میں بھی اس کی نظیر ملتی ہے آپ حضرات نے مشاہدہ کیا ہو گا کہ اگر اسٹیشن پر دو گاڑیوں کا کراس ہو جائے تو ریلوے کا قانون یہ ہے کہ جو گاڑی اسٹیشن پر پہلے آتی ہے اس کو بعد میں چھوڑا جاتا ہے اور جو بعد میں آتی ہے اس کو پہلے روانہ کر دیا جاتا ہے کیونکہ جو گاڑی اسٹیشن پر پہلے سے آ کر کھڑی ہوئی ہے وہ تو اپنے وقت سے لیٹ ہو ہی گئی ہے لیکن جو بعد میں آئی ہے اس کو خواہ مخواہ کیوں لیٹ کیا جائے اس لئے پہلے، بعد میں آنے والی کو

روانہ کردیا جاتا ہے۔

امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ ظہر سے پہلی چار رکعت فرضوں سے تو مؤخر ہو ہی گئیں ہیں لیکن اب مزید مؤخر نہ کیا جائے اس لئے مناسب یہ ہے کہ پہلے چار رکعت پڑھے پھر دو رکعت پڑھے۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ سنت فجر کا یہ حال نہیں ہے اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

والتقيید بالاداء عندباب المسجد ...... **الخ** اس عبارت سے اس قید کا فائدہ بیان کیا ہے جس کو قدوری نے ذکر فرمایا ہے کہ اگر جماعت کھڑی ہوگئی ہو تو سنت فجر باب مسجد پر ادا کرے۔حاصل یہ کہ اگر امام نماز میں ہو تو مسجد کے اندر سنتیں پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ یہ شخص مسجد کے اندر نفل (سنت) پڑھنے والا ہوا اور امام فرض ادا کرنے میں مشغول ہے اور یہ مکروہ ہے۔اس لئے کہا گیا کہ سنت فجر باب مسجد پر ادا کرے۔لیکن اگر باب مسجد پر نماز پڑھنے کی جگہ نہ ہو تو مسجد کے اندر کسی ستون کے پیچھے کھڑا ہو کر پڑھ لے۔ ... سے زیادہ کراہت اس میں ہے کہ جس صف میں لوگ فرض پڑھ رہے ہیں اسی صف میں یہ حضرت سنتوں کی نیت باندھ کر کھڑے ہوگئے۔

تراویح کے علاوہ دیگر سنت ونوافل گھر پر ادا کرنا افضل ہے: صاحب ہدایہ نے کہا کہ تراویح کے علاوہ عام سنتوں اور نوافل میں افضل یہ ہے کہ ان کو گھر پر ادا کرے یہی آنحضرت ﷺ سے مروی ہے۔چنانچہ حدیثیں مذکور ہیں:-

(۱) **نوروا بیوتکم بالصلوٰۃ ولا تجعلوھا قبورًا** یعنی اپنے گھروں کو نماز سے منور کرو ان کو قبرستان نہ بناؤ۔ظاہر ہے کہ یہاں نماز سے سنن اور نوافل ہی مراد ہوں گے نہ کہ فرائض کیونکہ فرائض کے لئے مساجد ہیں۔

(۲) **ان جمیع سنن رسول اللہ ﷺ ووترہ کان فی بیتہ** یعنی رسول اللہ ﷺ کی تمام سنتیں اور آپ کا وتر گھر میں ہوتا تھا۔

(۳) **قول نبی ﷺ فی مسجد بنی عبد الاشہل لما رآھم یصلون بعد المغرب ھٰذہ صلوٰۃ البیوت** (ابوداؤد، ترمذی، نسائی) یعنی بنی عبد الاشہل کی مسجد میں جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ مغرب کے بعد نماز پڑھ رہے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ گھروں کی نماز ہے یعنی یہ نماز جو فرض کے علاوہ ہے گھروں میں پڑھنی چاہئے۔

(۴) صحیح مسلم میں ہے **عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا کان ﷺ یصلی فی بیتہ قبل الظھر اربعا ثم یخرج فیصلی بالناس ثم یدخل فیصلی رکعتین و کان یصلی بالناس المغرب ثم یدخل فیصلی رکعتین** ،یعنی حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ظہر سے پہلے چار رکعت اپنے گھر میں پڑھتے تھے پھر نکل کر لوگوں کو فرض نماز پڑھاتے ...... پھر گھر میں داخل ہو کر دو رکعت پڑھتے۔اور لوگوں کو مغرب کی نماز پڑھاتے پھر (گھر میں) داخل ہو کر دو رکعت پڑھتے۔اس حدیث سے بھی سنتوں کا گھر میں پڑھنا ثابت ہوتا ہے۔

(۵) صحیحین میں ہے **عن حفصۃ و ابن عمر رضی اللہ عنھما انہ ﷺ کان یصلی رکعتین بعد الجمعۃ فی بیتہ** یعنی حضور ﷺ جمعہ کے بعد اپنے گھر میں دو رکعت پڑھتے تھے۔

(۶) **فعلیکم بالصلاۃ فی بیوتکم فان خیر صلاۃ المرء فی بیتہ الا المکتوبۃ** یعنی تم پر اپنے گھر میں نماز پڑھنا لازم ہے اس لئے کہ آدمی کی بہترین نماز اس کے گھر میں ہے علاوہ فرض کے۔

(۷) **صلاۃ المرء فی بیتہ افضل من صلاتہ فی مسجدی ھٰذا الا المکتوبۃ** (ابوداؤد) یعنی آدمی کی نماز اس کے گھر میں افضل

ہے بہ نسبت اس کی نماز کے میری اس مسجد میں علاوہ فرض کے...... ان تمام احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ فرائض کے علاوہ سنن و نوافل کا گھر کے اندر ادا کرنا افضل ہے۔ (فتح القدیر)

فجر کی سنتیں فوت ہو جائیں تو طلوع شمس کے بعد قضا کرے

واذا فاتته ركعتا الفجر لا يقضيهما قبل طلوع الشمس، لانه يبقى نفلا مطلقاً، وهو مكروه بعد الصبح، ولا بعد ارتفاعها عند ابى حنيفة وابى يوسف، وقال محمد: احب الى ان يقضيهما الى وقت الزوال، لانه عليه السلام قضاهما بعد ارتفاع الشمس غداة ليلة التعريس. ولهما ان الاصل فى السنة ان لا تقضى لاختصاص القضاء بالواجب، والحديث ورد فى قضائهما تبعا للفرض، فبقى ماوراءه على الاصل، وانما تقضى تبعا له وهو يصلى بالجماعة او وحده الى وقت الزوال، وفيما بعده اختلاف المشائخ، واما سائر السنن سواها لا تقضى بعد الوقت وحدها، واختلف المشائخ فى قضائها تبعاً للفرض

ترجمہ...... اور اگر مصلی کی فجر کی دو رکعت (سنت) فوت ہو جائے تو آفتاب طلوع ہونے سے پہلے ان کی قضاء نہ کرے کیونکہ یہ رکعت محض نفل رہ گئیں اور صبح کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے۔ اور نہ قضاء کرے سورج بلند ہونے کے بعد شیخین کے نزدیک اور امام محمدؒ نے کہا کہ مجھ کو یہ بات پسند ہے کہ وقت زوال تک ان کی قضاء کرے کیونکہ حضور ﷺ نے لیلۃ التعریس کی صبح کو آفتاب بلند ہونے کے بعد ان کو قضاء کیا تھا اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ سنت میں اصل یہ ہے کہ قضاء نہ کی جائے۔ کیونکہ قضاء واجب کے ساتھ مخصوص ہے اور حدیث وارد ہوئی ہے ان دونوں کی قضاء میں فرض کے تابع ہو کر۔ پس اس کے علاوہ اصل پر باقی رہا۔ اور ان دو رکعت کی زوال ہی کے وقت تک فرض کے تابع ہو کر قضا کی جائے گی۔ خواہ فرض جماعت کے ساتھ پڑھے یا تنہا پڑھے اور زوال کے بعد میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ اور رہیں باقی سنن سوائے سنتِ فجر کے تو وہ وقت کے بعد تنہا قضا نہیں کی جائیں گی اور فرض کے تابع ہو کر ان کے قضا کرنے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر فجر کی سنت فوت ہو گئی تو اس کی قضاء کرے یا نہ کرے، تو اس پر سب متفق ہیں کہ آفتاب طلوع ہونے سے پہلے قضاء نہ کی جائے کیونکہ سنت جب اپنے وقت سے فوت ہو گئی تو وہ نفل رہ گئی۔ اور نماز صبح کے بعد طلوع آفتاب تک نفل پڑھنا مکروہ ہے اس لئے طلوع سے پہلے ان کی قضاء نہ کرے اور آفتاب طلوع ہونے کے بعد قضاء کرنے میں اختلاف ہے۔ چنانچہ شیخین کے نزدیک آفتاب نکلنے کے بعد بھی سنت فجر کی قضاء واجب نہیں ہے۔ امام محمدؒ نے کہا کہ واجب تو نہیں لیکن پسندیدہ بات یہی ہے کہ قضاء کرے۔ امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ لیلۃ التعریس کی صبح کو آفتاب بلند ہونے کے بعد آپ نے سنت فجر کی قضاء کی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ طلوع آفتاب کے بعد سنت فجر کی قضاء کی جا سکتی ہے شیخین کی دلیل یہ ہے کہ اصل یہی ہے کہ سنت کی قضاء نہیں کی جاتی۔ کیونکہ قضاء واجب کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور واجب کے ساتھ اس لئے مخصوص ہے کہ قضاء مثل ما وجب الامر کو سپرد کرنے کا نام ہے اور چونکہ سنت واجب نہیں ہے اس لئے مثل واجب کو سپرد کرنا کیسے متحقق ہوگا۔

امام محمدؒ کی پیش کردہ حدیث کا جواب یہ ہے کہ لیلۃ التعریس کی صبح کو آنحضرت ﷺ نے فرض کی تبعیت میں سنت فجر کی قضاء کی ہے

یعنی چونکہ فجر کی فرض نماز بھی فوت ہوگئی تھی اس لئے جب آپ نے فرض کی قضاء کی تو اس کی تبعیت میں سنت کی بھی قضاء فرمائی۔ لہٰذا اس کے علاوہ اصل پر باقی رہے گا یعنی اس صورت کے علاوہ میں قضاء نہیں کی جائے گی۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ سنت فجر کی قضاء فرض کے تابع ہو کر کی جائے گی یعنی اگر صبح کی فرض نماز کی قضاء کرتا ہے تو سنت فجر کی قضاء بھی کرے صبح کی فرض نماز خواہ جماعت کے ساتھ قضاء کرے یا تنہا قضاء کرے۔

یہ بات یاد رہے کہ سنت فجر کی قضاء فرض کے تابع ہو کر فقط زوال تک کی جاسکتی ہے لیکن اگر سورج ڈھل گیا اور ابھی تک قضاء کی نہیں تو اس میں اختلاف ہے بعض حضرات نے کہا کہ زوال کے بعد سنت فجر کی قضاء نہیں کی جائے گی اگر چہ فرض کے تابع ہو کر ہی ہو۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے زوال سے پہلے پہلے تابع فرض ہو کر سنت فجر کی قضاء کی ہے۔ اور بعض حضرات نے کہا کہ زوال کے بعد بھی تبعاً للفرض سنت فجر کی قضاء کر سکتا ہے۔ رہی دوسری سنتیں، سنت فجر کے علاوہ تو ان کے بارے میں حکم یہ ہے کہ وقت کے بعد تنہا سنتوں کی قضاء نہیں کی جائے گی لیکن فرض کے تابع ہو کر قضاء کی جاسکتی ہے یا نہیں تو اس بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ قضاء کرے کیونکہ بہت سی چیزیں ضمناً ثابت ہو جاتی ہیں اگر چہ قصداً ثابت نہیں ہوتیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ قضاء نہ کرے کیونکہ قضاء واجب کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہی صحیح قول ہے۔

ظہر کی جماعت سے ایک رکعت پالی اسے ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے والا شمار کریں گے یا نہیں

ومن ادرک من الظهر رکعة ولم يدرک الثلاث، فانه لم يصل الظهر بجماعة. وقال محمد: قد ادرک فضل الجماعة، لان من ادرک آخر الشیء فقد ادرکه، فصار محرزا ثواب الجماعة، لکنه لم يصلها بالجماعة حقيقة، ولهذا يحنث به في يمينه لايدرک الجماعة، ولا يحنث في يمينه لا يصلي الظهر بالجماعة

ترجمہ...... اور جس نے ظہر کی ایک رکعت پائی اور تین کو نہیں پایا تو اس نے ظہر کو جماعت کے ساتھ نہیں پڑھا۔ اور امام محمدؒ نے کہا کہ اس نے جماعت کی فضیلت کو پالیا۔ کیونکہ جس نے کسی چیز کو آ کر کو پالیا اس نے اس چیز کو پالیا۔ پس وہ جماعت کے ثواب کو حاصل کرنے والا ہو گیا لیکن ظہر کو حقیقۃً جماعت کے ساتھ نہیں پڑھا ہے۔ اور اسی وجہ سے اتنی مقدار سے اپنی قسم (لایدرک الجماعت، جماعت کو نہیں پائے گا) میں حانث ہو جائے گا۔ اور اپنی قسم لا يصلي الظهر بالجماعة (ظہر کو جماعت کے ساتھ نہیں پڑھے گا) میں حانث نہیں ہوگا۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے رباعی نماز کی ایک رکعت کو امام کے ساتھ پایا اور تین رکعات کو نہیں پایا تو یہ کہا جائے گا کہ اس نے جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھی ہے۔ امام محمدؒ نے فرمایا کہ فضیلت جماعت کو پالیا۔ متن میں امام محمدؒ کی تخصیص یونہی کر دی گئی ہے۔ ورنہ یہ حکم احناف کا متفق علیہ ہے۔ دلیل یہ ہے کہ جس نے کسی چیز کا آخری جز پالیا تو اس نے اس چیز ہی کو پالیا۔ لہٰذا یہ شخص فضیلت جماعت کو حاصل کرنے والا ہو گیا۔ البتہ حقیقۃً اس نماز کو جماعت کے ساتھ نہیں پڑھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ بخدا میں جماعت کو نہیں پاؤں گا۔ پھر ایک رکعت جماعت کے ساتھ مل گئی تو یہ شخص حانث ہو جائے گا۔ کیونکہ اس نے فضیلت جماعت کو پالیا ہے اور اگر یہ قسم کھائی کہ واللہ لا يصلي الظهر بالجماعة بخدا میں ظہر کو جماعت کے ساتھ نہیں پڑھوں گا۔ پھر اس کو ایک رکعت امام کے ساتھ مل

گئی ہے تو یہ شخص حانث نہیں ہوگا۔ کیونکہ حقیقۃً اس نے جماعت کے ساتھ نماز ظہر نہیں پڑھی ہے۔

جس مسجد میں فرض نماز ہو چکی پھر کوئی آیا وہ نوافل فرائض سے پہلے پڑھ سکتا ہے یا نہیں

ومن اتى مسجدا قد صلى فيه، فلا بأس بان يتطوع قبل المكتوبة ما بدا له مادام فى الوقت سعة، وان كان فيه ضيق تركه قيل هذا فى غير سنة الظهر والفجر، لان لهما زيادة مزية، قال عليه السلام فى سنة الفجر: صلوها ولو طردتكم الخيل، وقال فى الاخرى: من ترك الاربع قبل الظهر لم تنله شفاعتى، وقيل هذا فى الجميع، لانه عليه السلام واظب عليها عند اداء المكتوبات بالجماعة، ولا سنة دون المواظبة، والاولى ان لا يتركها فى الاحوال كلها، لكونها مكملات للفرائض الا اذا خاف فوت الوقت

ترجمہ ...... جو شخص ایسی مسجد میں آیا کہ اس میں نماز ہو چکی تھی تو کوئی مضائقہ نہیں کہ فرض سے پہلے وہ نفل پڑھے۔ جس قدر جی چاہے جب تک وقت میں گنجائش ہے اور مراد امام محمدؒ کی یہ ہے کہ جب تک وقت میں گنجائش ہے اور اگر وقت میں تنگی ہو تو نفل چھوڑ دے۔ کہا گیا یہ حکم سنت ظہر اور سنت فجر کے علاوہ میں ہے۔ کیونکہ سنت ظہر اور فجر کے واسطے زیادتی فضیلت ہے۔ فجر کی سنت کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کو پڑھو اگر چہ گھوڑے تم کو روند ڈالیں۔ اور سنت ظہر کے بارے میں فرمایا کہ جس نے ظہر سے پہلے کی چار رکعت چھوڑ دی اس کو میری شفاعت نصیب نہیں ہوگی۔ اور کہا گیا کہ یہ حکم سب سنتوں میں ہے کیونکہ حضور ﷺ نے جماعت کے ساتھ فرائض ادا کرنے کے وقت ان سنتوں پر مواظبت فرمائی ہے۔ اور بغیر مواظبت کے سنت ثابت نہیں ہوتی۔ اور اولیٰ یہ ہے کہ ان سنتوں کو تمام احوال میں نہ چھوڑے کیونکہ یہ سنتیں فرائض کی تکمیل کرنے والی ہیں مگر جبکہ وقت کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو۔

تشریح ...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی جماعت فوت ہوگئی اور وہ ایسی مسجد میں آیا جس میں جماعت ہو چکی ہے یا گھر میں فرض نماز پڑھنے کا ارادہ کیا ہو تو اس بارے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ فرض ادا کرنے سے پہلے جس قدر چاہے سنن اور نوافل ادا کرے بشرطیکہ وقت میں گنجائش ہو۔ اور اگر وقت تنگ ہو تو پہلے فرض نماز پڑھے تاکہ فرض اپنے وقت سے فوت نہ ہو جائے۔ بعض حضرات نے کہا کہ تنگی وقت کی صورت میں سنن اور نوافل کے ترک کرنے کا حکم ظہر اور فجر کی سنتوں کے علاوہ میں ہے۔ کیونکہ ظہر اور فجر کی سنتوں کو دیگر سنتوں کے مقابلے میں زیادہ فضیلت ہے۔ اس لئے تنگیٔ وقت کے باوجود ان کو ضرور پڑھے۔ ہاں اگر وقت بالکل تنگ ہو گیا اور فرض کے علاوہ کی قطعاً گنجائش نہیں رہی تو ایسی نازک صورت میں ظہر اور فجر کی سنتوں کو بھی چھوڑا جا سکتا ہے۔ سنت فجر کی تاکید میں قال النبی ﷺ صلوها ولو طردتكم الخيل ہے اور ظہر کی سنت کی تاکید میں من ترك الاربع قبل الظهر لم تنله شفاعتى ہے۔

بعض نے کہا کہ تنگیٔ وقت کی صورت میں سنن کو ترک کرنے کا حکم تمام سنتوں میں ہے خواہ ظہر اور فجر کی ہوں خواہ اس کے علاوہ ہوں۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے سنتوں پر مواظبت اس وقت فرمائی جبکہ آپ فرائض جماعت کے ساتھ ادا کرتے تھے اور جب فرائض کو تنہا پڑھا تو آپ نے ان سنتوں پر مواظبت نہیں فرمائی اور بغیر مواظبت کے سنت ثابت نہیں ہوتی ہے لہٰذا منفرد کے حق میں یہ نمازیں سنت نہ ہوں گی بلکہ نفل ہوں گی اور نفل میں اختیار ہے کہ پڑھے یا نہ پڑھے اس لئے کہا گیا کہ نہ پڑھنے کا حکم تمام سنتوں میں ہے۔

صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ ان سنتوں کو کسی حال میں نہ چھوڑے وقت میں تنگی ہو یا وسعت ہو فرض نماز جماعت کے

ساتھ پڑھے یا تنہا پڑھے خواہ مقیم ہو یا مسافر ہو کیونکہ سنن فرائض کی تکمیل کرنے والی ہیں لہٰذا فرائض کا ثواب مکمل کرنے کی خاطر ان کو کسی حال میں ترک نہ کرے۔ نیز خلفاء راشدین، کبار صحابہ اور تابعین نے بھی اسی پر عمل کیا ہے کہ سنتوں کو کسی حال میں ترک نہیں فرمایا۔ ہاں البتہ اگر وقت کے فوت ہونے کا خوف ہو تو سنتوں کو ترک کر دے اور فرائض ادا کرے۔ (عنایہ)

جو امام کو رکوع میں نہ پا سکا اس نے رکعت کو نہیں پایا

ومن انتهى الى الامام فى ركوعه، فكبر وقف حتى رفع الامام رأسه، لا يصير مدركا لتلك الركعة خلافا لزفرؒ هو يقول: ادرك الامام فيما له حكم القيام، ولنا ان الشرط هو المشاركة فى افعال الصلاة، ولم يوجد لا فى القيام ولا فى الركوع

ترجمہ...... اور جس شخص نے امام کو اس کے رکوع میں پایا پھر اس شخص نے تکبیر تحریمہ کہی اور توقف کیا یہاں تک کہ امام نے اپنا سر اٹھا لیا تو یہ شخص اس رکعت کو پانے والا نہیں ہوگا امام زفرؒ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس نے امام کو ایسی حالت میں پالیا جس کو قیام کا حکم حاصل ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ شرط افعال صلوٰۃ میں مشارکت ہے اور وہ پائی نہیں گئی نہ قیام میں اور نہ رکوع میں۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص امام تک اس وقت پہنچا جبکہ امام رکوع میں تھا اور یہ شخص تکبیر تحریمہ کہہ کر کھڑا ہو گیا مگر امام کے ساتھ رکوع نہیں کیا یہاں تک کہ امام نے رکوع سے اپنا سر اٹھا لیا۔ تو ائمہ ثلثہ کے نزدیک یہ شخص اس رکعت کو پانے والا شمار نہیں ہوگا۔ امام زفرؒ نے کہا کہ یہ شخص اس رکعت کا پانے والا شمار ہوگا۔ یہی قول ہے سفیان ثوری، ابن ابی لیلیٰ اور عبد اللہ بن مبارک کا۔ امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس شخص نے امام کو رکوع کی حالت میں پایا ہے اگرچہ خود رکوع نہیں کیا۔ اور رکوع کو قیام کا حکم حاصل ہے۔ پس رکوع کی حالت میں پانا ایسا ہے جیسا کہ حقیقۃً قیام کی حالت میں پانا اور حقیقت قیام کے اندر پانے سے رکعت کا پانے والا ہوتا ہے۔ اس لئے رکوع کی حالت میں امام کو پانے سے بھی اس رکعت کو پانے والا شمار ہوگا۔

علماء ثلثہ کی دلیل یہ ہے کہ اقتداء نام ہے نماز کے افعال میں شرکت کرنے کا اور شرکت یہاں پائی نہیں گئی نہ قیام کے اندر اور نہ رکوع کے اندر۔ پس جب اس رکعت کے نہ قیام میں شرکت ہو اور نہ رکوع میں تو یہ شخص اس رکعت کو پانے والا بھی نہیں ہوا۔ اور رہا امام زفرؒ کا یہ کہنا کہ رکوع کو قیام کا حکم حاصل ہے تو یہ بھی تسلیم نہیں کیونکہ عبد اللہ بن عمرؓ کی حدیث ہے اذا ادركت الامام راكعا فركعت قبل ان يرفع رأسه فقد ادركت تلك الركعة و ان رفع رأسه قبل ان يركع فاتتك تلك الركعة یعنی جب تو نے امام کو رکوع کی حالت میں پایا پھر تو نے امام کے سر اٹھانے سے پہلے رکوع کر لیا تو تو نے اس رکعت کو پالیا اور اگر امام نے اپنا سر اٹھایا رکوع کرنے سے پہلے تو یہ رکعت تجھ سے فوت ہو گئی۔

امام کو رکوع میں پالیا اس نے رکعت پالی

ولو ركع المقتدى قبل امامه، فادركه الامام فيه جاز، وقال زفرؒ لا يجزيه، لان ما اتى به قبل الامام غير معتد به فكذا ما يبنى عليه، ولنا ان الشرط هو المشاركة فى جزء واحد كما فى الطرف الاول، والله اعلم

ترجمہ...... اور اگر مقتدی نے اپنے امام سے پہلے رکوع کر لیا پھر امام نے اس کو رکوع میں پالیا تو یہ جائز ہے اور امام زفرؒ نے کہا کہ مقتدی کو

کافی نہ ہوگا کیونکہ مقتدی جو رکوع امام سے پہلے لایا وہ غیر معتبر ہے لہٰذا جو اس پر مبنی ہے وہ بھی غیر معتبر ہوگا۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ شرط ایک جز میں مشارکت ہے جیسا کہ طرف اول میں، واللہ اعلم

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر مقتدی امام سے پہلے رکوع میں چلا گیا پھر امام بھی رکوع میں چلا گیا حتیٰ کہ دونوں رکوع میں شریک ہو گئے اس صورت میں مقتدی کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ یہی حکم اس وقت ہے جبکہ یہ صورت سجدہ میں پیش آئی ہو۔ البتہ مقتدی کی نماز مکروہ ہوگی وجہ کراہت حضور ﷺ کا قول **لا تبادروني بالركوع والسجود** ہے۔ یعنی رکوع اور سجدہ میں مجھ سے آگے مت بڑھو، نیز حضور ﷺ نے فرمایا **اما يخشى الذي يركع قبل الامام ان يحول رأسه رأس الحمار** یعنی جو شخص امام سے پہلے رکوع کرتا ہے اس کو ڈرنا چاہئے کہ اس کا سر گدھے کی طرح پھیر دیا جائے۔ امام زفرؒ نے فرمایا ہے کہ مقتدی کی نماز جائز نہ ہوگی۔ چنانچہ مقتدی پر اس رکوع کا اعادہ واجب ہے اگر اعادہ نہیں کیا تو نماز درست نہ ہوگی۔

امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ مقتدی نے رکوع کا جو حصہ امام سے پہلے ادا کیا ہے وہ معتبر نہیں ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے **انما جعل الامام ليؤتم به فلا تختلفوا عليه** یعنی امام اس لئے مقرر کیا گیا ہے تاکہ اس کی اقتداء کی جائے لہٰذا اس سے اختلاف مت کرو۔ پس جب وہ حصہ معتبر نہیں ہے تو اس پر جو مبنی ہے وہ بھی فاسد ہوگا اس لئے کہ بناء علی الفاسد، فاسد ہے۔ پس یہ ایسا ہو گیا جیسے اس نے امام کے رکوع کرنے سے پہلے ہی اپنا سر اس رکوع سے اٹھا لیا ہو۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ شرطِ جواز ایک جز میں شرکت ہے سو ایک جز میں شرکت پائی گئی یعنی جز اول میں اگرچہ شرکت نہیں پائی گئی لیکن جزء آخر میں شرکت پائی گئی ہے اور نماز جائز ہونے کے لئے اس قدر مشارکت کافی ہے جیسا کہ جزء اول میں یعنی مقتدی نے امام کے ساتھ رکوع کیا لیکن امام سے پہلے ہی اپنا سر اٹھا لیا تو جائز ہے کیونکہ ایک جز میں مشارکت پائی گئی۔ اور اگر امام سے پہلے رکوع میں گیا اور امام کے رکوع کرنے سے پہلے ہی اپنا سر اٹھا لیا تو نماز جائز نہ ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں کسی جز کے اندر شرکت نہیں پائی گئی ہے حالانکہ ایک جزء کے اندر شرکت کا پایا جانا ضروری تھا۔ جمیل احمد عفی عنہٗ

باب قضاء الفوائت

ترجمہ...... (یہ) باب فائتہ نمازوں کی قضاء کرنے (کے بیان) میں ہے

تشریح...... گذشتہ باب میں ادا اور اس کے متعلقات کے احکام کا بیان تھا اب اس باب میں قضاء کے احکام ذکر کریں گے۔ چونکہ ادا اصل اور قضاء اس کا خلیفہ ہے اس لئے ادا کو پہلے اور قضاء کو بعد میں ذکر کیا گیا ہے۔ ادا کہتے ہیں: عین واجب کو اس کے مستحق کے سپرد کرنا، اور قضاء کہتے ہیں: مثل واجب کو سپرد کرنا۔

فوت شدہ نماز کو قضاء کرنے کا وقت

من فاتته صلوة قضاها اذا ذكرها، وقدمها على فرض الوقت، والاصل فيه ان الترتيب بين الفوائت وفرض الوقت عندنا مستحق، وعند الشافعيؒ مستحب، لان كل فرض اصل بنفسه، فلا يكون شرطا لغيره، ولنا قوله عليه السلام: من نام عن صلاة او نسيها فلم يذكرها الا وهو مع الامام، فليصل التي هو فيها، ثم ليصل

التی ذکرھا بعد التی صلّٰی مع الامام

ترجمہ...... جس شخص کی نماز فوت ہوگئی وہ اس کو قضاء کرے جب یاد کرے اور اس کو وقتی فرض پر مقدم کرے اور اصل اس میں یہ ہے کہ فوائت اور وقتی فرض کے درمیان ہمارے نزدیک ترتیب واجب ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک مستحب ہے۔ کیونکہ ہر فرض بذات خود اصل ہے تو وہ دوسرے کے لئے شرط نہ ہوگا۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص سو گیا نماز سے یا اس کو بھول گیا پھر وہ یاد نہ آئی مگر یہ کہ وہ امام کے ساتھ ہے تو یہ پڑھ لے جس میں موجود ہے پھر وہ پڑھے جس کو یاد کیا پھر اس کا اعادہ کرے جو امام کے ساتھ پڑھی ہے۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کی نماز فوت ہوگئی تو یاد آنے پر اس کی قضاء کرے اور اس کو وقتیہ پر مقدم کرے۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ ضابطہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک فوائت اور وقتیہ کے درمیان ترتیب واجب ہے یعنی فائتہ نماز کو وقتیہ پر مقدم کرنا واجب ہے۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ترتیب مستحب ہے، فائتہ کو وقتیہ پر مقدم کرنا واجب نہیں ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ ہر فرض بذات خود اصل ہے لہٰذا وہ دوسرے کے لئے شرط نہ ہوگا کیونکہ شرط تابع ہوتی ہے۔ اور اصالت اور تبعیت کے اندر منافات ہے پس اگر وقتیہ نماز کے لئے فائتہ کا ادا کرنا واجب (شرط) قرار دیا جائے تو اس صورت میں فائتہ کا تابع ہونا لازم آئے گا حالانکہ فائتہ فرض ہونے کی وجہ سے بذات خود اصل ہے۔ پس ثابت ہوا کہ فائتہ کا وقتیہ پر مقدم کرنا واجب نہیں ہے۔

ہماری دلیل اللہ کے نبی ﷺ کا ارشاد ہے **من نام عن صلاۃ او نسیھا فلم یذکرھا الا وھو مع الامام فلیصل التی ھو فیھا ثم لیصل التی ذکرھا ثم لیعد التی مع الامام** حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر نماز فوت ہوگئی اور یہ شخص امام کے ساتھ وقتیہ پڑھنے لگا تو امام کے ساتھ اپنی نماز پوری کرے پھر فائتہ پڑھے پھر اس نماز کا اعادہ کرے جو امام کے ساتھ پڑھی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو نماز امام کے ساتھ پڑھی ہے۔ چونکہ وہ فائتہ سے مقدم ہوگئی ہے حالانکہ فائتہ کا مقدم کرنا واجب تھا اس لئے اس کو لوٹانے کا حکم کیا گیا ہے تاکہ فائتہ اور وقتیہ کے درمیان ترتیب متحقق ہو جائے۔

مگر یہاں ایک اعتراض ہے۔ وہ یہ کہ یہ حدیث اخبار آحاد میں سے ہے اور خبر واحد سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی لہٰذا اس حدیث سے ترتیب کا فرض ہونا ثابت نہیں ہوگا۔

جواب...... یہ حدیث خبر مشہور ہے نہ کہ خبر واحد اور اگر تسلیم کرلیں کہ خبر واحد ہے تو جواب یہ ہے کہ ترتیب تو کتاب اللہ یعنی اقیموا الصلوٰۃ سے ثابت ہوئی ہے۔ یعنی چونکہ کتاب اللہ مجمل ہے اس لئے یہ حدیث مجمل کتاب کا بیان واقع ہوگی۔

فوت شدہ اور وقتی نمازوں میں ترتیب

ولو خاف فوت الوقت، یقدم الوقتیۃ، ثم یقضیھا، لان الترتیب یسقط بضیق الوقت، وکذا بالنسیان وکثرۃ الفوائت کیلا یؤدی الی تفویت الوقتیۃ

ترجمہ...... اور اگر وقت نکل جانے کا خوف ہو تو وقتیہ کو مقدم کرے پھر فائتہ کی اضاء کرے کیونکہ ترتیب تنگی وقت کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہے یونہی بھول جانے اور کثرت فوائت سے تاکہ وقتیہ کو فوت کرنا لازم نہ آئے۔

تشریح...... پہلے مسئلہ میں گذر چکا ہے کہ فائتہ اور وقتیہ کے درمیان ترتیب واجب ہے لیکن اگر وقت تنگ ہوگیا اور اس بات کا اندیشہ پیدا ہو

گیا کہ اگر فائتہ کی قضاء میں ہوا تو وقت نکل جائے گا۔ ایسی صورت میں وقتیہ نماز کو مقدم کرے پھر اس کے بعد فائتہ کی قضاء کرے کیونکہ تین چیزوں سے ترتیب ساقط ہو جاتی ہے۔

۱) وقت کی تنگی ، ۲) بھول ۳) فوائت کی کثرت

کثرت کی مقدار چھ نمازیں ہیں۔ ان چیزوں سے ترتیب اس لئے ساقط ہو جاتی ہے تا کہ وقتیہ کو فوت کرنا لازم نہ آئے۔

تنگی وقت کے باوجود فوت شدہ نماز کو مقدم کرلیا تو کیا حکم ہے

و لو قدم الفائتة جاز، لان النهى عن تقديمها لمعنى فى غيرها، بخلاف اذا كان فى الوقت سعة، وقدم الوقتية حيث لايجوز، لانه اداها قبل وقتها الثابت بالحديث

ترجمہ...... اور اگر اس نے (تنگی وقت کے باوجود) فائتہ کو مقدم کیا تو جائز ہے کیونکہ فائتہ کو مقدم کرنے سے ممانعت ایسے معنی کی وجہ سے ہے جو غیر میں ہے برخلاف اس کے جبکہ وقت میں گنجائش ہو اور اس نے وقتیہ نماز کو مقدم کر دیا تو جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس نے اس کو اس وقت سے پہلے ادا کیا ہے جو حدیث سے ثابت ہے۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر تنگی وقت کے باوجود فائتہ نماز پڑھ لی اور وقتیہ کو چھوڑ دیا تو فائتہ ادا ہو جائے گی مگر وقتیہ کو وقت کے اندر ادا نہ کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔ کیونکہ فائتہ کو ایسی حالتِ تنگی میں مقدم کرنے پر جو ممانعت ہے تو وہ ایسے معنی کی وجہ سے ہے جو غیر میں ہیں یعنی وقتیہ کو چھوڑنا، پس وقتیہ کو چھوڑنے کی وجہ سے فائتہ کی ادا میں کچھ نقصان نہیں ہوا۔ ہاں وقتیہ کو چھوڑنے سے اس پر گناہ عظیم ہو گا۔ اس کے برخلاف اگر وقت میں گنجائش ہو اور پھر وقتیہ کو مقدم کر دیا تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس نے وقتیہ کو اس کے وقت سے پہلے ادا کیا ہے۔ وقت سے پہلے ادا کرنا اس لئے لازم آیا ہے کہ حدیث سے ثابت ہے کہ وقتیہ کا وقت فائتہ کے بعد ہے اور جو نماز وقت سے پہلے ادا کی جائے وہ درست نہیں ہوتی اس لئے وقت کے اندر گنجائش کی صورت میں وقتیہ کو فائتہ پر مقدم کرنا جائز نہ ہوگا۔

فوت شدہ نمازوں میں ترتیب کا حکم

و لو فاتته صلوات رتبها فى القضاء كما وجبت فى الاصل، لان النبى عليه السلام شغل عن اربع صلوات يوم الخندق، فقضاهن مرتبا، ثم قال صلوا كما رأيتمونى اصلى، الا ان يزيد الفوائت على ستة صلوات، لان الفوائت قد كثرت، فتسقط الترتيب فيما بين الفوائت بنفسها كما يسقط بينها وبين الوقتية، وحد الكثرة ان تصير الفوائت ستا بخروج وقت الصلاة السادسة، وهو المراد بالمذكور فى الجامع الصغير وهو قوله. وان فاتته اكثر من صلوات يوم وليلة، اجزأته التى بدأ بها، لانه اذا زاد على يوم وليلة، تصير ستا، وعن محمد انه اعتبر دخول وقت السادسة، والاول هو الصحيح، لان الكثرة بالدخول فى حد التكرار، وذلک فى الاول

ترجمہ...... اور اگر اس کی چند نمازیں فوت ہو گئیں تو قضاء میں ان کو ترتیب وار بجالائے جیسے اصل میں واجب ہوئیں۔ کیونکہ حضور ﷺ خندق کے دن چار نمازوں سے مشغول کئے گئے پھر آپ نے ان کو ترتیب کے ساتھ ادا کیا پھر فرمایا کہ تم نماز پڑھا کرو جیسے تم نے نماز پڑھتے ہوئے مجھ

دیکھا ہے۔ مگر یہ کہ فوت شدہ نمازیں بڑھ کر چھ تک ہو جائیں کیونکہ فوائت کثیر ہو گئیں تو خود فوائت کے درمیان ترتیب ساقط ہو جاتی ہے۔ چھ فوائت اور وقتیہ کے درمیان ترتیب ساقط ہو جاتی ہے اور کثرت کی حد یہ ہے کہ چھٹی نماز کا وقت نکل جانے سے فوائت چھ ہو جائیں اور یہی اس سے مراد ہے جو جامع صغیر میں مذکور ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر ایک دن رات کی نمازوں سے زیادہ ہو گئیں تو جائز ہو جائے گی وہ نماز جس سے ابتداء کی تھی اس لئے کہ جب ایک دن رات پر زائد ہو گئیں تو وہ چھ ہو جائیں گی۔ اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے چھٹی نماز کے وقت کے داخل ہونے کا اعتبار کیا ہے لیکن اول صحیح ہے کیونکہ کثرت تو حد تکرار میں داخل ہونے سے ہوتی ہے۔ اور یہ پہلے ہی قول پر ہوگا۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ ترتیب جس طرح وقتیہ اور فائتہ کے درمیان فرض ہے۔ اسی طرح خود فوائت کے درمیان بھی فرض ہے چنانچہ اگر چند نمازیں فوت ہو گئیں تو ان کی قضاء اسی ترتیب کے ساتھ کرے جس ترتیب کے ساتھ ادا واجب ہوئی تھی۔ دلیل حدیث رسول اللہ ﷺ ہے الفاظ حدیث یہ ہیں۔ عن عبد الله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال ان المشركين شغلوا رسول الله ﷺ عن اربع صلوات یوم الخندق حتی ذهب من اللیل ما شاء الله فامر بلالا فاذن ثم اقام فصلی الظهر ثم اقام فصلی العصر ثم اقام فصلی المغرب ثم اقام فصلی العشاء ابن مسعودؓ نے کہا کہ مشرکین نے رسول پاک ﷺ کو خندق کے دن چار نمازوں سے مشغول کر دیا تھا حتی کہ رات چلی گئی۔ پس آپ ﷺ نے بلال کو امر کیا۔ بلال نے اذان دی پھر اقامت کہی پھر ظہر کی نماز پڑھی پھر اقامت کہی پھر عصر ادا کی، پھر اقامت کہی پھر مغرب کی نماز پڑھی پھر اقامت کہی پھر عشاء کی نماز پڑھی پھر فرمایا کہ صلوا کما رایتمونی اصلی تم اس طرح نماز پڑھا کرو جس طرح تم نے مجھ کو دیکھا ہے کہ میں نماز پڑھتا ہوں۔

حدیث میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ جس ترتیب کے ساتھ نمازیں فوت ہوئی تھیں آپ ﷺ نے اسی ترتیب کے ساتھ ان کی قضاء فرمائی ہے اور پھر حکماً فرمایا کہ صلوا کما رایتمونی اصلی یعنی آئندہ کے لئے بھی یہی حکم ہے بہر حال اس حدیث سے۔ فوائت کے درمیان ترتیب ثابت ہو گئی۔ ہاں اگر فوائت کی تعداد بڑھ کر چھ ہو گئیں تو ان درمیان ترتیب ساقط ہو جائے گی۔ دلیل یہ ہے کہ اس صورت میں فوائت کثیرہ ہیں اور فوائت کثیرہ کے درمیان دفع حرج کے لئے ترتیب ساقط ہو جاتی ہے جیسا کہ فوائت کثیرہ اور وقتیہ کے درمیان ترتیب ساقط ہو جاتی ہے۔ اور کثرت کا معیار یہ ہے کہ فوت شدہ نمازیں چھ ہو جائیں یعنی چھٹی نماز کا وقت نکل جائے۔

اسی مسئلہ کو جامع صغیر میں اس طور پر بیان کیا ہے کہ فوت شدہ نمازیں اگر ایک دن اور ایک رات سے زائد ہو گئیں ہیں تو جس نماز سے شروع کرے گا وہ جائز ہوگا اس لئے کہ ایک رات دن سے زائد ہونے کی وجہ سے فوت شدہ نمازیں چھ ہو گئیں ہیں اور چھ نمازوں کا ہونا کثرت کی علامت ہے اور پہلے گذر چکا کہ فوائت اگر کثیر ہوں تو ان کے درمیان ترتیب ساقط ہو جاتی ہے لہٰذا جس نماز سے بھی قضاء کی ابتداء کرے گا درست ہوگا۔ ترتیب وار ہو یا بغیر ترتیب ہے۔

امام محمدؒ سے مروی ہے کہ اگر چھٹی نماز کا وقت داخل ہو گیا تو بھی فوائت کثیر شمار ہوں گی لیکن صاحب ہدایہ نے کہا کہ قول اول صحیح ہے یعنی وقت سادسہ کے خروج کا اعتبار ہے دخول کا اعتبار نہیں ہے۔ قول اول کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ لفظ کثرت اس وقت صادق آئے گا جبکہ نمازوں میں تکرار شروع ہو جائے اور تکرار اس وقت ہوگا جبکہ چھٹی نماز کا وقت خارج ہو جائے کیونکہ جب چھٹی نماز کا وقت نکل گیا تو قضاء نمازوں کا تکرار ہو گیا۔

صاحب عنایہ نے تحریر فرمایا ہے کہ اس کی اصل قضاء بالاغماء ہے یعنی بے ہوشی کی وجہ سے اگر نمازیں زیادہ فوت ہو جائیں تو ان کی قضاء واجب نہ ہوگی اور اگر کم نمازیں فوت ہوں تو ان کی قضاء واجب ہے اور یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ حضرت علیؓ ایک دن رات

سے کم بے ہوش رہے تو آپؐ نے نمازوں کی قضاء فرمائی اور عمار بن یاسرؓ پورے ایک دن رات بے ہوش رہے تو انہوں نے بھی ایک دن رات کی نمازوں کی قضاء فرمائی ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایک دن رات سے زائد بے ہوش رہے تو آپ نے قضاء نہیں فرمائی۔ پس ان تینوں حضرات کے واقعات سے ثابت ہوا کہ کثرت کی تعریف میں تکرار معتبر ہے یعنی چھٹی نماز کے وقت کا نکل جانا۔

فوت شدہ نمازیں قدیمہ اور حدیثہ ہیں ان کی ادائیگی کا طریقہ کار

ولو اجتمعت الفوائت القديمة والحديثة، قيل يجوز الوقتية مع تذكر الحديثة لكثرة الفوائت، وقيل لا تجوز، ويجعل الماضي كان لم يكن زجرا له عن التهاون

ترجمہ ..... اور اگر قضاء نمازیں قدیمہ اور جدیدہ جمع ہوئیں تو کہا گیا کہ وقتیہ کا ادا کرنا جائز ہے باوجودیکہ جدیدہ یاد ہیں کیونکہ فوائت کثیر ہیں اور کہا گیا کہ جائز نہیں ہے اور گذشتہ نمازوں کو معدوم قرار دیا جائے گا تاکہ سستی کرنے کی اس کو تنبیہ ہو سکے۔

تشریح ..... فوائت کی دو قسمیں ہیں۔ قدیمہ اور جدیدہ۔ صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک ماہ کی نمازیں چھوڑ دیں پھر یہ اپنی کرتوت پر نادم ہوا اور فائتہ نمازوں کی قضاء ان کے اوقات میں شروع کر دی پھر اس سے قبل کہ ان فوائت کی قضاء مکمل ہو اور چند نمازیں فوت ہو گئیں لیکن یہ چند نمازیں چھ سے کم ہیں تو پہلی فوت شدہ نمازیں قدیمہ اور یہ بعد کی جدیدہ کہلائیں گی اب اگر اس شخص نے وقتیہ نماز پڑھی اور اس کو یہ متروکہ حدیثہ جدیدہ نمازیں بھی یاد ہیں۔ تو ایسی صورت میں وقتیہ کا پڑھنا جائز ہوگا یا نا جائز ہوگا؟ اس بارے میں بعض متاخرین کا خیال یہ ہے کہ وقتیہ نماز جائز ہو جائے گی۔ کیونکہ فوائت قدیمہ اور حدیثہ دونوں مل کر حد کثرت کو پہنچ جاتی ہیں اور کثرت ترتیب کو ساقط کر دیتی ہے پس جب ترتیب ساقط ہو گئی تو وقتیہ کو فوائت پر مقدم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے فتویٰ بھی اسی قول پر ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ فوائت حدیثہ سے پہلے وقتیہ کا ادا کرنا جائز نہیں ہے۔ عدم جواز کی دلیل یہ ہے کہ اس شخص نے فوائت قدیمہ کو ادا کرنے میں سستی اور لاپرواہی سے کام لیا ہے پس شریعت نے اس کو زجر و توبیخ کرنے کے لئے فوائت قدیمہ کو کان لم یکن (معدوم) قرار دے دیا ہے گویا فوائت قدیمہ اس کے ذمہ تھی ہی نہیں اور جب فوائت قدیمہ کالعدم ہو گئیں تو اب صرف فوائت حدیثہ رہیں۔ اور فوائت حدیثہ چھ نمازوں سے کم ہیں اس لئے خود ان میں بھی ترتیب واجب ہے۔ اور فوائت اور وقتیہ کے درمیان بھی ترتیب واجب ہے پس جب فوائت اور وقتیہ کے درمیان ترتیب واجب ہے تو وقتی کو فوائت پر مقدم کرنا جائز نہ ہوگا۔

قضاء کرنے سے فوت شدہ نمازیں کم ہو جائیں ترتیب لوٹے گی یا نہیں ..... اقوالِ فقہاء

ولو قضى بعض الفوائت حتى قل مابقي، عاد الترتيب عند البعض وهو الاظهر، فانه روى عن محمدؒ فيمن ترك صلاة يوم وليلة، وجعل يقضي من الغد مع كل وقتية فائتة، فالفوائت جائزة على كل حال، والوقتيات فاسدة ان قدمها لدخول الفوائت في حد القلة، وان اخرها فكذلك الا العشاء الاخير، لانه لا فائتة عليه في ظنه حال ادائها

ترجمہ ..... اور اگر بعض فوائت کی قضاء کی یہاں تک کہ ماقی (چھ نمازوں سے) کم رہ گئیں تو بعض کے نزدیک ترتیب لوٹ آئے گی۔ اور

یہی قول زیادہ ظاہر ہے۔ اس لئے کہ امام محمدؒ سے روایت کیا گیا ہے کہ اس شخص کے بارے میں جس نے ایک دن رات کی نماز چھوڑ دی اور اگلے دن سے ہر وقتیہ نماز کے ساتھ ایک فائتہ کی قضاء کرنی شروع کردی تو فوائت ہر حال میں جائز ہیں۔ اور وقتیات فاسد ہیں اگر وقتیہ کو مقدم پڑھے تو اس لئے کہ فوائت قلت کی حد میں داخل ہو گئیں اور اگر وقتیہ کو مؤخر کرے تو بھی فاسد ہے علاوہ عشاء اخیرہ کے کیونکہ اس کے ادا کرنے کے وقت اس کے گمان میں اس پر کوئی قضاء نہیں ہے۔

تشریح ..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کی ایک ماہ کی نمازیں فوت ہو گئیں پھر یہ شخص فوت شدہ نمازوں کی قضاء کرنے لگا حتی کہ چھ نمازوں سے کم رہ گئیں پھر اس شخص نے وقتیہ نماز پڑھی۔ درانحالیکہ ماقبی جن کی ابھی تک قضاء نہیں کر سکا وہ اس کو یاد ہیں۔ تو اس صورت میں وقتیہ نماز جائز ہوگی یا ناجائز ہوگی، امام محمدؒ سے اس میں دو روایتیں ہیں ایک روایت عدم جواز کی ہے۔ اسی کے قائل فقیہ ابو جعفر اور مصنف ہدایہ ہیں۔ دوسری روایت جواز کی ہے جس کے قائل ابو حفص کبیر علامہ فخر الاسلام، شمس الائمہ، صاحب محیط اور قاضی خاں ہیں۔ دوسری روایت کی دلیل یہ ہے کہ اس شخص کے ذمہ ایک ماہ کی نمازیں تھیں اور یہ ظاہر ہے کہ ایک ماہ کی نمازیں کثیر ہیں اور کثرت فوائت سے ترتیب ساقط ہو جاتی ہے۔ پس یہاں بھی فوائت کے کثیر ہونے کی وجہ سے ترتیب ساقط ہو چکی ہے اور قاعدہ ہے کہ **الساقط لا یعود** یعنی جو چیز ایک مرتبہ ساقط ہو گئی وہ لوٹ کر نہیں آتی۔ مثلاً ناپاک پانی قلیل ہے۔ اس ناپاک پانی کو ماء جاری میں ڈال دیا حتی کہ یہ بھی کثیر ہو گیا اور بہنے لگا پھر یہ پانی قلیل ہو گیا تو اب نجس نہیں ہوگا۔ کیونکہ پانی کے کثیر اور جاری ہونے کی وجہ سے اس کی نجاست ساقط ہو گئی تھی اور قاعدہ ہے کہ **الساقط لا یعود** لہٰذا ساقط شدہ نجاست لوٹ کر واپس نہیں آئے گی۔

پس اسی طرح جب کثرت فوائت کی وجہ سے ترتیب ساقط ہو گئی پھر قضاء نمازیں کم رہ گئیں تو اب اس قلت کی وجہ سے ترتیب عود نہیں کرے گی اور جب ترتیب نہیں لوٹی تو وقتیہ نماز کو ماقبی فوائت پر مقدم کرنا جائز ہے۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ پہلی روایت درایۃ اور روایۃ دونوں اعتبار سے اظہر ہے۔ درایۃ تو اس لئے کہ ترتیب کے ساقط ہونے کی علت مفضی الی الحرج ہونے کی وجہ سے کثرت ہے اور چونکہ اکثر نمازوں کی قضاء کر چکا ہے صرف چھ نمازوں سے کم باقی رہ گئیں ہیں اس لئے ترتیب کے ساقط ہونے کی علت باقی نہ رہی اور جب علت سقوط باقی نہ رہی تو سقوط ترتیب کا حکم بھی باقی نہ رہے گا کیونکہ علت کے منتفی ہونے سے حکم منتفی ہو جاتا ہے اور جب سقوط ترتیب کا حکم باقی نہ رہا تو ترتیب عود کر آئے گی اور جب ترتیب عود کر آئی تو ماقبی فوائت پر وقتیہ نماز کا مقدم کرنا کیسے جائز ہوگا کیونکہ فوائت قلیلہ اور وقتیہ کے درمیان ترتیب فرض ہے۔

در روایۃ اس لئے اظہر ہے کہ امام محمدؒ سے اس شخص کے بارے میں روایت ہے جس نے ایک دن ایک رات کی نمازیں چھوڑ دیں۔ مثلاً فجر کی نماز سے لے کر عشاء تک پانچوں نمازیں فوت ہو گئیں پھر اگلے دن ہر وقتیہ کے ساتھ ایک فائتہ کی قضاء کرنے لگا مثلاً فجر کی نماز کے وقت کل گذشتہ کی فجر کی نماز قضاء کی اور ظہر کے وقت کل گذشتہ ظہر کی قضاء کی وغیرہ وغیرہ تو اس صورت میں فوائت ہر حال میں جائز ہو جائیں گی خواہ فوائت کو وقتیات پر مقدم کیا ہو خواہ مؤخر کیا ہو۔ مگر اس قدر فرق ضرور ہے کہ تقدیم کی صورت میں پانچوں وقتیات از فجر تا عشاء فاسد ہو جائیں گی اور تاخیر کی صورت میں عشاء کے علاوہ باقی چار فاسد ہو جائیں گی۔

تفصیل یہ ہے کہ جس شخص کی فجر تا عشاء پانچ نمازیں فوت ہو گئیں ہیں اس نے اگلے دن سے قضاء کرنی شروع کردی۔ اس طور پر کہ

پہلے فجر کی وقتیہ ادا کی پھر کل گذشتہ کی فجر کی قضاء کی پس چونکہ یہ شخص صاحب ترتیب ہے اس لئے وقتیہ کو فوائت پر مقدم کرنے سے وقتیہ نماز فاسد ہوگئی اور فوت شدہ نمازیں چھ ہوگئیں۔ پانچ کل گذشتہ کی اور ایک آج کی نماز فجر، لیکن جب اس نے کل گذشتہ کی نماز فجر کی قضاء کرلی اور وہ درست بھی ہے تو اب فوائت پھر پانچ رہ گئیں چار نمازیں از ظہر تا عشاء گذشتہ کل کی اور ایک آج کی نماز فجر، پھر ظہر کے وقت میں آج کی ظہر کو پہلے ادا کیا اور کل گذشتہ کی ظہر کو بعد میں تو آج کی ظہر فاسد ہوگئی کیونکہ صاحب ترتیب ہونے کے باوجود اس نے وقتیہ کو فوائت پر مقدم کیا ہے پس جب آج کی ظہر فاسد ہوگئی تو پھر چھ نمازیں فوائت ہوگئیں یعنی کل گذشتہ کی ظہر سے آج کی ظہر تک لیکن جب کل گذشتہ کی ظہر کو ادا کرلیا اور وہ جائز بھی ہوگئی تو پھر فوائت پانچ رہ گئیں یعنی کل گذشتہ کی عصر سے آج کی ظہر تک۔ پھر عصر کا وقت آیا اور اس میں آج کی عصر کو پہلے ادا کیا۔ تو صاحب ترتیب ہونے کی وجہ سے وہ فاسد ہوگئی چنانچہ فوائت کی تعداد پھر چھ ہوگئی لیکن جب کل گذشتہ کی عصر کو پڑھا اور وہ درست ہے تو فوائت بھی پانچ باقی ہیں۔ یعنی از مغرب تا عصر، پھر مغرب کے وقت میں وقتیہ کو مقدم یا تو صاحب ترتیب ہونے کی وجہ سے مغرب کی وقتیہ فاسد ہوگئی اور فوائت کی تعداد چھ ہوگئی یعنی کل گذشتہ کی مغرب سے آج کی مغرب تک۔ لیکن جب کل گذشتہ کی مغرب کی قضاء کرلی تو پھر فوائت پانچ رہ گگیں پھر جب عشاء کے وقت میں وقتیہ کو پہلے ادا کیا تو صاحب ترتیب ہونے کی وجہ سے عشاء کی نماز فاسد ہے اور پھر کل فوائت چھ ہوگئیں یعنی کل گذشتہ کی عشاء سے آج کی عشاء تک لیکن جب کل گذشتہ کی عشاء کی قضاء کی اور وہ جائز ہے تو پھر فوائت پانچ رہ گئیں۔

اس تفصیل سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ اگر وقتیات کو فوائت پر مقدم کیا تو فوائت جائز اور وقتیات فاسد ہیں اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ فوائت اگر قلیل یعنی چھ سے کم رہ جائیں تو ترتیب عود کر جاتی ہے۔ یہاں اسی کو ثابت کرنا پیش نظر ہے اور اگر وقتیات کو فوائت سے مؤخر کیا گیا تو اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ آج فجر کے وقت میں پہلے کل گذشتہ کی فجر ادا ہوگئی ہے۔ لیکن آج کی فجر ادا نہیں ہوئی اس لئے کہ آج کی فجر جو وقتیہ ہے اس کو مقدم کر دیا ہے باقی فوائت پر، حالانکہ وجوب ترتیب کی وجہ سے فوائت کا وقتیہ پر مقدم کرنا لازم تھا۔ اسی طرح باقی نمازوں کو قیاس کر لیجئے لیکن عشاء کے وقت میں جب کل گذشتہ کی عشاء کو پہلے ادا کیا اور پھر آج کی عشاء کو ادا کیا تو امام محمدؒ نے کہا کہ آج کی عشاء درست ہو جائے گی کیونکہ یہ شخص اس کیال میں ہے کہ میرے ذمہ کوئی فائتہ نہیں ہے حالانکہ آج کی چاروں نمازیں فائتہ ہیں پس یہ شخص ایسا ہو گیا جیسا کہ فوائت کو بھولنے والا اور یہ بات گذر چکی کہ نسیان ترتیب کو ساقط کر دیتا ہے پس جب ترتیب ساقط ہوگئی تو عشاء کی نماز جائز ہو جائے گی یہ بات ذہن نشین رہے کہ یہ حکم اسی وقت ہے جبکہ یہ جاہل ہو لیکن اگر عالم اور اس مسئلہ سے واقف ہے تو عشاء کی نماز بھی درست نہیں ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب

ظہر کی نماز نہ پڑھنا یاد ہونے کے باوجود عصر کی نماز پڑھنے کا حکم، اقوالِ فقہاء

ومن صلى العصر وهو ذاكر انه لم يصل الظهر، فهي فاسدة الا اذا كان في آخر الوقت، وهي مسألة الترتيب واذا فسدت الفرضية لايبطل اصل الصلاة عند ابي حنيفةؒ وابي يوسفؒ، وعند محمد تبطل، لان التحريمة عقدت للفرض، فاذا بطلت الفرضية بطلت التحريمة اصلا، ولهما انها عقدت لاصل الصلوٰة بوصف الفرضية، فلم يكن من ضرورة بطلان الوصف بطلان الاصل

ترجمہ...... اور جس نے عصر پڑھی اس حال میں کہ اس کو یاد ہے کہ اس نے ظہر نہیں پڑھی ہے۔ تو نماز عصر فاسد ہے مگر جب کہ یاد آنا عصر

کے آخری وقت میں ہو اور یہ مسئلہ ترتیب ہے۔ اور جب فرضیت فاسد ہوگئی تو شیخین کے نزدیک اصل نماز باطل نہ ہوگی۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک (اصل نماز ہی) باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ تحریمہ فرض کے لئے منعقد کیا گیا ہے پس جب فرضیت باطل ہوگئی تو تحریمہ بھی باطل ہو گیا ہے۔ اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ تحریمہ وصفِ فرضیت کے ساتھ اصل نماز کے لئے منعقد کیا گیا ہے۔ پس وصف کے باطل ہونے سے اصل کا باطل ہونا ضروری نہیں ہے۔

تشریح ...... مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے عصر کی نماز پڑھی اور اس کو یہ یاد ہے کہ ابھی تک ظہر نہیں پڑھی ہے تو عصر کی نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ اس نے ترتیب کو چھوڑ دیا ہے۔ حالانکہ اس پر ترتیب فرض تھی۔ ہاں اگر عصر کی نماز عصر کے آخری وقت میں ادا کی اور یہ یاد رہے کہ ظہر نہیں پڑھی ہے تو عصر کی نماز درست ہو جائے گی کیونکہ وقت کا تنگ ہونا ترتیب کو ساقط کر دیتا ہے۔

رہی یہ بات کہ ترتیب کے فوت ہونے سے جب فرضیت باطل ہوگئی تو اصل صلوٰۃ بھی باطل ہوگی یا نہیں؟ سو اس بارے میں اختلاف ہے۔ چنانچہ شیخین نے فرمایا کہ اصل صلوٰۃ باطل نہیں ہوگی یعنی ترتیب نہ پائی جانے کی وجہ سے عصر کی نماز کا فرض ادا ہونا اگرچہ باطل ہو گیا لیکن اس کا نفل ہونا باقی ہے۔

حاصل یہ کہ عصر کی یہ نماز اداءِ فرض شمار نہیں ہوگا بلکہ اداءِ نفل شمار ہوگا۔ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ فرضیت باطل ہونے سے اصل نماز بھی باطل ہو جائے گی۔ یعنی عصر کی یہ نماز نہ فرض شمار ہوگی اور نہ نفل شمار ہوگی۔ ثمرۂ اختلاف اس صورت میں ظاہر ہوگا کہ جس شخص نے وسعتِ وقت میں عصر کی نماز شروع کی درانحالیکہ اس کو ظہر کی فائتہ یاد ہے پھر یہ شخص بحالت نماز قہقہہ مار کر ہنس پڑا تو شیخین کے نزدیک اس کا وضو ٹوٹ جائے گا۔ کیونکہ شیخین کے نزدیک اصل صلاۃ باقی ہے اور بحالت نماز قہقہہ لگا کر ہنسنا ناقض وضو ہے اس لئے ان کے نزدیک وضو ٹوٹ جائے گا اور امام محمدؒ کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹے گا کیونکہ امام محمدؒ کے نزدیک اصل نماز ہی باطل ہوگئی ہے اس لئے ان کے نزدیک یہ قہقہہ مارنا نماز کی حالت میں نہیں ہوگا۔ اور نماز کی حالت کے علاوہ قہقہہ لگا کر ہنسنا ناقض وضو نہیں ہوتا ہے اس لئے اس صورت میں قہقہہ لگا کر ہنسنا ناقض وضو نہیں ہوگا۔

اصل مسئلہ میں امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ تحریمہ فریضہ عصر کے لئے منعقد کیا گیا ہے اور ہر وہ چیز کہ جس کے لئے تحریمہ منعقد کیا جائے جب وہ باطل ہوگئی تو تحریمہ بھی باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ تحریمہ اس شے کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے پس جب مقصود باطل ہو گیا تو اس کا وسیلہ اور ذریعہ بھی باطل ہو جائے گا اور جب تحریمہ باطل ہو گیا تو اصل صلاۃ ہی باطل ہوگئی اور جب اصل صلاۃ باطل ہوگئی تو نہ فرض ادا ہوگا اور نہ نفل۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ تحریمہ منعقد کیا گیا ہے اصل صلاۃ کے لئے جو وصف فرضیت کے ساتھ موصوف ہے اور ترتیب کے فوت ہونے کی وجہ سے عصر کی نماز کا وصفِ فرضیت باطل ہو گیا ہے۔ ضروری نہیں ہے جیسے کسی شخص نے اپنی تنگدستی اور غربت کی وجہ سے کفارۂ یمین کے اور تین روزے رکھنا شروع کر دیئے پھر دن کے درمیان وہ مالدار ہو گیا تو اس کا اصل روزہ باطل نہیں ہوگا بلکہ اس روزہ کا کفارہ واقع ہونے کا وصف باطل ہو جائے گا۔ یعنی وہ روزہ کفارۂ یمین میں شمار نہیں ہوگا۔ البتہ صوم نفل ہو جائے گا۔ اور کفارۂ یمین میں اس لئے شمار نہیں ہوگا کہ مالدار آدمی کے لئے ضروری ہے کہ وہ کفارۂ یمین بالاطعام ادا کرے یا بالکسوۃ یا غلام آزاد کرے۔ ان تینوں پر عدم قدرت کی صورت میں روزہ

رکھنے کا حکم ہے۔ پس جب اس نے تنگدستی کی وجہ سے روزے کے ساتھ کفارہ ادا کرنا شروع کیا لیکن دن کے اندر روزے کی حالت میں شخص مالدار ہوگیا تو اس روزے کا وصف وقوع کفارہ باطل ہوگیا۔ لیکن اصل روزہ باطل نہیں ہوا۔ پس جس طرح یہاں بطلانِ وصف سے بطلان اصل نہیں ہوا۔ اسی طرح متن کے مسئلے میں بھی وصفِ فرضیت کے باطل ہونے سے اصل نماز باطل نہیں ہوگی۔

عصر کی نماز فساد موقوف پر ہوگی کا مطلب

ثم العصر يفسد فسادا موقوفا حتى لو صلى ست صلوات، ولم يعد الظهر، انقلب الكل جائزا، وهذا عند ابي حنيفة، وعندهما يفسد فسادا باتا لاجواز لها بحال، وقد عرف ذلک في موضعه

ترجمہ ...... پھر عصر فساد موقوف کے طور پر فاسد ہوگی۔ حتی کہ اگر چھ نمازیں پڑھیں اور ظہر کا اعادہ نہیں کیا تو تمام نمازیں جائز ہوکر رہ جائیں گی۔ یہ حکم امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک عصر قطعی طور پر فاسد ہوگی۔ وہ اب کسی حال میں جائز نہیں ہوگی ہے۔ اور یہ اپنے موقع پر معلوم ہو چکا ہے۔

تشریح ...... مسئلہ مذکورہ یعنی عصر کی نماز پڑھی اور یہ یاد رہے کہ ظہر کی نماز ابھی نہیں پڑھی ہے۔ تو اس صورت میں فرمایا تھا کہ ترتیب کے فوت ہونے کی وجہ سے عصر کی نماز فاسد ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ عصر کی یہ نماز موقوفاً فاسد ہوئی ہے یا قطعاً اور حتماً۔ سو امام ابو حنیفہؒ نے کہا کہ عصر کی نماز موقوفاً فاسد ہوئی ہے۔ حتی کہ اگر چھ نمازیں پڑھ لیں۔ یعنی آج کی عصر سے کل آئندہ کی عصر تک اور ظہر کی فائتہ نماز ابھی تک قضاء نہیں کیا ہے تو یہ سب نمازیں جائز ہو جائیں گی۔

دلیل یہ ہے کہ عصر اور اس کے بعد پانچ نمازوں تک فساد کی علت وجوب ترتیب ہے یعنی عصر، مغرب، عشاء، فجر اور اگلے دن کی ظہر اس لئے فاسد ہیں کہ اس نے ابھی تک کل گذشتہ کی ظہر کو ادا نہیں کیا ہے۔ حالانکہ ترتیب کا مقتضی یہ تھا کہ پہلے کل گذشتہ کی ظہر کی قضاء کرے لیکن جب اس نے اگلے دن کی عصر ادا کی تو اب گویا کل گذشتہ کی ظہر کے بعد چھ نمازیں فاسد ہوئیں اور چھ نمازوں سے کثرت ثابت ہو جاتی ہے اور پہلے گذر چکا کہ کثرت فوائت سے ترتیب ساقط ہو جاتی ہے پس جب اس شخص نے اگلے دن کی عصر ادا کرلی تو کثرت فوائت سے ترتیب ساقط ہوگئی اور جب ترتیب ساقط ہوگئی تو تمام نمازیں جائز ہو جائیں گی۔

صاحبین نے فرمایا کہ عصر کی نماز حتماً اور قطعاً فاسد ہو جائے گی یعنی کسی حال میں بھی جائز نہیں ہو سکتی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے ایک شخص نے ظہر کی نماز نہیں پڑھی ہے۔ پھر اس کے بعد کی پانچ وقت تک پانچ نمازیں اپنے اپنے وقت پر پڑھیں تو صاحبین کے نزدیک پانچوں فاسد ہیں۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ ترتیب ساقط ہونے کی علت کثرت فوائت ہے اور قاعدہ ہے کہ حکم علت سے مؤخر ہوتا ہے پس سقوط ترتیب کا حکم اس وقت ہوگا جبکہ فوائت کثیر (چھ) ہو جائیں۔ لہٰذا فائتہ یعنی نماز ظہر کی قضاء کئے بغیر اگر پانچ نمازیں اپنے وقت میں پڑھیں تو پانچوں نمازیں قطعی طور پر فاسد ہو جائیں گی۔ کیونکہ سقوط ترتیب کی علت نہیں پائی گئی۔

وتر پڑھے بغیر فجر کی نماز پڑھنے کا حکم

ولو صلى الفجر وهو ذاكر انه لم يوتر، فهي فاسدة عند ابي حنيفة خلافا لهما، وهذا بناء على ان الوتر واجب عنده سنة عندهما، ولا ترتيب فيما بين الفرائض والسنن، وعلى هذا اذا صلى العشاء، ثم توضأ

صلی السنة، و الوتر، ثم تبین انه صلی العشاء بغیر طهارة، فانه یعید العشاء والسنة دون الوتر، لان الوتر فرض علی حدة عنده، وعندهما یعید الوتر ایضا لکونه تبعا للعشاء، واللہ اعلم

ترجمہ..... اور اگر اس نے فجر کی نماز پڑھی اور یہ یاد ہے کہ وتر کی نماز ادا نہیں کی ہے، تو یہ فاسد ہے۔ ابو حنیفہؒ کے نزدیک صاحبین کا اختلاف ہے۔ اور یہ اس بات پر مبنی ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک وتر واجب ہے۔ صاحبین کے نزدیک سنت ہے اور فرائض اور سنن کے درمیان ترتیب نہیں ہے۔ اور اسی بناء پر اگر عشاء کی نماز پڑھی پھر وضو کیا اور سنت اور نماز وتر پڑھیں پھر ظاہر ہوا کہ عشاء بغیر طہارت کے پڑھی ہے تو امام صاحب کے نزدیک عشاء اور سنت دونوں کا اعادہ کرے نہ کہ وتر کا، کیونکہ امام صاحب کے نزدیک وتر علیحدہ فرض ہے اور صاحبین کے نزدیک وتر کا بھی اعادہ کرے کیونکہ وہ عشاء کے تابع ہے۔ واللہ اعلم

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے فجر کی نماز پڑھی، حال یہ کہ اس نے وتر کی نماز نہیں پڑھی تھی۔ اور اس کو وتر نہ پڑھنا یاد بھی ہے تو اس صورت میں امام صاحبؒ کے نزدیک فجر کی نماز فاسد ہے اور صاحبین کے نزدیک فاسد نہیں ہے۔ امام صاحبؒ اور صاحبین کے درمیان یہ اختلاف اس بات پر مبنی ہے کہ امام صاحب کے نزدیک نماز وتر واجب ہے اور صاحبین کے نزدیک سنت ہے۔ اور یہ بات طے شدہ ہے کہ ترتیب فقط فرائض کے درمیان واجب ہے فرائض اور سنتوں کے درمیان واجب نہیں ہے۔ پس چونکہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وتر واجب ہے۔ اس لئے وتر اور فجر کے درمیان ترتیب واجب ہوگی۔ اور مذکورہ صورت میں چونکہ ترتیب موجود نہیں ہے اس لئے فجر کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور صاحبین کے نزدیک وتر عشاء سے ہے اس لئے فجر اور وتر کے درمیان ترتیب واجب نہ ہوگی اور چونکہ وتر اور فجر کے درمیان ترتیب واجب نہیں ہے اس لئے فجر کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ اگر چہ یہ یاد ہے کہ وتر کی نماز نہیں پڑھی ہے۔

نماز عشاء کے بعد نئے وضو سے سنت و وتر ادا کئے پھر معلوم ہوا عشاء بغیر وضو پڑھی ہے تو کیا حکم ہے۔ اسی اصول پر کہ امام صاحب کے نزدیک وتر واجب ہے اور صاحبین کے نزدیک سنت ہے، اگر کسی نے عشاء کی نماز پڑھ لی پھر وضو کیا اور عشاء کے بعد کی سنتیں اور نماز وتر ادا کی۔ پھر واضح ہوا کہ عشاء کی نماز بغیر وضو کے ادا کی ہے۔ تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عشاء کی نماز اور سنت دونوں کا اعادہ کرے گا وتر کا اعادہ نہیں کرے گا۔ وتر کا اعادہ تو اس لئے نہیں ہوگا کہ وتر امام صاحب کے نزدیک واجب ہے اور اس کو اس کے وقت میں طہارت کے ساتھ ادا بھی کر لیا ہے کیونکہ وتر کا وقت وہی ہے جو عشاء کا وقت ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ عشاء اور وتر میں ترتیب نہیں پائی گئی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ عذر نسیان کی وجہ سے ترتیب ساقط ہو گئی ہے۔ لہذا وتر کا اعادہ لازم نہیں ہوگا۔ اور سنت کا اعادہ اس لئے ہوگا کہ سنت فرض کے تابع ہوتی ہے۔ پس جب فرض کا اعادہ ہوگا تو اس کے تابع کا اعادہ بھی ضرور ہوگا۔ اور صاحبین کے نزدیک وتر چونکہ سنت ہے اور سنت عشاء کے فرضوں کے تابع ہے اس لئے عشاء کی نماز کے ساتھ وتر کا اعادہ بھی ضروری ہوگا۔ واللہ اعلم جمیل احمد عفی عنہ •

باب سجود السہو

ترجمہ..... (یہ) باب سہو کے سجدوں کے (بیان میں) ہے

تشریح..... ادا اور قضاء کے بیان سے فراغت پا کر اب اس چیز کو بیان کریں گے جو ادا اور قضا میں واقع ہونے والے نقصان کی تلافی کرے۔ یعنی سجدۂ سہو، سجود السہو کی ترکیب اضافت المسبب الی السبب کے قبیلہ سے ہے کیونکہ نماز کے اندر سہو ہی سجدہ واجب

ہونے کا سبب ہے۔ رہی یہ بات کہ نماز میں دو سجدے مقرر ہونے کی کیا حکمت ہے۔ سو حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کی زبان حق بیان میں ملاحظہ فرمائیں۔ سجدۂ اول نفس کو اس بات پر تنبیہ کرنے کے لئے کہ میں اس خاک سے پیدا ہوا ہوں اور دوسرا سجدہ اس بات پر دلالت ہے کہ میں اسی خاک میں لوٹ جاؤں گا۔ مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی (حاشیہ احکام اسلام عقل کی نظر میں) رقم طراز ہیں کہ اور شیطان نے سجدہ سے انکار کیا تھا اس کو ذلیل کرنے کے لئے دو سجدے فرض ہوئے اور ازل کے عہد کے بعد سجدہ سے اٹھے تو کافروں کا نہ کرنا معلوم ہوا اپنی توفیق کے شکریہ میں دوسرا ہوا تھا وہ اب بھی ہے۔ (احکام اسلام عقل کی نظر میں)

سجدۂ سہو کب واجب ہوتا ہے اور ادائیگی کا طریقہ

یسجد للسهو فی الزیادة والنقصان سجدتین بعد السلام، ثم یتشهد ثم یسلم، وعند الشافعیؒ یسجد قبل السلام، لماروی انه علیه السلام سجد للسهو قبل السلام، ولنا قوله علیه السلام: لکل سهو سجدتان بعد السلام، وروی انه علیه السلام سجد سجدتی السهو بعد السلام، فتعارضت روایتا فعله، فبقی التمسک بقوله سالما. ولان سجود السهو مما لایتکرر، فیؤخر عن السلام حتی لو سهی عن السلام ینجبر به، ولهذا الخلاف فی الاولویة، ویأتی بتسلیمتین هو الصحیح صرفاً للسلام المذکور الی ما هو المعهود، ویأتی بالصلوٰة علی النبی علیه السلام والدعاء فی قعدة السهو، هو الصحیح لان الدعاء موضعه آخر الصلـــوة

ترجمہ...... زیادتی اور نقصان کی صورت میں سلام کے بعد سہو کے دو سجدے کرے۔ پھر تشہد پڑھے۔ پھر سلام پھیر دے اور امام شافعیؒ کے نزدیک سلام سے پہلے سجدہ کرے کیونکہ مروی ہے کہ حضور ﷺ نے سلام سے پہلے سہو کا سجدہ کیا ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر سہو کے لئے سلام کے بعد دو سجدے ہیں اور روایت کیا گیا ہے کہ حضور ﷺ نے سلام کے بعد سہو کے دو سجدے کئے ہیں پس آنحضرت ﷺ کے فعل کی دونوں روایتیں متعارض ہیں تو آپ ﷺ کے قول سے استدلال کرنا بلا معارضہ باقی رہ گیا۔ اور اس لئے کہ سجدۂ سہو ان چیزوں میں سے ہے جو مکرر نہیں ہوتا۔ لہٰذا سلام سے مؤخر کیا جائے گا تا کہ اگر سلام سے سہو کرے تو یہ بھی سجدہ سے پورا ہو جائے اور یہ اختلاف اولویت میں ہے اور دو سلام پھیرے یہی صحیح ہے کیونکہ احادیث میں جو سلام مذکور ہے وہ معہود سلام کی طرف راجع ہے اور سہو کے قعدہ میں حضور ﷺ پر درود پڑھے۔ اور اپنے لئے دعا مانگے یہی صحیح ہے کیونکہ دعا کا مقام نماز کا آخر ہے۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر نماز کے اندر کسی فعل کی زیادتی کر دی گئی یا کمی کر دی گئی تو اس پر دو سجدے سہو کے واجب ہوں گے۔ رہی یہ بات کہ سلام کے بعد واجب ہوں گے یا سلام سے پہلے تو جواز کے اندر کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ سب کا اتفاق ہے کہ سجدۂ سہو سلام سے پہلے کرے یا سلام کے بعد کرے دونوں جائز ہیں البتہ روایات میں اختلاف ہے! چنانچہ احناف کے نزدیک سلام کے بعد اولیٰ ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک سلام سے پہلے اولیٰ ہے۔ اور امام مالکؒ نے فرمایا کہ اگر مصلی کا سہو نقصان سے ہے تو سجدۂ سہو سلام سے پہلے کرے اور اگر زیادتی ہو گئی تو سلام کے بعد سجدۂ سہو کرے۔

امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے سجدۂ سہو سلام سے پہلے کیا ہے جیسا کہ صحاح ستہ میں عبد اللہ بن مالک کی حدیث ہے۔ بخاری کے الفاظ یہ ہیں۔ **ان النبی ﷺ صلی الظهر فقام فی الرکعتین الاولیین و لم یجلس فقام الناس معه حتی اذا**

قضى الصلاة وانتظر الناس تسليمه كبر وهو جالس فسجد سجدتين قبل ان يسلم، یعنی حضور ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھی اور پہلے دو رکعتوں میں بغیر قعدہ کئے کھڑے ہو گئے آپ کے ساتھ لوگ بھی کھڑے ہو گئے حتی کہ جب نماز قریب الختم ہو گئی اور لوگ آپ کے سلام پھیرنے کا انتظار کرنے لگے تو آپ ﷺ نے بیٹھے بیٹھے تکبیر کہی اور سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کئے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدۂ سہو قبل السلام ہے۔

احناف کی دلیل آنحضور ﷺ کا قول لكل سهو سجدتان بعد السلام ہے۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ) دوسری دلیل حدیث فعلی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سلام کے بعد دو سجدے کئے ہیں۔ صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ دو حدیث فعلی متعارض ہو گئیں ہیں پس ان دونوں کو چھوڑ کر آپ ﷺ کے قول پر عمل کریں گے اور آپ ﷺ کا قول یہ ہے کہ سہو کے دو سجدے سلام کے بعد ہیں۔ احناف کی عقلی دلیل یہ ہے کہ بالاجماع سجدۂ سہو مکرر نہیں ہوتا۔ اور سلام سے پہلے سجدۂ سہو کرنے کی صورت میں تکرار کا امکان ہے بایں طور کہ سلام سے پہلے سجدہ کرلیا پھر جب سلام پھیرنے کا وقت آیا تو اس کو شک ہو گیا کہ تین رکعتیں ہوئی ہیں یا چار ہوئیں۔ اسی سوچ میں پڑا رہا یہاں تک کہ سلام میں تاخیر ہو گئی پھر یاد آیا کہ چار رکعتیں ہو گئیں ہیں تو اب تاخیر سلام کی وجہ سے اس پر دوبارہ سجدۂ سہو واجب ہوا ہے اب یہ شخص دوبارہ سجدۂ سہو کرے گا یا نہیں۔ دو ہی صورتیں ہیں اگر اس نے دوبارہ سجدۂ سہو نہیں کیا تو نماز میں ایسا نقص باقی رہ گیا جس کی تلافی نہیں کی گئی ہے اور اگر دوبارہ سجدۂ سہو کیا تو سجدۂ سہو مکرر ہو جائے گا حالانکہ یہ بالاجماع غیر مشروع ہے۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ سجدۂ سہو سلام کے بعد کیا جائے تا کہ تمام سہووں کی تلافی ممکن ہو۔

رہی یہ بات کہ سجدۂ سہو سے پہلے دونوں طرف سلام پھیرے یا ایک طرف۔ اس بارے میں مصنف ہدایہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ دونوں طرف سلام پھیرے اسی کے قائل شمس الائمہ السرخسی اور صدر الاسلام اور فقیہ ابواللیث ہیں۔ بعض حضرات نے کہا کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک بھی یہی حکم ہے۔ اور شیخ الاسلام خواہرزادہ، علامہ فخر الاسلام اور صاحب ایضاح کے نزدیک راجح یہ ہے کہ فقط دائیں طرف سلام پھیرے۔ مصنف ہدایہ نے قول صحیح کی دلیل یہ بیان کی ہے کہ احادیث میں جہاں لفظ سلام مذکور ہے اس سے متعارف اور معہود سلام مراد ہے اور متعارف دونوں طرف سلام پھیرنا ہے نہ کہ ایک طرف۔ اس لئے دونوں طرف سلام پھیرنا ضروری ہوگا۔ شیخ الاسلام خواہرزادہ وغیرہ کی دلیل یہ ہے کہ سلام کے دو حکم ہیں ایک تو قوم کے لئے تحیہ اور دوم تحلیل اور یہ سلام جو سجدۂ سہو کے لئے ہے اس میں تحیہ مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ جو سلام تحیہ اور دعا کے لئے ہوتا ہے وہ قاطع احرام ہوتا ہے اور یہاں نماز کو قطع کرنا مقصود نہیں ہے پس معلوم ہوا کہ تحلیل مراد ہے اور تحلیل میں تکرار نہیں ہوتا اس لئے تکرار سلام کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ ایک طرف کافی ہوگا۔

رہی یہ بات کہ درود علی النبی ﷺ اور دعاء ماثورہ قعدۂ صلوٰۃ میں پڑھے یا قعدۂ سہو میں۔ قعدۂ صلوٰۃ سے مراد سجدۂ سہو سے پہلے کا قعدہ ہے اور قعدۂ سہو سے مراد سجدہ سے بعد کا قعدہ ہے اس بارے میں امام طحاویؒ نے فرمایا کہ دونوں قعدوں میں پڑھے یعنی قعدۂ صلوٰۃ میں بھی اور قعدۂ سہو میں بھی اور شیخین کے نزدیک قعدۂ صلوٰۃ میں پڑھے یعنی سجدۂ سہو سے پہلے اور امام محمدؒ کے نزدیک قعدۂ سہو میں پڑھے یعنی سجدۂ سہو کے بعد، مصنف ہدایہ نے اسی کو صحیح کہا ہے۔ امام طحاویؒ نے اپنے مذہب کی تائید میں ایک ضابطہ بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ ہر وہ قعدہ جس کے آخر میں سلام ہو اس میں درود علی النبی ﷺ پڑھا جائے گا۔ پس اس ضابطہ کی روشنی میں دونوں قعدوں میں درود پڑھا جائے گا یعنی سجود سہو سے پہلے بھی اور اس کے بعد کیونکہ ان دونوں قعدوں یعنی قعدۂ صلوٰۃ اور قعدۂ سہو کے آخر میں سلام ہے۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ درود اور دعا ختم صلوٰۃ کے قعدے میں پڑھے جاتے ہیں اور جس شخص پر سجدۂ سہو واجب ہو اس کا وہ سلام جو سجدۂ سہو کے لئے ہے وہ نماز سے نکال دیتا ہے۔ پس جب یہ سلام نماز سے نکال دیتا ہے تو قعدۂ صلوٰۃ ہی قعدہ ختم ہوا اور امام محمدؒ کے نزدیک چونکہ یہ سلام نماز سے خارج نہیں کرتا بلکہ سجود سہو کے بعد جو سلام ہے وہ نماز سے نکال دیتا ہے اس لئے قعدۂ سہو قعدۂ ختم ہوگا نہ کہ قعدہ صلوٰۃ اور درود اور دعا کا مقام چونکہ نماز کا آخر ہے اس لئے قعدۂ سہو میں درود اور دعا پڑھے گا نہ کہ قعدۂ صلوٰۃ میں۔ امام محمدؒ کا قول ہی مفتیٰ بہ ہے۔

سجدۂ سہو ہر اس زیادتی سے لازم ہوتا ہے جو جنس صلوٰۃ ہو مگر جزء صلوٰۃ نہ ہو

قال ویلزمه السهو اذا زاد فی صلوٰته فعلا من جنسها لیس منها، وهذا یدل علی ان سجدة السهو واجبة هو الصحیح؛ لانها تجب لجبر نقصان تمکن فی العبادة، فتکون واجبة کالدماء فی الحج، واذا کان واجبا لایجب الا بترک واجب او تاخیره او تاخیر رکن ساهیا، هٰذا هو الاصل، وانما وجبت بالزیادة لانها لاتعری عن تاخیر رکن او ترک واجب

ترجمہ ...... اور سہو لازم ہوگا جبکہ اپنی نماز میں ایسا فعل زیادہ کیا جو نماز کی جنس تو ہے (لیکن) نماز کا جزء نہیں ہے اور یہ اس بات پر دال ہے کہ سجدۂ سہو واجب ہے یہی صحیح ہے کیونکہ سجدۂ سہو اس نقصان کو پورا کرنے کے لئے واجب ہے، جو نقصان عبادت میں متمکن ہو گیا پس یہ واجب ہوگا، جیسا کہ حج کے اندر قربانیاں ہیں اور جب یہ سجدہ واجب ٹھہرا تو واجب نہ ہوگا مگر سہواً ترک واجب سے، تاخیر سے یا کسی رکن کی تاخیر سے ضابطہ یہی ہے اور سجدۂ سہو زیادتی سے اس لئے واجب ہوا کہ وہ کسی رکن کی تاخیر یا ترک واجب سے خالی نہیں ہوتا۔

تشریح ...... اول باب میں بیان کیا تھا کہ سجدۂ سہو زیادتی اور نقصان کی وجہ سے واجب ہوتا ہے مگر یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ کون سی زیادتی اور نقصان موجب سہو ہے پس یہاں سے اسی کی تفصیل اور تفسیر مذکور ہے۔ چنانچہ صاحب قدوری نے فرمایا ہے کہ سجدۂ سہو ہر اس فعل کو زیادہ کرنے سے لازم ہوگا جو فعل نماز کی جنس سے تو ہے مگر نماز کا جزء نہیں ہے۔ مثلاً ایک رکعت کے دو رکوع کر لئے یا تین سجدے کر لئے تو ایک رکوع اور ایک سجدہ جو زائد ہے وہ اگرچہ نماز کی جنس سے ہے مگر نماز کا جزء نہیں ہے۔ لہٰذا ایک رکوع کے بجائے دو رکوع کئے دو سجدوں کی جگہ تین سجدے کئے تو اس زیادتی کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہو جائے گا۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ ماتن کا قول **و یلزمه السهو اذا زاد الخ** سجدۂ سہو کے واجب ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اور وجوب کا قول ہی صحیح ہے اسی کے قائل امام مالکؒ اور امام احمدؒ ہیں اور بعض علماء احناف جیسے امام ابو الحسن کرخی فرماتے ہیں کہ سجدۂ سہو سنت ہے۔

قول صحیح کی دلیل یہ ہے کہ سجدۂ سہو اس نقصان کو پورا کرنے کے لئے واجب ہوتا ہے، جو عبادت میں پیدا ہو گیا ہے چنانچہ اگر سجدۂ سہو کے ذریعے نقصان پورا نہ کیا گیا تو نماز کا اعادہ واجب ہوگا تاکہ نقصان پورا ہو پس جب نقصان پورا کرنے کے لئے نماز کا اعادہ واجب ہے تو سجدہ بھی واجب ہوگا کیونکہ اس سے بھی نقصان پورا ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ نماز کے اعادہ سے نقصان پورا ہو جاتا ہے اور سجدۂ سہو کی مثال ایسی ہے جیسے حج کے اندر دم جنایت، یعنی احرام کی حالت میں اگر جنایت ہو گئی تو اس سے حج کے اندر نقصان پیدا ہو جائے گا اور اس نقصان کی تلافی دم جنایت (قربانی) سے ہوگی اور دم جنایت واجب ہوتا ہے جس طرح حج کے اندر دم جنایت واجب ہے اسی طرح نماز کے اندر سجدۂ سہو واجب ہے۔

فاضل مصنف نے فرمایا چونکہ سجدۂ سہو واجب ہے اس لئے سجدۂ سہو اس وقت واجب ہوگا جبکہ سہواً کوئی واجب چھوٹ گیا ہو یا واجب ادا کرنے میں تاخیر ہوگئی ہو یا کسی رکن کی ادائیگی میں تاخیر ہوگئی ہو۔ ترک واجب کی مثال قعدۂ اولیٰ کا ترک کرنا ہے یا عیدین کی نماز میں تکبیرات زوائد کا ترک کرنا ہے (لیکن عیدین کی نماز میں ازدحام کثیرہ کی وجہ سے سجدہ نہیں کیا جائے گا) تاخیر واجب کی مثال جیسے پانچویں رکعت کے لئے سہواً کھڑا ہو گیا تو اس سے سلام میں تاخیر ہوگئی اور سلام واجب ہے اور تاخیر رکن کی مثال جیسے قعدۂ اولیٰ میں تشہد پڑھنے کے بعد درود پڑھنے لگا تو تیسری رکعت کا قیام جو فرض ہے اس میں تاخیر ہوگئی۔ بہر حال سجدۂ سہو واجب ہونے میں اصول یہی ہے کہ سہواً ترک واجب پایا جائے یا تاخیر واجب یا تاخیر رکن۔

وانما وجبت الزیادۃ الخ سے سوال کا جواب ہے۔ سوال کا حاصل یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ سجدۂ سہو ترک واجب سے واجب ہوگا یا تاخیر واجب سے یا تاخیر رکن سے لیکن زیادتی کی صورت میں نہ ترک واجب ہے اور نہ تاخیر ہے لہٰذا زیادتی کی صورت میں سجدۂ سہو واجب نہ ہونا چاہئے حالانکہ اول باب میں کہا گیا ہے کہ زیادتی کی صورت میں سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ جواب یہ ہے کہ زیادتی کی صورت میں بھی تاخیر رکن یا ترک واجب لازم آتا ہے چنانچہ اگر تین سجدے کئے تو قیام جو رکن اور فرض ہے اس میں تاخیر لازم آئے گی اور اگر قعدۂ اولیٰ کے بعد بھول کر پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا اور اس کو سجدہ کے ساتھ مقید بھی کر دیا تو حکم یہ ہے کہ اس کے ساتھ چھٹی رکعت ملالے تاکہ چار رکعت فرض اور دو رکعت نفل ہو جائے۔ اب آپ ملاحظہ فرمائیے کہ ان دو رکعتوں کی زیادتی کی وجہ سے چار رکعت پر سلام جو واجب تھا وہ ترک ہو گیا پس ثابت ہو گیا کہ زیادتی بھی تاخیر رکن یا ترک واجب کو مستلزم ہے۔

فعل مسنون کے چھوڑنے پر سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے (فعل مسنون کا مصداق)

قال ویلزمه اذا ترک فعلا مسنونا کانه اراد به فعلا واجبا الا أنه اراد بتسمیته سنة ان وجوبها بالسنة

ترجمہ ...... اور سجدۂ سہو لازم ہوگا جب کوئی فعل مسنون چھوڑا گویا اس سے فعل واجب کا ارادہ کیا مگر اس کا سنت نام رکھنے سے یہ ارادہ کیا ہے کہ اس کا وجوب سنت سے ثابت ہے۔

تشریح ...... مسئلہ، صاحب قدوری کہتے ہیں کہ نمازی نے اگر کوئی فعل مسنون چھوڑ دیا تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ متن میں فعل مسنون سے مراد فعل واجب ہے کیونکہ فعل مسنون کو ترک کر دینے سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا بلکہ ترک واجب سے واجب ہوتا ہے۔ رہی یہ بات کہ متن کے اندر **فعلا مسنونا** کیوں کہا گیا ہے؟

جواب ...... یہ بتلانے کے لئے کہ واجب کا وجوب سنت سے ثابت ہوتا ہے۔

سورۂ فاتحہ یا قنوت یا تکبیرات عیدین چھوڑنے سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے

قال او ترک قراءة الفاتحة لانها واجبة او القنوت او التشهد او تکبیرات العیدین لانها واجبات فانه علیه السلام واظب علیها من غیر ترکها غیر مرة وهی امارة الوجوب ولانها تضاف الی جمیع الصلوٰة فدل انها من خصائصها وذٰلک بالوجوب ثم ذکر التشهد یحتمل القعدة الاولی والثانیة والقراءة فیهما وکل ذٰلک واجب وفیها سجدة السهو هو الصحیح

ترجمہ...... کہا کہ یا فاتحہ کی قرأت چھوڑ دی کیونکہ (نماز میں فاتحہ پڑھنا) واجب ہے، یا دعاء قنوت چھوڑ دے یا تشہد یا تکبیرات عیدین چھوڑ دے کیونکہ یہ چیزیں واجبات ہیں۔ اس لئے کہ حضور ﷺ نے ان پر مواظبت فرمائی ہے بغیر کبھی ترک کئے اور یہ علامت ہے وجوب کی۔ اور اس لئے کہ یہی چیزیں پوری نماز کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ پس اس بات پر دلالت ہوئی کہ یہ چیزیں نماز کے خصائص میں سے ہیں۔ اور یہ اختصاص واجب ہونے کی وجہ سے ہوگا۔ پھر تشہد کا (مطلقا) ذکر کرنا احتمال رکھتا ہے قعدۂ اولیٰ اور ثانیہ کا اور ان دونوں میں التحیات پڑھے جانے کا۔ اور ان میں سے ہر ایک واجب ہے اور ان کے ترک میں سجدۂ سہو لازم ہے۔ یہی صحیح ہے۔

تشریح...... اس عبارت میں ان چیزوں کی تفصیل ہے جن کے ترک کر دینے سے سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ نماز کے اندر قرأت فاتحہ کو چھوڑنا بھی موجب سجدۂ ہے کیونکہ قرأت فاتحہ واجب ہے لیکن یہ خیال رہے کہ فرض کی پہلی دو رکعتوں میں ترک فاتحہ سے سجدۂ سہو واجب ہوگا اور آخر کی دو رکعتوں میں ترک فاتحہ سے سجدہ واجب نہیں ہوگا۔ کیونکہ آخر کی دو رکعتوں میں فاتحہ کا پڑھنا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ سے حسنؒ بن زیاد کی روایت یہ ہے کہ اخریین میں بھی ترک قرأت فاتحہ سے سجدۂ سہو واجب ہو جائے گا۔

نماز وتر میں دعاء قنوت چھوڑنا اور تشہد کا چھوڑنا اور تکبیرات عیدین کو چھوڑنا یہ سب موجب سجدہ ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ یہ تینوں چیزیں واجب ہیں اور ترک واجب سے سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے لہٰذا ان کے ترک سے بھی سجدہ واجب ہو جائے گا۔ اور ان چیزوں کے واجب ہونے کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان چیزوں پر مداومت فرمائی ہے اور کبھی ترک نہیں کیا ہے اور رسول پاک ﷺ کا کسی چیز پر بغیر ترک کئے مداومت فرمانا اس کے واجب ہونے کی علامت ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ ان چیزوں کو پوری نماز کی طرف منسوب کیا جاتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے قنوت الوتر تکبیرات صلاۃ عیدین، تشہد صلاۃ۔ پس ان چیزوں کو پوری نماز کی طرف منسوب کیا جانا دلیل ہے اس بات کی کہ یہ چیزیں نماز کے خصائص میں سے ہیں۔ اور اختصاص ثابت ہوتا ہے وجوب سے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ چیزیں واجبات میں سے ہیں۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ شیخ ابوالحسن قدوری نے لفظ تشہد ذکر کیا ہے۔ اور لفظ تشہد قعدۂ اولیٰ اور قعدۂ اخیرہ اور التحیات پڑھنے پر بولا جاتا ہے اور ان میں سے ہر ایک واجب ہے اور ان سب کے ترک میں سجدۂ سہو لازم ہے یہی قول صحیح ہے۔

ہدایہ کی اس عبارت پر اعتراض ہے وہ یہ کہ صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے و کل ذٰلک واجب اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قعدۂ اخیرہ بھی واجب ہے حالانکہ قعدۂ اخیرہ واجب نہیں ہے بلکہ فرض ہے اس کو ترک کرنے سے نماز ہی فاسد ہو جاتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عبارت میں تخصیص ہے یعنی قعدۂ اخیرہ کے ترک سے مراد اس کی تاخیر ہے یعنی بغیر قعدۂ اخیرہ کئے اگر پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہوگیا اور پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید نہیں کیا بلکہ قعدہ کی طرف لوٹ آیا تو سجدۂ سہو کر کے نماز پوری کرلے چونکہ تاخیر میں بھی ایک گونہ ترک ہے اس لئے تاخیر کو ترک کے ساتھ تعبیر کر دیا گیا۔

جہری نماز میں سراً اور سری نماز میں جہراً قرأت سے بھی سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے

ولو جهر الامام فيما يخافت او خافت فيما يجهر تلزمه سجدتا السهو لان الجهر في موضعه والمخافتة

فی موضعها من الواجبات واختلف الرواية فی المقدار والاصح قدرما تجوزبه الصلوٰة فی الفصلين لان اليسير من الجهر والاخفاء لا يمكن الاحتراز عنه وعن الكثير ممكن وما تصح به الصلوٰة كثير غيران ذلک عنده آية واحدة وعندهما ثلث آيات وهذا فی حق الامام دون المنفرد لان الجهر والمخافتة من خصائص الجماعة

ترجمہ...... اور اگر امام نے ان نمازوں میں جہر کیا جن میں اخفاء کرنا واجب ہے یا ان نمازوں میں اخفاء کیا جن میں جہر کرنا واجب ہے تو اس پر سجدۂ سہو لازم ہوگا کیونکہ جہر اپنے موقع پر اور اخفاء اپنے موقع پر واجبات میں سے ہے اور مقدار کے بارے میں روایت مختلف ہوگئی اور اصح دونوں صورتوں میں اتنی مقدار ہے جس سے نماز جائز ہو جاتی ہے کیونکہ خفیف سا جہر، اور خفیف سا اخفاء اس سے بچاؤ ممکن نہیں ہے اور کثیر مقدار سے بچاؤ ممکن ہے اور جس قدر سے نماز صحیح ہو جاتی ہے وہ کثیر ہے مگر یہ کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ مقدار ایک آیت ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک تین آیتیں ہیں اور ان دونوں صورتوں میں سجدہ کا واجب ہونا امام کے حق میں ہے نہ کہ منفرد کے حق میں کیونکہ جہر اور اخفاء جماعت کے خصائص میں سے ہے۔

تشریح...... ہمارے نزدیک سری نماز کے اندر جہر کرنا اور جہری نماز میں اخفاء کرنا سجدۂ سہو کو واجب کرتا ہے اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ان صورتوں میں سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ نے فرمایا کہ اگر سری نماز میں جہر کیا تو سلام کے بعد سجدۂ سہو کرے اور اگر جہری نماز میں اخفاء کیا تو سلام سے پہلے سجدہ کرے۔ امام احمدؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ ان صورتوں میں اگر سجدہ کر لیا تو فالحمد لله علی ذلک اور اگر سجدہ نہیں کیا تو بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ امام شافعیؒ کا مستدل حضرت ابوقتادہؓ کی حدیث ہے یعنی، ان النبی ﷺ كان يسمعنا الاية والايتين فی الظهر والعصر یعنی آنحضرت ﷺ ہم کو ظہر اور عصر میں ایک یا دو آیتیں سنا دیا کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ظہر اور عصر میں اخفاء واجب نہیں ہے پس جب ان نمازوں میں اخفاء واجب نہیں ہے تو رات کی نمازوں میں جہر کیونکر واجب ہوگا اور جب جہری نمازوں میں جہر اور سری نمازوں میں اخفاء واجب نہیں ہے تو اس کو چھوڑ دینے سے سجدۂ سہو بھی واجب نہیں ہوگا۔ (الکفایہ) ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ظہر اور عصر کی نماز میں جہر اس لئے کیا ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ظہر اور عصر میں بھی قرأت مشروع ہے پس جب آپ کا مقصد یہ تھا تو اس لئے آپ ﷺ پر سجدۂ سہو واجب نہیں ہوا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ جن نمازوں میں بالجہر قرأت کی جاتی ہے ان میں جہر کرنا امام پر واجب ہے۔ تاکہ امام کی قرأت کو مقتدی بھی سن لے اور امام کی قرأت مقتدی کے قائم مقام ہو جائے اور دن کی نمازوں میں امام پر اخفاء اس لئے واجب ہے کہ اخفاء اس میں مشروع کیا گیا ہے تاکہ کفار کے غلطی میں ڈالنے سے قرآن پاک کو محفوظ کیا جاسکے۔ چنانچہ آپ کو معلوم ہوگا کہ مدنی آقا ﷺ نے اخفاء قرأت کا حکم اس وقت دیا ہے جبکہ کفار آنحضرت ﷺ کو تلاوت فرمانے کے وقت غلطی میں ڈالنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ دن کی نمازوں میں اخفاء واجب ہے۔ رات کی نمازوں میں واجب نہیں ہے کیونکہ رات میں وہ لوگ پڑے سوتے رہتے تھے پس حاصل یہ ہوا کہ دن کی نمازوں میں اخفاء قرآن کی حفاظت کے پیش نظر شروع کیا گیا ہے اور اس طرح کی چیزوں نے قرآن کی حفاظت کرنا واجب ہے پس ثابت ہوا کہ دن کی نمازوں میں اخفاء واجب ہے۔ بہر حال جب سری نمازوں میں جہر کرنا اور جہری نمازوں میں اخفاء کرنا واجب ہوا تو اس کو ترک کرنے سے سجدۂ سہو بھی واجب ہو جائے گا کیونکہ ترک واجب سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔ (الکفایہ)

رہی یہ بات کہ جہری نماز میں کس قدر اخفاء کرنے سے اور سری نماز میں کس قدر جہر کرنے سے سجدہ واجب ہوتا ہے سو اس بارے میں روایات مختلف ہیں۔ چنانچہ ظاہر الروایہ میں ہے کہ دونوں صورتوں میں قلیل وکثیر برابر ہیں، یعنی جہری نماز میں اخفاء کیا یا سری نماز میں جہر کیا خواہ قلیل مقدار یا کثیر مقدار دونوں صورتوں میں سجدۂ سہو واجب ہو جائے گا۔ صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ جس مقدار سے نماز درست ہو جاتی ہے اس کے اخفاء اور جہر سے دونوں صورتوں میں سجدۂ سہو میں اتنی مقدار کے ساتھ اخفاء کیا تو سجدۂ سہو واجب ہو جائے گا کیونکہ جہر اور خفاء کی تھوڑی سی مقدار سے بچنا ممکن نہیں ہے البتہ مقدار کثیر سے بچنا ممکن ہے۔ اس لئے سہو کا حکم مقدار کثیر کے ساتھ **متعلق** ہوگا نہ کہ مقدار قلیل کے ساتھ۔ اور جس قدر قرأت سے نماز درست ہو جاتی ہے وہ کثیر ہے اور اس سے کم قلیل ہے۔

رہی یہ بات کہ **ما یجوز بہ الصلوٰۃ** کی مقدار کیا ہے تو اس بارے میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک آیت ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک تین آیتیں ہیں۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ سری نمازوں میں جہر کی وجہ سے اور جہری نمازوں میں اخفاء کی وجہ سے وجوب سجدہ کا حکم امام کے حق میں ہے منفرد کے حق میں نہیں یعنی اگر امام نے ایسا کیا تو سجدۂ سہو واجب ہوگا اور اگر منفرد نے کیا تو سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ جہر اور مخافت جماعت کے خصائص میں سے ہے یعنی جہری نمازوں میں جہر اور سری نمازوں میں اخفاء جماعت کی صورت میں ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی تنہا نماز پڑھتا ہو تو اس کو اختیار ہے، جہر کے ساتھ قرأت کرے یا اخفاء کے ساتھ کرے۔ پس جب منفرد پر جہر یا اخفاء واجب نہیں ہے تو اس کو ترک کر دینے سے سجدہ بھی واجب نہیں ہوگا۔ اور امام پر چونکہ واجب ہے اس لئے امام کے ترک کر دینے کی صورت میں امام پر سجدہ واجب ہوگا۔ اس پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا ہے وہ یہ کہ جہری نمازوں میں وجوب جہر کا جماعت کے خصائص میں سے ہونا تو تسلیم ہے کیونکہ جہری نمازوں میں منفرد کو اختیار ہے کہ وہ بالجہر قرأت کرے یا بالاخفاء لیکن سری نماز میں وجوب مخافت کا جماعت کے خصائص میں سے ہونا تسلیم نہیں ہے۔ کیونکہ سری نمازوں میں منفرد پر بھی اخفاء کے ساتھ قرأت کرنا واجب ہے۔ لہٰذا سری نمازوں میں ترک اخفاء کی وجہ سے منفرد پر بھی سجدۂ سہو واجب ہونا چاہئے حالانکہ صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ اس صورت میں بھی منفرد پر سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا۔

جواب...... یہ نوادر کی روایت ہے یعنی سری نمازوں میں منفرد پر مخافت کا واجب ہونا نوادر کی روایت ہے اور ظاہر الروایہ کے مطابق تو منفرد پر مخافت واجب نہیں ہے کیونکہ دن کی نمازوں میں قرأت کے ساتھ اخفاء کرنا اس لئے واجب ہوا تھا تا کہ کفار کی طرف سے واقع ہونے والے مغالطہ کو دور کیا جائے اور کفار کا قرأت میں مغالطہ پیدا کرنا اسی وقت ہوگا جب کہ نماز بر سبیل شہرت ادا کی جائے اور منفرد کی نماز بر سبیل شہرت نہیں ہوتی اس لئے اس پر اخفاء کرنا واجب نہ ہوگا۔ بلکہ اس کو اختیار رہوگا کہ وہ سری نمازوں میں بھی اخفاء کے ساتھ قرأت کرے یا جہر کے ساتھ کرے اور جب منفرد کو اختیار ہے تو ترک اخفاء کی وجہ سے اس پر سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا۔ (عنایہ)

امام کے بھولنے سے امام اور مقتدی دونوں پر سجدۂ سہو لازم ہے

قال وسهو الامام يوجب على المؤتم السجود لتقرر السبب الموجب في حق الاصل ولهٰذا يلزمه حكم الاقامة بنية الامام فان لم يسجد الامام لم يسجد المؤتم لانه لايصير مخالفا وما التزم الاداء الامتابعا

ترجمہ..... کہا کہ امام کا سہو کرنا مقتدی پر سجدہ کو واجب کرتا ہے کیونکہ اصل (امام) کے حق میں سجدہ واجب کرنے والا سبب متقرر ہو چکا ہے اسی وجہ سے مقتدی پر اقامت کا حکم امام کی نیت سے لازم ہو جاتا ہے۔ پھر اگر امام نے سجدہ نہیں کیا تو مقتدی بھی سجدہ نہ کرے کیونکہ (اس صورت میں) مقتدی اپنے امام کا مخالف ہو جائے گا حالانکہ اس نے امام کی متابعت میں ادا کرنے کا التزام کیا تھا۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ امام سے کوئی سہو ہو گیا تو سجدہ سہو امام پر بھی واجب ہوگا، اور مقتدی پر بھی کیونکہ جو سبب امام کے حق میں سجدہ سہو واجب کرنے والا ہے وہ مقتدی کے حق میں بھی متحقق ہو گیا ہے اس لئے کہ مقتدی نے صحت وفساد اور اقامت میں امام کی متابعت کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے پس امام کے سہو کی وجہ سے جو نقصان امام کی نماز میں متمکن (پیدا) ہو گیا ہے وہ نقصان مقتدی کی نماز میں بھی یقیناً پیدا ہوگا اور جب امام اس نقصان کو پورا کرنے کے لئے سجدہ سہو کرے گا تو مقتدی پر بھی اپنی نماز میں پیدا ہونے والے نقصان کی تلافی کے لئے سجدہ سہو کرنا ضروری ہوگا۔

صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ چونکہ مقتدی کی نماز امام کی نماز کے تابع ہوتی ہے اسی لئے اگر امام اور مقتدی سب مسافر ہوں اور نماز کے دوران امام نے اقامت کی نیت کر لی تو تمام مقتدیوں کی فرض نماز چار رکعت ہو جائے گی اگرچہ مقتدیوں کی طرف سے نیت نہیں پائی گئی۔

صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اگر سجدہ سہو واجب ہونے کے باوجود امام نے سجدہ سہو نہیں کیا تو مقتدی پر بھی سجدہ سہو کرنا واجب نہ ہوگا۔ امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک مقتدی پر سجدہ کرنا واجب ہے۔ اگرچہ امام نے سجدہ نہیں کیا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اگر مقتدی نے بغیر امام کے سجدہ کئے سجدہ سہو کیا تو امام کی مخالفت کرنا لازم آئے گا۔ حالانکہ التزام یہ کیا تھا کہ امام کے تابع ہو کر ادا کرے گا۔ حاصل یہ کہ التزام کیا تھا متابعت امام کا اور کی ہے مخالفت اور متابعت اور مخالفت کے درمیان منافات ہے پس جب مقتدی کے سجدہ کرنے سے مخالفت متحقق ہو گئی تو متابع منتفی ہو گئی۔

مقتدی کی بھول سے امام اور مقتدی دونوں پر سجدہ سہو نہیں

فان سهى المؤتم لم يلزم الامام ولا المؤتم السجود لانه لو سجد وحده كان مخالفا لامامه ولو تابعه الامام ينقلب الاصل تبعا

ترجمہ..... پس اگر مقتدی نے سہو کیا تو نہ امام پر سجدہ کرنا لازم ہے اور نہ مقتدی پر کیونکہ اگر تنہا مقتدی کرے تو وہ اپنے امام کا مخالف ہوگا اور اگر امام بھی اس کی متابعت کرے تو جو اصل تھا وہ تابع ہو جائے گا۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مقتدی سے نماز میں کوئی سہو ہو گیا مثلاً قعدۂ اولیٰ میں تشہد نہیں پڑھا تو اس کی وجہ سے نہ امام پر سجدہ سہو لازم ہوگا اور نہ مقتدی پر کیونکہ صحت وفساد کے اعتبار سے امام کی نماز مقتدی کی نماز پر مبنی نہیں ہوتی ہے۔ اس لئے مقتدی کی نماز کے ناقص ہونے سے امام کی نماز ناقص نہیں ہوگی۔ اور جب امام کی نماز میں کوئی نقص واقع نہیں ہوا تو اس پر سجدہ بھی واجب نہیں ہوگا اور جب امام پر سجدہ سہو واجب نہیں ہوا تو مقتدی پر بھی واجب نہ ہوگا۔ اس لئے کہ اگر مقتدی پر سجدہ سہو واجب ہو تو وہ تنہا سجدہ کرے گا یا اس کا امام بھی اس

کے ساتھ سجدہ کرے گا پہلی صورت میں امام کی مخالفت کرنا لازم آئے گا اور دوسری صورت میں قلب موضوع لازم آئے گا یعنی امام جو تھا وہ تابع ہو جائے گا اور مقتدی جو تابع تھا اصل ہو جائے گا۔ اور یہ دونوں باتیں جائز نہیں ہیں۔ یعنی مخالفت امام اور قلب موضوع۔ پس جب یہ دونوں باتیں جائز نہیں ہیں تو مقتدی پر سجدۂ سہو بھی واجب نہ ہوگا۔

قعدۂ اولیٰ بھول گیا پھر یاد آیا اگر بیٹھنے کے قریب ہے تو بیٹھ جائے اور سجدۂ سہو کرے گا یا نہیں

ومن سهى عن القعدة الاولى ثم تذكر وهو الى حالة القعود اقرب عاد وقعده وتشهد لان ما يقرب من الشئى يأخذ حكمه ثم قيل يسجد للسهو للتاخير والاصح انه لايسجد كما اذا لم يقم ولو كان الى القيام اقرب لم يعد لانه كالقائم معنى ويسجد للسهو لانه ترك الواجب

ترجمہ...... اور جو شخص قعدۂ اولیٰ کو بھول گیا پھر یاد کیا ایسی حالت میں کہ وہ حالتِ قعود سے زیادہ قریب ہو تو عود کرے اور قعدہ کرے اور تشہد پڑھے کیونکہ جو شے کسی چیز سے قریب ہو وہ اسی کا حکم لے لیتی ہے۔ پھر کہا گیا کہ تاخیر کی وجہ سے سجدۂ سہو کرے۔ اور اصح یہ ہے کہ سجدہ نہ کرے جیسے وہ کھڑا ہی نہیں ہوا اور اگر قیام سے زیادہ قریب ہو تو قعدہ کی طرف عود نہ کرے کیونکہ یہ معنیً قائم کے مانند ہے اور سجدۂ سہو کرے کیونکہ اس نے واجب ترک کیا ہے۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ رباعی یا ثلاثی فرضوں میں اگر کسی نے قعدۂ اولیٰ کو فراموش کر دیا اور پھر یاد آیا تو دو صورتیں ہیں یا تو قعود کے زیادہ قریب ہوگا بایں طور کہ اس نے اپنے گھٹنوں کو نہیں اٹھایا ہے اور یا قیام سے زیادہ قریب ہوگا بایں طور کہ اس نے اپنے گھٹنوں کو اٹھالیا ہے پس اگر اول صورت ہے تو عود کر کے قعدہ کرے اور تشہد پڑھے۔ کیونکہ قریب الشئی شئی کا حکم لے لیتی ہے۔ جیسے نماز جمعہ اور نماز عیدین کے حق میں فناء شہر کو شہر کا حکم حاصل ہے۔ رہی یہ بات کہ اس صورت میں سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں تو بعض حضرات کی رائے ہے کہ سجدۂ سہو واجب ہوگا کیونکہ قعدۂ اولیٰ جو واجب ہے اس میں تاخیر پائی گئی اور قول صحیح یہ ہے کہ سجدہ واجب نہیں ہوا ہے اس لئے کہ جب قریب الشئی کو شے کا حکم دے دیا گیا تو گویا وہ کھڑا ہی نہیں ہوا اور جب قعدۂ اولیٰ کو چھوڑ کر قیام متحقق نہیں ہوا تو قعدۂ اولیٰ میں تاخیر بھی نہیں پائی گئی اور جب تاخیر نہیں پائی گئی تو سجدۂ سہو بھی واجب نہیں ہوگا۔ اور اگر دوسری صورت ہے تو یہ شخص قعدہ کی طرف نہ لوٹے بلکہ تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے کیونکہ ابھی یہ ضابطہ گزرا ہے کہ قریب الشئی کو شے کا درجہ دے دیا جاتا ہے پس جب یہ شخص قیام سے قریب تر ہے تو معنیً قائم ہی کے مرتبہ میں ہے اور قائم کے لئے قعدۂ اولیٰ کے واسطے لوٹنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ تیسری رکعت کا قیام فرض ہے اور قعدۂ اولیٰ واجب ہے اور واجب کی وجہ سے فرض کو چھوڑنا درست نہیں ہے البتہ اس صورت میں سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ کیونکہ اس نے واجب یعنی قعدۂ اولیٰ کو ترک کر دیا ہے۔

اور اگر کھڑے ہونے کے قریب ہے کھڑا ہو جائے اور سجدۂ سہو کرے

وان سهى عن القعده الاخيرة حتى قام الى الخامسة رجع الى القعدة مالم يسجد لان فيه اصلاح صلاته وامكنه ذلك لان مادون الركعة بمحل الرفض قال والغى الخامسة لانه رجع الى شئى محله قبلها فيرتفض وسجد للسهو لانه اخرواجبا

ترجمہ...... اور اگر قعدۂ اخیرہ سے سہو ہو گیا حتی کہ پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا تو جب (پانچویں رکعت کا) سجدہ نہیں کیا تو قعدہ کی طرف لوٹ آئے کیونکہ اس میں اس کی نماز کی اصلاح کرنا ہے اور یہ اس کے لئے ممکن بھی ہے اس لئے کہ ایک رکعت سے کم کو چھوڑا جا سکتا ہے۔ امام قدوری نے کہا کہ پانچویں رکعت کو لغو کر دے کیونکہ وہ ایسی چیز کی طرف پھرا ہے جس کا محل پانچویں رکعت سے مقدم ہے پس اس کو چھوڑ دے اور سہو کا سجدہ کرے کیونکہ اس نے فرض کو مؤخر کر دیا ہے۔

تشریح...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قعدۂ اخیرہ بھول گیا اور رباعی نماز میں پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا یا ثلاثی نماز (مغرب و وتر) میں چوتھی رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا یا ثنائی میں تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا تو جب تک اس رکعت کو یعنی رباعی میں پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید نہیں کیا تو قعدہ کی طرف لوٹ آئے۔ دلیل یہ ہے کہ قعدہ کی طرف لوٹ آنے میں اس کی نماز کی اصلاح ہے اور اس کے لئے نماز کی اصلاح ممکن بھی ہے۔ کیونکہ ایک رکعت سے کم کو چھوڑنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ ایک رکعت سے کم نہ تو حقیقۃً نماز ہے اور نہ نماز کے حکم میں ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں نماز نہیں پڑھوں گا پھر ایک رکعت سے کم پڑھی تو حانث نہیں ہوگا۔

رہی پانچویں رکعت تو صاحب قدوری نے فرمایا ہے کہ پانچویں رکعت کو لغو کر دے۔ کیونکہ یہ شخص قعدۂ اخیرہ کی طرف لوٹا ہے اور قعدۂ اخیرہ کا محل پانچویں رکعت سے پہلے ہے اور قاعدہ ہے کہ جو شخص افعال صلوٰۃ میں سے کسی فعل سے ایسی چیز کی طرف لوٹا جس کا محل اس سے پہلے ہے تو وہ فعل مرجوع عنہ (جس سے رجوع کیا گیا) لغو ہو جاتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص تشہد کی مقدار بیٹھا پھر یاد آیا کہ نماز کا سجدہ نہیں کیا یا سجدۂ تلاوت نہیں کیا پھر اس نے یہ فوت شدہ سجدہ کیا تو سجدہ کرنے سے پہلے کا قعدہ لغو ہو گیا ہے۔ کیونکہ سجدہ کا محل قعدۂ اخیرہ سے مقدم ہے۔ بہر حال جب پانچویں رکعت چھوڑ کر قعدۂ اخیرہ کی طرف لوٹ آیا تو سجدۂ سہو کرنا واجب ہو گیا کیونکہ اس صورت میں تاخیر فرض بھی ہے اور تاخیر واجب بھی، تاخیر فرض تو اس لئے کہ قعدۂ اخیرہ میں تاخیر ہوگئی ہے اور قعدۂ اخیرہ فرض ہے اور تاخیر واجب اس لئے کہ لفظ سلام واجب ہے وہ مؤخر ہو گیا ہے۔

ہدایہ کی عبارت لانہ اخر واجبا میں لفظ واجب سے واجب کے معروف معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں اور واجب قطعی یعنی فرض بھی مراد ہو سکتا ہے۔ پہلے معنی مراد لینے کی صورت میں لفظ سلام کی تاخیر مراد ہوگی اور دوسرے معنی مراد لینے میں قعدۂ اخیرہ کی تاخیر مراد ہوگی۔

قعدۂ اخیرہ بھول کر پانچویں رکعت کا سجدہ بھی کر لیا تو فرض ہو گئے یا باطل ہیں، اقوالِ فقہاء

فان قيد الخامسة بسجدة بطل فرضه عندنا خلافا للشافعيؒ لانه استحكم شروعه في النافلة قبل اكمال اركان المكتوبة ومن ضرورته خروجه عن الفرض وهذا لان الركعة بسجدة واحدة صلوة حقيقة حتى يحنث بها في يمينه لايصلي وتحولت صلاته نفلا عند ابي حنيفة وابي يوسفؒ خلافا لمحمدؒ على مامر

ترجمہ...... اور اگر اس نے پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید کیا تو ہمارے نزدیک اس کا فرض باطل ہو گیا۔ امام شافعیؒ کا اس میں اختلاف ہے اس لئے کہ فرض کے ارکان پورے کرنے سے پہلے اس کا نفل کو شروع کرنا مستحکم ہو گیا اور اس کے لئے فرض سے نکلنا لازم ہے اور یہ اس لئے کہ رکعت تو ایک سجدہ کے ساتھ در حقیقت نماز ہے حتی کہ اگر لا یصلی کی قسم کھائی ہو تو ایک رکعت ایک سجدہ کے ساتھ پڑھنے

سے حانث ہو جائے گا۔ اور اس کی نماز بدل کر نفل ہوگئی ہے شیخین کے نزدیک۔ امام محمدؒ کا اختلاف ہے اسی بنا پر جو گذر چکا ہے۔

تشریح صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر قعدۂ اخیرہ بھول گیا اور پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید کر دیا تو ہمارے نزدیک اس کا فرض باطل ہو گیا۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اس کا فرض باطل نہیں ہوا بلکہ وہ قعدہ کی طرف عود کر کے تشہد پڑھے اور سجدۂ سہو کر کے سلام پھیر دے۔ یہ اس وقت ہے جب پانچویں رکعت کے لئے بھول کر کھڑا ہو گیا ہو لیکن اگر پانچویں رکعت کے لئے عمداً کھڑا ہوا اور قعدۂ اخیرہ ترک کیا تو ہمارے نزدیک اس صورت میں بھی اگر پانچویں رکعت کا سجدہ نہیں کیا ہے تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی جس طرح کہ بھول کر کھڑے ہونے کی صورت میں نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ یہ شخص جونہی پانچویں رکعت کے لئے عمداً کھڑا ہوا تو اس کی نماز فاسد ہوگی۔

حاصل یہ ہے کہ اس مسئلے میں ہمارے اور شوافع کے درمیان دو جگہ اختلاف ہے۔ ایک تو یہ کہ بھول کر اگر ایک رکعت زیادہ کر دی اور چار کے بجائے پانچ ہو گئیں، تو ہمارے نزدیک پانچویں رکعت کو نہ چھوڑے بلکہ چھٹی رکعت اس کے ساتھ اور ملا لے اور امام شافعیؒ کے نزدیک پانچویں رکعت کو اسی طرح چھوڑ دیا جائے گا جس طرح ایک رکعت سے کم کو چھوڑ کر قعدہ کی طرف عود کرنے کا حکم ہے۔ دوم یہ کہ اگر ایک رکعت سے کم کی زیادتی عمداً کی گئی ہے تو ہمارے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی اور امام شافعیؒ کے نزدیک فاسد ہو جائے گی۔

اگر پانچویں رکعت کے لئے بھول کر کھڑا ہوا اور اس کو سجدہ کے ساتھ بھی مقید کر دیا تو ہمارے نزدیک اس کا فرض باطل ہو گیا۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اس کا فرض باطل نہیں ہوا۔ اس پر امام شافعیؒ کی دلیل یہ روایت ہے ان النبی ﷺ صلی الظہر خمساً کہ آنحضرت ﷺ نے ظہر کی پانچ رکعتیں پڑھیں اور یہ منقول نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے چوتھی رکعت پر قعدہ کیا اور نہ یہ منقول ہے کہ آپ نے اپنی نماز کا اعادہ کیا ہے۔ دوسری دلیل یہ کہ اس شخص نے اپنی نماز میں بھول کر اس چیز کا اضافہ کیا ہے جو داخل نماز نہیں ہے لہٰذا اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ جیسا کہ ایک رکعت سے کم یا زیادہ کرنے کی صورت میں نماز فاسد نہیں ہوتی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ شخص مع السجدہ پانچویں رکعت پڑھنے کی وجہ سے نفل کو شروع کرنے والا ہو گیا حالانکہ ابھی تک فرض نماز کے تمام ارکان مکمل نہیں ہو سکے کیونکہ قعدۂ اخیرہ جو رکن ہے وہ نہیں پایا گیا اور فرض نماز کے تمام ارکان مکمل ہونے سے پہلے پختگی کے ساتھ نماز شروع کرنا فرض نماز کو فاسد کرنے والا ہے۔ اس لئے کہ فرض اور نفل کے درمیان منافات ہے۔ اور جب احد المتنافیین یعنی نفل متحقق ہو گیا۔ تو آخر یعنی فرض منتفی ہو گیا۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ رکعت بلا سجدہ حقیقۃً نماز نہیں ہے اور سجدہ کے ساتھ حقیقۃً صلوٰۃ ہے۔ چنانچہ اگر کسی نے قسم کھائی اور واللہ لا اصلی کہا تو ایک رکعت سجدہ کے ساتھ پڑھنے سے حانث ہو جائے گا۔

امام ابوالحسن قدوری نے فرمایا کہ پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید کرنے کی وجہ سے فرض کے باطل ہونے میں اختلاف ہے شیخین کے نزدیک وصف فرضیت باطل ہوا ہے نہ کہ اصل صلوٰۃ یعنی فرض ہونا باطل ہو گیا البتہ نفل ہونا باقی ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک اصل صلوٰۃ باطل ہوگئی یعنی یہ نماز جو بغیر قعدۂ اخیرہ کے پڑھی گئی ہے نہ فرض شمار ہوگی اور نہ نفل شمار ہوگی۔ فریقین کے دلائل باب قضاء الفوائت میں گذر چکے ہیں کہ شیخین کے نزدیک بطلانِ وصف، بطلانِ اصل کو مستلزم نہیں ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک بطلانِ وصف بطلانِ اصل کو مستلزم ہوتا ہے۔

رہا امام شافعیؒ کی پیش کردہ حدیث کا جواب تو صاحب عنایہ نے فرمایا ہے کہ حضور ﷺ چوتھی رکعت پر قعدۂ اخیرہ میں بیٹھے ہیں اور اس بات کی دلیل یہ ہے کہ راوی نے کہا ہے صلی الظہر خمساً اور ظہر نام ہے تمام ارکان صلوٰۃ کا اور تمام ارکان میں قعدہ بھی ہے۔

پانچویں رکعت کے لئے آپ یہ گمان کرتے ہوئے کھڑے ہو گئے کہ یہ تیسری رکعت ہے۔ پس حدیث کی اس تاویل کے بعد یہ روایت امام شافعی کا مستدل نہیں ہوگی۔

چھٹی رکعت ملانے کا حکم

ويضم اليها ركعة سادسة ولو لم يضم لاشئ عليه لانه مظنون ثم انما يبطل فرضه بوضع الجبهة عند ابى يوسف لانه سجود كامل وعند محمدؒ برفعه لان تمام الشئ بآخره وهو الرفع ولم يصح مع الحدث وثمرة الاختلاف تظهر فيما اذا سبقه الحدث فى السجود بنى عند محمدؒ خلافا لابى يوسفؒ

ترجمہ..... پس ان پانچوں کے ساتھ چھٹی رکعت ملادے اور اگر اس نے نہ ملائی تو اس پر کچھ واجب نہیں ہے کیونکہ وہ مظنون ہے پھر اس کا فرض امام ابو یوسف کے نزدیک پیشانی ٹیکتے ہی باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ کامل سجدہ ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک سر اٹھانے سے کیونکہ کسی چیز کا پورا ہونا اس کے آخر کے ساتھ ہے اور وہ سر اٹھانا ہے اور یہ سر اٹھانا حدث کے ساتھ صحیح نہیں ہے اور اختلاف کا ثمرہ اس صورت میں ظاہر ہو گا جب کہ سجدہ کی حالت میں اس کو حدث لاحق ہو گیا (اس صورت میں) امام محمدؒ کے نزدیک بنا کرے۔ امام ابو یوسفؒ کا اختلاف ہے۔

تشریح..... پچھلی سطروں میں گذر چکا ہے کہ جب پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید کر دیا تو شیخین کے نزدیک اس کی یہ نماز نفل ہو گئی اور فرض واقع ہونا باطل ہو گیا اور امام محمدؒ کے نزدیک اصل صلوٰۃ ہی باطل ہو گئی ہے پس چونکہ شیخین کے نزدیک اصل صلوٰۃ باطل نہیں ہوئی اس لئے ان پانچوں رکعتوں کے ساتھ چھٹی رکعت ملادے تاکہ نفل جفت ہو جائیں طاق نہ رہیں۔ کیونکہ نفل جفت مشروع کیا گیا ہے طاق رکعتوں کے ساتھ مشروع نہیں کیا گیا۔ رہا یہ کہ اس پر سجدۂ سہو واجب ہو گا یا نہیں تو بعض کا خیال ہے کہ سجدۂ سہو کرے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس پر سجدۂ سہو واجب نہیں ہے کیونکہ قعدۂ اخیرہ نہ کرنے کی وجہ سے اس کی نماز فاسد ہو گئی ہے اور جو نقصان فساد کی صورت میں ہو وہ سجدۂ سہو سے پورا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے سجدۂ سہو واجب نہ ہو گا کیونکہ سجدۂ سہو نقصان کی تلافی کے لئے مشروع کیا گیا ہے۔ اور اگر اس نے چھٹی رکعت نہ ملائی تو اس پر کچھ واجب نہیں ہے کیونکہ وہ نماز جس کو مشروع کیا گیا ہے یعنی پانچویں رکعت وہ مظنون ہے یعنی اس نے قصداً نفل شروع نہیں کیا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ شخص اس کو چوتھی رکعت سمجھ کر کھڑا ہوا ہے نہ کہ پانچویں رکعت سمجھ کر۔

حاصل یہ کہ یہ نماز جو پانچویں رکعت سے شروع کی ہے وہ مظنون ہے اور مظنون غیر مضمون ہوتا ہے اس لئے اس نماز کی قضاء وغیرہ واجب نہ ہو گی۔

ثم انما يبطل الخ سے فرمایا ہے کہ جب پانچویں رکعت کا سجدہ کیا تو فرض باطل ہو جائے گا لیکن سجدہ کا ایک تو آغاز ہے یعنی زمین پر پیشانی ٹیکنا، اور ایک اس کا منتہی ہے یعنی زمین سے پیشانی اٹھانا۔ تو اب سوال یہ ہے کہ زمین پر پیشانی ٹیک دینے سے فرض باطل ہو جائے گا یا زمین پر سے سر اٹھانے سے فرض باطل ہو گا۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ اس بارے میں اختلاف ہے۔ چنانچہ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ پیشانی ٹیکتے ہی فرض باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ کامل سجدہ ہے اس لئے کہ سجدہ درحقیقت پیشانی زمین پر رکھ دینے کا نام ہے۔ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ سر جب زمین پر سے اٹھالے گا تب اس کا فرض باطل ہو گا۔ کیونکہ شے پوری ہوتی ہے اس کے آخر کے ساتھ، اور اس کا آخر سر کا اٹھانا ہے لہٰذا سجدہ اس وقت کامل ہو گا جب سر زمین سے اٹھا لیا جائے۔ اور جب سر اٹھانے سے سجدہ کامل ہوتا ہے تو سر اٹھانے

کے بعد ہی فرض باطل ہوگا۔ اس سے پہلے باطل نہیں ہوگا۔

امام محمدؒ نے اپنے قول کی تائید میں کہا **ولم یصح مع الحدث** یعنی حدث کے ساتھ سر اٹھانا درست نہیں ہے۔ حاصل یہ پر سب کا اتفاق ہے کہ جس رکن میں حدث پایا جائے اس رکن کا اعادہ واجب ہے پس امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر پانچویں رکعت کے سجدہ میں حدث لاحق ہوگیا تو اس کا اعادہ بالاتفاق واجب ہے اور جب اس کا اعادہ واجب ہوا تو معلوم ہوا کہ فقط پیشانی ٹیکنے سے سجدہ مکمل نہیں ہوا اگر فقط پیشانی ٹیکنے سے سجدہ پورا ہو جاتا تو حدث پیش آنے کی صورت میں اس کا اعادہ واجب نہ ہوتا کیونکہ حدث پیش آنے سے پہلے ہی سجدہ پورا ہو گیا ہوتا۔ بہر حال یہ بات ثابت ہوگئی کہ سجدہ کی تکمیل پیشانی زمین سے اٹھا کر ہوتی ہے نہ کہ فقط زمین پر ٹیکنے سے۔

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے درمیان اختلاف کا ثمرہ اس صورت میں ظاہر ہوگا کہ اس شخص کو پانچویں رکعت کے سجدے میں حدث لاحق ہو گیا پس یہ شخص وضو کرنے کے لئے گیا اب اس کو یاد آیا کہ چوتھی رکعت کے بعد قعدۂ اخیرہ نہیں کیا ہے تو امام محمدؒ کے نزدیک یہ شخص وضو کرے اور قعدۂ اخیرہ کی طرف عود کر کے اپنی فرض نماز کو پورا کرے بایں طور کہ تشہد پڑھے۔ سجدۂ سہو کرے اور سلام پھیر دے کیونکہ امام محمدؒ کے نزدیک زمین پر سے سر اٹھانے سے پہلے پہلے سجدہ کامل نہیں ہوتا۔ اور حدث کے ساتھ سر اٹھانا درست نہیں ہے۔ پس گویا امام محمدؒ کے نزدیک یہ سجدہ معتبر نہیں ہوا اور جب سجدہ معتبر نہیں ہوا تو گویا پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید کرنا نہیں پایا گیا اور جب پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید کرنا نہیں پایا گیا تو اس کا فرض بھی باطل نہیں ہوا اور جب فرض باطل نہیں ہوا تو قعدۂ اخیرہ کی طرف عود کر کے فرض کو پورا کرلے۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ شخص اپنی نماز پر بنا نہ کرے کیونکہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پیشانی زمین پر ٹیکتے ہی سجدہ مکمل ہو گیا ہے اور جب پانچویں رکعت کا سجدہ مکمل ہو گیا تو اس کا فرض باطل ہو گیا اور جب فرض باطل ہو گیا تو اس پر بناء کرنا جائز نہیں کیونکہ باطل پر بناء نہیں کی جاتی۔

قعدۂ اخیرہ مقدار تشہد بیٹھا پھر سلام پھیرے بغیر پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا جب پانچویں رکعت کا سجدہ نہیں کیا لوٹ آئے

ولو قعد فى الرابعة ثم قام ولم يسلم عاد الى القعدة مالم يسجد للخامسة وسلم، لان التسليم فى حالة القيام غير مشروع وامكنه الاقامة على وجهه بالقعود لان ما دون الركعة بمحل الرفض

ترجمہ ...... اور اگر چوتھی رکعت پر قعدہ کیا پھر کھڑا ہو گیا اور سلام نہیں پھیرا تو قعدہ کی طرف عود کرے جب تک کہ پانچویں رکعت کے لئے سجدہ نہیں کیا اور سلام پھیرے کیونکہ قیام کی حالت میں سلام پھیرنا مشروع نہیں ہے اور وجہ مشروع پر قعدہ کی طرف عود کرنے کے ساتھ اس کو قائم کرنا ممکن بھی ہے کیونکہ ایک رکعت سے کم چھوڑے جانے کا محل ہے۔

تشریح ...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مصلی نے مقدار تشہد چوتھی رکعت پر قاعدہ کیا، اور سلام نہیں پھیرا بلکہ بھول کر کھڑا ہو گیا تو جب تک پانچویں رکعت کے لئے سجدہ نہیں کیا قعدہ کی طرف لوٹ جائے لیکن قعدہ کی طرف لوٹ آنے کے بعد تشہد کا اعادہ نہ کرے بلکہ سجدہ سہو کر کے سلام پھیر دے۔

دلیل نقلی تو یہ ہے کہ ایک بار آنحضرت ﷺ پانچویں رکعت کے لئے کھڑے ہو گئے پیچھے سے کسی نے بذریعہ تسبیح آپ ﷺ کو متنبہ

قعدہ کی طرف لوٹ گئے۔ پھر آپ ﷺ نے سلام پھیرا اور سجدۂ سہو کیا۔ عقلی دلیل یہ ہے کہ قیام کی حالت میں سلام پھیرنا مشروع نہیں ہے اور مشروع طریقہ پر سلام پھیرنا ممکن ہے بایں طور کہ قعدہ کی طرف لوٹ جائے۔ رہی یہ بات کہ اس صورت میں پانچویں رکعت کا چھوڑنا لازم آتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے پہلے وہ ایک رکعت سے کم ہے اور ایک رکعت سے کم چھوڑے جانے کا محل ہے یعنی ایک رکعت سے کم کو چھوڑنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جیسے ایک شخص کسی نماز کی رکعت اولی میں ہے اور ابھی تک اس کو سجدہ کے ساتھ مقید نہیں کیا ہے یہاں تک کہ مؤذن نے تکبیر شروع کر دی تو اس شخص کو چاہئے کہ وہ اس رکعت کو چھوڑ کر جماعت میں شریک ہو جائے۔ رہی یہ بات کہ ایک رکعت سے کم کو کیوں چھوڑا جا سکتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ رکعت کو جب سجدہ کے ساتھ مقید کر دیا اور رکعت پوری ہوگئی تو اس کو نماز کا حکم حاصل ہو گیا اور نماز کو باطل کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ ارشاد خداوندی ہے لَا تُبْطِلُوْا اَعْمَالَكُمْ لیکن جب تک سجدہ کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا تو وہ رکعت ناقص ہے اس کو نماز کا حکم حاصل نہیں ہے اور جب اس کو نماز کا حکم حاصل نہیں ہوا تو اس کو باطل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ وہ لَا تُبْطِلُوْا اَعْمَالَكُمْ کے تحت داخل ہو گا۔

پانچویں کا سجدہ کر لیا تو چھٹی رکعت ملا لے

وان قيد الخامسة بالسجدة ثم تذكر ضم اليها ركعة اخرى، وتم فرضه، لان الباقي اصابة لفظة السلام وهي واجبة، وانما يضم اليها اخرى لتصير الركعتان نفلا، لان الركعة الواحدة لا تجزيه لنهيه عليه السلام عن البتراء ثم لا تنوبان عن سنة الظهر هو الصحيح، لان المواظبة عليها بتحريمة مبتدأة.

ترجمہ..... اور اگر اس نے پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید کر دیا پھر اس کو یاد آیا کہ (یہ پانچویں رکعت ہے) تو اس کے ساتھ ایک رکعت اور ملالے اور اس کا فرض پورا ہو چکا کیونکہ باقی تو فقط سلام ہے اور وہ واجب ہے اور دوسری رکعت اور ملالے اور اس کا فرض پورا ہو چکا کیونکہ باقی تو فقط لفظ سلام ہے اور وہ واجب ہے اور دوسری رکعت اسی واسطے ملالے تا کہ دو رکعت نفل ہو جائیں کیونکہ ایک رکعت جائز نہیں ہے اس لئے کہ حضور ﷺ نے صلوۃ بتیراء سے منع فرمایا ہے پھر یہ دو رکعتیں سنت ظہر کے قائم مقام نہ ہوں گی۔ یہ صحیح ہے کیونکہ اس دوگانہ پر آنحضرت ﷺ کی مواظبت نئے تحریمہ کے ساتھ ہے۔

تشریح..... مسئلہ، اگر کوئی شخص چوتھی رکعت پر بیٹھا پھر بھول کر کھڑا ہو گیا۔ اور پانچویں رکعت کا سجدہ بھی کر لیا۔ اب اس کو یاد آیا کہ یہ چوتھی رکعت نہیں ہے بلکہ پانچویں رکعت ہے تو اس کو چاہئے کہ چھٹی رکعت بھی ملالے اس صورت میں فرض نماز پوری ہوگئی اور پانچویں اور چھٹی دونوں رکعتیں نفل ہو جائیں گی۔ فرض نماز تو اس لئے پوری ہوگئی کہ لفظ سلام کے ساتھ نماز سے نکلنا ہمارے نزدیک واجب ہے۔ اور اس صورت میں لفظ سلام ہی باقی رہ گیا اور ترک واجب سے نماز فاسد نہیں ہوتی لہٰذا اس صورت میں بھی فرض نماز فاسد نہ ہوگی۔ رہا ترک واجب کی وجہ سے نقصان کا پیدا ہونا تو وہ سجدۂ سہو سے پورا ہو جائے گا۔ امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ اس صورت میں اگر چھٹی رکعت ملالی گئی تو اس کی فرض نماز فاسد ہو جائیگی۔ اس لئے کہ اس صورت میں یہ شخص دوسری نماز کی طرف منتقل ہو گیا حالانکہ لفظ سلام ابھی باقی ہے اور لفظ سلام امام شافعیؒ کے نزدیک فرض ہے اور ترک فرض سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اس لئے اس صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ چھٹی رکعت ملانے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے تا کہ دو رکعت نفل ہو جائیں کیونکہ حضور ﷺ کے صلاۃ بتیراء سے منع کر دینے کی وجہ سے ایک رکعت پڑھنا جائز نہیں ہے اور چونکہ امام شافعیؒ کے نزدیک ایک رکعت پڑھنا بھی جائز ہے اس لئے ان کے نزدیک چھٹی رکعت ملانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

صاحب قدوری کی عبارت سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ چھٹی رکعت کا ملانا واجب ہے یا مستحب ہے، جائز ہے لیکن مبسوط کی عبارت ہے علیہ ان یضیف اور کلمہ علی ایجاب کے لئے آتا ہے پس مبسوط کی عبارت سے وجوب پر دلالت ہوئی۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ یہ دو رکعتیں یعنی پانچویں اور چھٹی ظہر کے بعد کی دو سنتوں کے قائم مقام نہ ہوں گی قول صحیح یہی ہے۔ لیکن بعض حضرات کا مذہب یہ ہے کہ یہ دونوں رکعتیں ظہر کی سنت کے قائم مقام ہو جائیں گی۔ قول صحیح کی دلیل یہ ہے کہ سنت نام ہے آنحضرت ﷺ کے طریقہ کا اور آنحضرت ﷺ ظہر کی سنت نئے تحریمہ سے پڑھا کرتے تھے اور چونکہ مذکورۃ الصدر صورت میں نیا تحریمہ نہیں پایا گیا۔ اس لئے یہ دو رکعتیں ظہر کی سنت کے قائم مقام بھی نہیں ہوں گی۔

چھٹی رکعت ملانے کے بعد سجدۂ سہو کرے گا یا نہیں، اقوالِ فقہاء

ویسجد للسهو استحسانا لتمكن النقصان فى الفرض بالخروج لا على الوجه المسنون وفى النفل بالدخول لا على الوجه المسنون ولو قطعها لم يلزمه القضاء لانه مظنون ولو اقتدى به انسان فيها يصلى ستا عند محمدؒ لانه المؤدى بهٰذه التحريمة وعندهما ركعتين لانه استحكم خروجه عن الفرض ولو افسده المقتدى لا قضاء عليه عند محمد اعتبارا بالامام وعند ابى يوسفؒ يقضى ركعتين لان السقوط بعارض يخص الامام

ترجمہ..... اور استحساناً سجدۂ سہو کرے کیونکہ نقصان فرض میں غیر مسنون طریقہ پر نکلنے کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہے اور نفل میں غیر مسنون طریقہ پر داخل ہونے کی وجہ اور اگر اس نفل کو قطع کر دیا تو قضاء لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ مظنون ہے اور اگر ان دو رکعتوں میں کسی انسان نے اس کی اقتداء کی تو امام محمدؒ کے نزدیک مقتدی چھ رکعتیں پڑھے کیونکہ اس تحریمہ سے یہی تعداد ادا کی گئی ہے اور شیخینؒ کے نزدیک صرف دو رکعت پڑھے گا۔ کیونکہ فرض سے اس کا نکلنا مستحکم ہو گیا ہے۔ اور اگر مقتدی نے اس کو فاسد کر دیا تو امام محمدؒ کے نزدیک اس پر قضاء نہیں ہے امام پر قیاس کیا جائے گا اور ابو یوسفؒ کے نزدیک دو رکعت کی قضا کرے اس لئے کہ عارض کی وجہ سے ساقط ہونا امام کے لئے مخصوص ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب مصلی چار رکعت پر مقدار تشہد بیٹھا پھر بھول کر پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا اور اس کو سجدہ کے ساتھ بھی مقید کر دیا، تو اب یہ حکم ہے کہ اس کے ساتھ چھٹی رکعت ملائے اور سجدہ سہو کرے۔ اس صورت میں پہلی چار رکعت فرض ہوئیں اور بعد کی دو رکعت نفل ہوں گی۔ صاحب ہدایہ کہتے ہیں سجدۂ سہو کا حکم استحسانی ہے۔ ورنہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ سجدۂ سہو واجب نہ ہو۔ قیاس کی وجہ یہ ہے کہ سہو فرضوں میں واقع ہوا ہے (بایں طور کہ لفظ سلام جو واجب ہے وہ ترک ہو گیا ہے) اور یہ مصلی پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو کر فرض سے نفل کی طرف منتقل ہو گیا۔ اور جس شخص کو ایک نماز میں سہو ہوا ہو اس پر اسی نماز میں سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے دوسری نماز میں سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا۔ پس یہاں اگر سجدۂ سہو واجب کیا جائے تو یہی لازم آئے گا کہ سہو تو ہوا فرض میں اور سجدۂ سہو کیا نفل میں حالانکہ یہ درست نہیں ہے۔ پس بمقتضی قیاس یہ ثابت ہو گیا کہ اس پر سجدہ واجب نہیں ہے۔

بوجہ استحسان سے پہلے یہ ذہن نشین کر لیجئے کہ نقصان فرض اور نفل دونوں میں متمکن ہو گیا ہے۔ فرض میں تو اس وجہ سے کہ چار رکعت کے بعد لفظ سلام کے ساتھ نکلنا واجب ہے اور حال یہ کہ اس نے لفظ سلام کو ترک کر دیا ہے پس اس ترک واجب کی وجہ سے فرض میں نقصان پیدا ہو گیا یہ مذہب امام محمدؒ کا ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نفل میں نقصان اس لئے پیدا ہو گیا ہے کہ ان کے نزدیک نفل کو مستقل نئے تحریمہ کے ساتھ شروع کرنا واجب ہے اور اس واجب کو اس نے ترک کر دیا ہے۔ حاصل یہ کہ امام محمدؒ کے نزدیک لفظ سلام چھوڑنے کی وجہ سے فرض میں نقصان پیدا ہوا ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نفل کے لئے نیا تحریمہ نہ پائے جانے کی وجہ سے نفل میں نقصان پیدا ہو گیا ہے۔

اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ مذکورہ بالا صورت میں سجدۂ سہو کا استحساناً واجب ہونا فقط امام محمدؒ کے مذہب پر ہے۔ کیونکہ امام محمدؒ کے نزدیک نقصان فرض میں پایا گیا اور پھر فرض سے نفل کی طرف منتقل ہو گیا تو قیاس تقاضا تو یہی تھا کہ فرض کے نقصان کی تلافی نفل نماز میں نہ ہو جیسا کہ پچھلی سطروں میں بیان ہوا ہے۔ لیکن چونکہ نفل کی بنا بھی تحریمہ اولی پر ہے کسی نئے تحریمہ سے نفل کو شروع نہیں کیا گیا ہے اس لئے سجدۂ سہو واجب ہونے کے حق میں کہا جائے گا کہ یہ ایک ہی نماز ہے اور جب ایک نماز ہے اور اس میں واجب یعنی لفظ سلام ترک ہو گیا تو سجدۂ سہو واجب ہو جائے گا۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ایک شخص نے ایک سلام کے ساتھ چھ رکعت نفل نماز پڑھنی شروع کی پھر شفع اول میں سہو ہو گیا تو آخر صلاۃ میں سجدۂ سہو کرے گا اگرچہ نفل کا ہر شفع علیحدہ نماز ہے۔ لیکن تحریمہ واحدہ کی وجہ سے چھ کی چھ رکعتیں صلاۃ واحدہ کے حکم میں ہیں۔

اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چونکہ نیا تحریمہ نہ پائے جانے کی وجہ سے نفل کے اندر نقصان پیدا ہوا ہے اس لئے ان کے نزدیک سجدۂ سہو قیاساً بھی واجب ہو گا اور استحساناً بھی۔

صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ اگر اس نفل نماز کو قطع کر دیا مثلاً پانچویں رکعت پوری کرنے کے بعد نماز کو توڑ دیا تو اس پر ان دو رکعتوں کی قضاء واجب نہیں ہے اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ ان دو رکعتوں کی قضا کرنا واجب ہے بنیاد اختلاف یہ ہے کہ نماز یا روزہ کو اگر علی وجہ الظن شروع کیا جائے تو وہ ہمارے نزدیک لازم نہیں ہوتا اور امام زفر کے نزدیک لازم ہو جاتا ہے پس چونکہ اس شخص نے فرض کے گمان سے پانچویں رکعت کو شروع کیا ہے حالانکہ اس پر فرض باقی نہ تھا اس لئے ہمارے نزدیک یہ شروع کرنا نفل کو لازم کرنے والا نہیں ہو گا اور جب نفل لازم نہیں رہا تو قطع کرنے کی وجہ سے اس کی قضاء بھی واجب نہ ہو گی۔ اور امام زفر کے نزدیک شروع فی النفل علی وجہ الظن چونکہ مقدم ہے اس لئے قطع کرنے سے ان کے نزدیک قضا بھی واجب ہو جائے گی۔

ولو اقتدی بہ انسان الخ سے فاضل مصنفؒ نے فرمایا کہ اگر کسی انسان نے ان دونوں رکعتوں یعنی پانچویں اور چھٹی میں اس شخص کی اقتداء کی تو امام محمدؒ کے نزدیک یہ مقتدی چھ رکعتیں پڑھے گا یعنی اگر پانچویں میں اقتداء کی گئی ہے تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد چار رکعتیں اور پڑھے گا اور اگر چھٹی رکعت میں اقتداء کی گئی تو امام کے فارغ ہونے کے بعد پانچ رکعتیں اور پڑھے بایں طور کہ ایک رکعت پڑھ کر قعدہ کرے پھر دو رکعت پر بیٹھ جائے پھر دو رکعت پڑھ کر قعدہ کرے اور سلام پھیرے۔

امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس مقتدی نے امام کے تحریمہ کے ساتھ نماز شروع کی ہے۔ لہذا جس قدر امام نے ادا کی ہے اسی قدر مقتدی

پر لازم ہوگی پس چونکہ امام نے چھ رکعات پڑھی ہیں اس لئے مقتدی پر بھی چھ رکعتیں لازم ہوں گی۔ شیخین نے کہا کہ یہ مقتدی فقط دو رکعت پڑھے۔ شیخین کی دلیل یہ ہے کہ امام جب پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا تو امام کا فرض نماز سے نکلنا مستحکم اور متیقن ہو گیا پس جب فرض سے نکلنا متیقن ہو گیا تو اس کا فرض نماز کا تحریمہ بھی منقطع ہو گیا کیونکہ ایک وقت میں مختلف دو نمازوں کے تحریموں میں ہونا ناممکن ہے پس حاصل یہ ہوا کہ فرض کا تحریمہ منقطع ہو کر نفل کا تحریمہ شروع ہو گیا ہے اور ظاہر ہے کہ اس مقتدی نے نفل کے تحریمہ میں اقتداء کی ہے اس لئے اس پر اس شفع نفل کی دو رکعتوں کے علاوہ اور کچھ واجب نہ ہوگا۔

ولو افسد المقتدی الخ' اس عبارت سے حاصل یہ ہے کہ اگر کسی نے پانچویں اور چھٹی رکعت میں امام کی اقتداء کرنے کے بعد اس کو فاسد کر دیا تو امام محمدؒ کے نزدیک اس مقتدی پر قضاء واجب نہیں ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مقتدی دو رکعتوں کی قضا کرے گا۔ امام محمدؒ کی دلیل قیاس ہے یعنی امام محمدؒ مقتدی کے حال کو امام کے حال پر قیاس کرتے ہیں۔ اور چند سطریں پہلے گذر چکا ہے کہ امام نے اگر دو رکعتوں کی فاسد کر دیا تو اس پر قضاء واجب نہیں ہے پس امام کے حال پر قیاس کرتے ہوئے کہا گیا کہ ان دو رکعتوں کی قضاء مقتدی پر بھی واجب نہ ہوگی۔ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ قیاس کا تقاضا تو یہی تھا کہ امام پر بھی قضاء واجب ہو کیونکہ امام نے بھی پانچویں اور چھٹی رکعت یعنی نفل نماز شروع کر دینے کے بعد اس کو باطل کر دیا ہے اور نفل شروع کر دینے کے بعد اگر باطل کر دیا جائے تو اس کی قضاء واجب ہوتی ہے لہٰذا اس صورت میں امام پر بھی قضاء واجب ہونی چاہئے تھی لیکن عارض کی وجہ سے قضاء ساقط کر دی گئی ہے اور عارض یہ ہے کہ امام نے فرض ادا کرنے کے ارادہ سے نفل شروع کیا ہے اور یہ عارض امام کے ساتھ مخصوص ہے اور جو چیز امام کے ساتھ مخصوص ہو وہ غیر کی طرف متعدی نہیں ہوتی اس لئے اس عارض کی وجہ سے امام کے ذمہ سے فقط ساقط کر دی گئی ہے اور چونکہ مقتدی کے حق میں یہ عارض موجود نہیں ہے اس لئے اس پر قضاء واجب ہوگی۔

نفل کی دو رکعتیں پڑھیں ان میں بھولا اور سجدۂ سہو بھی کر لیا دو اور رکعتوں کی بنا پہلی پر کر سکتا ہے یا نہیں

قال ومن صلى ركعتين تطوعا فسهى فيهما وسجد للسهو ثم اراد ان يصلي اخريين لم يبن لان السجود يبطل لوقوعه في وسط الصلوٰة بخلاف المسافر اذا سجد للسهو ثم نوى الاقامة حيث يبني لانه لو لم يبن يبطل جميع الصلوٰة و مع هٰذا لو ادى صح لبقاء التحريمة ويبطل سجود السهو هو الصحيح

ترجمہ...... امام محمدؒ نے جامع صغیر میں کہا ہے کہ جس شخص نے دو رکعت نفل نماز پڑھیں اور ان میں سہو ہو گیا اور سہو کا سجدہ کیا پھر چاہا کہ دوسری دو رکعت پڑھے تو بناء نہ کرے کیونکہ سجدۂ سہو اس کو باطل کرتا ہے اس لئے کہ سجدہ وسط صلوٰۃ میں پڑ گیا ہے بخلاف مسافر کے جب اس نے سجدۂ سہو کیا پھر اقامت کی نیت کر لی تو وہ بناء کرے گا۔ کیونکہ مسافر اگر بناء نہ کرے تو پوری ہی نماز باطل ہو جائے گی۔ اس کے باوجود اگر اس نے ادا کیا تو صحیح ہے کیونکہ تحریمہ باقی ہے اور سجدۂ سہو باطل ہو جائے گا یہی قول صحیح ہے۔

تشریح...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے نفل کی دو رکعتیں پڑھیں لیکن ان میں کوئی سہو ہو گیا جس کی وجہ سے سجدۂ سہو کیا۔ پھر اس نے چاہا کہ ان دو رکعتوں پر اور دو رکعت نفل کی بناء کرے تو اس شخص کو بناء کی اجازت نہیں ہے بلکہ سلام پھیر کر علیحدہ تحریمہ کرے ساتھ دو رکعت نفل پڑھے' دلیل سے پہلے یہ بات ذہن نشین رکھئے کہ سجدۂ سہو نماز کے آخر میں مشروع کیا گیا ہے نماز کے دو شفعوں

درمیان مشروع نہیں ہے۔ اب دلیل کا حاصل یہ ہوگا کہ اس صورت میں سجدۂ سہو کرنے کے بعد دوسری دو رکعت کی بناء کرنا سجدۂ سہو کو بلاضرورت باطل کر دیگا کیونکہ سجدۂ سہو درمیان صلوٰۃ میں واقع ہو گیا ہے حالانکہ درمیان صلاۃ میں سجدۂ سہو مشروع نہیں ہوا ہے بلکہ صلاۃ میں مشروع کیا گیا ہے ہم نے بلاضرورت اس لئے کہا ہے کہ یہ شخص دوسرے دوگانہ کو اگر نئے تحریمہ کے ساتھ ادا کر لیتا تو بغیر بناء کے درست ہو جاتا۔ اس لئے بناء کر کے سجدۂ سہو کو باطل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے بناء کرنے کی صورت میں ایک سلام کے ساتھ چار رکعت ادا کرنے کی فضیلت حاصل ہو جائے گی کیونکہ ایک سلام کے ساتھ چار رکعت پڑھنا افضل ہے بہ نسبت دو سلام کے ساتھ پڑھنے کے اس کا جواب یہ ہے کہ بناء کی صورت میں بلاشبہ چار رکعت پر مداومت کرنے کی فضیلت حاصل ہو جائے گی لیکن اس صورت میں نقض واجب لازم آئے گا یعنی سجدۂ سہو جو واجب ہے درمیان صلاۃ میں واقع ہونے کی وجہ سے باطل ہو جائے گا اور نقض واجب سے بچنا اولی ہے بہ نسبت فضیلت حاصل کرنے کے اس لئے کہا گیا کہ یہ شخص پہلے دوگانہ پر بناء نہ کرے بلکہ نئے تحریمہ کے ساتھ دوسرے دوگانہ کو ادا کرے۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ بلاشبہ اس شخص کو بناء نہ کرنی چاہئے لیکن اس کے باوجود اگر بناء کر لی اور دوسرا دوگانہ بھی ادا کر لیا تو صحیح ہے کیونکہ ابھی تک تحریمہ باقی ہے البتہ سجدۂ سہو باطل ہو جائے گا کیونکہ جب بناء کی تو سجدۂ سہو نماز کے درمیان میں واقع ہو گیا ہے حالانکہ نماز کے درمیان میں سجدۂ سہو مشروع نہیں ہوا ہے اس لئے یہ سجدہ غیر معتبر ہوگا اور اس پر سجدۂ سہو کا اعادہ واجب ہوگا۔

بخلاف المسافر الخ' اس عبارت کا حکم مسئلہ متن کے خلاف ہے حاصل یہ ہے کہ مسافر نے فرض رباعی کا قصر کرتے ہوئے دو رکعت پڑھیں اور سہو پیش آنے کی وجہ سے سجدۂ سہو کیا پھر سلام پھیرنے سے پہلے اقامت کی نیت کی تو یہ مسافر اسی تحریمہ پر بناء کرے اور چار رکعت پوری کر کے سلام پھیرے کیونکہ اقامت کی نیت سے اس پر چار رکعت پوری کرنا لازم ہو گیا ہے اب اگر یہ شخص بناء نہ کرے تو اس کی پوری نماز باطل ہو جائے گی۔ اور بناء کرنے میں نقض واجب ہے کیونکہ سجدۂ سہو کا باطل کرنا ہے اور نقض واجب ادنیٰ ہے بہ نسبت ابطال فرض کے اور قاعدہ ہے کہ بڑی برائی کو دور کرنے کے لئے چھوٹی برائی کو برداشت کیا جا سکتا ہے اس لئے اعلیٰ یعنی فرض نماز کو باطل ہونے سے بچانے کے لئے ادنیٰ یعنی سجدۂ سہو کے نقض کو برداشت کر لیا جائے گا۔

امام نے سلام پھیرا اور امام پر سجدۂ سہو تھا مقتدی نے سلام کے بعد امام کی اقتداء کی اگر امام سجدہ سہو کر لے تو مقتدی کی اقتداء شمار ہوگی ورنہ نہیں......اقوالِ فقہاء

ومن سلم وعليه سجدتا السهو فدخل رجل في صلوته بعد التسليم فان سجد الامام كان داخلا والا فلا وهٰذا عند ابي حنيفة وابي يوسفؒ وقال محمدؒ هو داخل سجد الامام اولم يسجد لان عنده سلام من عليه السهو لا يخرجه عن الصلوٰة اصلا لانها وجبت جبر النقصان فلا بد ان يكون في احرام الصلوٰة وعندهما يخرجه على سبيل التوقف لانه محلل في نفسه وانما لا يعمل لحاجته الى اداء السجدة فلا يظهر دونها ولا حاجة على اعتبار عدم العود ويظهر الاختلاف في هٰذا وفي انتقاض الطهارة بالقهقهة وتغير الفرض بنية الاقامة في هٰذه الحالة

ترجمہ ...... ایک شخص نے (نماز کے آخر میں) سلام پھیرا حالانکہ اس پر سجدۂ سہو لازم ہے پھر سلام پھیرنے کے بعد ایک شخص اس مصلی کی نماز میں داخل ہو گیا پس اگر امام نے سجدہ کیا تو یہ مقتدی اس کی نماز میں داخل ہو گیا ورنہ تو نہیں۔ اور یہ حکم شیخین کے نزدیک ہے اور امام محمد نے فرمایا کہ یہ داخل ہے امام سجدہ کرے یا نہ کرے۔ اس لئے کہ امام محمدؒ کے نزدیک اس شخص کا سلام جس پر سجدۂ سہو لازم ہے اس کو اصلا نماز سے خارج نہیں کرتا۔ کیونکہ سجدۂ سہو تو نقصان کو پورا کرنے کے لئے واجب ہوا ہے اس لئے ضروری ہے کہ وہ شخص نماز کے احرام میں ہو اور شیخین کے نزدیک اس کو علی سبیل التوقف نکال دے گا کیونکہ سلام تو بذات خود تحلیل کرنے والا ہے اور (یہاں) عمل نہیں کرے گا کیونکہ ادائے سجدہ کی ضرورت ہے پس بغیر سجدہ کے ظاہر نہ ہوگا اور عدم عود کا اعتبار کرتے ہوئے کوئی ضرورت نہیں اور اختلاف ظاہر ہوگا اس مسئلہ میں اور قہقہہ سے طہارت ٹوٹنے میں اس حالت میں اقامت کی نیت کرنے سے فرض متغیر ہو جانے میں۔

تشریح ...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص جس پر سجدۂ سہو واجب تھا اس نے سلام پھیرا ایک آدمی اس کے سلام پھیرنے کے بعد اس کی نماز میں اقتداء کی نیت کر کے شامل ہو گیا تو شیخین کے نزدیک حکم یہ ہے کہ اگر امام نے سجدۂ سہو کیا تو یہ مقتدی اس کی نماز میں داخل ہو گیا اور اگر امام نے سجدۂ سہو نہیں کیا تو اس کی نماز میں شامل ہونے والا شمار نہیں ہوگا۔

سجدۂ سہو والے کا سلام حرمت صلوٰۃ سے نکال دیتا ہے یا نہیں: یہ مسئلہ اور اس کے علاوہ بہت سے مسائل اس اصول پر موقوف ہیں کہ جس پر سجدۂ سہو واجب ہے اس کا سلام کو حرمت صلاۃ سے نکال دیتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں امام محمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ اس شخص کا سلام اس کو نماز سے خارج نہیں کرتا نہ موقوفا اور نہ باتا (غیر موقوف) یہی امام زفرؒ کا قول ہے۔ اور شیخین کا مذہب یہ ہے کہ اس کا سلام اس کو نماز سے موقوفا خارج کر دیتا ہے۔ موقوفا کا مطلب یہ ہے کہ سلام کے بعد اگر اس نے سجدۂ سہو کر لیا تو کہا جائے گا کہ تحریمہ باقی ہے اور جب تحریمہ باقی ہے تو دوسرے مصلی کا اقتدا کرنا بھی درست ہے اور اگر سلام کے بعد سجدہ نہیں کیا تو کہا جائے گا تحریمہ باقی نہیں رہا اور جب تحریمہ باقی نہیں رہا تو اقتداء کرنا بھی درست نہ ہوگا۔ امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ سجدۂ سہو اس نقصان کی تلافی کے لئے واجب ہے جو نقصان مودی یعنی ادا کی ہوئی نماز میں پیدا ہو گیا ہے اور تلافی کرنا اسی وقت متحقق ہوگا جب کہ وہ چیز موجود ہو جس کی تلافی کرنا مقصود ہے۔ یعنی سجدہ کے ذریعہ نماز کے نقصان کی تلافی اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ نماز موجود ہو اور نماز کا قیام بقاء تحریمہ پر موقوف ہے پس معلوم ہوا کہ جس پر سجدہ واجب ہے اس کا سلام اس کو احرام صلوٰۃ سے خارج نہیں کرتا بلکہ سلام کے باوجود تحریمہ باقی رہتا ہے پس جب سلام کے بعد تحریمہ باقی ہے تو سلام کے بعد اس کی اقتداء کرنا بھی درست ہوگا امام خواہ سہو کا سجدہ کرے یا نہ کرے۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ سلام بذات خود محلل یعنی نماز سے خارج کرنے والا ہے چنانچہ ارشاد نبوی ہے **تحلیلها التسلیم** ہاں اگر مانع پیش آجائے تو لفظ سلام اپنا عمل نہیں کرے گا۔ اور مانع عمل سجدۂ سہو ادا کرنے کی ضرورت ہے پس اگر سلام کے بعد سجدۂ سہو کیا تو چونکہ مانع پایا گیا اس لئے لفظ سلام اپنا عمل نہیں کرے گا یعنی اس مصلی کو نماز سے خارج نہیں کرے گا۔ اور اگر سجدۂ سہو نہیں کیا تو چونکہ مانع تحلیل نہیں پایا گیا اس لئے لفظ سلام اپنا عمل کرے گا یعنی اس مصلی کو نماز سے خارج کر دے گا۔ اس دلیل سے ثابت ہو گیا کہ جس شخص پر سجدۂ سہو واجب ہوا اس کا سلام اس کو علی سبیل التوقف نماز سے خارج کرتا ہے۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ امام محمد اور شیخین کا اختلاف اس مسئلہ میں ظاہر ہوگا اور اس کے علاوہ دوسرے دو مسئلوں میں ظاہر ہوگا۔ ایک یہ کہ سلام کے بعد اس شخص نے قہقہہ لگایا جس پر سجدۂ سہو واجب ہے تو اس قہقہہ سے امام محمد اور امام زفرؒ کے نزدیک وضو ٹوٹ جائے گا کیونکہ

نماز کے اندر قہقہہ پایا گیا اور شیخین کے نزدیک اگر سجدۂ سہو کرلیا تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ کیونکہ سجدہ کرنے کی وجہ سے قہقہہ
س پایا گیا ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ سلام کے بعد اور سجدۂ سہو سے پہلے مسافر نے اقامت کی نیت کی تو امام محمدؒ کے نزدیک
ز بجائے دو رکعت کے چار رکعت ہو جائے گی خواہ سجدۂ سہو کرے یا نہ کرے اور شیخین کے نزدیک اگر سجدۂ سہو کرلیا تو اس کی
قامت سے چار رکعت ہو جائے گی اور اگر سجدۂ سہو نہ کیا تو چار رکعت نہیں ہوگی۔ (شرح نقایہ)

نماز کو ختم کرنے کے لئے سلام پھیرا، اس پر سجدۂ سہو لازم ہے تو سجدۂ سہو کرلے

یريد به قطع الصلوة وعليه سهو فعليه ان يسجد لسهوه لان هذا السلام غير قاطع ونيته تغير
لغت

جس شخص نے نماز قطع کرنے کے ارادے سے سلام پھیرا حالانکہ اس پر سہو بھی ہے۔ تو اس پر اپنے سہو کی وجہ سے سجدہ کرنا
نکہ یہ سلام قاطع نماز نہیں ہے اور اس کی نیت مشروع کو متغیر کرنا ہے لہٰذا لغو ہوگی۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص جس پر سجدۂ سہو واجب ہے اس نے نماز قطع کرنے کے عزم سے سلام پھیرا تو اس پر مفسد
نے سے پہلے پہلے سجدۂ سہو کرنا واجب ہے کیونکہ من علیہ السہو کا سلام بالاتفاق قاطع نماز نہیں ہے امام محمدؒ کے نزدیک تو اس لئے
کے نزدیک محلل (نماز سے خارج کرنیوالا) ہو کر مشروع نہیں ہوا اور شیخین کے نزدیک اگرچہ محلل ہے لیکن موقوفاً محلل ہے
ا۔ حاصل یہ کہ سلام قاطع نماز ہو کر مشروع نہیں ہوا ہے اور جو چیز قاطع نماز ہو کر مشروع نہ ہو وہ نماز قطع نہیں کر سکتی پس اس
طع نہیں ہوگی رہی نماز قطع کرنے کی نیت سو وہ خلاف مشروع ہونے کی وجہ سے لغو ہو جائے گی اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔

س شخص کو نماز میں شک ہو گیا اسے معلوم نہیں تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار اس کا کیا حکم ہے

فی صلوته فلم يدر أثلثا صلى ام اربعا وذلك اول ماعرض له استأنف لقوله عليه السلام اذا شك
صلاته انه كم صلى فليستقبل الصلوة

جس نے اپنی نماز کے اندر شک کیا اس کو معلوم نہیں کہ تین رکعتیں پڑھیں یا چار پڑھیں اور یہ شک پہلا شک ہے جو اس کو
ں نئے سرے سے نماز پڑھے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنی نماز کے اندر یہ شک کرے کہ کتنی پڑھی
پڑھے۔

مسئلہ یہ ہے کہ مصلی کو اپنی نماز میں یہ شک پیش آیا کہ تین رکعتیں ہوئیں یا چار رکعتیں ہوئیں اور یہ شک پہلی ہی بار پیش آیا
رت میں نماز از سر نو پڑھے۔ دلیل صاحب ہدایہ کی پیش کردہ حدیث رسول ﷺ ہے۔ رہی یہ بات کہ متن کی عبارت اول
سے کیا مراد ہے۔ سو اس بارے میں بعض مشائخ نے کہا ہے کہ اس جملہ سے مراد یہ ہے کہ سہو اس کی عادت نہیں ہے بلکہ کبھی
ہے یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ عمر بھر کبھی سہو ہی نہیں ہوا ہے۔ شمس الائمہ سرخسیؒ کی یہی رائے ہے۔
ام نے کہا ہے کہ مراد یہ ہے کہ اس نماز میں پہلا سہو یہی ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ زندگی میں پہلی مرتبہ یہی سہو پیش آیا

ہے بالغ ہونے کے بعد سے نماز کے اندر کبھی کوئی سہو واقع نہیں ہوا ہے قول اول راجح ہے۔ جمیل احمد

اگر سہو بار بار پیش آتا ہو پھر کیا کرے

وان كان يعرض له كثير ابنى على اكبر رايه لقوله عليه السلام من شك فى صلوته فليتحر الصواب وان لم يكن له رأى بنى على اليقين لقوله عليه السلام من شك فى صلوته فلم يدر أ ثلثا صلى ام اربعا بنى على الاقل والا ستقبال بالسلام اولىٰ لانه عرف محللا دون الكلام ومجرد النية تلغو وعند البناء على الاقل يقعده فى كل موضع يتوهم آخر صلاته كيلا يصير تاركا فرض القعدة والله اعلم

ترجمہ...... اور اگر اس کو یہ شک بہت پیش آتا ہو تو اپنی غالب رائے پر بناء کرے کیونکہ اللہ کے حبیب ﷺ نے فرمایا ہے جو کوئی نماز میں شک کرے تو وہ ٹھیک بات کے لئے دل سے تحری کرے۔ اور اس کی کچھ رائے ...... یقین پر عمل کرے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے اپنی نماز میں شک کیا ہے اس کو معلوم نہیں کہ اس نے تین رکعت پڑھیں یا چار تو کمتر پر بناء کرے اور نئے سرے سے سلام کے ساتھ پڑھنا اولیٰ ہے۔ کیونکہ سلام محلل ہو کر معلوم ہوا ہے نہ کہ کلام اور خالی نیت لغو ہوگی اور اقل پر بناء کرنے کی صورت میں ہر اس مقام پر جس کو آخری نماز تو ہم کرے قعدہ کرے تا کہ وہ فرض قعدہ کا ترک کرنے والا نہ ہو جائے واللہ اعلم۔

تشریح...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ادا کی ہوئی رکعتوں کی مقدار کے بارے میں بکثرت شک ہوتا ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو اس کو کسی ایک طرف کا ظن غالب ہوگا یا نہیں اگر ظن غالب ہے تو اسی کے مطابق عمل کرے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔ من شک فی صلاته فیتحر الصواب ملا علی قاری نے صحیحین کے حوالے سے اس حدیث کو قدرے تفصیل سے ذکر کیا ہے عن ابن مسعود ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذاشک احدکم فلیتحر الصواب ولیتم علیہ ثم لیسلم ثم لیسجد سجدتین یعنی جب تم میں سے کسی کو شک پیش آجائے تو وہ درست بات کے لئے دل سے تحری کرے اور تحری اور ظن غالب کے مطابق ہی عمل کرے پھر سلام پھیرے اور دو سجدے کرے۔

عقلی دلیل: یہ ہے کہ اگر ہر بار نماز کے اعادہ کا حکم دیا جائے گا تو حرج واقع ہوگا اس لئے حرج کو دور کرنے کے لئے ظن غالب پر عمل کیا جائے گا۔ اور اگر اس کو کسی طرف کا ظن غالب نہ ہو تو اقل پر عمل کرے یعنی اگر تین یا چار رکعت ہونے میں شک ہو اور کسی ایک کا غالب گمان نہ ہو تو تین رکعت خیال کرے، دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے من سک فی صلاته فلم یدر أ ثلثا صلی ام اربعا بنی علی الاقل امام ترمذی نے اس حدیث کو ان الفاظ کی ساتھ ذکر کیا ہے۔ عن عبد الرحمن بن عوف قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا سہیٰ احدکم فی صلاته فلم یدر واحدة صلی او ثنتین فلیبن علی واحدة فان لم یدر ثنتین صلی او ثلثا فلیبن علی ثنتین فاذا لم یدر ثلاثا او اربعا فلیبن علی ثلث والا استقبال بالسلام سے مقصد مصنف یہ ہے کہ اگر از سر نو نماز پڑھنے کا ارادہ ہو تو موجودہ مشکوک فیہ نماز کو سلام کے ساتھ قطع کرنا اولیٰ ہے یعنی با قاعدہ سلام پھیرے اور از سر نو نماز پڑھے، کلام کے ساتھ نماز قطع کرنا بہتر نہیں ہے۔ کیونکہ شریعت میں سلام کو محلل کہا گیا ہے کلام کو نہیں۔ کلام تو مفسد نماز ہے۔ حدیث نبوی ﷺ ہے تحلیلها التسلیم پس جب شریعت اسلام اور حدیث رسول میں سلام کا محلل (نماز سے خارج کرنیوالا) ہونا معلوم ہوا ہے

کلام ہی کے ساتھ نماز سے نکلنا اولیٰ ہوگا نہ کہ کلام کے ساتھ، اور اگر نماز سے نکلنے کی فقط نیت کی گئی اور قاطع نماز عمل نہیں پایا گیا تو یہ کافی نہیں ہے بلکہ نیت جب تک قاطع نماز عمل کے ساتھ متصل نہ ہولغو ہے اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔

وعند البناء علی الاقل اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اقل پر بناء کرنے کی صورت میں ہر رکعت پر قعدہ کرے اور تشہد پڑھے مثلاً چار رکعتی نماز میں مصلی کو یہ شک پیش آیا کہ یہ پہلی رکعت ہے یا دوسری رکعت ہے اور کسی طرف غالب گمان بھی نہیں ہے تو وہ اس کو پہلی رکعت سمجھے لیکن اس رکعت کو پورا کرنے کے بعد قعدہ کرے کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ دوسری رکعت ہو اور دوسری رکعت پر قعدہ واجب ہے اس لئے قعدہ کرے پھر کھڑا ہو جائے اور دوسری رکعت پڑھے اور قعدہ کرے کیونکہ مصلی نے اس کو دوسری رکعت کے حکم میں مان رکھا ہے۔ پھر کھڑا ہو کر تیسری رکعت پڑھے اور پھر قعدہ کرے اس لئے کہ ممکن ہے کہ یہ چوتھی رکعت ہو اور چوتھی رکعت پر قعدہ فرض ہے پھر کھڑا ہو کر چوتھی رکعت پڑھے اور قعدہ کرے اس لئے کہ مصلی کے نزدیک یہ چوتھی رکعت کے حکم میں ہے اور چوتھی رکعت پر قعدہ فرض ہے۔

حاصل یہ کہ قعدہ مفروضہ اور قعدہ واجبہ کے چھوٹنے کے اندیشہ سے ہر رکعت پر قعدہ کرے جس کی صورت خادم نے بالتفصیل بیان کر دی ہے، واللہ اعلم، جمیل احمد۔

باب صلٰوۃ المریض

ترجمہ...... (یہ) باب بیمار آدمی کی نماز (کے بیان) میں ہے

تشریح...... صلوٰۃ کی اضافت مریض کی طرف اضافت فعل الی الفاعل کے قبیل سے ہے مصنف ہدایہ نے بیمار کی نماز کا ذکر سجود سہو کے بعد اس لئے کیا ہے کہ مرض اور سہو دونوں عوارض سماویہ میں سے ہیں اور سہو چونکہ عام ہے مریض اور تندرست سب کو عارض ہوتا ہے اس لئے سہو کے سجدہ کا ذکر اولاً کیا گیا اور بیمار کی نماز کا ذکر ثانیاً کیا گیا ہے۔

قیام پر قادر نہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے

اذا عجز المریض عن القیام صلی قاعدا یرکع ویسجد لقوله علیه السلام لعمران بن حصین ؓ صل قائما فان لم تستطع فقاعدا فان لم تستطع فعلی الجنب تؤمی ایماء ولان الطاعة بحسب الطاقة

ترجمہ...... مریض جب کھڑا ہونے سے عاجز ہو جائے تو بیٹھ کر رکوع سجدہ کے ساتھ نماز پڑھے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے عمران بن حصین (کو جن کو بواسیر کا مرض تھا) کو فرمایا تھا کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ، پھر اگر تجھ کو اس کی استطاعت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھ پھر استطاعت نہ ہو تو کروٹ پر درانحالیکہ تو اشارہ کرے۔ اور اس لئے کہ اطاعت بقدر طاقت ہوتی ہے۔

تشریح...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ بیمار آدمی اگر کھڑا ہونے پر قادر نہ ہو بایں طور کہ کھڑا ہونے میں صحت یابی کی تاخیر کا ڈر ہے یا کھڑا ہو کر نماز پڑھنے میں ضعف شدید لاحق ہوتا ہے یا درد وغیرہ ہوتا ہے تو اس کے واسطے قیام کا ترک کرنا جائز ہے اور یہ شخص بیٹھ کر رکوع سجدے کے ساتھ نماز ادا کرے۔ دلیل عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے قال کنت بی بواسیر فسألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الصلاۃ فقال صل قائما فان لم تستطع فقاعدا فان لم تستطع فعلی جنب، امام نسائی نے یہ لفظ زیادہ کیا ہے فان لم تستطع فمستلقیا لا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا عمران بن حصین نے کہا ہے کہ مجھ کو بواسیر کا مرض تھا میں نے سید

الانبیاء ﷺ سے اس حالت میں نماز کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کھڑے ہو کر نماز ادا کرلو اور اگر اس کی طاقت
ہو بیٹھ کر ادا کرلو اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو کروٹ پر اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو چت لیٹ کر ادا کرو اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت
سے زیادہ مکلف نہیں کرتے۔

صاحب ہدایہ نے عقلی دلیل بیان کرتے ہوئے اس جملہ کا حاصل ذکر کیا ہے چنانچہ فرمایا ہے کہ طاعت بقدر طاقت ہوتی ہے یعنی نماز
قدر ممکن ہو اور جس طرح ممکن ہو اسی طرح اور اسی قدر طاعت کرلے۔

فوائد..... اگر مریض تھوڑے سے قیام پر قادر ہے مثلاً ایک آیت پڑھنے کی مقدار یا تکبیر کہنے کی مقدار پورے قیام پر قادر نہیں ہے تو اسی
ہی مقدار قیام کا حکم دیا جائے گا۔ جب عاجز ہو جائے تو بیٹھ جائے کیونکہ طاقت کے مطابق ہی طاعت ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر مریض عصا پر
لگا کر یا لاٹھی پر ٹیک لگا کر کھڑا ہو سکتا ہو تو اس کے لئے قیام کو ترک کرنا جائز نہیں ہے۔ واللہ اعلم

رکوع اور سجدہ کی طاقت نہ ہو تو اشارہ سے رکوع سجدہ کرے

قال فان لم يستطع الركوع والسجود اومى ايماء يعني قاعدا لانه وسع مثله وجعل سجوده اخفض من
ركوعه لانه قائم مقامها فاخذ حكمها ولا يرفع الى وجهه شيء يسجد عليه لقوله عليه السلام ان قدرت ان
تسجد على الارض فاسجد والافاوم برأسك وان فعل ذلك وهو يخفض رأسه اجزاه لوجود الايماء وان
وضع ذلك على جبهته لا يجزيه لانعدامه

ترجمہ..... قدوری نے کہا کہ اگر رکوع اور سجدہ کی قدرت نہ ہو تو اشارہ کرے یعنی بیٹھ کر کیونکہ یہی اس کی وسعت میں ہے۔ اور اپنے سجدہ
کو بہ نسبت رکوع کے پست کردے کیونکہ اشارہ ان دونوں کے قائم مقام ہے۔ اور اپنے چہرے کی طرف ایسی چیز نہ اٹھائے جس پر سجدہ
کرے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر تو زمین پر سجدہ کی قدرت رکھتا ہے تو زمین پر سجدہ کر ورنہ تو اپنے سر سے اشارہ کر اور اگر اس نے
کیا اور حال یہ ہے کہ وہ اپنا سر جھکاتا ہے تو اس کو کافی ہو گیا اس لئے کہ اشارہ پایا گیا ہے اور اگر اس نے اس چیز کو اپنی پیشانی پر رکھ لیا
جائز نہیں ہوگا کیونکہ اشارہ معدوم ہے۔

تشریح..... صاحب قدوری نے فرمایا ہے کہ اگر رکوع اور سجدہ کرنے کی قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر رکوع اور سجدہ اشارہ کے ساتھ ادا کرے کیونکہ
اس وقت اس کی طاقت اسی قدر ہے اور پہلے گذر چکا کہ طاعت بقدر طاقت ہوتی ہے البتہ سجدہ کا اشارہ بہ نسبت رکوع کے اشارے
پست کرے یعنی سجدہ کا اشارہ کرتے وقت سر زیادہ جھکا ہوا رہے۔ دلیل یہ ہے کہ اشارہ رکوع اور سجدہ کے قائم مقام ہے لہذا رکوع اور سجدہ
کے حکم میں ہوگا۔ اور چونکہ حقیقی سجدہ بہ نسبت رکوع کے پست ہوتا ہے اس لئے سجدہ کا اشارہ بھی بہ نسبت رکوع کے اشارے کے پست
ہوگا۔

شیخ ابوالحسن قدوری نے کہا کہ سجدہ کرنے کے لئے کوئی چیز اپنے چہرے کی طرف نہ اٹھائے دلیل حدیث رسول ﷺ ہے ان
قدرت ان تسجد على الارض فاسجد والا فاوم برأسك ' امام بزار نے اپنے مسند میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ

روایت کی ہے عن جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عاد مریضا فراہ یصلی علی وسادۃ فاخذھا فرمی بھا فاخذ عودا لیصلی علیہ فاخذہ فرمی بھا وقال صل علی الارض ان استطعت والا فاوم ایماء وجعل سجودک اخفض من رکوعک یعنی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ ایک بیمار کی عیادت کو تشریف لے گئے تو دیکھا کہ وہ تکیہ پر نماز پڑھتا ہے پس آپ ﷺ نے تکیہ لے کر پھینک دیا پھر اس نے ایک لکڑی لی تا کہ اس پر نماز پڑھے آپ ﷺ نے اس کو بھی پھینک دیا اور فرمایا کہ زمین پر نماز پڑھ اگر قدرت ہو ورنہ اشارہ کر اور اپنے سجود کو اپنے رکوع سے پست کر۔ یہ حدیث اس بات پر محمول ہے کہ وہ بیمار تکیہ اٹھا کر پیشانی سے لگاتا تھا۔ آنحضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدہ کرنے کے لئے کسی چیز کو اٹھا کر پیشانی سے لگانا درست نہیں ہے۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ مریض نے اگر تکیہ اٹھا کر پیشانی سے لگایا تو دو حال سے خالی نہیں۔ رکوع اور سجدہ کے لئے اپنا سر جھکاتا ہے یا نہیں اگر سر جھکاتا ہے تو کافی ہوگیا کیونکہ سر جھکانے سے اشارہ پایا گیا اور یہی اس پر فرض ہے البتہ مکروہ ہے۔ اور اگر تکیہ اٹھا کر پیشانی پر رکھ لیا اور سر قطعاً پست نہیں ہوا تو اس سے رکوع اور سجدہ ادا نہیں ہوگا کیونکہ اس صورت میں اشارہ معدوم ہوگیا حالانکہ یہ فرض تھا۔

بیٹھنے کی قدرت نہ ہو تو لیٹ کر نماز پڑھے اور اس کا طریقہ

فان لم یستطع القعود استلقی علی ظھرہ وجعل رجلیہ الی القبلۃ واومی بالرکوع والسجود لقولہ علیہ السلام یصلی المریض قائما فان لم یستطع فقاعدا فان لم یستطع فعلی قفاہ یؤمی ایماء فان لم یستطع فاللہ تعالیٰ احق بقبول العذر منہ

ترجمہ۔۔۔۔ اور اگر مریض کو بیٹھنے کی بھی قدرت نہ ہو تو اپنی پشت پر لیٹ جائے اور اپنے پاؤں قبلہ کی طرف رکھے اور رکوع اور سجدہ کے لئے اشارہ کرے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ بیمار کھڑے ہو کر نماز پڑھے۔ اگر اس کی قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھے اور اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو تو گدی کے بل لیٹ کر اشارہ کرے پھر اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو اللہ تعالیٰ زیادہ لائق ہیں اس سے عذر قبول کریں۔

تشریح۔۔۔۔ اگر مریض کو بیٹھنے کی قدرت نہ ہو تو اپنی پشت کے بل چت لیٹ کر جائے اور اپنے سر کے نیچے اونچا سا تکیہ رکھے تا کہ بیٹھے ہوئے کے مشابہ ہو جائے اور رکوع اور سجدہ کا اشارہ کرنا ممکن ہو کیونکہ اس کے بغیر تندرست آدمی اشارہ نہیں کر سکتا چہ جائے کہ بیمار۔ اور پاؤں قبلہ کی طرف کرلے اور رکوع اور سجدہ کا اشارہ کرے۔ دلیل آنحضرت ﷺ کا قول ہے یصلی المریض قائما فان لم یستطع فقاعدا فان لم یستطع فعلی قفاہ یؤمی ایماء فان لم یستطع فاللہ تعالیٰ احق بقبول العذر منہ حدیث کے آخری جز فاللہ احق بقبول العذر منہ، کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے بعض علماء نے کہا ہے کہ اشارہ پر قادر نہ ہونے کی صورت میں نماز ساقط نہیں ہوتی، البتہ نماز کو مؤخر کیا جا سکتا ہے جب تندرست ہو جائے قضاء کرے۔ ان حضرات کے نزدیک اس جز کی تفسیر یہ ہوگی اللہ تعالیٰ عذر تاخیر کو قبول کرنے کے لئے زیادہ لائق ہیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ ایسی حالت میں قضاء ساقط ہو جاتی ہے ان حضرات کے نزدیک تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عذر اسقاط کو قبول کرنے کے زیادہ لائق ہیں۔ صاحب عنایہ نے اسی قول کو صحیح کہا ہے۔

لیٹ کر پہلو کے بل نماز پڑھنے کا حکم

وان استلقى على جنبه ووجهه الى القبلة جاز لمارويناه من قبل الاان الاولى هو الاولى عندنا خلافا للشافعي لان اشارة المستلقى تقع الى هواء الكعبة واشارة المضطجع على جنبه الى جانب قدميه وبه تتادى الصلوٰة

ترجمہ..... اور اگر بیمار کروٹ پر لیٹا اور اس کا منہ بجانب قبلہ ہے تو جائز ہے اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے پہلے روایت کی ہے مگر پہلی ہیئت ہمارے نزدیک اولیٰ ہے امام شافعیؒ کا اختلاف ہے کیونکہ چت لیٹنے والے کا اشارہ ہوا کعبہ کی طرف پڑتا ہے اور کروٹ پر لیٹنے والے کا اشارہ اس کے دونوں قدموں کی جانب پڑتا ہے اور اسی کے ساتھ نماز ادا ہوتی ہے۔

تشریح..... صاحب قدوری نے کہا ہے کہ بیمار اگر کروٹ پر لیٹ کر اشارے سے نماز پڑھے درانحالیکہ اس کا منہ قبلہ کی جانب ہے تو بھی جائز ہے دلیل حدیث عمران بن حصین ہے جو اول باب میں مذکور ہو چکی ہے اور باری تعالیٰ کا قول یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا عَلٰی جُنُوْبِھِمْ بھی اس پر دال ہے۔ حاصل یہ ہے کہ عمران بن حصین کی حدیث فان لم تستطع فعلى الجنب يومى ايماء عبداللہ بن عمر کی حدیث فان لم يستطع فعلى قفاا يومى ايماء متعارض ہیں کیونکہ حدیث عمران ابن حصین میں کروٹ پر لیٹ کر نماز پڑھنا مذکور ہے اور عبداللہ بن عمر کی حدیث میں چت لیٹ کر نماز پڑھنا مذکور ہے۔ اور بیمار کی حالت عذر کی حالت ہے اس لئے ان دونوں حالتوں میں سے ہر ایک ہیئت پر نماز پڑھنا جائز ہے البتہ اولویت میں اختلاف ہے چنانچہ ہمارے نزدیک ہیئت اولیٰ (چت لیٹ کر) نماز پڑھنا اولیٰ ہے اور امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک ہیئت ثانیہ (کروٹ) پر نماز پڑھنا اولیٰ ہے ہمارے نزدیک وجہ اولویت یہ ہے کہ چت لیٹ کر نماز ادا کرنے کا اشارہ کعبہ کی فضاء کی طرف پڑتا ہے اور کروٹ پر لیٹ کر نماز ادا کرنے والے کا اشارہ اس کے قدموں کی طرف پڑتا ہے اور نماز اس سے ادا ہوتی ہے کہ اشارہ فضاء کعبہ کی طرف پڑے اس لئے چت لیٹ کر نماز ادا کرنا اولیٰ ہوگا۔

سر کے اشارہ تک سے عاجز ہو تو نماز کب تک مؤخر کرے گا

فان لم يستطع الايماء براسه اخرت عنه ولايؤمى بعينه ولا بقلبه ولا بحاجبيه خلافا لزفر لما روينا من قبل ولان نصب الابدال بالرأى ممتنع ولا قياس على الرأس لانه يتادى به ركن الصلوٰة دون العين واختيها وقوله اخرت عنه اشارة الى انه لاتسقط الصلوٰة عنه وان كان العجز اكثر من يوم وليلة اذا كان مفيقا وهو الصحيح لانه يفهم مضمون الخطاب بخلاف المغمى عليه

ترجمہ..... پھر اگر مریض اپنے سر سے بھی اشارہ کی قدرت نہ رکھتا ہو تو اس سے نماز کو مؤخر کر دیا جائے گا اور اشارہ نہیں کرے گا اپنی آنکھ سے اور نہ اپنے دل سے اور نہ اپنی بھنوں سے، امام زفرؒ کا اختلاف ہے اس حدیث کی وجہ سے جس کو ہم پہلے روایت کر چکے ہیں اور اس وجہ سے کہ بدل کا رائے سے مقرر کرنا ممتنع ہے اور سر پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے کیونکہ سر کے ساتھ نماز کا ایک رکن ادا ہوتا ہے نہ کہ آنکھ اور اس کی اختین (بھنوں اور قلب) سے، اور امام قدوری کا قول اخرت عنہ'' اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس سے نماز ساقط نہ ہوگی اور اگرچہ عجز ایک دن رات سے زائد ہو بشرطیکہ وہ شخص افاقہ میں ہو۔ یہی صحیح ہے کیونکہ یہ مریض مضمون خطاب کو سمجھتا ہے۔ اس کے برخلاف

ان پر بے ہوشی طاری ہوگئی ہے۔

تشریح ..... شیخ ابوالحسن قدوری نے فرمایا ہے کہ مرض اگر اس قدر بڑھ گیا کہ سر کے ساتھ اشارہ کرنے کی قدرت بھی باقی نہ رہی ہو تو نماز مؤخر کردی جائے گی لیکن آنکھوں، قلب اور بھنوؤں کے ساتھ اشارہ کرنا کافی نہ ہوگا۔ امام زفرؒ کہتے ہیں کہ ایسا مریض اپنی آنکھوں اور قلب کے ساتھ اشارہ کر کے نماز ادا کرے اور تندرست ہونے پر اس کا اعادہ کرلے۔ اسی کے قائل امام شافعیؒ ہیں ہماری دلیل وہ حدیث ہے جو سابق میں گذر چکی یعنی ان قدرت ان تسجد علی الارض فاسجد والا فاؤم بر آسک اس حدیث کے اندر مقام بیان کے موقع پر سر پر اکتفاء کیا ہے۔ اگر سر کے علاوہ کے ساتھ اشارہ کرنا جزء ہوتا تو آنحضرت ﷺ اس کو ضرور بیان فرماتے۔ آپ کا بیان نہ فرمانا عدم جواز کی دلیل ہے۔

عقلی دلیل: یہ ہے کہ اشارہ درحقیقت رکوع اور سجدہ کا بدل ہے اور بدل کا رائے سے مقرر کرنا ممنوع ہے اور حدیث کے اندر فقط سر کے ساتھ اشارہ کا ذکر ہے نہ کہ آنکھ وغیرہ کے ساتھ اشارہ کا۔ پس اگر ان چیزوں کے ساتھ اشارہ کرنے کی اجازت دے دی جائے تو بدل کا رائے سے مقرر کرنا لازم آئے گا حالانکہ یہ جائز نہیں ہے اس لئے آنکھ وغیرہ کے ساتھ اشارہ کرنا کافی نہ ہوگا۔ اور اگر آپ یہ کہیں کہ رائے سے بدل کا مقرر کرنا نہیں ہے بلکہ یہ تو سر کے حکم پر قیاس کرنا ہے یعنی جس طرح سر کے ساتھ اشارہ کرنا رکوع اور سجدہ کے لئے کافی ہے۔ اسی طرح آنکھ وغیرہ کے ساتھ اشارہ کرنا بھی کافی ہونا چاہئے۔ تو جواب یہ ہوگا کہ آنکھ وغیرہ کو سر پر قیاس کرنا درست نہیں ہے کیونکہ سر کے ساتھ نماز کا ایک رکن یعنی سجدہ ادا ہوتا ہے اور آنکھ قلب بھنوؤں کے ساتھ سجدہ ادا نہیں ہوتا یعنی ان تینوں اعضاء کو سجدہ کی ادائیگی میں کوئی دخل نہیں ہے۔ پس اس فرق کے ساتھ ایک کا دوسرے پر قیاس کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے قدوری کی عبارت اخرت عنہ سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ ایسے مریض کے ذمہ سے نماز ساقط نہ ہوگی بلکہ نماز اس کے ذمہ باقی رہے گی صحت یاب ہونے پر قضاء واجب ہوگی اگرچہ یہ حالت ایک دن رات سے زائد ہی ہو بشرطیکہ اس عرصہ میں مریض باہوش رہا ہو۔ یہی قول صحیح ہے کیونکہ یہ مریض جب افاقہ و ہوش میں ہے تو نماز کے حکم ادا کو سمجھتا ہے۔ اور جب حکم کو سمجھتا ہے تو اس پر حکم متوجہ ہے جس سے اس کے ذمہ ادا واجب ہوگئی مگر عذر کی وجہ سے بالفعل ادا سے مہلت دیدی گئی ہے یہاں تک کہ قدرت حاصل ہو اس کے برخلاف وہ شخص جو ایک دن رات سے زائد بے ہوش رہا تو چونکہ وہ فہم خطاب سے عاجز ہے اس لئے نماز اس کے ذمہ سے ساقط ہوجائے گی۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ بیماری کی یہ حالت کہ جس میں سر کے ساتھ اشارہ پر بھی قدرت نہ ہو اگر ایک دن رات سے زائد ہے تو اس پر قضاء واجب نہ ہوگی اور ایک دن رات سے کم ہے تو قضاء لازم ہوجائے گی۔

قیام پر قادر ہو رکوع سجدہ پر قادر نہ ہو اس کے لئے کیا حکم ہے

وان قدر علی القیام ولم یقدر علی الرکوع والسجود لم یلزمہ القیام و یصلی قاعدا یؤمی الایماء لان رکنیۃ القیام للتوسل بہ الی السجدۃ لما فیھا من نھایۃ التعظیم فاذا کان لایتعقبہ السجود لایکون رکنا فیتخیر والافضل ھو الایماء قاعدا لانہ اشبہ بالسجود

ترجمہ ..... اور اگر مریض کو قیام پر قدرت ہے اور رکوع اور سجود پر قدرت نہیں ہے تو اس پر قیام کرنا لازم نہ رہا۔ اور بیٹھ کر پڑھے درانحالیکہ

اشارہ کرتا ہو اس لئے کہ قیام کا رکن ہونا اس غرض سے ہے کہ قیام کے وسیلہ سے سجدہ ادا ہو کیونکہ ایسے سجدہ میں انتہائی تعظیم ہے پس جب قیام ایسا ہو کہ اس کے بعد سجدہ نہ ہو تو قیام رکن نہیں رہے گا۔ اس لئے مریض کو اختیار ہے افضل تو بیٹھ کر اشارہ کرنا ہے کیونکہ بیٹھ کر اشارہ کرنا حقیقی سجدہ کے زیادہ مشابہ ہے۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایسا بیمار ہے کہ وہ قیام پر تو قادر ہے لیکن رکوع اور سجدہ کرنے پر قدرت نہیں ہے تو اس پر قیام لازم نہ ہوگا۔ بلکہ وہ بیٹھ کر اشارہ کے ساتھ نماز ادا کرے۔ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اگر قیام پر قدرت ہو اور رکوع اور سجود پر قدرت نہ ہو تو قیام اس کے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ قیام رکن ہے اور مریض اس سے عاجز نہیں ہے بلکہ دوسرے رکن یعنی رکوع اور سجدہ سے عاجز ہے پس رکوع اور سجدہ سے عاجز ہونے کی وجہ سے قیام کیونکر ساقط ہوگا ہماری دلیل یہ ہے کہ قیام فقط اس غرض سے رکن ہے کہ وہ ادائے سجدہ کا وسیلہ ہوتا ہے اور قیام ادائے سجدہ کا وسیلہ اس لئے ہے کہ قیام کے بعد سجدہ کرنے میں انتہائی تعظیم ہے پس جب قیام کے بعد سجدہ نہ ہو وہ قیام رکن نہیں ہوگا اور جب اس حالت میں قیام رکن نہ رہا تو بیمار مصلی کو قیام کرنے اور نہ کرنے میں اختیار ہے البتہ افضل یہ ہے کہ بیٹھ کر رکوع سجدہ کا اشارہ کرے کیونکہ بیٹھ کر سجدہ کا اشارہ کرنا حقیقی سجدہ کے زیادہ مشابہ ہے اس لئے کہ بیٹھ کر اشارہ کرتے وقت سر زمین سے زیادہ قریب ہو جائے گا بہ نسبت کھڑے ہو کر اشارہ کرنے کے۔

تندرست نے نماز کھڑے ہو کر شروع کی پھر مرض لاحق ہو گیا بیٹھ کر مکمل کرے

وان صلی الصحیح بعض صلوٰتہ قائما ثم حدث بہ مرض اتمھا قاعدا یرکع و یسجدا یؤمی ان لم یقدر او مستلقیا ان لم یقدر لانہ بنی الادنیٰ علی الاعلی فصار کا لاقتداء

ترجمہ...... اور اگر تندرست آدمی نے نماز کا کچھ حصہ کھڑے ہو کر پڑھا پس اس کو مرض حادث ہو گیا تو بیٹھ کر نماز کو پورا کرے درانحالیکہ رکوع اور سجدہ کرے یا اشارہ کرے اگر (رکوع سجدہ پر) قادر نہ ہو یا لیٹ کر (نماز پوری کرے) اگر (بیٹھنے پر) قادر نہ ہو کیونکہ اس نے ادنیٰ کو اعلیٰ پر مبنی کیا ہے لہٰذا اقتداء کے مانند ہو گیا۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر تندرست آدمی نے نماز کا ایک حصہ کھڑے ہو کر ادا کیا پھر درمیان نماز ایسا مرض لاحق ہو گیا کہ قیام پر قادر نہ رہا تو اگر رکوع سجدہ پر قدرت ہو تو بیٹھ کر رکوع سجدہ کے ساتھ نماز پوری کرے اور اگر رکوع سجدہ پر قدرت نہ ہو تو رکوع سجدہ کا اشارہ کرے اور نماز پوری کرے اور اگر اس قدر مریض ہو گیا کہ بیٹھنے پر بھی قدرت نہ رہی تو چت لیٹ کر نماز پوری کرے۔ دلیل یہ ہے کہ ان تینوں صورتوں میں ادنیٰ کی بناء اعلیٰ پر کی گئی ہے اور ادنیٰ کی بناء اعلیٰ پر کرنا جائز ہے جیسے کہ ادنیٰ حال والے کا اعلیٰ حال والے کی اقتداء کرنا جائز ہے یعنی جس طرح بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کا کھڑے ہو کر پڑھنے والے کی اقتداء جائز ہے اسی طرح خود اپنے حق میں یہ بات جائز ہے کہ نماز کا اول حصہ کھڑے ہو کر پڑھے پھر عذر کی وجہ سے بعد کا حصہ بیٹھ کر پڑھے۔

حالت مرض میں بیٹھ کر نماز پڑھی اور رکوع سجدہ اشارہ سے کیا پھر تندرست ہو گیا کھڑے ہو کر پہلی نماز پر بنا کر سکتا ہے یا نہیں، اقوالِ فقہاء

ومن صلى قاعدا يركع ويسجد لمرض ثم صح بنى على صلاته قائما عند ابى حنيفة و ابى يوسفؒ و قال محمدؒ استقبل بناء على اختلافهم فى الاقتداء وقد تقدم بيانه

ترجمہ ..... اور جو شخص کسی مرض کی وجہ سے بیٹھ کر رکوع سجدہ کے ساتھ نماز پڑھتا ہے پھر تندرست ہو گیا تو شیخین کے نزدیک اپنی نماز کھڑے ہو کر بناء کرے اور امام محمدؒ نے فرمایا از سر نو پڑھے (یہ اختلاف ان کے اقتداء کے اندر اختلاف پر مبنی ہے اور اس کا بیان پہلے گذر چکا ہے۔

تشریح ..... صورت مسئلہ ایک شخص نے مرض کی وجہ سے رکوع اور سجدہ کے ساتھ بیٹھ کر نماز کا ایک حصہ ادا کیا پھر نماز کے درمیان ہی تندرست ہو کر قیام پر قادر ہو گیا تو شیخین کے نزدیک کھڑے ہو کر اپنی نماز پر بناء کرے اور امام محمدؒ کے نزدیک از سر نو نماز پڑھے۔

امام محمدؒ اور شیخینؒ کا اصل اختلاف اس بات میں ہے کہ قائم قاعد کے پیچھے اقتداء کر سکتا ہے یا نہیں؟ امام محمدؒ نے فرمایا کہ قائم کا قاعد کے پیچھے اقتداء کرنا جائز نہیں ہے اور شیخین نے فرمایا کہ جائز ہے پس چونکہ امام محمدؒ کے نزدیک قائم کا قاعد کے پیچھے اقتداء کرنا جائز ہے تو حالت قیام نماز کی بناء کرنا بحالت قعود نماز پر بھی ناجائز ہے اور شیخین کے نزدیک قائم کا قاعد کے پیچھے اقتداء کرنا چونکہ جائز ہے لہذا اپنے حق میں بھی حالت قیام کی نماز کو حالت قعود کی نماز پر مبنی کرنا جائز ہوگا۔

نماز کی کچھ رکعتیں اشارے سے پڑھیں پھر رکوع سجدہ پر قادر ہو گیا بالاتفاق نئے سرے سے نماز پڑھے

وان صلى بعض صلوته بايماء ثم قدر على الركوع والسجود استانف عندهم جميعا لانه لايجوز اقتداء الراكع بالمومى فكذا البناء

ترجمہ ..... اور اگر نماز کا ایک حصہ اشارے کے ساتھ ادا کیا پھر رکوع اور سجدہ پر قادر ہو گیا تو ائمہ ثلٰثہ کے نزدیک نماز از سر نو پڑھے۔ اس لئے کہ رکوع کرنے والے کا اشارہ کرنے والے کی اقتداء کرنا جائز نہیں ہے۔ یہی حال بناء کا ہے۔

تشریح ..... مسئلہ ایک شخص نے عجز کی وجہ سے نماز کا ایک حصہ اشارے کے ساتھ ادا کیا پھر درمیان نماز رکوع اور سجدے پر قادر ہو گیا تو ائمہ ثلٰثہ (ابوحنیفہ، صاحبین) کے نزدیک از سر نو نماز پڑھے، امام زفرؒ نے فرمایا کہ اس صورت میں بھی بناء کرنا جائز ہے۔ دلیل یہ ہے کہ ان کے نزدیک رکوع کرنے والے کی اشارہ کرنے والے کی اقتداء کرنا جائز نہیں ہے اور امام زفرؒ کے نزدیک جائز ہے پس یہی حال بناء کا ہے۔

نفل کھڑے ہو کر شروع کئے پھر ٹیک لگالی تو کیا حکم ہے

ومن افتتح التطوع قائما ثم اعيى لاباس ان يتوكا على عصا اوحائط اويقعد لان هذا عذر وان كان الاتكاء

بغیر عذر یکرہ لانہ اساءۃ فی الادب و قیل لایکرہ عند ابی حنیفۃ لانہ لو قعدہ عندہ یجوز من غیر عذر فکذا لایکرہ الاتکاء وعندھما یکرہ لانہ لا یجوز القعود عندھما فیکرہ الاتکاء

ترجمہ ...... اور جس شخص نے نفل کو کھڑے ہو کر شروع کیا پھر وہ تھک گیا تو اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ وہ لاٹھی یا دیوار پر ٹیک لگائے یا بیٹھ جائے کیونکہ یہ عذر ہے اور اگر ٹیک لگانا بغیر عذر ہو تو مکروہ ہے کیونکہ یہ بے ادبی ہے اور کہا گیا کہ ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک اگر بغیر عذر بیٹھ گیا تو جائز ہے اسی طرح ٹیک لگانا بھی مکروہ نہیں ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک مکروہ ہے کیونکہ ان کے نزدیک بیٹھنا ناجائز ہے پس ٹیک لگانا بھی مکروہ ہے۔

تشریح ...... اگر کسی نے نفل نماز کھڑے ہو کر شروع کی پھر کسی چیز پر ٹیک لگائی تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ ٹیک لگانا عذر کی وجہ سے ہوگا یا بغیر عذر کے ہوگا اگر اول ہے تو مثلاً تکان ہو گیا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور اگر ثانی صورت ہے تو بعض مشائخ نے کہا ہے کہ بالاتفاق احناف مکروہ ہے۔ وجہ کراہت یہ ہے کہ بلا عذر ٹیک لگانے میں سوئے ادب اور بے ادبی ہے۔ لیکن اس قول کی بنیاد پر امام ابوحنیفہؒ کی طرف سے بلا عذر بیٹھنے اور بلا عذر ٹیک لگانے میں فرق بیان کرنا ضروری ہو گیا کیونکہ امام صاحبؒ کے نزدیک بلا عذر بیٹھنا غیر مکروہ ہے اور بلا عذر ٹیک لگانا مکروہ ہے سو وجہ فرق یہ ہے کہ ابتداءً کھڑے ہو کر نفل شروع کرنے میں اور بیٹھ کر شروع کرنے میں نفل پڑھنے والے کو اختیار ہے پس یہ اختیار انتہاءً بھی بلا کراہت باقی رہے گا۔

البتہ اس کو یہ اختیار نہیں کہ ابتداءً نفل نماز ٹیک لگا کر پڑھے یا بغیر ٹیک لگائے پڑھے پس جب ابتداءً یہ اختیار نہیں ہے تو انتہاءً بھی یہ اختیار نہ ہوگا بعض مشائخ نے کہا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز کے درمیان اگر بغیر عذر کے ٹیک لگائی تو بلا کراہت جائز ہے۔ دلیل یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک بغیر عذر نفل نماز کے درمیان بیٹھنا مکروہ نہیں ہے لہذا ٹیک لگانا بھی مکروہ نہ ہوگا کیونکہ بیٹھنا جو منافی قیام ہے جب وہ مکروہ نہیں تو ٹیک لگانا جو قیام کے منافی بھی نہیں ہے وہ بدرجہ اولیٰ مکروہ نہ ہوگا۔ صاحبینؒ کے نزدیک بلا عذر ٹیک لگانا مکروہ ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ ان کے نزدیک بلا عذر بیٹھنا مکروہ ہے لہذا ٹیک لگانا بھی مکروہ ہوگا۔

بغیر عذر کے بیٹھ کر نماز پڑھنا مکروہ ہے

وان قعد بغیر عذر یکرہ بالاتفاق و تجوز الصلوۃ عندہ ولاتجوز عندھما وقد مر فی باب النوافل

ترجمہ ...... اور اگر بغیر عذر بیٹھ گیا تو بالاتفاق مکروہ ہے اور امام صاحب کے نزدیک نماز جائز اور صاحبینؒ کے نزدیک ناجائز ہے اور باب النوافل میں یہ مسئلہ گذر چکا ہے۔

تشریح ...... مسئلہ اگر کسی آدمی نے کھڑے ہو کر نفل نماز شروع کی پھر بلا عذر بیٹھ گیا تو بالاتفاق مکروہ ہے لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کراہت کے باوجود نماز جائز ہو جائے گی اور صاحبینؒ کے نزدیک اس صورت میں نماز ہی جائز نہ ہوگی۔

اس عبارت میں قدرے تسامح ہے اس طور پر کہ صاحبین اس صورت میں عدم جواز کے قائل ہیں اور عدم جواز کو کراہت کے ساتھ متصف نہیں کیا جاتا ہے لہذا صاحبین کے مسلک کی بناء پر یکرہ بالاتفاق" کہنا کس طرح درست ہوگا دوسری بات یہ ہے کہ اس

پس امام ابوحنیفہ کا مذہب بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ نفل نماز کے درمیان بلا عذر بیٹھنا مکروہ ہے اور اس سے پہلے مسئلہ میں خادم نے ذکر کیا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک بلا عذر بیٹھنا غیر مکروہ ہے سو تطبیق یہ ہے کہ مبسوط کے بیان کے مطابق حضرت امام صاحب کا قول عدم کراہت کا ہے اور ایک قول کراہت کا ہے پس گذشتہ مسئلہ میں قول صحیح ذکر کیا گیا ہے اور اس مسئلہ میں دوسرا قول ذکر کر دیا گیا ہے۔

کشتی میں بغیر عذر کے بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم......اقوالِ فقہاء

ومن صلى في السفينة قاعدا من غير علة اجزاه عند ابي حنيفة والقيام افضل و قالا لايجزيه الا من عذر لان القيام مقدور عليه فلا يترك وله ان الغالب فيها دوران الرأس وهو كالمتحقق الا ان القيام افضل لانه أبعد من شبهة الخلاف والخروج افضل ما امكنه لانه اسكن لقلبه والخلاف في غير المربوطة والمربوطة كالشط هو الصحيح

ترجمہ......اور جس شخص نے بغیر کسی بیماری کے چلتی ہوئی کشتی میں بیٹھ کر نماز پڑھی تو ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے اور کھڑا ہونا افضل ہے اور صاحبین کے نزدیک جائز نہ ہوگی مگر عذر سے کیونکہ قیام پر اس کو قدرت حاصل ہے تو وہ ترک نہ کیا جائے گا اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ کشتی کے اندر بالعموم سر گھومتا ہے اور وہ متحقق کے مانند ہے۔ مگر یہ کہ قیام افضل ہے اس لئے کہ وہ شبہ خلاف سے دور تر ہے اور جس قدر ممکن ہو کشتی سے باہر نکل آنا افضل ہے کیونکہ اس میں اطمینان قلب ہے اور اختلاف بغیر بندھی ہوئی کشتی میں ہے اور بندھی ہوئی کشتی دریا کے کنارے کے مانند ہے یہی صحیح ہے۔

تشریح...... صاحب عنایہ نے فرمایا کہ کشتی میں نماز پڑھنے والا قیام سے عاجز ہوگا یا عاجز نہیں ہوگا۔ اگر عاجز ہے تو بالاتفاق بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے اور اگر قیام سے عاجز نہیں تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔ کشتی ٹھہری ہوئی ہوگی یا چلتی ہوئی ہوگی اگر اول ہے تو بالاتفاق بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے اور اگر ثانی ہے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک بغیر کسی بیماری کے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے لیکن کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ بغیر عذر کے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے یہی مذہب امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ کا ہے صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ قیام پر اس کو قدرت حاصل ہے اور قدرت علی القیام کی صورت میں قیام کو ترک نہیں کیا جاتا۔ لہذا اس صورت میں بھی قیام کو ترک نہیں کیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ چلتی ہوئی کشتی میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے بالعموم دوران رأس (سر کا چکر) ہوتا ہے اور غالب بمنزلہ متحقق کے ہوتا ہے مثلاً کروٹ پر سونے کو حدث کہا گیا ہے کیونکہ اس حالت میں بالعموم اعضاء کے ڈھیلے پڑ جانے کی وجہ سے ریح خارج ہو جاتی ہے پس غالب کو متحقق کرے مرتبہ میں اتار کر نقض وضو کا حکم لگا دیا جاتا ہے۔ اسی طرح یہاں دوران رأس کے غالب احتمال کو متحقق کے مرتبہ میں اتار کر یہ کہا گیا ہے کہ گویا یہ شخص قیام سے عاجز ہے اور جب قیام سے عاجز ہے تو بیٹھ کر نماز پڑھنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ البتہ امام صاحب کے نزدیک بھی کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے کیونکہ کھڑے ہو کر پڑھنا اختلاف کے شبہ سے دور ہے یعنی بیٹھ کر نماز پڑھنے میں علماء کا اختلاف ہے لیکن کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی صورت میں اختلاف کی زحمت سے نجات مل جائے گی۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہے کہ اگر ممکن ہو تو نماز کے لئے کشتی سے باہر نکل آنا افضل ہے کیونکہ اس میں ہر ایک کے قلب کو سب سے

زیادہ اطمینان ہے لیکن اگر کشتی سے نکلنا ممکن ہو مگر اس کے باوجود نہیں نکلا بلکہ کشتی ہی میں نماز پڑھی تو بھی جائز ہے۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ بغیر عذر بیٹھ کر نماز پڑھنے کے جواز اور عدم جواز کا اختلاف ایسی کشتی میں ہے جو کنارے پر بندھی ہوئی نہ ہو بلکہ چلتی ہو اور جو کشتی دلمیا کے کنارے بندھی ہو وہ دریا کے کنارے کے مانند ہے یعنی جس طرح بغیر عذر زمین پر دریا کے کنارے بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں ہے اسی طرح بندھی ہوئی کشتی میں بھی بلا عذر بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے صحیح قول یہی ہے۔

پانچ یا پانچ سے کم نمازوں میں بے ہوشی طاری رہی تو قضاء ہے اور اس سے زیادہ میں نہیں

ومن اغمی علیه خمس صلوات او دونها قضی وان کان اکثر من ذٰلک لم یقض وهذا استحسانا والقیاس ان لاقضاء علیه اذا استوعب الاغماء وقت صلوٰة کامل لتحقق العجز فشبه الجنون وجه الاستحسان ان المدة اذا طالت کثرت الفوائت فیحرج فی الادا و اذا قصرت قلت فلا حرج والکثیر ان تزید علی یوم ولیلة لانه یدخل فی حد التکرار والجنون کالاغماء کذا ذکره ابو سلیمان بخلاف النوم لان امتداده نادر فیلحق بالقاصر ثم الزیادة تعتبر من حیث الاوقات عند محمد لان التکرار یتحقق به وعندهما من حیث الساعات هو الماثور عن علی و ابن عمرؓ و الله اعلم بالصواب

ترجمہ...... اور جس پر پانچ نمازوں تک یا اس سے کم بے ہوشی طاری ہوئی تو ان کی قضاء کرے اور اگر ان سے زیادہ تو قضاء نہ کرے اور یہ استحسان ہے اور قیاس یہ ہے کہ اس پر قضاء نہ ہو جب کہ اغماء نے ایک نماز کا پورا وقت گھیر لیا کیونکہ عجز متحقق ہو گیا پس اغماء جنون کے مشابہ ہو گیا اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ مدت اغماء جب دراز ہو جائے گی تو قضاء نمازیں بہت ہو جائیں گی پس ان کی قضاء کرنے میں حرج میں پڑ جائے گا۔ اور مدت تھوڑی ہو گی تو قضائیں تھوڑی ہوں گی اس لئے حرج میں نہ پڑے گا۔ اور کثیر یہ ہے کہ قضائیں ایک دن رات سے بڑھ جائیں کیونکہ وہ تکرار کی حد میں داخل ہو جاتی ہیں اور جنون اغماء کے مانند ہے ایسا ہی ابو سلیمان نے ذکر کیا ہے۔ بخلاف نیند کے اس لئے کہ نیند کا اس قدر دراز ہونا نادر ہے تو نیند کو عذر قاصر کے ساتھ لاحق کیا جائے گا پھر زیادت اور کثرت امام محمدؒ کے نزدیک اوقات کے شمار سے معتبر ہے کیونکہ تکرار اسی کے ساتھ متحقق ہو گا۔ اور شیخینؒ کے نزدیک ساعات سے شمار ہے۔ یہی حضرت علی اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے واللہ اعلم بالصواب

تشریح...... مسئلہ اگر کوئی شخص پانچ نمازوں سے زائد بے ہوش رہا تو ان کی قضاء واجب نہیں ہے یہ حکم بنظر استحسان ہے اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر بے ہوشی نے ایک نماز کا پورا وقت گھیر لیا تو اس پر قضاء واجب نہ ہو گی۔ اسی کے قائل امام مالکؒ اور امام شافعیؒ ہیں حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ فوت شدہ نمازوں کی قضاء واجب ہے اگر چہ ایک ہزار نمازیں ہوں۔ حاصل یہ ہے کہ حنابلہ کے نزدیک اغماء کی وجہ سے فوت شدہ نمازیں تھوڑی ہوں یا زیادہ بہر صورت قضاء کرنا واجب ہے اور امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک اگر اغماء نے ایک نماز کا پورا وقت گھیر لیا اور ایک ہی نماز فوت ہوئی تو بھی قضاء واجب نہ ہو گی یعنی اغماء کی وجہ سے فوت شدہ نمازیں تھوڑی ہوں یا زیادہ دونوں صورتوں میں قضاء واجب نہ ہو گی۔ ہمارے علماء نے درمیانی راہ اختیار کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر اغماء کی وجہ سے فوت شدہ نمازیں قلیل ہیں تو ان کی قضاء کرنا واجب ہے۔ اور اگر کثیر ہیں تو قضاء کرنا واجب نہیں ہے۔

حنابلہ کی دلیل یہ ہے کہ اغماء ایک قسم کا مرض ہے اور مرض کے اندر جس قدر نمازیں فوت ہو جائیں ان کی قضاء واجب ہوتی ہے لہذا
صورت میں بھی قضاء واجب ہوگی خواہ فوت شدہ نمازیں کثیر ہی کیوں نہ ہوں۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب اغماء
نماز کا پورا وقت گھیر لیا تو عجز متحقق ہو گیا اور بقول بعض جنون کے مشابہ ہو گیا پس بعض حضرات کے نزدیک جس طرح ایک نماز کے
وقت کا جنون قضاء واجب نہیں کرتا اسی طرح اغماء کی صورت میں بھی قضاء واجب نہ ہوگی۔

جہ استحسان جو علماء احناف کی دلیل ہے یہ ہے کہ مدت اغماء جب دراز ہو جائے گی تو فوت شدہ نمازیں کثیر ہو جائیں گی۔ اب اگر ان
ات کثیرہ کی قضاء کا حکم دیا جائے گا تو وہ شخص حرج میں پڑ جائے اور چونکہ شریعت اسلام میں حرج کو دور کیا گیا ہے اس لئے ان فوائت
ثیرہ کی قضاء واجب نہیں کی گئی۔ اور اگر مدت اغماء کم ہے تو فوت شدہ نمازیں قلیل ہوں گی اور فوائت قلیلہ کی قضاء کرنے میں چونکہ کوئی
ج نہیں ہے اس لئے فوائت قلیلہ کی قضاء کا حکم دیا گیا ہے احناف کی دلیل کو اس طرح بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ عذر تین طرح کے ہیں
متد جیسے بچپن تو یہ بالاجماع مانع فرضیت ہے دوم قاصر جیسے نیند کہ وہ بالاتفاق مانع نہیں حتی کہ نیند کی وجہ سے اگر نماز فوت ہوگئی تو اس کی
ء واجب ہے سوم جو درمیانی درجہ پر ہے جنون اور اغماء پر اگر یہ دراز ہو جائیں تو ممتد کے ساتھ لاحق ہوں گے حتی کہ قضاء ساقط ہو جائے
اور اگر کم ہوں تو قاصر کے ساتھ لاحق ہونگے حتی کہ قضاء واجب ہوگی۔

واضح ہو کہ کثرت کی حد یہ ہے کہ فوت شدہ نمازیں ایک رات و دن سے بڑھ جائیں حتی کہ چھٹی نماز کا وقت نکل جائے کیونکہ جب چھٹی
کا وقت نکل گیا تو نمازوں میں تکرار شروع ہو گیا اور تکرار کے بعد کثرت کا ظاہر ہونا امر لابدی ہے۔

صاحب ہدایہ نے ”والجنون کالاغماء“ سے امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے قیاس کا جواب دیا ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اغماء
ن کے مانند نہیں بلکہ جنون اغماء کے مانند ہے یعنی جنون اگر پانچ نمازوں سے زائد رہا تو قضاء ساقط ہوگی اور اگر کم ہے تو ساقط نہ ہوگی۔
بسوطؒ نے یہی ذکر کیا ہے اس کے برخلاف نیند کہ اگر وہ زائد بھی ہو تب بھی قضاء ساقط نہ ہوگی کیونکہ نیند کا ممتد ہونا نادر ہے لہذا اس کو
قاصر کے ساتھ لاحق کیا جائے گا نہ کہ عذر ممتد کے ساتھ۔

علماء احناف اس بات پر متفق ہیں کہ کثیر کی حد یہ ہے کہ قضاء نمازیں ایک رات دن سے بڑھ جائیں لیکن اس میں اختلاف ہے کہ یہ
دتی من حیث الاوقات معتبر ہے یا من حیث الساعات معتبر ہے؟ امام محمدؒ نے فرمایا کہ من حیث الاوقات معتبر ہے یعنی اگر چہ چھ نمازیں
ت ہوگئیں اور چھٹی نماز کا وقت گذر گیا تو کثرت ثابت ہو جائے گی اور کثرت فوائت کی وجہ سے قضاء واجب نہ ہوگی اور اگر چھٹی نماز کا
وقت نہیں گذرا بلکہ کچھ ساعتیں گذری ہیں تو امام محمدؒ کے نزدیک کثرت ثابت نہ ہوگی اور اس کے ذمہ سے قضاء ساقط نہ ہوگی۔
ہدایہ نے امام محمدؒ کی دلیل ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ تکرار چھ نمازوں کے فوت ہونے سے ہی متحقق ہوگا اور چھ نمازوں کا فوت ہونا
ضی الی الحرج ہے جو قضاء کو ساقط کرنے والا ہے لہذا کثرت کی تحدید میں نمازوں کا فوت ہونا ہی معتبر ہے شیخینؒ نے کہا ہے کہ کثرت
میں ساعات معتبر ہیں نہ کہ اوقات یعنی ایک دن رات سے اگر ایک دو ساعت بھی زیادہ ہوگئی تو کثرت ثابت نہ ہو جائے گی یہی
ت علی اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ ثمرۂ اختلاف اس صورت میں ظاہر ہوگا کہ ایک شخص پر چاشت کے وقت
ثی طاری ہوگئی پھر اگلے دن زوال سے ایک ساعت پہلے افاقہ ہو گیا (ہوش آ گیا) تو یہ ساعات کے اعتبار سے ایک دن رات سے
ہے لہذا شیخینؒ کے نزدیک اس پر قضاء واجب نہ ہوگی اور امام محمدؒ کے نزدیک اس پر قضاء واجب ہوگی کیونکہ اس صورت میں نمازوں کے

اندر پانچ پر اضافہ نہیں ہوا ہے صحیح حکم کو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ جمیل احمد عفی عنہ۔

باب فی سجدة التلاوة

ترجمہ...... (یہ) باب تلاوت کے سجدہ (کے بیان) میں ہے۔

تشریح...... مناسب بات یہ تھی کہ سجدۂ تلاوت کو سجدۂ سہو کے فوراً بعد ذکر کیا جاتا اس لئے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک سجدہ ہے مگر چونکہ مریض کی نماز عارض سماوی کی وجہ سے ہے اور سہو بھی عارض سماوی سے ہوتا ہے اس مناسبت کی وجہ سے سجدۂ سہو کے بعد صلوۃ مریض کا بیان کیا گیا ہے پس جب اس مناسبت کی وجہ سے سجدۂ سہو کے بعد صلوۃ مریض کا بیان کیا گیا ہے تو سجدۂ تلاوت کا بیان لازماً مؤخر ہو جائے گا۔

سجدۂ تلاوت میں حکم کی اضافت سبب کی طرف کی گئی ہے کیونکہ تلاوت کے سجدہ کا سبب تلاوت ہی ہے لیکن اگر کوئی اعتراض یوں کرے کہ تلاوت کے علاوہ سماع بھی سجدہ کا سبب ہے تو اس طرح کہنا چاہئے تھا کہ سجود التلاوت والسماع اس کا جواب یہ ہے کہ تلاوت جس طرح سجدہ کا سبب ہے اسی طرح سماع کا بھی سبب ہے پس تلاوت کا ذکر من وجہ سماع کے ذکر کو بھی مشتمل ہے اس لئے تلاوت کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

قرآن کریم میں کل کتنے سجدے ہیں اور کون کون سی سورت میں ہیں

قال سجود التلاوة فی القرآن اربعة عشر فی اخر الاعراف وفی الرعد والنحل و بنی اسرائیل و مریم والاولیٰ من الحج والفرقان والنمل والٓمٓ تنزیل و صٓ و حٰمٓ السجدة والنجم واذا السماء انشقت واقرأ كذا كتب فی مصحف عثمان وهو المعتمد والسجدة الثانية فی الحج للصلوٰة عندنا و موضع السجدة فی حٰمٓ السجدة عند قوله لا يسأمون فی قول عمرو هو الماخوذ للاحتياط

ترجمہ...... صاحب قدوری نے کہا کہ قرآن میں تلاوت کے سجدے چودہ ہیں سورۂ اعراف کے آخر میں، سورۂ رعد میں، سورۂ نحل میں، بنی اسرائیل میں، سورۂ مریم میں، پہلا سجدہ سورۂ حج میں، سورۂ فرقان میں، سورۂ نمل میں، سورۂ الم تنزیل میں، سورۂ ص میں، سورۂ حم السجدہ میں، سورۂ النجم میں، سورۂ اذا السماء انشقت میں اور سورۂ اقرأ میں، اسی طرح حضرت عثمانؓ کے مصحف میں لکھا ہوا ہے اور وہی معتمد ہے، سورۂ حج میں دوسرا سجدہ ہمارے نزدیک نماز کے لئے ہے۔ اور حم السجدہ میں موضع سجدہ حضرت عمرؓ کے قول کے مطابق لا یسأمون ہے اور یہی قول بنظر احتیاط لیا گیا ہے۔

تشریح...... صاحب قدوری نے کہا ہے کہ قرآن پاک میں آیات سجدہ چودہ ہیں،

۱) سورۂ اعراف کے آخر میں، اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّکَ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ یُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ یَسْجُدُوْنَ (پ۹، ع۱۴)

۲) سورۂ رعد میں ہے، وَ لِلّٰهِ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ کَرْهًا وَّ ظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ (پ۱۳، ع۱)

۳) سورۂ نحل میں ہے، یَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ۔ (پ۱۴، ع۱۴)

۴) سورۂ بنی اسرائیل میں ہے، وَ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ یَبْکُوْنَ وَ یَزِیْدُهُمْ خُشُوْعًا۔ (پ۱۵، ع۱۲)

۵) سورۂ مریم میں ہے، اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ بُكِیًّا ۔ (پ۱۶، ع۷)

۶) سورۂ حج کا پہلا سجدہ ہے، فَمَنْ یُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ ۔ (پ۱۷، ع۹)

۷) سورۂ فرقان میں ہے، وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَ مَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا (پ۱۹، ع۳)

۸) سورۂ نمل میں ہے، مَا تُخْفُوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ. اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ (پ۱۹، ع۱۷)

۹) سورۂ سجدہ (الم تنزیل) میں ہے، اِنَّمَا یُؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ سَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ ۔ (پ۲۱، ع۱۵)

۱۰) سورۂ ص میں ہے، فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ط وَ اِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰی وَ حُسْنَ مَاٰبٍ (پ۲۳، ع۱۱)

۱۱) سورۂ حم سجدہ میں ہے، یُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ هُمْ لَا یَسْـَٔمُوْنَ (پ۲۴، ع۱۹)

۱۲) سورۂ النجم میں ہے، فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَ اعْبُدُوْا (پ۲۷، ع۷)

۱۳) سورۂ اذا السماء انشقت میں ہے، وَ اِذَا قُرِئَ عَلَیْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا یَسْجُدُوْنَ (پ۳۰، ع۹)

۱۴) سورۂ علق میں ہے، وَاسْجُدْ وَ اقْتَرِبْ (پ۳۰، ع۲۱)

صاحب ہدایہ نے ان چودہ مواضع سجدہ پر مصحف عثمان سے استدلال کیا ہے اور مصحف عثمان ہی معتمد ہے۔

والسجدۃ الثانیہ فی الحج الخ سے ایک اختلاف کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ امام شافعیؒ کے نزدیک بھی آیات سجدہ چودہ ہیں لیکن ان کے نزدیک سورۂ حج میں دونوں سجدے سجدہ تلاوت ہیں اور سورۂ ص میں سجدہ تلاوت نہیں ہے بلکہ سجدہ شکر ہے اور ہمارے نزدیک سورۂ حج کا پہلا سجدہ سجدۂ تلاوت ہے دوسرے سجدہ سے نماز کا سجدہ مراد ہے نہ کہ سجدہ تلاوت اور سورۂ ص میں ہمارے نزدیک سجدہ تلاوت ہے سورۂ حج میں دو سجدے ہونے پر امام شافعیؒ کا مستدل عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فضلت الحج بسجدتین من لم یسجد هما لم یقراهما 'یعنی سورۂ حج کو دو سجدوں کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے جس نے ان دونوں کو نہیں کیا گویا ان کو نہیں پڑھا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے قالا سجدۃ التلاوۃ فی الحج ھی الاولیٰ والثانیۃ سجدۃ الصلوٰۃ فرمایا کہ سورۂ حج کے اندر تلاوت کا سجدہ پہلا ہے اور دوسرا نماز کا سجدہ ہے اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ دوسرے سجدے کو رکوع کے ساتھ ملا کر ذکر کیا ہے چنانچہ فرمایا ہے وارکعو واسجدوا قاعدہ ہے کہ جو سجدہ رکوع کے ساتھ مقترن ہو اس سے نماز کا سجدہ مراد ہوتا ہے جیسے حضرت مریم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے واسجدی وارکعی اور عقبہ بن عامر کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ کے قول فضلت بسجدتین کی تاویل یہ ہے کہ پہلا سجدہ تلاوت کا ہے اور دوسرا سجدہ نماز کا ہے۔

رہا یہ کہ سورۂ ص کے اندر سجدہ شکر ہونے پر امام شافعیؒ کی دلیل کیا ہے سو صاحب عنایہ کے بیان کے مطابق یہ حدیث مستدل ہے تلا فی خطبتہ سورۃ ص فتشزن الناس السجود فقال علام تشزنتم انها توبۃ نبی وقال صلی اللہ علیہ وسلم

سجدھا داؤد توبۃ ونحن نسجدھا شکرا 'یعنی آنحضرت ﷺ نے اپنے خطبہ میں سورۂ ص کی تلاوت فرمائی (آیت سجدہ کی تلاوت کے وقت) لوگوں نے سجدہ کرنے کی تیاری کی تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگ سجدہ کے لئے کیوں تیار ہو گئے یہ تو نبی کی توبہ ہے اور حضور ﷺ کا قول ہے کہ اس جگہ حضرت داؤد علیہ السلام نے سجدہ کیا ہے توبہ کے طور پر اور ہم سجدہ کرتے ہیں شکر کے طور پر ہماری طرف سے اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ سجدۂ شکر سجدۂ تلاوت کے منافی نہیں ہے کیونکہ کوئی عبادت ایسی نہیں ہے جس میں شکر کے معنی نہ ہوں اور یہ بھی ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوران خطبہ تلاوت کا سجدہ کیا ہے پس اس سے سورۂ ص کے اندر آیت سجدہ کا سجدہ تلاوت ہونا ثابت ہو گیا ہے اور اگر یہ بات مان لی جائے کہ آپ نے اس موقع پر سجدہ نہیں کیا ہے تو یہ جواز تاخیر کی تعلیم کے لئے تھا نہ اس لئے کہ اس جگہ سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے۔ ہمارے مذہب کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ایک صحابی نے کہا کہ اللہ کے رسول اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے کہ سویا ہوا آدمی خواب میں دیکھتا ہے کہ میں سورۂ ص لکھ رہا ہوں پس جب موضع سجدہ پر پہنچا تو دوات اور قلم نے سجدہ کیا۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا کہ دوات اور قلم کی بہ نسبت ہم زیادہ حقدار ہیں کہ سجدہ کریں پس آپ نے حکم دیا حتی کہ آیت سجدہ پڑھی گئی اور آپ ﷺ نے صحابہؓ کے ساتھ سجدہ کیا۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ حم سجدہ میں آیت سجدہ لایسـئـمـون پر ہے جیسا کہ حضرت عمرؓ کا قول ہے اور اسی پر عمل کرنے میں احتیاط ہے۔

ان تمام مواضع میں قاری اور سامع پر سجدہ تلاوت ہے

والسجدۃ واجبۃ فی ھذہ المواضع علی التالی والسامع سواء قصد سماع القرآن اولم یقصد لقولہ علیہ السلام السـجـدۃ علی من سمعھا وعلی من تلاھا وھی کلمۃ ایجاب وھو غیر مقید بالقصد

ترجمہ...... اور سجدہ کرنا ان مواضع میں واجب ہے تلاوت کرنے والے پر بھی اور سننے والے پر بھی خواہ قرآن سننے کا ارادہ کیا ہو یا ارادہ نہ کیا ہو کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ سجدہ اس پر بھی ہے جس نے سنا اور اس پر بھی ہے جس نے اس کو پڑھا۔ اور یہ کلمہ ایجاب کا ہے اور وہ قصد کے ساتھ مقید نہیں ہے۔

تشریح...... امام ابوالحسن قدوری نے کہا ہے کہ مذکورہ چودہ مقامات پر سجدہ کرنا قاری اور سامع دونوں پر واجب ہے سامع نے سننے کا قصد کیا ہو یا قصد نہ کیا ہو۔ امام مالکؒ امام شافعیؒ اور حنابلہ کے نزدیک سجدۂ تلاوت سنت ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ زید ابن ثابت نے نبی اکرم ﷺ کے سامنے سورۂ النجم کی تلاوت کی لیکن نہ زید بن ثابت نے سجدہ کیا اور نہ آنحضرت ﷺ نے۔ اس واقعہ سے ثابت ہو گیا کہ سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے کیونکہ اگر واجب ہوتا تو نہ آنحضرت ﷺ ترک فرماتے اور نہ زید بن ثابتؓ۔

ہماری دلیل یہ حدیث ہے السجدۃ علی من سمعھا وعلی من تلاھا وجہ استدلال یہ ہے کہ حدیث کے اندر لفظ "علی" آیا ہے جو الزام پر دلالت کرتا ہے اور یہ حدیث چونکہ قصد کی قید کے ساتھ مقید نہیں ہے اس لئے ہر سننے والے پر سجدہ تلاوت واجب ہوگا خواہ سننے کا قصد کیا ہو یا قصد نہ کیا ہو امام مالکؒ وغیرہ کی طرف سے پیش کردہ حدیث کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فوری طور پر سجدہ نہیں کیا اور فوری طور پر سجدہ نہ کرنا ہمارے نزدیک جائز ہے۔ نیز فوری طور پر سجدہ کرنے سے علی الاطلاق سجدہ نہ کرنا لازم نہیں آتا۔ پس ہو سکتا ہے کہ

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں سجدہ کرلیا ہو۔ اس احتمال کی موجودگی میں سجدۂ تلاوت کا عدم وجوب ثابت نہ ہو سکے گا۔

امام نے آیت سجدہ تلاوت کی تو امام ومقتدی پر سجدۂ تلاوت ہے، اور اگر مقتدی نے آیت سجدہ تلاوت کی تو سجدہ کا حکم......اقوالِ فقہاء

اذا تلا الامام آية السجدة سجدها و سجدها الماموم معه لا لتزامه متابعته و اذا تلا الماموم لم يسجد الامام و الماموم فى الصلوة و لا بعد الفراغ عند ابى حنيفة و ابى يوسف و قال محمد يسجدونها اذا فرغوا لان السبب قد تقرر ولامانع بخلاف حالة الصلوة لانه يؤدى الى خلاف وضع الامامة او التلاوة ولهما ان المقتدى محجوز عن القراءة لنفاذ تصرف الامام عليه و تصرف المحجور لا حكم له بخلاف الجنب و الحائض لا نهما منهيان عن القراءة الا انه لا يجب على الحائض بتلاوتها كما لا يجب بسماعها لانعدام اهلية الصلوة بخلاف الجنب

ترجمہ...... اور جب امام نے آیت سجدہ کی تلاوت کی تو امام سجدہ کرے اور اس کے ساتھ مقتدی بھی سجدہ کرے۔ اس لئے کہ مقتدی نے امام کی متابعت اپنے اوپر لازم کی ہے۔ اور جب مقتدی نے تلاوت کی تو ابوحنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک نہ امام سجدہ کرے گا اور نہ مقتدی نماز کے اندر اور نہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد، اور امام محمدؒ نے فرمایا ہے جب نماز سے فارغ ہوجائیں تو امام اور مقتدی سب سجدہ کریں کیونکہ سبب متقرر ہوچکا ہے اور مانع کوئی نہیں برخلاف نماز کی حالت کے کیونکہ یہ پہنچادے گا وضع امامت یا وضع تلاوت کے خلاف تک اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ مقتدی کو قرأت سے روک دیا گیا ہے کیونکہ اس پر امام کا تصرف نافذ ہے اور محجور کے تصرف کا کچھ حکم نہیں برخلاف جنبی اور حائضہ کے کہ ان دونوں کو قرأت سے روک دیا گیا ہے مگر حائضہ پر اس کی تلاوت سے واجب نہیں ہوگا۔ جیسا کہ اس کے سننے سے واجب نہیں ہوتا کیونکہ نماز کی اہلیت معدوم ہے برخلاف جنبی کے۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ امام نے سجدہ کی آیت تلاوت کی تو امام نماز میں فوراً سجدہ کرے اور اس کے ساتھ مقتدی بھی سجدہ کرے دلیل یہ ہے کہ مقتدی نے اقتداء کی نیت کرکے امام کی متابعت کو اپنے اوپر لازم کرلیا ہے ایسی صورت میں اگر مقتدی نے امام کے ساتھ سجدہ تلاوت نہ کیا تو امام کی مخالفت کرنا لازم آئے گا۔ اور اگر مقتدی نے آیت سجدہ تلاوت کی تو شیخین کے نزدیک امام اور مقتدی دونوں سجدہ نہ کریں نہ نماز کے اندر اور نہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد، یہی مذہب عامۃ العلماء کا ہے حضرت امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ سجدہ کا سبب یعنی مقتدی کا آیت سجدہ پڑھنا اور باقی حضرات کا اس کو سننا پایا گیا، اور مانع سجدہ یعنی ان کا نماز کے اندر ہونا دور ہوگیا اور قاعدہ ہے کہ جب کسی چیز کا سبب پایا جائے اور مانع دور ہوجائے تو وہ چیز بالیقین متحقق ہوجاتی ہے اس لئے نماز سے فراغت کے بعد امام ومقتدی دونوں پر سجدہ واجب ہوگا۔ اس کے برخلاف نماز کی حالت ہے یعنی نماز کے اندر امام ومقتدی دونوں سجدہ نہ کریں کیونکہ نماز کے اندر سجدہ کرنے کی صورت میں موضوع امامت کے خلاف لازم آئے گا یا موضوع تلاوت کے خلاف لازم آئے گا اس لئے کہ مقتدی جس نے آیت سجدہ تلاوت کی ہے پہلے وہ سجدہ کرے گا یا امام پہلے سجدہ کرے گا اگر تالی یعنی مقتدی نے پہلے سجدہ کیا اور امام نے اس کی متابعت کی تو موضوع امامت کے خلاف لازم آئے گا یعنی امام جو متبوع تھا وہ تابع ہوجائے گا اور مقتدی جو تابع تھا متبوع ہوجائے گا۔ اور اگر امام پہلے سجدہ کرے

اور تالی یعنی مقتدی اس کی متابعت کرے تو موضوع تلاوت کے خلاف لازم آئے گا اس لئے کہ تالی سامع کا امام ہوتا ہے لہٰذا تالی کے سجدہ کا مقدم ہونا واجب ہے حضور ﷺ نے تالی (تلاوت کرنے والے) سے فرمایا ہے **کنت امامنا فلو سجدت السجد نامعک** تو ہمارا امام ہے اگر تو سجدہ کرتا تو تیرے ساتھ ہم بھی سجدہ کرتے' حاصل یہ کہ تالی پر سجدہ سجدہ کا واجب ہوتا مقدم ہے۔ اور یہاں معاملہ برعکس ہوگیا کہ امام نے سجدہ پہلے کیا اور تالی نے بعد میں کیا' بہر حال نماز کی حالت میں سجدہ کرنے سے چونکہ کوئی نہ کوئی خرابی لازم آتی ہے اس لئے نماز کی حالت میں نہ امام سجدہ کرے اور نہ مقتدی۔

شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کے لئے شرعاً قرأت کرنا ممنوع ہے مقتدی کے لئے قرأت کرنا اس لئے ممنوع ہے کہ امام کا تصرف اس پر نافذ ہوتا ہے یعنی امام کی قرأت مقتدی کی طرف سے بھی قرأت شمار ہوتی ہے چنانچہ حبیب خدا ﷺ کا ارشاد ہے **من کان لہ امام فقرائۃ الامام لہ قرائۃ۔**

بہر حال مقتدی ممنوع عن القراۃ ہے اور جو شخص کسی تصرف سے روک دیا گیا ہو اس تصرف کا کوئی حکم نہیں ہوتا۔ پس مقتدی چونکہ ممنوع عن القرأۃ ہے اس لئے اس کی قرأت کا کوئی حکم نہ ہوگا اور جب اس کی قرأت کا کوئی حکم نہیں ہے تو اس پر سجدہ تلاوت بھی واجب نہ ہوگا اور جب تالی پر سجدہ واجب نہیں ہوا تو اس کے سامع یعنی امام پر بھی سجدہ واجب نہ ہوگا۔

بخلاف الجنب والحائض الخ سے ایک قیاس کا جواب ہے قیاس یہ ہے کہ مقتدی ممنوع عن القرأۃ ہونے میں جنبی اور حائضہ کے مانند ہے اور سجدہ ان دونوں کی قرأت سننے سے واجب ہو جاتا ہے یعنی ان دونوں میں سے کسی نے اگر آیت سجدہ کی تلاوت کی اور دوسرے کسی آدمی نے سن لیا تو سننے والے پر سجدہ تلاوت واجب ہو جائے گا پس اسی طرح مقتدی اگر مجور عن القراءۃ ہے لیکن اس کے باوجود اس نے اگر آیت سجدہ کی تلاوت کی اور امام نے اس کی قرأت سن لی تو امام پر سجدہ تلاوت واجب ہونا چاہئے تھا حالانکہ شیخینؒ امام پر بھی وجوب سجدہ کے قائل نہیں ہیں۔

جواب..... جنبی اور حائضہ ممنوع عن القرأۃ ہیں اور مقتدی مجور عن القرأۃ ہے اور ممنوع (منہی) اور مجہور کے درمیان فرق یہ ہے کہ مجور عنہ کا فعل غیر معتبر ہوتا ہے نہ حرام ہوتا ہے ورنہ مکروہ اور ممنوع (جسکو منع کیا گیا ہے) کا فعل معتبر ہوتا ہے خواہ حرام ہو یا مکروہ مثلاً بیع فاسد ممنوع (منہی) ہے لیکن اگر کسی نے بیع فاسد کر لی اور مشتری نے مبیع پر قبضہ کر لیا تو مشتری کی ملک ثابت ہو جائے گی اور اگر مجور عنہ مثلاً نابالغ بچہ یا مجنون نے عقد بیع کا معاملہ کیا اور مشتری نے مبیع پر قبضہ بھی کر لیا تو مشتری کے لئے ملک ثابت نہ ہوگی پس چونکہ جنبی اور حائضہ ممنوع عن القرأۃ ہیں نہ کہ مجور عن القرأت اس لئے ان کی تلاوت سبب سجدہ ہوگی۔ اور اس کا یہ اثر ہوگا کہ جو شخص ان سے آیت سجدہ کی سماعت کرے گا اس پر سجدہ تلاوت واجب ہوگا۔ اس کے برخلاف مقتدی کہ وہ **محجور عن القرأۃ** ہے نہ اس کی قرأت معتبر ہوگی اور نہ ہی سبب سجدہ ہوگی۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ ممنوع عن القراۃ ہونے میں جنبی اور حائضہ دونوں برابر ہیں لیکن اتنا فرق ہے کہ حائضہ عورت پر نہ خود اپنی تلاوت سے سجدہ واجب ہوگا اور نہ دوسرے کی تلاوت سننے سے اور جنبی آدمی آیت سجدہ کی تلاوت کرے تب بھی سجدہ تلاوت واجب ہوگا اور اگر دوسرے سے سنے تب بھی واجب ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ سجدہ تلاوت واجب ہونے میں نماز کی اہلیت معتبر ہوگی خواہ ادا ہو' خواہ قضاء ہو اور حائضہ عورت میں نماز کی اہلیت دونوں طرح نہیں ہے۔ اور جنبی کے اندر نماز کی اہلیت موجود

ہے بایں طور کہ اگر وقت کے اندر اندر غسل کرلیا تو ادا واجب ہوگی ورنہ قضاء واجب ہوگی۔

نماز سے باہر آیت سجدہ سننے والے پر سجدہ تلاوت لازم ہے

ولو سمعها رجل خارج الصلوٰة سجدها هو الصحيح لان الحجر ثبت فى حقهم فلا يعدوهم

ترجمہ...... اور اگر (امام یا مقتدی سے) آیت سجدہ کو کسی ایسے آدمی نے سنا جو خارج صلوٰۃ ہے تو وہ سجدہ تلاوت کرے یہی قول صحیح ہے کیونکہ مجور ہونا مقتدیوں کے حق میں ثابت ہوا ہے لہذا ان سے متجاوز نہ ہوگا۔

تشریح...... مسئلہ کسی ایسے آدمی نے جو نماز سے باہر ہے امام یا مقتدی سے سجدہ کی آیت سنی اور یہ شخص آیت سجدہ سن کر نماز میں شامل بھی نہیں ہوا تو بالاتفاق اس پر سجدہ تلاوت واجب ہوگا یہی قول صحیح ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ حکم مختلف فیہ چنانچہ شیخین کے نزدیک یہ شخص سجدہ نہیں کرے گا اور امام محمدؒ کے نزدیک سجدہ کرے گا۔ قول صحیح کی دلیل یہ ہے کہ مجور عن القرأت ہونا مقتدیوں کے حق میں ثابت ہوا ہے لہذا ان سے متجاوز نہ ہوگا اور جب ان سے متجاوز نہ ہوا تو ان کے علاوہ دوسرے لوگوں پر اس کا اثر بھی نہ ہوگا اور جب مقتدیوں کے علاوہ دوسروں پر مجور عن القرأت ہونے کا اثر نہیں پڑا تو آیت سجدہ سننے کی وجہ سے ان پر سجدہ واجب ہوگا۔

نماز میں کسی تیسرے شخص سے سجدہ تلاوت کی آیت سنی جو ان کے ساتھ نماز میں نہیں ہے نماز میں یا نماز کے بعد سجدہ کریں گے یا نہیں

وان سمعوا وهم فى الصلوٰة سجدة من رجل ليس معهم فى الصلوٰة لم يسجدوها فى الصلوٰة لانها ليست صلاتية لان سماعهم هذه السجدة ليس من افعال الصلوٰة و سجدو ها بعدها لتحقق سيها

ترجمہ...... اور اگر لوگوں نے درانحالیکہ وہ نماز میں ہیں کسی ایسے آدمی سے آیت سجدہ کو سنا جو ان کے ساتھ نماز میں نہیں تو یہ لوگ نماز میں سجدہ نہ کریں کیونکہ یہ سجدہ نماز کا سجدہ نہیں ہے کیونکہ ان لوگوں کا اس آیت سجدہ کو سن لینا نماز کے افعال سے نہیں ہے اور نماز کے بعد سجدہ کریں کیونکہ اس کا سبب متحقق ہو چکا۔

تشریح...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کچھ لوگوں نے بحالت نماز کسی ایسے شخص سے آیت سجدہ سنی جو ان کے ساتھ نماز میں شریک نہیں ہے تو یہ لوگ نماز کی حالت میں سجدۂ تلاوت نہ کریں کیونکہ یہ سجدہ نماز کا سجدہ نہیں ہے اور نماز کا سجدہ اس لئے نہیں ہے کہ ان لوگوں کا اس آیت سجدہ کو سننا نماز کے افعال میں سے نہیں ہے کیونکہ نماز کے افعال یا تو فرض ہوتے ہیں یا واجب یا سنت اس آیت سجدہ کو سننا ان میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔ حاصل یہ کہ سجدہ نماز کے افعال میں سے نہیں ہے اور جو چیز نماز کے افعال میں سے نہ ہو اس کا نماز کے اندر ادا کرنا بھی جائز نہیں ہے پس ثابت ہوا کہ یہ لوگ نماز کے اندر سجدۂ تلاوت نہ کریں۔ ہاں البتہ نماز کے بعد سجدۂ تلاوت کرنا واجب ہوگا کیونکہ سجدہ کا سبب یعنی آیت سجدہ کا سننا پایا گیا۔

نماز میں سجدہ کرلیا تو یہ سجدہ کافی نہیں

ولو سجدوها في الصلوة لم يجزهم لانه ناقص لمكان النهي فلا يتادى به الكامل

ترجمہ...... اور اگر ان لوگوں نے نماز کے اندر ہی سجدہ کرلیا تو ان کو کافی نہ ہوگا کیونکہ یہ ادا ناقص ہے اس لئے کہ نہی موجود ہے۔ پس اس سے کامل ادا نہ ہوگا۔

تشریح...... مسئلہ پہلے مسئلہ میں گذر چکا ہے کہ ان لوگوں کے لئے نماز کے اندر سجدہ کرنا ممنوع ہے لیکن اس ممانعت کے باوجود اگر سجدہ کرلیا تو وہ معتبر نہ ہوگا البتہ نماز بھی فاسد نہ ہوگی۔ سجدہ معتبر نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ سجدہ ناقص ہے اس لئے کہ شریعت نے نماز کے اندر ہر اس چیز کو داخل کرنے سے منع کیا ہے جو چیز نماز کے افعال سے نہ ہو۔ بہر حال یہ سجدہ ناقص ہے اور سماع کی وجہ سے جو سجدہ واجب ہوا ہے وہ کامل ہے اور قاعدہ ہے کہ واجب کامل ناقص طور پر ادا کرنے سے ادا نہیں ہوتا اس لئے ان حضرات کے نماز کے اندر سجدہ کرنے سے سجدۂ تلاوت ادا نہ ہوگا۔

سجدہ کا اعادہ لازم ہے نماز کا اعادہ نہیں

قال واعادوها لتقرر سببها ولم يعيدوا الصلوة لان مجرد السجدة لاينا في احرام الصلوة وفي النوادر انها تفسد لانهم زادوا فيها ماليس منها وقيل هو قول محمد

ترجمہ...... مصنف نے کہا کہ اس سجدہ کا اعادہ کریں کیونکہ اس کا سبب ثابت ہو چکا ہے۔ اور نماز کا اعادہ نہ کریں اس لئے کہ محض سجدہ کرنا احرام نماز کے منافی نہیں ہے اور نوادر میں ہے کہ نماز فاسد ہو جائے گی اس لئے کہ ان لوگوں نے اپنی نماز میں ایسا سجدہ بڑھایا ہے جو نماز میں سے نہیں ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ امام محمدؒ کا قول ہے۔

تشریح...... صاحب کتاب کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے نماز کے اندر جو سجدۂ تلاوت کیا ہے چونکہ وہ شرعاً معتبر نہیں ہے اس لئے نماز کے بعد اس سجدہ کا اعادہ کریں کیونکہ سجدۂ تلاوت کا سبب (سماع) پایا گیا اور چونکہ نماز فاسد نہیں ہوئی اس لئے نماز کا اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور نماز کا فاسد نہ ہونا اس لئے ہے کہ نماز یا تو فاسد ہوتی ہے کسی رکن کو ترک کرنے سے اور یا فاسد ہوتی ہے منافی نماز چیز پیش آنے سے اور یہاں دونوں باتیں نہیں پائی گئیں کیونکہ سجدہ نماز کے منافی نہیں ہے نوادر کی روایت یہ ہے کہ اس صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ ان لوگوں نے نماز کے اندر ایسی چیز کا اضافہ کیا ہے کہ جو نماز کے افعال سے نہیں ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ نماز کا فاسد ہونا امام محمدؒ کا قول ہے شیخینؒ کے نزدیک اس صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی بنیاد اختلاف یہ ہے کہ امام محمدؒ کے نزدیک سجدہ کی زیادتی مفسد نماز ہے اور شیخین کے نزدیک ایک رکعت سے کم کی زیادتی نماز فاسد نہیں کرتی۔

امام نے آیت سجدہ کی تلاوت کی اور ایسے شخص نے سنی جو نماز میں نہیں تھا امام کے سجدہ کر لینے کے بعد نماز میں داخل ہوا اس پر سجدہ نہیں

فان قرأها الامام و سمعها رجل ليس معه في الصلوة فدخل معه بعد ما سجدها الامام لم يكن عليه ان يسجدها لانه صار مدركا لها بادراك الركعة وان دخل معه قبل ان يسجدها سجدها معه لانها لو لم يسمعها سجدها معه فهنا اولیٰ وان لم يدخل معه سجدها لتحقق السبب

ترجمہ...... پھر اگر امام نے آیت سجدہ پڑھی اور اس کو کسی ایسے آدمی نے سنا جو اس کے ساتھ نماز میں نہیں ہے۔ پھر امام کے سجدہ کرنے کے بعد وہ شخص امام کے ساتھ شامل ہو گیا تو اس پر سجدہ کرنا واجب نہ رہا۔ کیونکہ یہ شخص رکعت پانے سے سجدہ پانے والا ہو گیا اور اگر امام کے سجدہ کرنے سے پہلے وہ امام کے ساتھ داخل ہو گیا تو امام کے ساتھ سجدہ کرے کیونکہ اگر اس نے آیت سجدہ کو سنا بھی نہ ہوتا تو امام کے ساتھ اس پر سجدہ واجب ہوتا پس اب درجہ اولیٰ واجب ہے اور اگر وہ امام کے ساتھ داخل نہ ہو تو یہ سجدہ ادا کرے اس لئے کہ سبب متحقق ہو چکا ہے۔

تشریح...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ امام نے آیت سجدہ کی تلاوت کی اور اس کو ایسے آدمی نے سنا جو اس کے ساتھ نماز میں شریک نہیں ہے پھر یہ شخص امام کے ساتھ نماز میں شامل ہو گیا تو اداکی دو صورتیں ہیں۔ امام کے سجدہ کرنے کے بعد شامل ہوا۔ یا اس کے سجدہ کرنے سے پہلے اگر اول ہے تو اس پر سجدہ تلاوت کرنا واجب نہ رہا۔ کیونکہ اس رکعت کو پالینے کی وجہ سے وہ شخص سجدہ پانے والا ہو گیا۔ اور اگر اس نے دوسری رکعت میں امام کے ساتھ شرکت کی تو نماز سے فراغت کے بعد سجدۂ تلاوت کرے کیونکہ جب اس شخص نے اس رکعت کو نہیں پایا جس میں آیت پڑھی گئی ہے تو اس نے نہ قرأت کو پایا اور نہ اس کی تعلقات یعنی سجدہ کو پایا۔ اور جب سجدہ کو نہیں پایا تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد سجدہ کرنا واجب ہوگا۔

اور اگر ثانی صورت ہے یعنی امام کے سجدہ کرنے سے پہلے امام کے ساتھ شریک ہو گیا تو امام کے ساتھ سجدہ کرے کیونکہ یہ شخص اگر آیت سجدہ کو نہ سن پاتا بایں طور کہ امام آہستہ پڑھتا تو بھی امام کے ساتھ سجدہ کرنا واجب ہوتا پس اس صورت میں جب کہ اس نے آیت سجدہ کو سنا بھی ہے بدرجہ اولیٰ امام کے ساتھ سجدہ کرنا واجب ہے۔ اور یہ شخص امام سے آیت سجدہ کو سن کر امام کے ساتھ نماز میں شامل نہیں ہوا تو نماز سے باہر اس پر سجدہ کرنا واجب ہوگا اس لئے کہ سجدہ کا سبب یعنی آیت سجدہ کو سننا پایا گیا۔

ہر وہ سجدہ جو نماز میں واجب ہوا غیر نماز میں سجدہ کرنا کافی نہیں ہوگا

وكل سجدة وجبت في الصلوة فلم يسجدها فيها لم تقض خارج الصلوة لانها صلاتية ولها مزية الصلوة فلا تتادى بالناقص

ترجمہ...... اور اگر وہ سجدہ جو نماز میں واجب ہوا ہے پھر اس کو نماز میں ادا نہ کیا تو پھر وہ نماز سے خارج میں ادا نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ سجدہ تو نماز کا ہو گیا ہے اور نماز کے سجدہ کو نماز کی فضیلت حاصل ہے تو وہ ناقص سے ادا نہ ہوگا۔

تشریح ..... صاحب قدوری نے ایک ضابطہ کلیہ کی طرف اشارہ کیا ہے ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ سجدہ جو نماز کے اندر آیت سجدہ تلاوت کرنے کی وجہ سے واجب ہوا لیکن نماز میں سجدہ نہیں کیا تو نماز سے باہر ادا کرنے سے ادا نہ ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ یہ سجدہ نماز کا سجدہ ہے نماز کا سجدہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آیت سجدہ کی تلاوت جو موجب سجدہ ہے نماز کے افعال میں سے ہے اور نماز کے سجدہ کو نماز کی فضیلت حاصل ہے۔ اس لئے نماز کے اندر سجدۂ تلاوت کا وجوب کامل ہوا اور جو چیز کامل واجب ہوتی ہے وہ ناقص کے ساتھ ادا کرنے سے ادا نہیں ہوتی۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ نماز سے باہر چونکہ نماز کی فضیلت نہیں ہے۔ اس لئے نماز سے باہر جو سجدہ ادا کیا جائے گا وہ ناقص ہوگا۔

آیت سجدہ کی تلاوت کی اور سجدہ نہیں کیا پھر نماز میں داخل ہو کر دوبارہ وہی آیت پڑھی اور سجدہ کیا یہ سجدہ دونوں تلاوتوں سے کفایت کرے گا

ومن تلا سجدة فلم يسجدها حتى دخل في صلوة فاعادها و سجد اجزأته السجدة عن التلاوتين لان الثانية اقوى لكونها صلاتية فاستتبعت الاولى و في النوادر يسجد اخرى بعد الفراغ لان للاولى قوة السبق فاستوتا قلنا للثانية قوة اتصال المقصود فترجحت بها

ترجمہ ..... اور جس شخص نے آیت سجدہ کو تلاوت کیا پھر اس کو ادا نہ کیا حتی کہ کسی نماز میں داخل ہوا پھر اسی آیت سجدہ کو دوبارہ (نماز میں) پڑھا اور سجدہ کیا تو یہ سجدہ اس کو دونوں تلاوتوں سے کافی ہوگیا کیونکہ دوسرا سجدہ تو اقوی ہے اس لئے کہ وہ نماز کا سجدہ ہے پس وہ پہلے سجدہ کو متضمن ہوگیا اور نوادر میں ہے کہ دوسرا سجدہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد کرے کیونکہ پہلے سجدہ کو تقدم کی قوت حاصل ہے اس لئے دونوں برابر ہوگئے ہم جواب دیتے ہیں کہ دوسرے سجدہ کو مقصود سے متصل ہونے کی قوت حاصل ہے اس لئے دوسرے سجدہ کو ترجیح ہوگی۔

تشریح ..... اس عبارت میں سجدۂ تلاوت کے تداخل کا بیان ہے چنانچہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کاسی نے خارج صلاۃ آیت سجدہ کی تلاوت کی اور سجدہ نہیں کیا حتی کہ کسی نفل یا فرض نماز میں داخل ہوگیا پھر اسی آیت سجدہ کی دوبارہ تلاوت کی اور نماز ہی میں سجدۂ تلاوت کیا تو یہ دونوں تلاوتوں کے لئے کافی ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ دوسرا سجدہ اقوی ہے اور اقوی اس لئے ہے کہ وہ نماز کا سجدہ ہے بہر حال دوسرا سجدہ جب اقوی ہے تو پہلا جو خارج صلاۃ واجب ہوا تھا اس کے تابع ہے اور چونکہ متبوع تابع کو متضمن ہوتا ہے اس لئے دوسرا سجدہ پہلے سجدہ کو متضمن ہوگا اور دوسرا سجدہ ادا کرنے سے پہلا سجدہ بھی ادا ہو جائے گا۔

اور نوادر میں ہے کہ نماز کے اندر سجدۂ تلاوت کرنے سے ایک سجدہ ادا ہوگا۔ دوسرا سجدہ نماز سے فراغت کے بعد ادا کرنا ضروری ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ دوسرا سجدہ صلاتی ہونے کی وجہ سے اگر اقوی ہے تو پہلے سجدہ کو تقدم کی وجہ سے قوت حاصل ہے پس قوت میں دونوں برابر ہوگئے۔ ان میں سے ایک دوسرے کے تابع نہیں ہوگا۔ اور جب ایک دوسرے کے تابع نہیں ہے تو ایک سجدہ ادا کرنے سے دوسرا ادا نہیں ہوگا۔

ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ دوسرے سجدے کو تساوی کے بعد ایک قوت اور حاصل ہے اور وہ قوت یہ ہے کہ تلاوت ادائے سجدہ کے ساتھ متصل ہے یعنی جب دوسری بار نماز کے اندر آیت سجدہ کی تلاوت کی ہے تو اس کے ساتھ ہی سجدہ ادا کر لیا ہے اس کے برخلاف

جب نماز سے باہر اسی آیت کی تلاوت کی گئی تھی تو سجدہ ادا نہیں کیا گیا تھا بہر حال بہ نسبت پہلے سجدہ کے دوسرا سجدہ اقوی ٹھہرا پس اسی قوت کی وجہ سے دوسرے سجدہ کو ترجیح دی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ دوسرا سجدہ ادا کرنے سے پہلا سجدہ بھی ادا ہو جائے گا۔

آیت سجدہ کی تلاوت کی پھر سجدہ کیا نماز میں دوبارہ آیت سجدہ کی تلاوت کی اب پہلے والا سجدہ کافی نہیں

وان تلاها فسجد ثم دخل في الصلوة فتلاها سجد لها لان الثانية هي المستتبعة ولا وجه الى الحاقها بالاولى لانه يؤدي الى سبق الحكم على السبب

ترجمہ...... اور اگر (خارج صلوٰۃ) تلاوت کر کے سجدہ کر لیا پھر نماز میں داخل ہو کر اسی آیت سجدہ کی تلاوت کی تو اس کے واسطے سجدہ کرے کیونکہ دوسرا سجدہ تو تابع بنانے والا ہے اور اول سجدہ کے ساتھ اس کو لاحق کرنے کی کوئی وجہ موجود نہیں ہے اس لئے یہ سبب پر تقدم حکم کا باعث ہوگا۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے نماز سے باہر آیت سجدہ کی تلاوت کر کے سجدۂ تلاوت کر لیا پھر نماز میں داخل ہو کر اسی آیت سجدہ کی تلاوت کی تو اس پر نماز کے اندر تلاوت کرنے کی وجہ سے سجدۂ تلاوت واجب ہو گیا۔ دلیل یہ ہے کہ پہلے مسئلہ میں گذر چکا ہے کہ دوسرا سجدہ نماز کا سجدہ ہونے کی وجہ سے اقوی ہے اور اقوی ہونے کی وجہ سے وہ پہلے سجدہ کو تابع بنانے والا ہے اور جب دوسرا سجدہ پہلے سجدہ کو تابع بنانے والا ہے تو دوسرے سجدہ کو پہلے سجدہ کے ساتھ لاحق کرنے کی کوئی وجہ موجود نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر سجدۂ ثانیہ کو پہلے سجدہ کے ساتھ لاحق کیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دوسرے سجدہ کے لئے تلاوت بعد میں کی گئی ہے اور سجدہ پہلے کر لیا گیا ہے اور یہ بات واضح ہے کہ سجدۂ تلاوت کے وجوب کا سبب تلاوت ہے پس اس صورت میں سبب کا مؤخر ہونا اور حکم کا مقدم ہونا لازم آئے گا حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے پس ثابت ہوا کہ اس صورت میں تداخل متعذر ہے۔ اور جب تداخل متعذر ہے تو سجدۂ ثانیہ تلاوت ثانیہ کی وجہ سے واجب ہوگا۔

ایک مجلس میں کئی بار آیت سجدہ کی تلاوت کی تو ایک ہی سجدہ کافی ہے

ومن كرر تلاوة سجدة واحدة في مجلس واحد اجزأته سجدة واحدة فان قرأها في مجلسه فسجدها ثم ذهب ورجع فقرأها سجدها ثانية وان لم يكن سجد للاولى فعليه سجدتان والاصل ان مبنى السجدة على التداخل دفعا للحرج وهو تداخل في السبب دون الحكم وهو اليق بالعبادات والثاني بالعقوبات وان كان التداخل عند اتحاد المجلس لكونه جامعا للمتفرقات فاذا اختلف عاد الحكم الى الاصل ولا يختلف بمجرد القيام بخلاف المخيرة لانه دليل الاعراض وهو المبطل هنالك وفي تسدية الثوب يتكرر الوجوب وفي المنتقل من غصن الى غصن كذلك في الاصح وكذا في الدياسة للاحتياط

ترجمہ...... اور جس شخص نے ایک مجلس میں ایک آیت سجدہ کی تلاوت کو مکرر کیا تو اس کو ایک سجدہ کافی ہو جائے گا۔ اور اگر اپنی مجلس میں اس کو پڑھا پھر سجدہ کیا پھر کہیں جا کر واپس آیا پھر اسی آیت سجدہ کو پڑھا تو دوبارہ سجدہ کرے اور اگر اس نے پہلے مجلس کا سجدہ نہیں کیا۔ تو اس پر

دو سجدے واجب ہوں گے۔ اور اصل یہ ہے کہ دفع حرج کے لئے سجدہ کا مدار تداخل پر ہے اور یہ سبب میں تداخل ہے نہ کہ حکم میں اور عبادت کے یہی تداخل زیادہ مناسب ہے اور ثانی عقوبات کے زیادہ مناسب ہے اور تداخل کا ممکن ہونا اتحاد مجلس کے وقت ہے اس لئے کہ مجلس متفرق چیزوں کو جمع کرتی ہے پس جب مجلس مختلف ہوگئی تو حکم اصل کی طرف عود کرے گا اور مجلس محض کھڑے ہونے سے مختلف نہیں ہوتی۔ برخلاف مخیرہ کے اس وجہ سے کہ کھڑا ہونا اعراض کی دلیل ہے۔ اور اعراض کرنا یہاں اختیار کو باطل کرتا ہے۔ اور تانا تننے کی آمد و رفت میں وجوب سجدہ مکرر ہوگا اور اصح قول کی بناء پر ایک شاخ سے دوسری شاخ کی طرف منتقل ہونے میں بھی یہی حکم ہے اور احتیاط کی وجہ سے یہی حکم کھلیان روندنے میں ہے۔

تشریح ...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک مجلس میں ایک آیت سجدہ کو بار بار تلاوت کیا تو امام تلاوتوں کے لیے ایک سجدہ کافی ہو جائے گا دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک مجلس میں آیت سجدہ تلاوت کر کے سجدۂ تلاوت کر لیا پھر کہیں جا کر واپس آیا پھر اسی آیت کو پڑھا تو دوبارہ سجدۂ تلاوت کرے اور اگر اس نے پہلے مجلس کا سجدہ ادا نہ کیا تو اس پر دو سجدے واجب ہوں گے۔

صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ اصل یہ ہے کہ استحساناً سجدہ کی بناء تداخل پر ہے ورنہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر تلاوت کی وجہ سے سجدہ واجب ہو مجلس خواہ متحد ہو خواہ مختلف ہو کیونکہ سجدۂ تلاوت کا حکم ہے اور حکم سبب کے مکرر ہونے سے مکرر ہو جاتا ہے اس لئے تلاوت کے مکرر ہونے سے سجدہ مکرر ہونا چاہئے' تلاوت کا تکرار ایک مجلس میں ہو یا مختلف مجالس میں ہو۔

وجہ استحسان لوگوں سے حرج کو دور کرتا ہے۔ کیونکہ مسلمان قرآن کی تعلیم و تعلم کے محتاج ہیں اور تعلیم و تعلم بغیر تکرار کے حاصل نہیں ہوگا۔ پس ایک مجلس میں ایک آیت سجدہ کو بار بار پڑھنے کی وجہ سے اگر تکرار سجدہ لازم کیا گیا تو مفضی الی الحرج ہوگا اور حرج کو شرعاً دور کیا گیا ہے اس لئے کہا گیا کہ اس صورت میں ایک ہی سجدہ واجب ہوگا۔ حدیث بھی اسی کی شاہد ہے چنانچہ مروی ہے جبرئیل امین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک آیت سجدہ لے کر اترتے اور اس کو بار بار پڑھتے لیکن آپ ﷺ اس کی وجہ سے ایک سجدہ کرتے حالانکہ سجدۂ تلاوت کا سبب جس طرح تلاوت ہے اسی طرح سماع بھی ہے نیز حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ مسجد کوفہ میں بیٹھ کر لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیتے اور اگر آیت سجدہ آجاتی تو اس کو بھی بار بار پڑھتے مگر چونکہ مجلس ایک ہوتی تھی اس لئے ایک سجدہ کرتے تھے۔

(الکفایہ۔ عنایہ)

تداخل کی اقسام: صاحب ہدایہ نے کہا کہ تداخل کی دو قسمیں ہیں ایک تداخل فی السبب' دوم تداخل فی الحکم' عبادات کے مناسب تداخل فی السبب ہے عقوبات کے مناسب تداخل فی الحکم ہے سبب کے اندر تداخل عبادات کے مناسب اس لئے ہے کہ اگر حکم کیا ندر تداخل ہو اور سبب کے اندر تداخل نہ ہو تو اسباب کا تعدد باقی رہے گا اور جب اسباب کا تعدد باقی رہا تو وہ سبب جو موجب للعبادۃ ہے بغیر عبادت کے پایا جائے گا اور اس میں ترک احتیاط ہے حالانکہ عبادات کو ادا کرنے میں احتیاط ہے نہ کہ ترک کرنے میں اس لئے ہم نے کہا کہ عبادات کے اندر اسباب میں تداخل ہے تاکہ تمام اسباب بمنزلہ ایک سبب کے ہوں اور پھر اس پر اس کا حکم مرتب ہو جائے۔ اس کے برخلاف عقوبات کہ ان کو ادا کرنے میں احتیاط نہیں ہے بلکہ ان کو دفع کرنے میں احتیاط ہے اس لئے عقوبات کے اندر حکم میں تداخل ہوگا نہ کہ سبب میں' تاکہ سبب موجب کے پائے جانے کے باوجود حکم نہ پایا جائے اور سبب موجب کے موجود ہونے کے باوجود عقوبت کا نہ پایا جانا محض اللہ کے عفو و کرم کا نتیجہ ہوگا کیونکہ کریم کبھی کبھی سبب عقوبت کے پائے جانے کے باوجود معاف کر دیتا ہے۔

اختلاف کا ثمرہ: ثمرۂ اختلاف اس مثال میں ظاہر ہوگا کہ ایک شخص نے زنا کیا اس کو حد لگادی گئی پھر دوبارہ زنا کیا تو دوبارہ حد جاری کی جائے گی۔

اور اگر آیت سجدۂ تلاوت کی اور سجدہ کرلیا پھر اسی آیت کی اسی مجلس میں تلاوت کی تو اس پر دوسرا سجدہ واجب نہ ہوگا کیونکہ سبب کے اندر تداخل کی وجہ سے دونوں تلاوتیں بمنزلہ ایک سبب کے ہوگئی ہیں۔

تداخل کی شرط: وامکان التداخل سے تداخل کی شرط بتائی گئی ہے چنانچہ فرمایا ہے کہ تداخل کی شرط آیت سجدہ اور مجلس کا متحد ہونا ہے کیونکہ نص اجماع اور حرج مجلس واحدہ اور آیت واحدہ کی صورت میں پائے جاتے ہیں پس اس کے علاوہ تمام صورتیں اصل قیاس پر باقی رہیں گی دوسری دلیل: یہ ہے کہ تداخل اس وقت درست ہوگا جب کوئی ایسا جامع پایا جائے جو تمام اسباب کو جمع کرے اور تمام اسباب کو سبب واحد کے مرتبے میں کردے۔ اور ایسا جامع مجلس ہے کیونکہ مجلس متفرق چیزوں کو جمع کرنے والی ہے مثلاً ایک مجلس میں اگر ایجاب اور قبول دونوں پائے جائیں تو کہا جاتا ہے کہ قبول ایجاب سے متصل ہے حالانکہ حقیقۃً منفصل ہے پس معلوم ہوا کہ مجلس ایجاب وقبول کو جامع ہے اسی طرح ایک مجلس میں اگر تھوڑی تھوڑی متعدد بارقے کی تو وہ ایک ہی قے شمار ہوتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ مجلس جامع متفرقات ہے پس جب تک اتحاد مجلس ہے تو تلاوت کے تکرار کے باوجود ایک ہی سجدہ واجب ہوگا لیکن اگر مجلس بدل گئی تو حکم اپنی اصل کی طرف لوٹ آئے گا یعنی ایک ہی آیت سجدہ کو بار بار تلاوت کرنے سے بار بار سجدہ واجب ہوگا۔

اتحاد مجلس اور اختلاف مجلس کب متحقق ہوگا: رہی یہ بات کی مجلس کا بدلنا کب متحقق ہوگا تو اس بارے میں صاحب کفایہ کہتے ہیں کہ پہلی مجلس سے اٹھ کر اگر کہیں دور چلا گیا تو مجلس بدلنے کا حکم لگادیا جائے گا اور اگر قریب میں گیا تو اتحاد مجلس باقی رہے گا اور قریب اور بعید میں فاصل یہ ہے کہ دو یا تین قدموں کی مقدار تو قریب ہے اور اس سے زائد بعید ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ محض قیام سے مجلس مختلف نہیں ہوتی برخلاف مخیّرہ کے۔ مخیّرہ اس عورت کو کہا جاتا ہے جس کے شوہر نے اس کو "اختاری نفسک" کہہ کر طلاق کا اختیار دیا ہو۔ پس مخیّرہ الفاظ خیار سن کر اگر کھڑی ہوگئی تو اس کا خیار باطل ہو جائے گا مگر خیار کا باطل ہونا اس لئے نہیں ہے کہ مجلس بدل گئی بلکہ اس لئے ہے کہ کھڑا ہونا اعراض کی دلیل ہے اور اعراض صراحۃً ہو یا دلالۃً خیار مخیّرہ کو باطل کر دیتا ہے۔

فاضل مصنف نے کہا ہے کہ تانا تننے کی آمدورفت میں وجوب سجدہ مکرر ہو جائے گا یعنی تانا تننے وقت اگر ایک آیت سجدہ کو بار بار تلاوت کیا تو جتنی بار تلاوت کی ہے اسی قدر سجدے واجب ہوں گے کیونکہ یہ آمدورفت میں مجلس بدل جاتی ہے اسی طرح اگر درخت کی ایک شاخ پر بیٹھ کر ایک آیت سجدۂ تلاوت کی پھر دوسری شاخ کی طرف منتقل ہو کر اسی آیت کو دوبارہ پڑھا تو دو سجدے واجب ہوں گے۔ یہی صحیح قول ہے۔ یہی حکم اس وقت ہے جب کہ جانوروں سے اناج کو گاہا جائے ہمارے علاقہ میں اس کو دائیں چلانا کہتے ہیں پس دائیں چلاتے وقت یعنی اناج گاہتے وقت اگر ایک آیت سجدہ کو بار بار پڑھتا رہا تو بار بار سجدہ واجب ہوں گے۔ یہ قول احتیاط پر مبنی ہے۔

سامع کی مجلس بدل گئی تلاوت کرنے والے کی مجلس نہیں بدلی تو سامع پر مکرر سجدہ ہے نہ کہ تلاوت کرنے والے پر

ولو تبدل مجلس السامع دون التالی یتکرر الوجوب علی السامع لان السبب فی حقه السماع و کذا اذا تبدل مجلس التالی دون سامع علی ماقیل والاصح انه لا یتکرر الوجوب علی السامع لما قلنا

ترجمہ...... اور اگر سننے والے کی مجلس بدل گئی نہ کہ تلاوت کرنے والے کی تو سامع پر وجوب مکرر ہوگا کیونکہ سجدہ واجب ہونے کا سبب اس کے حق میں تلاوت کا سننا ہے اور ایسی طرح اگر بغیر سامع کے تالی کی مجلس بدل گئی اسی بناء پر جو کہا گیا ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ سننے والے پر وجوب مکرر نہیں ہوگا اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی ہے۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر آیت سننے والے کی مجلس بدل گئی اور تلاوت کرنے والے کی مجلس نہیں بدلی تو بالاتفاق وجوب سجدہ سامع پر مکرر ہوگا۔ دلیل: یہ ہے کہ سامع کے حق میں سجدۂ تلاوت واجب ہونے کا سبب سماع ہے اور چونکہ مجلس بدلنے کی وجہ سے سماع مکرر ہوا ہے اس لئے وجوب سجدہ بھی مکرر ہوگا۔ اور اگر تلاوت کنندہ کی مجلس بدل گئی لیکن سامع کی مجلس نہیں بدلی تو علامہ فخر الاسلام کے قول کے مطابق اس صورت میں بھی سجدہ کا وجوب سامع پر مکرر ہوگا۔ دلیل: یہ ہے کہ آیت سجدہ کا سننا تلاوت پر مبنی ہے اور مجلس تلاوت بدل گئی لہٰذا سماع کو بھی تلاوت پر قیاس کیا جائے گا یعنی یوں کہا جائے گا کہ جب تلاوت کی مجلس بدل گئی تو حکماً سماع کی مجلس بھی بدل گئی بعض حضرات نے یہ دلیل بیان کی ہے کہ سجدۂ تلاوت کا سبب تالی اور سامع دونوں کے حق میں تلاوت ہے اور تبدل مجلس کی وجہ سے تلاوت مکرر ہوگئی ہے۔ اس لئے سجدہ کا وجوب تالی اور سامع دونوں پر مکرر ہوگا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ اس صورت میں سامع پر وجوب سجدہ مکرر نہیں ہوگا کیونکہ سامع کے حق میں سجدہ واجب ہونے کا سبب سماع ہے اور سماع کی مجلس میں تکرار نہیں ہوا لہٰذا اس پر وجوب سجدہ بھی مکرر نہ ہوگا۔

سجدہ کرنے کا طریقہ

ومن اراد السجود كبر ولم يرفع يديه وسجد ثم كبر و رفع رأسه اعتبارا بسجدة الصلوٰة وهو المروي عن ابن مسعودؓ و لا تشهد عليه و لا سلام لان ذلك للتحلل و هو يستدعي سبق التحريمة و هي منعدمة

ترجمہ...... اور جس نے سجدۂ تلاوت کرنے کا ارادہ کیا تو وہ تکبیر کہے اور ہاتھ نہ اٹھائے اور سجدہ کرے پھر تکبیر کہہ کر اپنا سر اٹھالے نماز کے سجدہ پر قیاس کرتے ہوئے اور یہی ابن مسعودؓ سے مروی ہے اور اس پر نہ تشہد ہے اور نہ سلام ہے کیونکہ سلام تو نماز سے نکلنے کے لئے ہے اور وہ تقاضا کرتا ہے سبقت تحریمہ کا اور تحریمہ معدوم ہے۔

تشریح...... اس عبارت میں سجدۂ تلاوت کی کیفیت کا بیان ہے سو کیفیت یہ ہے کہ جب سجدۂ تلاوت کرنے کا ارادہ ہو تو بغیر دونوں ہاتھ اٹھائے تکبیر کہہ کر سجدہ کرے پھر تکبیر کہہ کر اپنا سر زمین سے اٹھالے۔ دلیل: نماز کے سجدہ پر قیاس ہے۔ یہی عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے یہ ذہن میں رہے کہ یہ دونوں تکبیریں مسنون ہیں واجب نہیں ہیں۔ صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ سجدۂ تلاوت کرنے والے پر نہ تشہد ہے نہ سلام ہے کیونکہ تشہد اور سلام نماز سے نکلنے کے لئے مشروع ہوئے ہیں اور نماز سے نکلنا تقاضا کرتا ہے کہ پہلے تحریمہ ہو اور تحریمہ اس جگہ معدوم ہے پس جب تحریمہ معدوم ہے تو تحلل بھی نہیں ہوگا اور جب تحلل نہیں ہے تو تشہد اور سلام بھی نہیں ہوں گے۔

فوائد...... قدوری اور ہدایہ کی عبارت اس بارے میں خاموش ہے کہ سجدۂ تلاوت میں کیا پڑھے۔ سو اس سلسلے میں بعض نے تو یہ کہا ہے کہ نماز کے سجدہ میں جو پڑھا جاتا ہے وہی تلاوت میں پڑھے اور بعض کا قول ہے کہ سجدۂ تلاوت میں یہ کہے سبحان ربنا ان كان وعد

ربنالمفعولا۔

نماز یا غیر نماز میں سورت پڑھنے کے دوران آیت سجدہ، سجدہ چھوڑ نا مکروہ ہے

قال ویکرہ ان یقرأ السورۃ فی صلوۃ اوغیرھا ویدع آیۃ السجدۃ لانہ یشبہ الاستنکاف عنھا ولا بأس بان یقرأ آیۃ السجدۃ ویدع ماسواھا لانہ مبادرۃ الیھا قال محمدؒ احب الی ان یقرأ قبلھا آیۃ او آیتین دفعا لوھم التفضیل واستحسنوا اخفاءھا شفقۃ علی السامعین واللہ اعلم

ترجمہ...... امام محمدؒ نے کہا کہ نماز یا غیر نماز میں سورت پڑھنا اور آیت سجدہ کو چھوڑ دینا مکروہ ہے کیونکہ یہ فعل سجدہ سے منہ موڑنے کے مشابہ ہے اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ آیت سجدہ کو پڑھے اور اس کے علاوہ کو چھوڑ دے۔ کیونکہ یہ تو سجدہ کی طرف پیش قدمی ہے۔ امام محمدؒ کا قول ہے کہ میرے نزدیک محبوب بات یہ ہے کہ آیت سجدہ سے پہلے ایک یا دو آیتیں پڑھ لے تفصیل کے وہم کو دور کرنے کے لئے اور علماء نے اس کے اخفاء کو مستحسن سمجھا ہے سننے والوں پر شفقت کے پیش نظر۔ اللہ زیادہ بہتر جاننے والا ہے۔

تشریح...... امام محمدؒ نے فرمایا ہے کہ نماز یا غیر نماز میں پوری سورت کو پڑھنا اور آیت سجدہ کو چھوڑ دینا مکروہ ہے وجہ کراہت یہ ہے کہ یہ عمل آیت سجدہ سے اعراض کرنے کے مشابہ ہے اور قرآن پاک کی کسی آیت سے اعراض کرنا حرام ہے کیونکہ یہ تو کفر ہے۔ پس جب حقیقتاً اعراض کرنا حرام ہے تو جو چیز اس کے مشابہ ہو وہ مکروہ ضرور ہوگی اور اگر کسی نے آیت سجدہ کی تلاوت کی اور باقی پوری سورت کو چھوڑ دیا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ سجدہ کی طرف مبادرت اور پیش قدمی ہے۔ البتہ امام محمدؒ نے فرمایا ہے کہ پسندیدہ بات یہ ہے کہ آیت سجدہ سے پہلے ایک یا دو آیتیں پڑھ لے تا کہ یہ وہم نہ ہو کہ آیت سجدہ کو اوروں پر فضیلت ہے۔ حالانکہ قرآن ہونے میں سب آیات برابر ہیں۔ علماء نے اس بات کو مستحسن قرار دیا ہے کہ آیت سجدہ کو آہستہ پڑھے تا کہ سننے والوں پر گراں نہ گذرے۔ صاحب عنایہ نے محیط کے حوالہ سے تحریر کیا ہے کہ اگر تلاوت کرنے والا تنہا ہے تو جس طرح چاہے پڑھے خواہ سراً خواہ جہراً اور اگر اس کے ساتھ اور لوگ ہیں تو مشائخ احناف نے کہا ہے کہ وہ لوگ اگر باوضو ہیں اور ان پر سجدہ کرنے میں کچھ گرانی نہ ہوگی تو جہر سے پڑھنا چاہئے اور اگر وہ لوگ بے وضو ہیں یا یہ سمجھے کہ وہ سن کر سجدہ نہ کریں گے یا ان پر گراں ہوگا تو آہستہ پڑھے۔ واللہ اعلم بالصواب، جمیل احمد عفی عنہ۔

باب صلوٰۃ المسافر

ترجمہ...... یہ باب مسافر کی نماز (کے بیان میں) ہے۔

تشریح...... چونکہ تلاوت کی طرح سفر بھی ان عوارض میں سے ہے جن کا انسان کسب کرتا ہے اس لئے سجدۂ تلاوت کے احکام بیان کرنے کے بعد سفر کے احکام ذکر کئے گئے اور چونکہ تلاوت اور سجدۂ تلاوت عبادت ہے اور سفر عبادت نہیں اس لئے سجدۂ تلاوت کو مقدم اور سفر کے احکام کو مؤخر کیا گیا۔

سفر کے لغوی معنی مسافت طے کرنے کے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں سفر وہ ہے جس سے احکام متغیر ہو جاتے ہیں مثلاً نماز کا قصر، رمضان کے اندر افطار کی اجازت، مدت مسح کا تین دن تک دراز ہو جانا، جمعہ عیدین اور قربانی کے وجوب کا ساقط ہو جانا، بغیر محرم کے آزاد

عورت کے نکلنے کا حرام ہونا۔ خیال رہے کہ سفر کا شرعاً اعتبار اس وقت ہوگا جبکہ سفر کی نیت ہو اور عملاً سفر موجود ہو۔ چنانچہ اگر کسی نے تین دن کی مسافت کی نیت کے بغیر پوری دنیا کا چکر لگایا تو یہ شخص شریعت کی نظر میں مسافر نہیں کہلائے گا اور اگر سفر کی نیت کی لیکن عملاً سفر نہیں کیا تو بھی مسافر نہیں ہوگا۔ سفر کی وجہ سے احکام کے اندر تغیر اسی وقت ہوگا جب کہ نیت سفر اور فعل سفر دونوں علی سبیل الاجتماع موجود ہوں۔

سوال...... اقامت کے لئے محض نیت کافی ہے لیکن سفر کے لئے محض نیت کافی نہیں ہے بلکہ فعل سفع بھی ضروری ہے۔ ایسا کیوں ہے؟

جواب...... سفر فعل ہے اور فعل کے اندر محض ارادہ اور قصد کافی نہیں ہوتا۔ بلکہ عمل کی ضرورت پڑتی ہے۔ مثلاً نماز ایک فعلی چیز ہے اس میں فقط نیت کافی نہیں ہوتی بلکہ نیت کے ساتھ قیام، رکوع سجدہ وغیرہ ہوں گے تو نماز ہوگی ورنہ نہیں۔ اور اقامت ترک فعل کا نام ہے اور ترک فعل محض نیت سے حاصل ہو جاتا ہے۔

سفر شرعی کی مسافت

السفر الذی یتغیر به الاحکام ان یقصد مسیرة ثلاثة ایام ولیالیها بسیر الابل ومشی الاقدام لقوله علیه السلام یمسح المقیم کمال یوم ولیلة والمسافر ثلاثة ایام ولیالیها عمت الرخصة الجنس ومن ضرورته عموم التقدیر وقدر ابویوسفؒ بیومین واکثر الیوم الثالث والشافعیؒ بیوم ولیلة فی قول وکفی بالسنة حجة علیهما

ترجمہ...... وہ سفر جس سے احکام بدل جاتے ہیں یہ ہے کہ اونٹ کی رفتار کے ذریعہ یا قدموں کی چال سے تین دن اور تین رات کی رفتار کا ارادہ کرے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ مقیم پورے ایک دن ایک رات مسح کرے اور مسافر تین دن اور تین رات (یہ) رخصت جنس کو عام ہے اور اس کے لوازمات میں سے عموم تقدیر ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ نے سفر کی مقدار دو یوم اور تیسرے دن کا اکثر قرار دی ہے اور امام شافعیؒ نے ایک قول کے مطابق ایک دن اور ایک رات مقرر کی ہے اور حدیث مذکور دونوں کے خلاف حجت ہونے کے لئے کافی ہے۔

تشریح...... صاحب قدوری نے فرمایا ہے کہ جس سفر سے احکام متغیر ہو جاتے ہیں وہ سفر یہ ہے کہ انسان تین دن تین رات کے چلنے کا ارادہ کرے، چال کے اندر اونٹ کی چال معتبر ہے یا پیدل کی یا بیل گاڑی کی۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ ہر ملک کے سال میں سب سے چھوٹا دن معتبر ہے۔ جیسے ہمارے یہاں شمالی ہند میں خوب جاڑے میں سب سے چھوٹا دن ہوتا ہے نیز رات و دن ۲۴ گھنٹے کا چلنا مراد نہیں بلکہ ہر روز صبح سے زوال کے وقت تک کا چلنا مراد ہے کیونکہ ۲۴ گھنٹہ چلتے رہنا نہ انسان کے بس میں ہے اور نہ ہی سواری کے جانور کی طاقت میں۔ بہر حال ہر روز صبح سے زوال تک کسی منزل پر پہنچ کر آرام کر کے تین رات تین دن میں جو مسافت طے ہو وہ مسافت سفر ہے۔

تین دن اور تین رات کی تقدیر پر حدیث رسول **یمسح المقیم کمال یوم ولیلة والمسافر ثلثة ایام و لیالیها** سے استدلال کیا گیا ہی وجہ استدلال یہ ہے کہ المسافر کا الف لام استغراقی ہے پس مسح کی رخصت ہر مسافر کو شامل ہوگی یعنی ہر مسافر تین دن اور تین رات مسح کرنے پر قادر ہوگا اور ہر مسافر تین رات دن مسح کرنے پر اسی وقت قادر ہو سکتا ہے جبکہ اقل مدت سفر تین رات دن ہو۔ اگر اقل مدت سفر اس سے کم مانی جائے تو ہر مسافر کا تین دن اور تین رات مسح کرنے پر قادر ہونا ممکن نہیں رہے گا۔ حالانکہ حدیث سے ہر مسافر کے لئے تین دن اور تین رات مسح کرنے کی قدرت ثابت ہے پس ثابت ہو گیا کہ سفر کی کم از کم مدت تین دن اور تین راتیں ہیں۔

ہمارے مذہب کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے لا تسافر المرأة فوق ثلاثة ایام ولیا لیها الا ومعها زوجها او ذو رحم محرم منها۔ حدیث میں لفظ فوق زائد ہے جیسے فاضربوا فوق الاعناق میں لفظ فوق زائد ہے اب حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی عورت تین دن اور تین رات سفر نہ کرے مگر یہ کہ اس کے ساتھ اس کا شوہر ہو یا کوئی ذی رحم محرم ہو یہ بات مسلم ہے کہ عورت کے لئے مدت سفر سے کم بغیر محرم کے سفر کرنے کی اجازت ہے پس چونکہ حدیث میں تین دن اور تین رات عورت کو بغیر محرم کے سفر کرنے سے منع کیا گیا ہے اس لئے مدت سفر تین دن اور تین رات ہوگی۔

علماء احناف میں سے امام ابو یوسفؒ نے فرمایا ہے کہ اقل مدت سفر دو یوم کامل اور تیسرے دن کا اکثر حصہ ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ایک قول کے مطابق ایک دن اور ایک رات کم از کم سفر کی مدت ہے۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ چار فرسخ اقل مدت سفر ہے۔ یہی ایک قول امام شافعیؒ کا ہے، صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ ہماری پیش کردہ حدیث دونوں مخالف اقوال کے خلاف حجت ہے۔

متوسط رفتار معتبر ہے

والسیر المذکور هو الوسط وعن ابی حنیفةؒ التقدیر بالمراحل وهو قریب من الاول ولا معتبر بالفراسخ هو الصحیح

ترجمہ...... اور جس رفتار کا ذکر کیا گیا ہے وہ اوسط درجہ کی رفتار ہے۔ اور ابو حنیفہؒ سے مرحلوں کے ساتھ اندازہ مروی ہے۔ اور یہ قول اول کے قریب ہے اور فرسخوں کے ساتھ اندازہ کرنا معتبر نہیں ہے۔ یہی صحیح ہے۔

تشریح...... صاحب قدوری کہتے ہیں کہ اونٹ یا قدموں کی رفتار میں معتدل اور اوسط درجہ کی رفتار مراد ہے نہ بہت تیز ہو اور نہ بہت سست بلکہ درمیانی چال ہو۔ امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت ہے کہ ادنیٰ مدت سفر تین منزل ہیں یعنی اگر کسی نے تین منزل کے ارادے سے سفر شروع کیا تو وہ شرعاً مسافر کہلائے گا۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام صاحب کا یہ قول بھی قول اول سے قریب ہے۔ کیونکہ انسان عادۃً ایک دن میں ایک منزل کا سفر کرتا ہے بالخصوص چھوٹے دنوں میں لہذا مدت سفر تین دن بیان کرنا یا تین منزل بیان کرنا ایک ہی بات ہے۔ صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ صحیح قول کے مطابق مدت سفر کی تعیین میں فراسخ کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے عامۃ المشائخ نے فرسخوں کا اعتبار کیا ہے۔ چنانچہ بعض مشائخ نے گیارہ فرسخوں کا ذکر کیا ہے بعض نے اٹھارہ کا اور بعض نے پندرہ۔ (واللہ اعلم عنداللہ)

دریا میں خشکی کی رفتار معتبر نہیں

ولا یعتبر السیر فی الماء معناه لا یعتبر به السیر فی البر، فاما المعتبر فی البحر فما یلیق بحاله کما فی الجبل

ترجمہ...... اور دریا میں رفتار معتبر نہیں ہے۔ اس کے معنی ہیں کہ دریائی رفتار کے ساتھ خشکی کی رفتار معتبر نہیں ہوگی رہا دریا کے اندر اعتبار سو وہ ہے جو اس کے حال کے مناسب ہو۔ جیسا کہ پہاڑ کے اندر ہے۔

تشریح...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ دریا کے اندر اگر کشتی سے سفر کیا جائے تو اس کے حال کے مناسب کا اعتبار کیا جائے گا یعنی ہوا گرنہ

موافق ہو یا مخالف تو اس میں تین دن اور تین رات میں جس قدر مسافت طے کرے گا وہ مدت سفر کہلائے گی جس طرح پہاڑوں کے سفر میں تین دن اور تین رات کی مسافت معتبر ہے اگرچہ ہموار زمین میں اتنی مسافت اس سے کم مدت میں طے ہو جاتی ہو۔

متن کی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ دریائی سفر میں خشکی کی رفتار معتبر نہ ہوگی مثلاً ایک مقام پر پہنچنے کے دو راستے ہیں ایک دریا کا دوسرا خشکی کا خشکی کے راستے میں اس مقام تک پہنچنے کے لئے تین دن اور تین رات کی مسافت ہے اور دریا کے راستہ سے دو یوم کی مسافت ہے پس اگر کوئی شخص یہ مسافت خشکی کے راستہ سے طے کرے گا تو اس کے لئے مسافروں کی رخصت حاصل ہوگی اور اگر دریائی راستہ سے گیا تو رخصت سفر حاصل نہ ہوگی۔

قصر نماز کی شرعی حیثیت

قال وفرض المسافر فی الرباعیة رکعتان لایزید علیهما وقال الشافعیؒ فرضه الاربع والقصر رخصة اعتبار بالصوم و لنا ان الشفع الثانی لایقضی و لا یأثم علی ترکه و هذا آیة النافلة بخلاف الصوم لانه یقضی

ترجمہ...... شیخ قدوری نے کہا ہے کہ مسافر کی رباعی نماز دو رکعت ہیں۔ ان پر زیادتی نہ کرے اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اس کا فرض تو چار ہی رکعت ہیں۔ اور قصر کرنا رخصت ہے روزہ پر قیاس کرتے ہوئے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ شفع ثانی کی نہ تو قضاء کی جاتی ہے اور نہ اس کے ترک کرنے پر گنہگار ہوتا اور یہ علامت ہے اس کے نفل ہونے کی برخلاف روزہ کے کیونکہ اس کی قضاء کی جاتی ہے۔

تشریح...... قدوری نے فرمایا ہے کہ ہمارے نزدیک رباعی نماز مسافر پر دو رکعت فرض ہیں۔ ان پر اضافہ جائز نہیں ہے حاصل یہ کہ ہمارے نزدیک مسافر کے حق میں قصر رخصت اسقاط ہے۔ یعنی رباعی نماز میں دو رکعت ساقط ہو کر دو رکعت رہ گئیں ہیں۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مسافر کے حق میں قصر رخصت ترفیہ ہے اور اتمام افضل ہے یعنی مسافر کی سہولت کے پیش نظر اس کو دو رکعت پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے ورنہ رباعی نماز میں اس پر چار رکعت ہی فرض ہیں۔ اور چار ہی کا پڑھنا افضل ہے اس کے قائل امام احمدؒ ہیں اور امام ملکؒ کا بھی ایک قول یہی ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل روزہ پر قیاس ہے۔ یعنی جس طرح مسافر کے لئے رمضان المبارک میں افطار کی اجازت ہے اور روزہ رکھنا افضل ہے۔ اسی طرح رباعی نماز میں قصر کی اجازت دی گئی ہے ورنہ اتماما افضل ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ خداوند قدوس نے فرمایا ہے فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ یعنی نماز کا قصر کرنے میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے۔ آیت سے استدلال اس طور پر ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے قصر لفظ لاجناح کے ساتھ مشروع کیا ہے اور لفظ اباحت کے لئے ذکر کیا جاتا ہے نہ کہ وجوب کے لئے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے لَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ پس ثابت ہوا کہ قصر مباح ہے۔ واجب نہیں اور جب قصر کا مباح ہونا ثابت ہوا تو دوسرے مباحات کی طرح قصر کے اندر بھی مسافر کو اختیار ہوگا کہ قصر کرے یا اتمام کرے۔ تیسری دلیل حدیث عمرؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت مجھ پر مشتبہ ہوگئی تو میں نے رسول خدا ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا ہم قصر کریں؟ حالانکہ ہم مامون ہیں ہمیں کسی چیز کا خوف نہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان خفتم فرمایا ہے۔ یعنی خوف کو قصر کے ساتھ مشروط کیا ہے (یہ سن کر) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ خداوند قدوس کی طرف سے صدقہ ہے اللہ تعالیٰ کا صدقہ قبول کرو۔

حدیث میں قصر کو قبول کے ساتھ معلق کیا ہی اور قصر کا نام صدقہ رکھا ہے اور قاعدہ ہے کہ جس پر صدقہ کیا جاتا ہے اس کو صدقہ میں اختیار

اس پر قبول کرنا لازم نہیں ہوتا۔ (فتح القدیر) ہماری دلیل یہ ہے کہ مسافر اگر قصر کرے اور آخری دو رکعتوں کو ترک کردے تو مقیم ہونے کے بعد نہ ان کی قضاء کی جاتی ہے اور نہ ہی ان کے چھوڑنے پر گنہگار رہتا ہے اور قضاء کا واجب نہ ہونا اور گنہگار نہ ہونا شفع ثانی کے نفل ہونے کی علامت ہے پس ثابت ہوا کہ مسافر پر رباعی نماز میں فقط دو رکعتیں واجب ہیں۔ دوسری نقلی دلیل عن عائشۃ قالت فرضت الصلوٰۃ رکعتین رکعتین فاقرت صلوٰۃ السفر وزیدت فی الحضر . (بخاری ومسلم) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ نماز دو دو رکعت فرض کی گئی ہے پس سفر کی نماز کو (اسی حال پر) باقی رکھا گیا اور حضر کی نماز میں اضافہ کردیا گیا۔ عن ابن عباس قال فرض اللہ الصلوٰۃ علی لسان نبیکم فی الحضر اربع رکعات وفی السفر رکعتین ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے رسول کی زبانی حضر میں چار رکعتیں فرض کیں اور سفر میں دو رکعت طبرانی کی روایت ہے۔ افترض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکعتین فی السفر کما افترض فی الحضر اربعا ۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سفر میں دو رکعتیں فرض کی ہیں۔ جیسا کہ حضر میں چار رکعت فرض کی ہیں نسائی وابن ماجہ میں ہے عن ابن ابی لیلی عن عمر قال صلوٰۃ السفر رکعتان وصلوٰۃ الاضحی رکعتان وصلوٰۃ الفطر رکعتان وصلوٰۃ الجمعۃ رکعتان تمام غیر قصر علی لسان محمد حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ سفر کی نماز دو رکعت ہیں عید الاضحی کی نماز دو رکعت ہیں عید الفطر کی نماز دو رکعت ہیں اور جمعہ کی نماز دو رکعت ہے اور یہ پوری نماز ہے بغیر قصر کئے پیغمبر خدا ﷺ کی زبانی۔

بخاری شریف میں ابن عمرؓ سے مروی ہے صحبت رسول اللہ ﷺ فی السفر لم یزد علی رکعتین حتی قبضہ اللہ وصحبت عمر فلم یزد علی رکعتین حتی قبضہ اللہ وصحبت عثمان فلم یزد علی رکعتین حتی قبضہ اللہ وقد قال اللہ تعالیٰ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۔ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ میں سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا آپ ﷺ نے دو رکعت پر زیادتی نہیں کی حتیٰ کہ آپ ﷺ کا وصال ہوگیا اور والد محترم حضرت عمرؓ کے ساتھ سفر میں رہا انہوں نے بھی دو رکعت پر اضافہ نہیں کیا یہاں تک کہ آپ کا وصال ہوگیا۔ حضرت عثمانؓ کے ساتھ سفر کیا آپ نے بھی تاحین حیات دو رکعت پر اضافہ نہیں کیا۔ اور اللہ تعالےٰ نے حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو اسوۂ حسنہ فرمایا ہے۔ اس لئے اسی کا اتباع کیا جائے۔ ان تمام احادیث سے سفر کی نماز کا دو رکعت ہونا ثابت ہوتا ہے اگر سفر کی نماز میں چار رکعت پڑھنا افضل ہوتا جیسا کہ امام شافعیؒ کا خیال ہے تو حضرت ﷺ اور آپ کے صحابہؓ اس فضیلت کو کبھی ترک نہ فرماتے۔

حضرت امام شافعیؒ کے قیاس کا جواب یہ ہے کہ مسافر کی قصر نماز کو اس کے روزہ پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ اس لئے بلاشبہ مسافر کو رمضان میں افطار کی اجازت دی گئی ہے لیکن فرق ہے وہ یہ کہ مسافر پر رباعی کے اندر قصر کرنے کی صورت میں اخریین کی قضاء واجب نہیں ہے اور روزہ کی قضا واجب ہے پس اس فرق کے ساتھ ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا کیسے درست ہوگا۔ حاصل یہ کہ کسی چیز کو اس حال میں ترک کرنا کہ نہ اس کا بدل واجب ہو نہ اس کے ترک پر گناہ ہو تو یہ اس چیز کے نفل ہونے کی علامت ہے رہا روزہ تو اس کا ترک بلا بدل نہیں ہے بلکہ اس کا بدل موجود ہے یعنی قضاء۔ امام شافعی کی طرف سے پیش کردہ آیت کا جواب یہ ہے کہ آیت میں اوصاف کا قصر مراد ہے یعنی خوف کی وجہ سے قیام کو چھوڑ کر قعود اختیار کرنا رکوع وسجود کو چھوڑ کر اشارہ کے ساتھ نماز پڑھنا اور ہمارے نزدیک خوف کے وقت اوصاف کا قصر بھی واجب نہیں ہے۔ پس جب آیت میں اوصات کا قصر مراد ہے تو اس سے رکعات کے قصر پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ اور اگر

تسلیم کرلیا جائے کہ آیت میں اصل نماز کا قصر مراد ہے تو ہم کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ کا یہ کہنا کہ لفظ لا جناح اباحت کے لئے ذکر کیا جاتا ہے وجوب کے لئے نہیں غلط ہے کیونکہ آیت اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ فَمَنْ حَجَّ الْبَیْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْہِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِھِمَا میں لا جناح سے سعی بین الصفا والمروۃ کے وجوب کو ذکر کیا گیا ہے۔ خود امام شافعیؒ بھی اس موقع پر اباحت مراد نہیں لیتے جیسا کہ جلالین میں مذکور ہے۔

امام شافعیؒ کی پیش کردہ حدیث عمرؓ کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ہماری دلیل ہے نہ کہ آپ کی اس لئے کہ حدیث کے اندر فاقبلوا امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کے لئے آتا ہے پس قصرہ جس کو صدقہ کہا گیا ہے اس کا قبول کرنا واجب ہوا نہ کہ مباح دوسرا جواب یہ ہے کہ صدقہ دو طرح کا ہوتا ہے ایک تملیکات کے قبیلہ سے جیسے مال کا صدقہ، دوم اسقاطات کے قبیلہ سے جیسے عتاق (آزاد کرنا) اور قصاص کو معاف کرنا قاعدہ یہ ہے کہ جو صدقہ تملیکات کے قبیلہ سے ہو اگر اس کو رد کردیا جائے تو وہ رد ہوجائے گا۔ البتہ جو اسقاطات کے قبیلہ سے ہو وہ رد کرنے سے رد نہیں ہوتا۔ پس قصر صلوٰۃ ایسا صدقہ ہے جو از قبیل اسقاطات ہے۔ لہذا یہ رد کرنے سے رد نہیں ہوگا اور جب متصدق علیہ کے رد کرنے سے رد نہیں ہوا تو گویا واجب ہوا۔ پس ثابت ہوا کہ قصر واجب ہے۔

اگر قصر کے بجائے اتمام کیا تو کیا حکم ہے

وان صلی اربعا وقعد فی الثانیۃ قدر التشهد اجزأته الاولیان عن الفرض والاخریان له نافلة اعتبارا بالفجر ویصیر مسیئا لتأخیر السلام وان لم یقعد فی الثانیۃ قدرها بطلت لاختلاط النافلة بها قبل اكمال اركانها

ترجمہ۔۔۔۔۔۔ اور اگر مسافر نے چار رکعتیں پڑھیں اور دوسری رکعت پر تشہد کی مقدار پر بیٹھ گیا تو پہلی دو رکعتیں فرض سے اس کو کافی ہوجائیں گی اور بعد کی دو رکعتیں اس کے لئے نفل ہوں گی فجر پر قیاس کرتے ہوئے اور تاخیر سلام کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔ اور اگر دوسری رکعت پر بقدر تشہد نہیں بیٹھا تو یہ نماز باطل ہوگئی کیونکہ نفل، فرض کے ساتھ اس کے ارکان مکمل ہونے سے پہلے مخلوط ہوگیا۔

تشریح۔۔۔۔۔۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ مسافر نے بجائے دو رکعت کے چار رکعت پڑھیں اور تشہد کی مقدار دوسری رکعت پر بیٹھ بھی گیا تو پہلی دو رکعتیں فرض اور بعد کی دو رکعتیں نفل شمار ہوں گی۔ صاحب ہدایہ نے فجر کی نماز پر قیاس کیا ہے یعنی اگر فجر کی چار رکعتیں پڑھیں اور دوسری رکعت پر بیٹھ گیا تو فجر کی دو رکعت فرض ادا ہوجائیں گی۔ البتہ سلام میں تاخیر کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔ اور اگر یہ مسافر دوسری رکعت پر تشہد کی مقدار نہیں بیٹھا تو اس کی نماز باطل ہوجائے گی۔ دلیل یہ ہے کہ ارکان فرض مکمل ہونے سے پہلے فرض کے ساتھ نفل مخلوط ہوگیا ہے۔ ارکان اس لئے مکمل نہیں ہوئے کہ قعدۂ اخیرہ جو رکن ہے اس کو ترک کردیا۔ اور فرض کے ارکان مکمل ہونے سے پہلے فرض کو نفل کے ساتھ مخلوط کردینا مبطل صلوٰۃ ہے۔ اس لئے اس کی نماز باطل ہوگئی۔

قصر نماز کہاں سے شروع کرے

واذا فارق المسافر بیوت المصر صلی رکعتین، لان الاقامة تتعلق بدخولها فیتعلق السفر بالخروج عنها وفیه الاثر عن علی لو جاوزنا هذا الخص لقصرنا

ترجمہ۔۔۔۔۔۔ اور جب مسافر نے شہر کے گھروں کو چھوڑا تو دو رکعت پڑھے کیونکہ اقامت (کا حکم) ان گھروں کے اندر داخل ہونے سے

متعلق ہوتا ہے لہذا سفر (کا حکم) ان گھروں سے نکلنے کے ساتھ متعلق ہوگا۔اور اس باب میں حضرت علیؓ کا اثر ہے کہ اگر ہم ان جھونپڑیوں سے تجاوز کر جائیں تو قصر پڑھیں۔

تشریح...... سوال یہ ہے کہ آغاز سفر کے بعد قصر پڑھنا کب شروع کرے سو اس کا حکم یہ ہے کہ جب آبادی سے باہر نکل جائے تو اس پر قصر پڑھنا واجب ہوگیا۔دلیل یہ ہے کہ مسافر جب اپنے وطنی شہر کی آبادی میں داخل ہوتا ہے تو اقامت کا حکم متعلق ہوجاتا ہے پس جب اس آبادی سے باہر نکل گیا تو سفر کا حکم متعلق ہوجائے گا۔اس سلسلہ میں حضرت علیؓ کا اثر بھی منقول ہے لو جاوز ناھذا الخص لقصرنا۔خص کہتے ہیں بانس یا لکڑی کی جھونپڑی کو۔حاصل یہ کہ حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ اگر ہم ان جھونپڑیوں سے آگے بڑھ جائیں تو نماز قصر پڑھیں۔اسی کی تائید حدیث انس سے ہوتی ہے قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الظهر بالمدينة اربعا والعصر بذی الحليفة ركعتين ۔حضرت انسؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ منورہ میں ظہر کی چار رکعتیں پڑھیں اور عصر ذو الحلیفہ میں دو رکعت پڑھی۔

مقیم بننے کے لئے کتنے دن کی اقامت کی نیت ضروری ہے

ولايزال على حكم السفر حتى ينوى الاقامة فى بلدة اوقرية خمسة عشريوما او اكثر وان نوى اقل من ذلك قصر لانه لابدمن اعتبار مدة لان السفر يجامعه اللبث فقدرناها بمدة الطهر لانهما مدتان موجبتان وهوماثورعن ابن عباسؓ وابن عمرؓ والاثر فى مثله كالخبر والتقييد بالبلدة والقرية يشير الى انه لاتصح نية الاقامة فى المفازة وهو الظاهر

ترجمہ...... اور سفر کے حکم پر ہمیشہ باقی رہے گا یہاں تک کہ کسی شہر یا گاؤں میں پندرہ دن یا اس سے زیادہ قیام کی نیت کرے۔اور اگر اس سے کم کی نیت کی تو قصر کرے کیونکہ قیام کے اندر مدت کا اعتبار کرنا ضروری ہے۔اس لئے کہ سفر کے اندر بھی ٹھہراؤ موجود ہوتا ہے پس ہم نے مدت اقامت کا مدت طہر کے ساتھ اندازہ کیا کیونکہ یہ دونوں مدتیں واجب کرنے والی ہیں۔اور یہی مقدار ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ سے منقول ہے۔اور اس جیسے باب میں صحابی کا قول رسول اکرم ﷺ کے قول کے مانند ہوتا ہے شہر اور گاؤں کی قید لگانا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جنگل کے اندر اقامت کی نیت کرنا صحیح نہیں ہے یہی ظاہر ہے۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ سفر کا حکم اس وقت باقی رہے گا جب تک کہ کسی شہر یا گاؤں میں پندرہ دن یا اس سے زیادہ قیام کی نیت نہ کرے پس جب پندرہ دن یا اس سے زیادہ کے قیام کی نیت کرے گا تو سفر کا حکم ختم ہوجائے گا۔اور یہ شخص مقیم کہلائے گا۔اور اگر پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت کی تو ہمارے نزدیک یہ شخص مقیم نہیں ہوگا۔بلکہ قصر نماز پڑھے گا۔

حضرت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ چار دن قیام کی نیت سے مقیم ہوجائے گا۔امام شافعیؒ کا ایک قول یہ ہے کہ جب چار دن سے زائد قیام کیا تو یہ مقیم ہوگیا۔خواہ نیت کرے یا نیت نہ کرے حاصل یہ کہ ہمارے اور امام شافعیؒ کی درمیان دو جگہ اختلاف ہے۔ایک یہ کہ مقیم ہونے کے لئے کم از کم کتنے دن کے قیام کی نیت ضروری ہے سو ہمارے نزدیک پندرہ دن کی نیت سے مقیم ہوجائے گا۔اور ان کے نزدیک چار دن کی نیت سے مقیم ہوجائے گا۔امام شافعیؒ نے اپنے اس قول پر قرآن سے استدلال کیا ہے ارشاد خداوندی ہے اِذَا ضَرَبْتُمْ فِی

الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلوٰۃ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ضرب فی الارض یعنی چلنے سے قصر کو مباح کیا ہے اس کا مفہوم مخالف یہی کہ اگر ضرب فی الارض نہ ہو تو قصر مباح نہیں ہے پس جب مسافر نے اقامت کی نیت کی تو اس نے ضرب فی الارض کو چھوڑ دیا۔ اور جب ضرب فی الارض کو چھوڑ دیا تو اس کے واسطے قصر کرنا مباح نہ رہا لیکن اس پر سوال ہوگا کہ اگر چار دن سے کم قیام کی نیت کرے تو بھی قصر کرنے کی اجازت نہ ہونی چاہئے کیونکہ ضرب فی الارض اس صورت میں بھی نہیں پایا گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نص کا تقاضا تو یہی ہے کہ چار دن سے کم قیام کرنے سے قصر کا حکم باقی نہ رہے۔ مگر ہم نے دلیل اجماع کی وجہ سے چار دن سے کم میں اس نص کو ترک کر دیا ہے اس لئے کہ اس کم قیام کی نیت سے مقیم ہونے کا کوئی قائل نہیں ہے۔

اقامت کے لئے نیت شرط ہے: دوسرا اختلاف یہ ہے کہ اقامت کے لئے ہمارے نزدیک اصل نیت شرط ہے چنانچہ ہمارے نزدیک بلا نیت اقامت مقیم نہیں ہوگا۔ خواہ پندرہ دن سے زائد قیام کرے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک مقیم ہونے کے لئے نیت شرط نہیں ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل حضرت عثمانؓ کا قول من اقام اربعا اتم ہے یعنی جو شخص چار دن قیام کرے وہ پوری نماز پڑھے اس قول میں نیت کا ذکر نہیں ہے لہذا ثابت ہوا کہ مقیم ہونے کے لئے نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔ اقامت کے لئے پندرہ یوم کا اعتبار کرنے میں امام اعظمؒ کی دلیل یہ ہے کہ مسافر کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ شب و روز ۲۴ گھنٹے چلتا رہے۔ بلکہ وہ بسا اوقات ٹھہرتا بھی ہے اور کافی دیر تک ٹھہر جاتا ہے پس معلوم ہوا کہ سفر اور لبث (ٹھہرنا دونوں جمع ہو جاتے ہیں۔ یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ ٹھہرنے کا نام ہی اقامت اور مقیم ہونا ہے پس چونکہ ان دونوں کے درمیان فرق کرنے کے لئے ایک مدت کا اعتبار کرنا ضروری ہے۔ اس لئے ہم نے مدت طہر پر قیاس کر کے مدت اقامت پندرہ یوم مقرر کی ہے۔ رہی بات یہ کہ قیاس کی علت مشترک کیا ہے۔ سو اس بارے میں صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ مدت طہر اور مدت اقامت دونوں کا موجب ہونا علت مشترکہ ہے۔ یعنی حیض کی وجہ سے جو عبادت ساقط ہوگئی تھی مدت طہر کی وجہ سے جس طرح وہ عود کر آتی ہے اسی طرح سفر کی وجہ سے ساقط شدہ عبادت بھی مدت اقامت کی وجہ سے عود کر آتی ہے پس اس قیاس کی بنیاد پر جس طرح ادنیٰ مدت طہر پندرہ دن ہیں اسی طرح ادنیٰ مدت اقامت بھی پندرہ یوم ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ طہر کی ضد حیض کی ادنیٰ مدت تین دن ہیں۔ تو اقامت کی ضد سفر کی ادنیٰ مدت بھی تین دن ہیں۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ مدت اقامت کا پندرہ دن ہونا حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ چنانچہ مجاہد نے روایت کی ہے عن ابن عباسؓ وابن عمرؓ رضی اللّٰہ عنہما قالا اذا دخلت بلدۃ وانت مسافر وفی عزمک ان تقیم بھا خمسۃ عشر یوما فاکمل الصلوۃ وان کنت لاتدری متی تظعن فاقصر یعنی ان دونوں حضرات صحابہ نے فرمایا کہ جب تو کسی شہر میں داخل ہو۔ حالانکہ تو مسافر ہے۔ اور تیرا ارادہ پندرہ دن قیام کا ہے تو نماز پوری پڑھ اور اگر تجھ کو یہ علم نہیں کہ کب سفر کرے گا تو قصر کرتا رہ۔ صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ پندرہ دن کی تحدید مقدرات شرعیہ میں سے ہے اور ایام کی تقدیر و تحدید ایسی چیز ہے جس کی طرف عقل بھی راہ یاب نہیں ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ مالا یعقل کے اندر اثر صحابی بمنزلہ خبر اور حدیث کے ہوتا ہے۔ گویا ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ نے پندرہ یوم کی تعیین حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر بیان کی ہے۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ امام ابو الحسن قدوری کا اقامت کے لئے بلدہ یا قریہ کی قید لگانا اس طرف مشیر ہے کہ جنگل میں اقامت کی نیت کرنا درست نہیں ہے۔ یہی ظاہر الروایۃ ہے۔ اگرچہ قاضی ابو یوسفؒ نے فرمایا ہے کہ چرواہے اگر گھاس پانی کی جگہ خیمہ زن ہو جائیں

اور پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرلیں تو مقیم ہو جائیں گے۔

ایک شہر سے آج کل نکلنے کا ارادہ کیا لیکن دو سال تک ٹھہرا رہا تو نماز قصر پڑھے گا

ولو دخل مصرا علی عزم ان یخرج غدا او بعد غد ولم ینو مدۃ الاقامۃ حتی بقی علی ذلک سنین قصر لان ابن عمرؓ اقام باذر بیجان ستۃ اشھر وکان یقصر وعن جماعۃ من الصحابۃؓ مثل ذلک

ترجمہ..... اور اگر کوئی مسافر شہر میں اس ارادہ کے ساتھ داخل ہوا کہ کل یا پرسوں کوچ کرے گا اور مدت اقامت کی نیت نہیں کی یہاں تک کہ اسی ارادہ کے ساتھ چند سال ٹھہرا رہا تو قصر کرتا رہے گا۔ کیونکہ ابن عمرؓ نے آذربیجان میں چھ ماہ قیام کیا حالانکہ قصر پڑھا کرتے تھے۔ اور صحابہؓ کی ایک جماعت سے اسی کے مثل مروی ہے۔

تشریح..... پہلے مسئلہ میں گذر چکا ہے کہ اقامت کے واسطے پندرہ دن کے قیام کی نیت کرنا ضروری ہے اسی پر متفرع کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر مسافر کسی شہر میں اس نیت کے ساتھ داخل ہوا کہ کل یا پرسوں روانہ ہو جاؤں گا۔ مدت اقامت یعنی پندرہ روز کے قیام کی نیت نہیں کی حتی کہ اسی آج کل میں چند سال گذر گئے تو یہ قصر پڑھتا رہے گا مقیم نہیں کہلائے گا۔ دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے مقام آذربیجان میں چھ ماہ قیام کیا مگر چونکہ حضرت ابن عمرؓ نے بیک وقت پندرہ دن قیام کرنے کی نیت نہیں کی تھی اس لئے وہ قصر نماز ہی پڑھتے رہے۔ اسی کے مثل دوسرے صحابہؓ سے مروی ہے۔ چنانچہ سعد ابن ابی وقاص کے بارے میں مروی ہے۔ کہ انہوں نے نیشاپور کے کسی گاؤں میں دو ماہ قیام کیا اور قصر پڑھتے رہے، اسی طرح علقمہ بن قیس نے خوارزم میں دو سال قیام کیا اور قصر نماز پڑھی۔

لشکر کی دارالحرب میں اقامت کی نیت معتبر ہے یا نہیں

واذادخل العکسر ارض الحرب فنو والا قامۃ بھا قصروا وکذا اذاحاصروا فیھا مدینۃ او حصنا لان الداخل بین ان یھزم فیقر وبین ان یھزن فیفر فلم تکن دار اقامۃ

ترجمہ..... اور جب اسلامی لشکر کفار کے ملک میں داخل ہوا اور اس میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کی تو بھی قصر کریں گے۔ اور یوں ہی جب دارالحرب میں کسی شہر یا قلعہ کا محاصرہ کیا ہو۔ کیونکہ داخل ہونے والا لشکر (دو باتوں کے درمیان) متردد ہے ایک یہ کہ شکست کھا کر بھاگ جائے دوم یہ کہ شکست دے کر قیام پذیر ہو جائے اس لئے یہ دار اقامت نہیں ہوگا۔

تشریح..... اسلامی لشکر نے دارالحرب میں داخل ہو کر پندرہ دن کے قیام کی نیت کی تو بھی حکم یہ ہے کہ یہ فوجی مسلمان قصر نماز پڑھیں۔ یہی حکم اس وقت ہے جبکہ اسلامی فوج نے دارالحرب میں گھس کر کسی شہر یا قلعہ کا محاصرہ کرلیا ہو۔ حاصل یہ کہ دارالحرب کے اندر اسلامی لشکر کی اقامت کے سلسلہ میں نیت معتبر نہیں ہے۔ کیونکہ اقامت کی نیت کا محل وہ جگہ ہوتی ہے جہاں انسان کو حتمی طور پر قرار اور ٹھہراؤ میسر ہو۔ اور یہاں صورت یہ ہے کہ اسلامی لشکر قرار اور فرار کے مابین متردد ہے۔ اس لئے کہ شکست کی صورت میں راہ فرار اختیار کرنی پڑے گی۔ اور فتح کی صورت میں قرار نصیب ہوگا۔ پس فرار اور قرار کی کشمکش میں دارالحرب کو اسلامی لشکر کے لئے دار اقامت نہیں کہا جا سکتا۔ جیسے دارالاسلام میں جنگل دار اقامت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنگل میں اقامت کی نیت معتبر نہیں ہے۔

دارالاسلام میں اسلامی لشکر نے باغیوں پر حملہ کیا اور اقامت کی نیت کی تو ان کی نیت معتبر ہوگی یا نہیں

وكذا اذا حاصروا اهل البغى فى دار الاسلام فى غير مصر او حاصر وهم فى البحر لان حالهم مبطل عزيمتهم وعند زفرؒ يصح فى الوجهين اذا كانت الشوكة لهم للتمكن من القرار ظاهرا وعند ابى يوسفؒ يصح اذا كانوا فى بيوت المدر لانه موضع اقامة ونية الاقامة من اهل الكلاء وهم اهل الاخبية قيل لاتصح والاصح انهم مقيمون يروى ذلك عن ابى يوسفؒ لان الاقامة اصل فلا تبطل بالانتقال من مرعى الى مرعى

ترجمہ...... اور یونہی جب لشکر اسلام نے دارالاسلام کے اندر شہر کے علاوہ میں باغیوں کا محاصرہ کیا یا سمندر میں انکا محاصرہ کیا۔ کیونکہ ان کی حالت ان کے ارادہ کو باطل کرتی ہے۔ اور امام زفرؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں صحیح ہے بشرطیکہ شوکت لشکر اسلام کو حاصل ہو۔ کیونکہ بظاہر ان کو ٹھہرنے پر قابو حاصل ہے۔ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک اس وقت صحیح ہے جبکہ اسلامی لشکر کا قیام مٹی کے گھروں میں ہو اس لئے کہ وہ ٹھہرنے کی جگہ ہیں اور اقامت کی نیت کرنا گھاس والوں کا درانحالیکہ وہ خیمہ بردار لوگ ہیں کہا گیا صحیح نہیں ہے۔ اور اصح یہ ہے کہ یہ مقیم ہیں۔ امام ابو یوسفؒ سے یوں ہی روایت کیا جاتا ہے کیونکہ اقامت اصل ہے لہذا ایک چراگاہ سے دوسری چراگاہ کی طرف منتقل ہونے سے باطل نہیں ہوگی۔

تشریح...... مسئلہ اگر اسلامی لشکر نے دارالاسلام کے اندر شہر کے علاوہ جنگل وغیرہ میں باغیوں کا محاصرہ کیا یا سمندر کے اندر کسی جزیرہ میں باغیوں کا محاصرہ کیا اور اسلامی لشکر نے پندرہ دن اقامت کی نیت کی تو ان کی نیت معتبر نہیں ہوگی۔ بلکہ ان پر قصر نماز پڑھنا لازم ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ اسلامی لشکر اس صورت میں بھی قرار اور فرار کے درمیان متردد ہے۔ پس ان کی حالت تردد ان کے عزم اور اقامت کی نیت باطل کرتی ہے۔ اس لئے کہ جس طرح فتح پا کر اسلامی لشکر کا قرار ممکن ہے اسی طرح شکست کھا کر فرار کا بھی امکان ہے۔ صاحب ہدایہ کی بیان کردہ دلیل سے معلوم ہوتا ہے کہ عبارت میں فی غیر مصر اور فی البحر کی قید اتفاقی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی لشکر اگر باغیوں کے شہر میں قیام پذیر ہو اور قلعہ کے اندر ان کا محاصرہ کیا تو بھی اسلامی لشکر کی نیت اقامت صحیح نہ ہوگی اس لئے کہ باغیوں کا شہر حصول مقصود (فتح) کے بعد جنگل کے مانند ہے۔ کیونکہ اسلامی لشکر اس میں مقیم نہیں ہوگا بلکہ واپس چلا جائے گا۔

امام زفرؒ نے فرمایا ہے کہ اسلامی لشکر نے حربیوں کا محاصرہ کیا ہو یا باغیوں کا' دونوں صورتوں میں اقامت کی نیت کرنا صحیح ہے۔ لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جبکہ اسلامی لشکر کو ملک کے اندر قوت و شوکت حاصل ہو کیونکہ اس صورت میں بظاہر قرار پر قدرت حاصل ہے۔

امام ابو یوسفؒ کا مذہب یہ ہے کہ اسلامی لشکر کا اہل حرب یا باغیوں کا محاصرہ کرنے کی صورت میں اقامت کی نیت کرنا اس وقت صحیح ہے جبکہ اسلامی لشکر کا قیام مٹی کے گھروں اور عمارتوں میں ہو۔ اور اگر خیموں میں قیام ہو تو ان کی نیت معتبر نہیں ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اقامت کی جگہ اور محل مکانات اور عمارتیں ہیں۔ خیمے اقامت کی جگہ نہیں ہیں۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ وہ لوگ جن کی معاش کا دارومدار جانوروں پر ہے وہ جہاں گھاس اور پانی دیکھتے ہیں خیمہ لگا کر ٹھہر جاتے ہیں پھر جب وہاں گھاس ختم ہوگئی تو روانہ ہو کر کسی موقع پر یونہی ٹھہر جاتے ہیں۔ ان کی نیت اقامت کے صحیح اور غیر صحیح ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض علماء کا خیال ہے کہ ان لوگوں کی نیت اقامت صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ لوگ اقامت کی جگہ نہیں ہیں اصح قول یہ

ہے کہ یہ لوگ مقیم ہیں یعنی ابتداء سے مسافر ہی نہیں ہوئے۔ کیونکہ اقامت اصل ہے اور سفر اس پر عارض ہوتا ہے پس اقامت اس وقت باطل ہوگی جب اس کو سفر عارض ہو یعنی انہوں نے ایک مقام سے ایسے دوسرے مقام کا قصد کیا ہو جو تین دن کی مسافت پر ہے تو یہ لوگ راستہ میں مسافر ہوں گے اور ایک چراگاہ سے دوسری چراگاہ کی طرف منتقل ہونا سفر نہیں کہلاتا لہٰذا ایک چراگاہ سے دوسری چراگاہ کی طرف منتقل ہونا اقامت کو باطل نہیں کرے گا۔ اور جب اقامت باطل نہیں ہوتی تو یہ لوگ مقیم ہوں گے مسافر نہ ہوں گے۔

مسافر کے لئے مقیم کی اقتداء کا حکم

وان اقتدى المسافر بالمقيم فى الوقت اتم اربعا لانه يتغير فرضه الى اربع للتبعية كما يتغير بنية الاقامة لاتصال المغير بالسبب وهو الوقت

ترجمہ...... اور اگر وقت کے اندر مسافر نے مقیم کی اقتداء کی تو پوری چار رکعت پڑھے۔ کیونکہ تابع ہونے کی وجہ سے مسافر کا فریضہ چار رکعت کی طرف متغیر ہو جاتا ہے جیسے اقامت کی نیت سے متغیر ہو جاتا ہے کیونکہ متغیر کرنے والا سبب یعنی وقت کے ساتھ متصل ہو گیا ہے۔

تشریح...... یہاں سے دو باتوں کا حکم بیان کیا گیا ہے ایک مسافر کا مقیم کی اقتداء کرنے کا حکم، دوم مقیم کا مسافر کی اقتداء کا حکم۔ پہلی صورت وقت کے اندر تو جائز ہے لیکن وقت نکلنے کے بعد جائز نہیں ہے۔ اور دوسری صورت وقت کے اندر بھی جائز ہے اور وقت کے بعد بھی۔ صاحب قدوری نے پہلی صورت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر مسافر نے وقت کے اندر مقیم کی اقتداء کی یعنی رباعی ادا نماز میں مسافر نے مقیم کی اقتداء کی تو مسافر پوری چار رکعت پڑھے گا۔ دلیل یہ ہے کہ مسافر نے اس شخص کی متابعت کا التزام کیا ہے جس کی فرض نماز چار رکعت ہیں اور جو شخص اس کی متابعت کا التزام کرے جس کا فریضہ چار رکعت ہیں تو تابع ہونے کی وجہ سے اس کا فریضہ چار رکعت کی طرف متبدل ہو جائے گا۔ جس طرح اقامت کی نیت سے مسافر کا فریضہ چار رکعت کی طرف متبدل ہو جاتا ہے۔

لاتصال المغير سے علت جامعہ کا بیان ہے۔ یعنی یہاں جامع موجود ہے۔ وہ یہ کہ مغیر (دو رکعت کو چار میں تبدیل کرنے والا) سبب کے ساتھ متصل ہے۔ چنانچہ مغیر، اول میں اقتداء ہے جو سبب یعنی وقت کے ساتھ متصل ہے۔ جیسا کہ ثانی کے اندر مغیر یعنی نیت اقامت سبب یعنی وقت کے ساتھ متصل ہے۔

مسافر کے لئے فوت شدہ نماز کی اقتداء کا حکم

وان دخل معه فى فائتة لم تجزه لانه لايتغير بعد الوقت لانقضاء السبب كما لا تتغير بنية الاقـ فيكون اقتداء المفترض بالمتنقل فى حق القعدة او القراءة

ترجمہ...... اور اگر مسافر، مقیم کے ساتھ کسی فائتہ نماز میں داخل ہوا تو جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ مسافر کا فریضہ وقت کے بعد متغیر نہ ہوگا اس لئے کہ سبب تو گذر چکا۔ جیسے (قضاء نماز) نیت اقامت سے نہیں بدلتی تو قعدہ یا قرأت کے حق میں مفترض کا متنفل کی اقتداء کرنا لازم آئے گا۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ مسافر نے اگر قضاء نماز کے اندر مقیم کی اقتداء کی تو یہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ وقت گذرنے کے بعد مسافر کا [illegible] متغیر نہیں ہوگا اس لئے کہ فرض نماز کا سبب تو وقت ہے اور اقتداء جو تغیر دینے والی ہے۔ وہ سبب سے متصل ہو کر کارآمد ہوتا ہے۔ اور چونکہ قضاء

نماز میں سبب یعنی وقت گذر جانے کی وجہ سے یہ اتصال نہیں پایا گیا۔ اس لئے مسافر کا فرض دو رکعت سے چار رکعت کی طرف متبدل بھی نہیں ہوگا۔ جیسا کہ قضاء نماز نیت اقامت سے نہیں بدلتی حالانکہ نیت اقامت بھی دو رکعت کو چار رکعت میں تبدیل کرنے والی ہے فیکون اقتداء المفترض بالمتنفل الخ سے ما قبل کا نتیجہ مذکور ہے۔ حاصل یہ کہ وقت نماز نکلنے کے بعد اگر مسافر نے رباعی قضاء نماز میں مقیم کی اقتداء کی تو دو خرابیوں میں سے ایک خرابی ضروری لازم آئے گی۔ یا تو اپنے امام کی مخالفت کرنا لازم آئے گا۔ یا اقتداء مفترض بالمتنفل لازم آئے گا اس لئے کہ مسافر نے اگر قضاء رباعی نماز میں مقیم کی اقتداء کی تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ مسافر مقتدی دو رکعت پر سلام پھیرے گا یا چار پر۔ اگر مسافر نے دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو وہ اپنے امام کے مخالف ہوا۔ اور مخالفت امام مفسد نماز ہے۔ اور اگر مسافر آخر تک امام کے ساتھ شریک رہا تو اب اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔ مسافر نے شروع ہی سے اقتداء کی ہے یا آخر کی دو رکعتوں میں اگر اول صورت ہے تو دو رکعت پر قعدہ مسافر کے حق میں فرض ہے۔ اس لئے کہ اس کے حق میں یہ قعدۂ اخیرہ ہے۔ اور امام مقیم کے حق میں فرض نہیں ہے کیونکہ اس کے حق میں یہ قعدۂ اولیٰ ہے اور قعدۂ اولیٰ فرض نہیں ہوتا۔ پس اس صورت میں قعدہ کے حق میں فرض ادا کرنے والا نفل ادا کرنے والے کا مقتدی ہوگا اور اگر آخر کی دو رکعتوں میں اقتداء کی گئی ہے تو آخر میں امام یعنی مقیم کی قرأت نفل ہے اور مقتدی یعنی مسافر کی فرض ہے۔ پس اس صورت میں قرأت کے حق میں فرض ادا کرنے والے کا نفل ادا کرنے والے کی اقتداء کرنا لازم آئے گا۔ اور یہ امر مسلم ہے کہ ہمارے نزدیک اقتداء مفترض بالمتنفل ناجائز ہے۔

حاصل یہ ہے کہ وقت نکل جانے کے بعد مسافر کو مقیم کا مقتدی بننے میں جب دونوں صورتوں میں فساد ہے تو وقت کے بعد یہ اقتداء ہی جائز نہ ہوگی۔

مسافر مقیمین کا امام بن سکتا ہے

وان صلی المسافر بالمقیمین رکعتین سلم واتم المقیمون صلاتھم لان المقتدی التزم الموافقة فی الرکعتین فینفرد فی الباقی کالمسبوق الا انه لایقرأ فی الاصح لانه مقتد تحریمة لافعلا والفرض صار مؤدّی فیترکھا احتیاطا بخلاف المسبوق لانه ادرکُ قراءة نافلة فلم یتأدی الفرض فکان الاتیان اولی

ترجمہ...... اگر مسافر نے مقیموں کو دو رکعت نماز پڑھائی تو امام مسافر سلام پھیر دے اور مقیم لوگ اپنی نماز پوری کر لیں۔ کیونکہ مقتدی نے دو رکعت میں موافقت کا التزام کیا ہے تو باقی دو رکعت میں وہ مسبوق کی مانند تنہا ہوگا مگر اصح قول کی بناء پر وہ قرأت نہ کرے۔ کیونکہ وہ تحریمہ کے اعتبار سے مقتدی ہے نہ کہ فعل کے اعتبار سے اور فرض تو ادا ہو چکا ہے لہذا احتیاطاً قرأت کو چھوڑ دے برخلاف مسبوق کے کیونکہ مسبوق نے نفل قرأت پائی ہے لیکن ابھی تک فرض قرأت ادا نہیں ہوئی ہے اس لئے قرأت کرنا اولیٰ ہوگا۔

تشریح...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مقیم لوگوں نے مسافر کی اقتداء کی تو مسافر ان کو دو رکعت پڑھا کر قعدہ کے بعد سلام پھیر دے۔ اور مقیم لوگ اپنی نماز پوری کر لیں۔ دلیل یہ ہے کہ مقیم مقتدی نے امام کو مسافر جان کر دو رکعت میں موافقت کا التزام کیا تھا۔ اور جس کا التزام کیا تھا وہ ادا کر چکا۔ حالانکہ مقیم مقتدی کی نماز ابھی پوری نہیں ہوئی ہے اس لئے مقیم مقتدی باقی دو رکعتوں میں منفرد ہوگا۔ جیسے امام کے سلام پھیرنے کے بعد مسبوق منفرد ہوتا ہے مگر ان دونوں میں اتنا فرق ہے کہ مقیم مقتدی اصح قول کی بناء پر ان رکعتوں میں قرأت

نہیں کرے گا۔ جو مسافر امام کے سلام پھیرنے کے بعد پڑھتا ہے اور مسبوق قرأت کرتا ہے۔ قول اصح کی دلیل یہ ہے کہ مقیم آخر کی دو رکعتوں میں تحریمہ کے اعتبار سے مقتدی ہے۔ لیکن فعل کے اعتبار سے مقتدی نہیں ہے۔ تحریمہ کے اعتبار سے تو مقتدی اس لئے ہے کہ اس نے اول تحریمہ میں امام کے ساتھ ادا کرنے کا التزام کیا ہے۔ اور فعل کے اعتبار سے مقتدی اس لئے نہیں ہے کہ دو رکعت پر سلام کے ذریعہ امام مسافر کا فعل ختم ہو چکا ہے۔ اور جو شخص ایسا ہو یعنی تحریمہ کے اعتبار سے مقتدی اور فعل کے اعتبار سے غیر مقتدی تو وہ لاحق کہلاتا ہے۔ اور لاحق پر قرأت نہیں ہوتی کیونکہ تحریمہ کے اعتبار سے اس کے مقتدی ہونے پر نظر کی جائے تو اس پر قرأت کرنا حرام ہوگا اور اگر فعل کے اعتبار سے غیر مقتدی ہونے پر نظر کی جائے تو اس کے لئے قرأت کرنا مستحب ہوگا۔ اس لئے کہ جن پہلی دو رکعتوں میں قرأت فرض تھی وہ ادا ہو چکی ہے حاصل یہ کہ آخیر کی دو رکعتوں میں مقیم مقتدی کے لئے قرأت کرنا حرام اور مستحب کے درمیان دائر ہے۔ پس حرام کو ترجیح دیتے ہوئے احتیاطاً [illegible] ہے کہ مقیم مقتدی آخر کی دو رکعتوں میں قراۃ چھوڑ دے۔ برخلاف مسبوق کے۔ یہاں مسبوق سے مراد وہ مسبوق ہے جس کو رباعی نماز میں پہلی دو رکعتیں امام کے ساتھ نہیں مل سکیں بلکہ آخر کی دو رکعتوں میں امام کے ساتھ شریک ہوا۔

بہر حال امام کے سلام پھیرنے کے بعد مسبوق جب اپنی فوت شدہ دو رکعتیں پڑھے گا۔ تو اس پر ان میں قرأت کرنا واجب ہوگا۔ کیونکہ مسبوق نے آخر کی دو رکعتوں میں امام کی جو قرأت پائی ہے وہ نفل قرأت ہے اور پہلی دو رکعتوں میں جو مفروضہ قرأت تھی اس کو ابھی تک ادا نہیں کر سکا۔ اس لئے مسبوق پر قرأت کرنا واجب ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مسافر امام کے لئے اتموا صلاتکم فانا قوم سطر کہنا مستحب ہے

قال ويستحب للامام اذا سلم ان يقول اتموا صلاتكم فانا قوم سفر لانه عليه السلام قاله حين صلى باهل مكة وهو مسافر

ترجمہ...... اور امام کے لئے مستحب یہ ہے کہ جب وہ سلام پھیرے تو یوں کہے کہ تم لوگ اپنی نماز پوری کرلو ہم تو مسافر قوم ہیں کیونکہ حضور ﷺ نے جس وقت اہل مکہ کو نماز پڑھائی درانحالیکہ آپ مسافر تھے تو یہی فرمایا تھا۔

تشریح...... امام اگر مسافر ہو تو دو رکعت پر سلام پھیرنے کے بعد مقتدیوں سے یوں کہے آپ حضرات اپنی نماز پوری کرلیں میں تو مسافر ہوں۔ دلیل ابوداؤد اور ترمذی کی روایت کردہ حدیث ہے عن عمران حصين رضي الله تعالىٰ عنه قال غزوت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم وشهدت معه الفتح فاقام بمكة ثمان عشر ليلة لايصلي الا ركعتين يقول يا اهل مكة صلوا اربعاً فان اقول سفر عمران بن حصین کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ کیا آپ ﷺ کے ساتھ فتح مکہ میں شریک رہا۔ آپ ﷺ نے اٹھارہ رات مکۃ المکرمہ میں قیام فرمایا۔ اس عرصہ میں آپ ﷺ (رباعی نماز) میں فقط دو رکعت پڑھتے اور فرمایا کرتے اے مکہ والو اتم چار رکعت ہی پڑھو میں تو مسافر ہوں۔

فائدہ...... قدوریؒ کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شرط نہیں ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے مقتدی کو امام کے مسافر یا مقیم ہونے کا علم ہو اس لئے کہ اگر مقتدیوں کو امام کے مسافر ہونے کا علم پہلے سے ہے تو سلام پھیرنے کے بعد امام مسافر کا قول اتموا صلاتكم عبث ہے۔ اور اگر اس کے مقیم ہونے کا علم ہے تو مسافر اپنے قول انا قوم سفر میں کاذب ہوگا۔

مسافر شہر میں داخل ہو جائے تو مکمل نماز پڑھے گا اگرچہ اقامت کی نیت نہ کی ہو

واذا دخل المسافر فی مصره اتم الصلوٰة وان لم ینو المقام فیه لانه علیه السلام و اصحابه رضوان الله علیهم کانوا یسافرون و یعودون الی اوطانهم مقیمین من غیر عزم جدید

ترجمہ...... اور جب مسافر اپنے وطن میں داخل ہوا تو نماز پوری پڑھے اگرچہ اس میں قیام کی نیت نہ کی ہو۔ اس لئے کہ حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ سفر کیا کرتے اور اپنے وطنوں کی جانب واپس آتے ہی بغیر کسی عزم جدید کے مقیم ہو جاتے۔

تشریح...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب مسافر نے تین دن کی مسافت طے کر کے سفر مکمل کر لیا، پھر وہ اپنے وطن اصلی میں داخل ہوا تو آبادی میں داخل ہوتے ہی مقیم ہو گیا اگرچہ اقامت کی نیت نہ کی ہو۔ دلیل یہ ہے کہ رسول خدا ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سفر کیا کرتے تھے اور تکمیل سفر کے بعد جب وطن لوٹ کر آتے تو بغیر اقامت کی نیت کے مقیم ہو جاتے۔

وطن اقامت وطن اقامت سے باطل ہو جاتا ہے

ومن کان له وطن فانتقل منه و استوطن غیره ثم سافر فدخل و طنه الاول قصر لانه لم یبق وطنا له الا یری انه علیه السلام بعد الهجرة عد نفسه بمکة من المسافرین وهذا لان الاصل ان الوطن الاصلی تبطل بمثله دون السفر و وطن الاقامة تبطل بمثله و بالسفر و بالاصلی

ترجمہ...... اور جس شخص کا کوئی وطن تھا پھر اس وطن سے وہ منتقل ہو گیا اور اس کے علاوہ کو وطن بنا لیا پھر سفر کیا۔ اور اپنے پہلے وطن میں داخل ہو گیا تو نماز قصر کرے کیونکہ وہ اب اس کا وطن نہیں رہا کیا دیکھا نہیں جاتا کہ حضور ﷺ نے ہجرت کے بعد مکۃ المکرمہ میں اپنے آپ کو مسافروں میں شمار کیا اور یہ اس لئے کہ ضابطہ یہ ہے کہ وطن اصلی اپنے مثل (وطن اصلی) سے باطل ہوتا ہے نہ کہ سفر سے اور وطن اقامت باطل ہو جاتا ہے اپنے مثل وطن اقامت سے اور سفر سے اور وطن اصلی سے۔

تشریح...... عامۃ المشائخ نے وطن کی تین قسمیں بیان کی ہیں وطن اصلی وطن اقامت، وطن سکنیٰ، وطن اصلی انسان کی اپنی جائے پیدائش ہے یا وہ شہر جس میں اس کے اہل وعیال رہتے ہوں۔ اور اس سے منتقل ہونے کا ارادہ نہ ہو۔ وطن اقامت وہ شہر یا گاؤں ہے جس میں مسافر نے پندرہ دن قیام کا ارادہ کر لیا ہو۔ اس کا دوسرا نام وطن سفر بھی ہے۔ وطن سکنیٰ وہ شہر ہے جس میں مسافر نے پندرہ دن سے کم قیام کا ارادہ کیا ہو محققین نے وطن کو دو قسموں پر منقسم کیا ہے۔ وطن اصلی اور وطن اقامت، ان حضرات نے وطن سکنیٰ کا اعتبار نہیں کیا ہے اس لئے کہ وطن سکنیٰ میں اقامت ثابت نہیں ہوتی بلکہ سفر کا حکم باقی رہ جاتا ہے۔ ضابطہ یہ ہے کہ وطن اصلی وطن اصلی سے باطل ہوتا ہے نہ وطن اقامت سے باطل ہوتا ہے۔ اور نہ انشاء سفر سے۔ وطن اقامت، وطن اقامت، سے بھی باطل ہو جاتا ہے سفر سے بھی اور وطن اصلی سے بھی دلیل اس کی یہ ہے کہ شے اپنے سے بڑی چیز سے باطل ہوتی ہے یا مساوی درجہ کی چیز سے، اور یہ بات مسلم ہے کہ وطن اصلی سے اوپر کوئی چیز نہیں ہے۔ لہٰذا وطن اصلی اپنے مساوی یعنی وطن اصلی سے باطل ہو جائے گا۔ صورت اس کی یہ ہے کہ ایک شخص کا ایک وطن ہے وہاں سے منتقل ہو گیا اور دوسری جگہ کو اپنا وطن بنا لیا تو پہلا وطن اصلی باطل ہو گیا چنانچہ اگر شرعی سفر کے بعد وہ اپنے پہلے وطن میں داخل ہوا تو مقیم

نہیں ہوگا۔ بلکہ قصر پڑھے گا یہی وجہ ہے کہ صاحب شریعت علیہ السلام کا وطن اصلی مکۃ المکرمہ تھا لیکن آپ ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ اور مدینہ کو اپنا وطن بنالیا تو مکہ وطن اصلی نہیں رہا چنانچہ ہجرت کے بعد جب آپ ﷺ مکہ مکرمہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے خود کو مسافر شمار کیا۔ اور فرمایا اتموا صلاتکم فانا قوم سفر۔

اور چونکہ وطن اصلی وطن اقامت سے مافوق ہے اس لئے وطن اقامت وطن اصلی سے باطل ہو جائے گا۔ اور وطن اقامت وطن اقامت کا مساوی ہے اس لئے وطن اقامت وطن اقامت سے بھی باطل ہو جائے گا۔ اور وطن اقامت سفر سے اس لئے باطل ہو جائے گا۔ کہ سفر وطن اقامت کی ضد ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ شئے اپنی ضد سے باطل ہو جاتی ہے۔ اور اگر سوال کیا جائے کہ سفر تو وطن اصلی کی بھی ضد ہے لہذا وطن اصلی بھی سفر سے باطل ہونا چاہئے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

جواب...... وطن اصلی کا سفر کی وجہ سے عدم بطلان اثر کی وجہ سے ہے کیونکہ مروی ہے کہ حضور ﷺ غزوات کے لئے مدینہ منورہ سے نکل کر دور دراز تشریف لے جاتے۔ لیکن اس کے باوجود مدینہ منورہ آپ کا وطن اصلی رہا' چنانچہ آپ ﷺ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو اقامت کی نیت نہ فرماتے۔ اگر وطن اصلی سفر سے باطل ہو جاتا تو واپسی پر آنحضرت ﷺ اقامت کی نیت ضرور فرماتے۔

مسافر کے لئے دو شہروں میں اقامت کی نیت کا اعتبار نہیں

واذا نوی المسافر ان یقیم بمکۃ و منی خمسۃ عشر یوما لم یتم الصلوٰۃ لان اعتبارا النیۃ فی موضعین یقتضی اعتبارھا فی مواضع وھو ممتنع لان السفر لایعری عنہ الا اذا نوی ان یقیم باللیل فی احدھما فیصیر مقیما بدخولہ لان اقامۃ المرء مضافۃ الی مبیتہ

ترجمہ...... اور جب مسافر نے مکہ اور منیٰ میں پندرہ دن کی اقامت کی نیت کی تو وہ نماز پوری نہ پڑھے کیونکہ دو مقام میں نیت کا معتبر ہونا مقتضی ہے کہ چند جگہوں میں نیت معتبر ہو اور یہ ممتنع ہے کیونکہ سفر اس سے خالی نہیں ہوتا۔ ہاں اگر ان دونوں میں سے ایک میں رات میں قیام کی نیت کرے تو اس مقام میں داخل ہونے کے ساتھ ہی مقیم ہو جائے گا۔ کیونکہ آدمی کا مقیم ہونا اس کی شب باشی کے مقام کی جانب منسوب ہوتا ہے۔

تشریح...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ مسافر نے ایسے دو مقام میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کی جن میں سے ایک نہیں مستقل ہے۔ مثلاً یہ کہ مکہ اور منیٰ میں اقامت کی نیت کی تو یہ مقیم نہ ہوگا۔ بلکہ مسافر ہی رہے گا۔ اور نماز قصر پڑھے گا۔ کیونکہ دو مقام میں اقامت کی نیت کا معتبر ہونا اس بات کا مقتضی ہے کہ دو سے زائد مقامات میں بھی نیت معتبر ہو ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئے گا۔ اور مسافر کا بہت سے مقامات پر قیام کی نیت کرنا ممتنع ہے کیونکہ سفر متعدد مقامات پر قیام کرنے سے خالی نہیں ہوتا بلکہ بہت سے مقامات پر قیام کرنا ضروری ہوتا ہے' پس اگر متعدد مقامات میں اقامت کی نیت کا اعتبار کرلیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آدمی کبھی مسافر ہی نہ ہو' ہاں اگر صورت یہ ہے کہ دو مقام میں پندرہ یوم اقامت کی نیت کی اور ان دونوں میں سے ایک متعینہ مقام میں رات گذارنے کی نیت کی تو یہ نیت معتبر ہوگی اب اگر یہ شخص پہلے اس جگہ گیا جہاں دن گذارنے کی نیت کی ہے تو یہ مقیم نہ ہوگا۔ اور اگر پہلے اس جگہ گیا جہاں رات گذارنے کا ارادہ کیا ہے تو اس بستی میں داخل ہوتے ہی مقیم ہو جائے گا۔ پھر اس بستی کی طرف نکلنے سے مسافر نہ ہوگا جہاں دن گذارنے کی نیت کی ہے کیونکہ آدمی کی اقامت اس کی

شب باشی کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ چنانچہ آپ دیکھئے جو شخص بازار میں کاروبار کرتا ہے اس سے اگر دریافت کیا جائے کہ اس وقت تم کہاں رہتے ہو تو وہ اس محلہ کا پتہ بتلائے گا جہاں وہ رات گذارتا ہے۔

سفر کی نماز حضر میں قصر پڑھی جائے گی اور حضر کی نماز سفر میں مکمل پڑھی جائے گی

و من فاتته صلوٰة فی السفر قضاء ها فی الحضر رکعتین ومن فاتته فی الحضر قضاها فی السفر اربعا لان القضاء بحسب الاداء والمعتبر فی ذلک آخر الوقت لانه المعتبر فی السبية عند عدم الاداء فی الوقت

ترجمہ...... اور جس شخص کی کوئی نماز سفر میں فوت ہوگئی تو حضر میں اس کو دو رکعت قضاء کرے اور جس کی نماز حضر میں فوت ہوگئی تو اس کو سفر میں چار رکعت قضاء کرے کیونکہ قضاء ادا کے موافق ہوتی ہے اور اس میں معتبر آخر وقت ہے کیونکہ آخری وقت ہی سبب ہونے میں معتبر ہوتا ہے جبکہ وقت کے اندر ادا نہ ہو۔

تشریح...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ سفر کی حالت میں اگر رباعی نماز فوت ہوگئی اور حضر میں اس کو قضاء کرنا چاہا تو دو رکعت قضاء کرے اور حضر کے زمانے میں کوئی رباعی نماز فوت ہوگئی پھر سفر کی حالت میں اس کو قضاء کرنا چاہا تو چار رکعت قضاء کرے۔ دلیل یہ ہے کہ قضاء ادا کے موافق واجب ہوتی ہے یعنی جس شخص پر ادا چار رکعت واجب ہوئی تو وہ قضاء بھی چار رکعت کرے گا۔ اور جس پر دو رکعت ادا کرنا واجب ہوا۔ اس پر قضاء بھی دو رکعت کی واجب ہوگی۔ اور ادا کے اندر وقت کا آخر معتبر ہے آخر وقت سے مراد مقدار تحریمہ ہے مثلاً اگر ظہر کے اول وقت میں مقیم تھا پھر وقت ختم ہونے سے پہلے سفر کے لئے نکلا اور آبادی سے باہر اس وقت ہوا جب کہ وقت صرف ایک رکعت کا یا کم باقی ہے تو اس پر دو ہی رکعت کی قضا واجب ہوگی کیونکہ آخر وقت میں وہ مسافر ہو چکا۔ اور یہی معتبر ہے۔ اور ادا کے اندر وقت کا آخر اس لئے معتبر ہے کہ وقت کے اندر ادا کرنے کی صورت میں وجوب نما کا سبب ہونے میں آخر وقت معتبر ہے۔ اس موقع پر ایک اعتراض ہوسکتا ہے وہ یہ کہ ہمارا کلام قضاء نماز میں ہے۔ اور نماز جب اپنے وقت سے فوت ہوگئی تو اصل فقہ کے بیان کے مطابق پورا وقت نماز کا سبب ہوتا ہے نہ کہ آخری جز: جواب بعض مشائخ کے نزدیک نماز فوت ہونے کی صورت میں وقت کا آخری جزء سبب ہوتا ہے۔ بہت ممکن ہی کہ مصنف ہدایہ نے اسی کو اختیار کیا ہو۔

سفر کی رخصت مطیع اور عاصی دونوں کے لئے ہے یا نہیں، اقوالِ فقہاء

والعاصی والمطیع فی سفره فی الرخصة سواء وقال الشافعیؒ سفر المعصية لايفيد الرخصة لانها تثبت تخفيفا فلاتتعلق بما يوجب التغليظ ولنا اطلاق النصوص ولان نفس السفر ليس بمعصية وانما المعصية مايكون بعده اويجاوره فصلح متعلق الرخصة والله اعلم

ترجمہ...... اور جو شخص اپنے سفر میں نافرمان ہے اور جو شخص اپنے سفر میں فرمانبردار ہے۔ دونوں رخصت میں برابر ہیں۔ اور امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ معصیت کا سفر رخصت کا فائدہ نہیں دیتا کیونکہ رخصت تو تخفیف ثابت کرتی ہے پس رخصت ایسی چیز ہے سے متعلق نہ ہوگی جس سختی کو واجب کرتی ہے۔ ہماری دلیل نصوص کا اطلاق ہے اور اس لئے کہ نفس سفر گناہ نہیں ہے اور رہی معصیت تو وہ چیز ہے جو سفر

بعد پیدا ہوگی یا سفر کے ساتھ ساتھ ہوگی۔ پس سفر اس کو لائق ہوا کہ رخصت اس سے متعلق ہو۔

تشریح فقہاء کے بیان کے مطابق سفر کی تین قسمیں ہیں۔ سفر طاعت جیسے حج اور جہاد، سفر مباح جیسے تجارت، سفر معصیت جیسے ڈاکہ زنی کے ارادہ سے سفر کرنا یا عورت کا بغیر محرم کے حج کے لئے سفر کرنا۔ اول کی دو قسمیں بالاتفاق رخصت کا سبب ہیں اور تیسری قسم ہمارے نزدیک تو رخصت کا سبب ہے لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک سبب نہیں ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ رخصت مکلف پر تخفیف کردیتی ہے اور جو چیز مکلف پر تخفیف کرتی ہے وہ ایسی چیز کے ساتھ متعلق نہیں ہوتی جو سختی کو واجب کرتی ہے اس لئے رخصت ایسی چیز کے ساتھ متعلق نہیں ہوگی جو سختی کو واجب کرتی ہے یعنی معصیت اور نافرمانی تو سختی اور عذاب واجب کرتی ہے اس کے ساتھ رخصت اور تخفیف متعلق نہیں ہوسکتی۔ آپ اس کو اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ رخصت تو رحمت وانعام ہی وہ عذاب کے مستحق کو نہیں ملے گی۔

ہماری دلیل نصوص کا مطلق ہونا ہے یعنی جن نصوص میں رخصت ملی ہے وہ علی الاطلاق ہر مسافر کو شامل ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فمن کَانَ مَرِیْضًا اَوْعَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّۃٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے فرض المسافر رکعتان دوسری جگہ ارشاد ہے یمسح المقیم یوما "دلیلته" زالمسافر ثلاثه ایام ولیا لیها ان نصوص میں مطیع اور عاصی کی کوئی تفصیل نہیں ہے بلکہ ہر مسافر کو شامل ہے خواہ اپنے سفر میں مطیع ہو یا عاصی ہو۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ نفس سفر معصیت نہیں ہے کیونکہ سفر نام ہے قطع مسافت کا، اور اس معنی میں کوئی معصیت نہیں معصیت تو وہ ہے جو قطع مسافت کے بعد ہوگی مثلاً ڈاکہ زنی یا چوری یا معصیت سفر کے ساتھ ساتھ ہوتی ہے جیسے غلام کا بھاگ جانا۔ پس جب ذات سفر معصیت نہیں ہے تو اس کے ساتھ رخصت متعلق ہوسکتی ہے۔ واللہ اعلم۔ جمیل احمد القاسمی عفی عنہ

باب صلوٰۃ الجمعة

ترجمہ ...... (یہ) باب جمعہ کی نماز (کے بیان میں) ہے

تشریح ...... یہ باب پہلے باب کے مناسب ہے اس لئے دونوں میں تنصیف ہے البتہ قصر کے اندر سفر کے واسطہ سے تنصیف کی گئی ہے اور جمعہ کے اندر خطبہ کے واسطے سے مگر چونکہ سفر ہر رباعی نماز کے لئے تنصیف کردیتا ہے۔ اور خطبہ جمعہ فقط ظہر کی نماز کی تنصیف کرتا ہے اس لئے سفر ہر رباعی نماز کی تنصیف کو عام ہوا اور خطبہ فقط ظہر کی نماز کی تنصیف کو خاص ہے۔ اور خاص کا ذکر چونکہ عام کے بعد ہوتا ہے اس لئے صلوٰۃ سفر کے بعد صلوٰۃ جمعہ کا بیان ہوا۔

جمعہ اجتماع سے ہے جیسے فرقت افتراق سے ہے لفظ جمعہ میم کے ضمہ کے ساتھ ہے اور سکون کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے بعض حضرات نے میم کے فتحہ کے ساتھ بھی نقل کیا ہے جمعہ کو جمعہ اس لئے کہتے ہیں کہ لوگ اس دن میں اکٹھا ہوتے ہیں۔ نماز جمعہ کی فرضیت کتاب، سنت، اجماع اور دلیل عقلی چاروں سے ثابت ہے۔ کتاب اللہ سے تو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ مشہور قول کے مطابق ذکر اللہ سے مراد خطبہ ہے۔ اور اسعوا امر کا صیغہ وجوب کے لئے ہے۔ پس آیت سے خطبہ کی طرف سعی کا واجب ہونا ثابت ہوا اور سعی الی الخطبہ جمعہ کی نماز کے شرائط میں سے ہے پس جب نماز جمعہ کی شرط یعنی سعی الی الخطبہ کا واجب ہونا ثابت ہوا تو نماز جمعہ جو مقصود ہی بدرجہ اولیٰ واجب (فرض) ہوگی اس وجوب کو مؤکد کرنے کے

لئے فرمایا وذروا البیع یعنی اذان جمعہ کے بعد خرید و فروخت کو حرام کیا گیا حالانکہ خرید و فروخت مباح ہے اور یہ اصول ہے کہ اللہ تعالیٰ امر مباح کو کسی امر واجب کی وجہ سے ہی حرام کرتے ہیں پس ثابت ہوا کہ جمعہ جس کی وجہ سے اذان کے بعد بیع کو حرام کیا گیا واجب (فرض) ہے۔ علامہ ابن الہمامؒ نے فرمایا کہ ظاہر یہ ہے کہ ذکر اللہ ۔ سے نماز مراد ہو اس صورت میں براہ راست نماز جمعہ کا فرض ہونا ثابت ہوگا۔ مفسرین نے ذکر اللہ کی تفسیر نماز اور خطبہ دونوں سے کی ہے علامہ ابن الہمامؒ نے کہا ہے کہ یہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس صورت میں آیت نماز اور خطبہ دونوں پر صادق آئے گا۔

حدیث جس سے نماز جمعہ کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ یہ ہے اعلموا ان اللہ کتب علیکم الجمعۃ فی یومی ھذا فی شھری ھذا فی مقامی ھذا جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر جمعہ فرض کیا ہے میرے اس دن میں میرے اس مہینہ میں میرے اس مقام میں۔ دوسری حدیث الجمعۃ حق واجب علیٰ کل مسلم فی جماعۃ الا اربعۃ مملوک او مراۃ او صبی او مریض رواہ ابوداؤد جمعہ کی نماز ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ پڑھنا حق واجب یعنی فرض ہے مگر چار آدمیوں پر غلام، عورت، نابالغ بچہ اور بیمار پر۔ تیسری حدیث قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ترک ثلاث جمعات من غیر عذر کتب من المنافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے تین جمعہ بغیر عذر چھوڑے اس کا شمار منافقین میں ہوگا۔ چوتھی حدیث من ترک الجمعۃ ثلاث جمع متوالیات فقد نبذ الاسلام وراء ظھرہ جس نے مسلسل تین جمعوں کو ترک کر دیا اس نے اسلام پس پشت ڈال دیا۔ ان دونوں حدیثوں میں ترک جمعہ پر سخت وعید بیان کی گئی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ وعید فرض چھوڑنے پر آتی ہے۔ پس ان دونوں حدیثوں سے بھی جمعہ کا فرض ہونا ثابت ہوا۔ چونکہ پوری امت مسلمہ جمعہ کے فرض ہونے پر متفق ہوگئی اس لئے اجماع سے بھی جمعہ کی نماز کا فرض ہونا ثابت ہوا۔ جمعہ کی فرضیت پر عقلی دلیل یہ ہے کہ ہم کو جمعہ قائم کرنے کے لئے ظہر کی نماز چھوڑنے کا امر کیا گیا ہے اور ظہر کی نماز بالیقین فرض ہے۔ اور یہ بات بھی مسلمات میں سے ہے کہ فرض کو فرض ہی کی وجہ سے چھوڑا جا سکتا ہے نفل کی وجہ سے نہیں پس اس سے بھی جمعہ کا فرض ہونا ثابت ہوا۔

آنحضرت ﷺ جب مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو آپ نے قباء کے اندر عمرو بن عوف کے محلہ میں چودہ شب قیام فرمایا۔ اسی دوران آپ نے ایک مسجد کی بنیاد ڈالی جو اسلام میں سب سے پہلی مسجد کہلاتی ہے جس کو قرآن حکیم نے لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی سے تعبیر فرمایا ہے پھر جب آپ قباء سے بجانب مدینہ جمعہ کے دن روانہ ہوئے تو راستہ میں سالم بن عوف کے محلہ میں نماز جمعہ کا وقت آ گیا تو آپ نے سواری سے اتر کر اس مسجد میں نماز جمعہ ادا کی جو بطن وادی میں ہے یہ اسلام میں ادا کیا جانے والا سب سے پہلا جمعہ تھا۔ اس جمعہ میں سینکڑوں مسلمان شریک ہوئے۔ اسلام میں سب سے پہلے جمعہ اور خطبہ کی پوری تفصیل اصح السیر، سیرت مصطفیٰ شرح سیر کبیر میں ملاحظہ فرمائیں۔

جمعہ فرض ہونے کی بارہ شرطیں ہیں۔ چھ شرطیں تو ایسی ہیں جن کا ذات مصلی کے اندر پایا جانا ضروری ہے:۔

۱) آزاد ہو، چنانچہ غلام پر جمعہ فرض نہیں ہے۔ ۲) مذکر ہو۔
۳) مقیم ہو چنانچہ عورت اور مسافر پر فرض نہیں ہے۔ ۴) تندرست ہو یعنی ایسا بیمار نہ ہو کہ جمعہ میں حاضر ہونا باعث تکلیف ہو۔
۵) پاؤں کا سلامت ہونا ۶) آنکھوں کا سلامت ہونا

...بنانچہ اپاہج اور نابینا پر جمعہ فرض نہیں ہے۔ چھ شرطیں ایسی ہیں جن کا تعلق مصلی کی ذات سے نہیں ہے:-

...شہر ہونا ، ۲) جماعت
...سلطان ، ۴) وقت
...خطبہ ، ۶) عام اجازت

شرائط صحت جمعہ

...صح الجمعة الا فی مصر جامع اوفی مصلی المصر ولاتجوز فی القری لقوله علیه السلام لاجمعة ...تشریق ولا فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع والمصر الجامع کل موضع له امیر وقاض ینفذ الاحکام ...یم الحدود وهذا عن ابی یوسفؒ وعنه انهم اذااجتمعو افی اکبر مساجد هم لم یسعهم والاول اختیار ...کرخی وهو الظاهر والثانی اختیار الثلجی والحکم غیر مقصور علی المصلی بل یجوز فی جمیع افنیة ...صر لانها بمنزلته فی حوائج اهله

...مہ...... جمعہ صحیح نہیں ہوتا مگر شہر جامع میں یا شہر کی فناء میں اور جمعہ گاؤں میں جائز نہیں ہے کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ...جمعہ تشریق، نماز عید اور نماز بقرعید جائز نہیں مگر شہر جامع میں۔ اور شہر جامع ہر وہ موضع کہ اس کا ایک امیر ہو اور قاضی ہو جو احکام کو نافذ ...ہو اور حدود کو قائم کرتا ہو۔ اور یہ ابو یوسفؒ سے مروی ہے۔ اور ابو یوسفؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ جب لوگ وہاں کی سب سے بڑی ...میں جمع ہوں تو سب لوگوں کی اس میں سمائی نہ ہو۔ قول اول کو امام کرخیؒ نے اختیار کیا ہے اور یہی ظاہر مذہب ہے۔ اور قول ثانی کو امام ...نے اختیار کیا ہے۔ اور جواز کا حکم مسجد فناء پر منحصر نہیں ہے بلکہ شہر کے تمام فناؤں میں جائز ہے۔ کیونکہ اہل شہر کی ضروریات کے سلسلہ ...شہر کی فناء کی تمام جوانب بمنزلہ مصلّی کے نہیں ہے۔

...ح...... متن میں دو لفظ مصر جامع اور مصلی المصر قابل تشریح ہیں۔ **مصر جامع کی تعریف**: مصر جامع کی تعریف میں اختلاف ہے ...امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مصر جامع وہ ہے جہاں سڑکیں ہوں' بازار ہوں' حاکم ہو جو ظالم اور مظلوم کے درمیان انصاف کرے اور عالم ہو ...آمدہ حوادث میں فتویٰ دے۔ حضرت امام ابو یوسفؒ سے اس بارے میں تین روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ مصر جامع ہر وہ موضع ہے جس ...یر اور قاضی ہو جو احکام جاری کرنے اور شرعی سزاؤں کو قائم کرنے پر قادر ہو۔ ینفذ الاحکام کے بعد یقیم الحدود کی قید لگا کر محکم ...کو حکم اور فیصل بنایا گیا ہے) اور عورت قاضیہ سے احتراز کیا گیا ہے کیونکہ عورت کی قضاء جائز ہے مگر اس کو حدود وقصاص قائم کرنے کی ...ت شرعیہ نہیں ہوتی۔ مصر جامع کے سلسلہ میں یہی ظاہر مذہب ہے اور اسی کو امام کرخیؒ نے اختیار کیا ہے دوسری روایت یہی کہ مصر جامع وہ ...ہے کہ اس موضع کی سب سے بڑی مسجد میں اگر اس موضع کے وہ لوگ جمع ہو جائیں جن پر جمعہ فرض ہے تو اس میں لوگ سما نہ سکیں بلکہ ...کے لئے دوسری مسجد بنانے کی ضرورت محسوس ہو۔ اس روایت کو ابو عبد اللہ ثلجی نے اختیار کیا ہے۔ تیسری روایت یہ ہے کہ دس ہزار کی ...ن کا موضع مصر جامع ہے سفیان ثوری کہتے ہیں کہ مصر جامع وہ ہے جس کو لوگ شہروں کے تذکرہ کے وقت شہر سمجھیں۔

...دوسرا لفظ مصلّی ہے۔ شہر کا مصلّی عید گاہ ہوتا ہے لیکن یہاں مصلّی سے فناء شہر مراد ہے۔ فناء شہر شہر کے اس ماحول (اردگرد) کو کہتے ہیں جو

شہر سے متصل اہل شہر کی مصالح کے لئے بنایا گیا ہو جیسے قبرستان، گھوڑ دوڑ کا میدان، چراگاہ، عیدگاہ، مذبح اور ہمارے زمانہ میں پارک وغیرہ۔

فناء شہر کی تحدید: فناء شہر کی تقدیر اور تحدید کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام محمدؒ نے ایک غلوۃ کے ساتھ مقید کیا ہے اور غلوہ کا اطلاق تین سو ذراع سے چار سو ذراع تک ہوتا ہے یعنی آبادی سے باہر چار سو ذراع تک فنا شہر کہلائے گا۔ امام ابو یوسفؒ نے ایک میل یا دو میل کی تحدید بیان کی ہے چنانچہ ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ اگر امام کی ضرورت کے پیش نظر اہل شہر کے ساتھ شہر سے نکل کر دو میل باہر تک چلا گیا، یہاں تک کہ جمعہ کا وقت ہو گیا تو اس کو جائز ہے کہ اسی جگہ جمعہ کی نماز ادا کرا دے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص شہر میں کھڑا ہو کر چیخ مارے یا مؤذن اذان دے تو جہاں تک آواز پہنچے گی وہاں تک فنا شہر کہلائے گا۔

صورت مسئلہ: اس تفصیل کے بعد ملاحظہ ہو کر صورت مسئلہ یہ ہے کہ نماز جمعہ شہر اور فناء شہر دونوں جگہ جائز ہے۔ البتہ گاؤں میں جائز نہیں ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ گاؤں کے اندر بھی جواز جمعہ کے قائل ہیں۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جس گاؤں میں چالیس آزاد مقیم لوگ آباد ہوں خانہ بدوش کی طرح گرمی اور سردی کے موسم میں کوچ نہ کرتے ہوں تو ان پر جمعہ فرض ہوگا۔ کہ جب جمعہ کے دن جمعہ کی اذان ہو تو لوگ فوراً حاضر ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے لئے کسی خاص قسم کی بستی ہونے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ہر جگہ جمعہ پڑھنا جائز ہے خواہ شہر ہو یا گاؤں خواہ بڑا گاؤں ہو یا چھوٹا گاؤں۔ دوسری دلیل ابن عباسؓ سے مروی ہے ان اول جمعة جمعت فی الاسلام بعد المدینة ماجمعت بجواثاوھی قریة فی البحرین یعنی اسلام میں مدینہ منورہ کے بعد سب سے پہلا جمعہ جواثا میں پڑھا گیا اور جواثا بحرین کا ایک قریہ (گاؤں) ہے۔

تیسری دلیل قیاس ہے وہ یہ کہ جمعہ ایک نماز ہے پس دوسری نمازوں کی طرح اس کا بھی ہر جگہ پڑھنا جائز ہے۔

ہماری دلیل حضور ﷺ کا قول لاجمعة ولا تشریق الحدیث ہے۔ یعنی جمعہ کی نماز تکبیرات تشریق، عید الفطر اور عید الاضحیٰ صرف شہر میں جائز ہے۔ اس قول کو صاحب ہدایہ نے آنحضرت ﷺ کا قول قرار دیا ہے مگر صحیح بات یہ ہے کہ یہ آنحضرت کا قول نہیں بلکہ حضرت علیؓ کا قول ہے جیسا کہ صاحب فتح القدیر نے تحریر کیا ہے کہ ابن ابی شیبہ نے اس قول کو حضرت علیؓ پر موقوف کیا ہے۔

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ آیت فاسعوا الی ذکر اللّٰہ آپ کے نزدیک بھی اپنے اطلاق پر نہیں ہے کیونکہ آیت کا اطلاق تقاضا کرتا ہے کہ جمعہ ہر جگہ جائز ہو آبادی میں بھی اور جنگل میں بھی حالانکہ خود آپ کے نزدیک جمعہ جنگل میں جائز ہے۔ اور نہ ایسی بستی میں جس کے باشندے گرمی یا سردی کے زمانے میں کوچ کر جاتے ہوں۔ پس آیت میں بالاتفاق مخصوص جگہ مراد ہے آپ نے مخصوص جگہ سے گاؤں مراد لیا اور ہم نے شہر مراد لیا ہے۔ شہر مراد لینا انسب ہے۔ کیونکہ حضرت علیؓ کا قول اس کا مؤید ہے۔

دوسری دلیل یعنی حدیث ابن عباسؓ کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں قریہ سے مراد شہر ہے۔ اس لئے کہ ابتداء زمانہ میں قریہ کا اطلاق شہر پر کیا جاتا تھا جیسا کہ خود قرآن حکیم میں ہے وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ. قریتین سے مراد مکہ اور طائف ہیں اور مکہ بالیقین شہر ہے۔ پس ثابت ہوا کہ حدیث کے اندر قریہ سے مراد شہر ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ جواثا بحرین کے ایک قلعہ کا نام ہے۔ اور قلعہ کے لئے حاکم اور عالم کا ہونا ضروری ہے۔ پس اس سے بھی اس کا شہر ہونا ثابت ہوا۔ اسی وجہ سے مبسوط میں کہا ہے کہ جواثا بحرین کے شہر کا نام ہے۔

تیسری دلیل یعنی قیاس کا جواب یہ ہے کہ آیت ہر جگہ جمعہ کے جائز ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود حضرت علیؓ نے بعض جگہوں پر جمعہ کے جواز کی نفی کی ہے مثلاً گاؤں میں اور جنگل میں حضرت علیؓ کا بعض جگہوں پر جمعہ کو جائز کہنا اور بعض جگہوں پر جواز کی نفی کرنا یہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی ہوسکتا ہے کیونکہ یہ خلاف قیاس ہے۔ پس جب شہر کے اندر جمعہ کا جواز اور گاؤں میں عدم جواز خلاف قیاس ہو تو اس کو دوسری نمازوں پر قیاس کرنا درست نہ ہوگا۔

والحکم غیر مقصور علی المصلّٰی الخ کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ کی نماز جس طرح عیدگاہ میں جائز ہے کیونکہ وہ فنا شہر ہے۔ اسی طرح شہر کے چاروں طرف جہاں جہاں تک فنا شہر کا اطلاق ہوتا ہے نماز جمعہ جائز ہے کیونکہ اہل شہر کی ضروریات پوری کرنے کے سلسلہ میں فناء شہر، شہر کے مرتبہ میں ہے۔

منیٰ میں جمعہ کا حکم

وبجوز بمنی ان کان الامیر امیر الحجاز او کان الخلیفة مسافرا عند ابی حنیفةؒ وابو یوسفؒ وقال محمدؒ لا جمعة بمنیٰ لانها من القری حتی لا یعید بها ولهما انها تتمصر فی ایام الموسم وعدم التعیید للتخفیف ولا جمعة بعرفات في قولهم جمیعا لانها فضاء وبمنی ابنیة والتقیید بالخلیفة وامیر الحجاز لان الولایة لها اما امیر الموسم فیلی امور الحج لاغیر

ترجمہ...... اور مقام منیٰ میں جمعہ پڑھنا جائز ہے۔ اگر امیر حجاز کا امیر ہو۔ یا خلیفۃ المسلمین خود مسافر کے طور پر یہاں موجود ہو (یہ جواز) ابوحنیفہ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے۔ اور امام محمدؒ نے فرمایا ہے کہ منیٰ میں جمعہ نہیں ہے کیونکہ منیٰ تو گاؤں میں سے ایک گاؤں ہے حتیٰ کہ اس میں بقرعید کی نماز نہیں پڑھی جاتی۔ اور شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ منیٰ موسم حج میں شہر بن جاتا ہے اور نماز عید وہاں نہ ہونا آسانی دینے کے پیش نظر ہے۔ اور عرفات میں بالاتفاق جمعہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ عرفات تو خالی میدان ہے اور منیٰ میں مکانات بنے ہوئے ہیں۔ اور خلیفہ اور امیر حجاز کے موجود ہونے کی قید لگانا اس لئے ہے کہ ولایت تو انہیں دونوں کی ہے۔ رہا امیر موسم تو فقط حج کے امور کا متولی ہے۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایام حج، منیٰ کے اندر جمعہ کی نماز ادا کرنا جائز ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ امیر حج وہ شخص ہو جو صوبۂ حجاز کا حاکم ہے، صرف حج کرانے کے لئے امیر نہ بنایا گیا ہو، یا خلیفۃ المسلمین بذات خود حج کے ارادے سے سفر کر کے یہاں موجود ہو، خلیفہ کے ساتھ مسافر ہونے کی قید اس لئے لگائی ہے کہ خلیفہ اگر منیٰ میں مقیم ہو تو بدرجہ اولیٰ جمعہ کی نماز پڑھنا جائز ہوگا۔ دوم اس وہم کو دور کرنے کے لئے کہ امیر موسم اگر مسافر ہو تو وہ جمعہ قائم نہیں کرسکتا پس اسی طرح خلیفہ بھی مسافر ہونے کی صورت میں جمعہ قائم نہیں کرسکتا، صاحب قدوریؒ نے اس وہم کو دور کرنے کے لئے فرمایا کہ امیر موسم مسافر ہونے کی صورت میں بلاشبہ جمعہ قائم نہیں کرسکتا، لیکن خلیفۃ المسلمین مسافر ہونے کے باوجود جمعہ قائم کرسکتا ہے اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ خلیفہ یا بادشاہ اگر اپنی مملکت میں دورہ کرے تو ہر شہر میں اس پر جمعہ واجب ہوگا۔ پس جس شہر میں جمعہ کا دن پڑ جائے، اسی میں جمعہ ادا کرائے، دلیل یہ ہے کہ جب اس کے حکم سے دوسروں کو امام جمعہ مقرر کرنا جائز ہے تو خود اس کو جمعہ کی امامت کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا اگرچہ مسافر ہو۔ بہرحال شیخینؒ کے نزدیک اس شرط کے ساتھ منیٰ میں جمعہ جائز ہے۔ حضرت امام محمدؒ نے فرمایا ہے کہ منیٰ میں قطعاً جمعہ جائز نہیں ہے

اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ منیٰ نہ تو شہر ہے اور نہ فنا شہر ہے بلکہ ایک گاؤں ہے اور گاؤں میں جمعہ جائز نہیں۔ اس لئے منیٰ میں جائز نہ ہوگا یہی وجہ ہے کہ منیٰ میں بقرعید کی نماز نہیں ادا کی جاتی۔

امام محمدؒ کے نزدیک منیٰ فناء شہر (مکہ) میں اس لئے داخل نہیں ہے کہ ان کے نزدیک فناء کا اطلاق ایک غلوۃ (چارسو ذراع) تک ہے اور منیٰ ایک غلوۃ کی مقدار سے زائد ہے۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ منیٰ بلا شبہ شہر نہیں ہے لیکن حج کے موسم میں شہر بن جاتا ہے کیونکہ وہاں موسم حج میں بازار لگ جاتے ہیں بادشاہ یا اس کا نائب اور قاضی اس موسم میں وہاں موجود ہوتے ہیں۔ چونکہ موسم حج کے علاوہ میں یہ سب شرطیں نہیں پائی جاتیں اس لئے موسم حج کے علاوہ وہاں جمعہ جائز نہیں ہے۔ رہی یہ بات کہ منیٰ کے اندر بقرعید کی نماز نہیں پڑھی جاتی تو اس کی وجہ منیٰ کا موسم حج میں شہر ہونا نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس روز حاجی لوگ مناسک حج 'رمی' ذبح' حلق وغیرہ میں مشغول ہوتے ہیں۔ اور وقت تنگ ہوتا ہے اس لئے آسانی کے پیش نظر حجاج کو عیدالاضحیٰ کی نماز نہ پڑھنے کی اجازت دیدی گئی۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ منیٰ چونکہ حرم میں شامل ہے اس لئے منیٰ فناء مکہ میں سے ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ اس آیت میں منیٰ کو کعبہ کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے بایں طور پر قربانی اور ہدی کے جانور مکہ میں ذبح نہیں کئے جاتے بلکہ منیٰ میں ذبح کئے جاتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ منیٰ مکہ کے حکم میں ہے یا فناء مکہ کے اور جمعہ ادا کرنا جس طرح شہر کے اندر جائز ہے اسی طرح فنا شہر کے اندر بھی جائز ہے۔ میدان عرفات میں بالاتفاق جمعہ جائز نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ عرفات تو فقط میدان ہے۔ آبادی وغیرہ کچھ بھی نہیں اور فناء مکہ میں بھی داخل نہیں ہے۔ اس لئے عرفات حل میں ہے نہ حرم میں' پس جب عرفات نہ شہر ہے اور نہ فنا شہر تو وہاں جمعہ قائم کرنا بھی جائز نہ ہوگا۔

صاحب قدوری نے منیٰ کے اندر جواز جمعہ کے لئے امیر حجاز یا خلیفہ ہونے کی قید اس لئے لگائی ہے کہ جمعہ قائم کرنے کی ولایت انہی دونوں کو ہے۔ اور رہا وہ امیر جس کو امیر موسم کہتے ہیں وہ تو حج کے امور کا متولی ہوتا ہے نہ کہ اس کے علاوہ کا اس لئے اس کو ولایت جمعہ حاصل نہیں ہے۔

شرائطِ صحتِ ادا، پہلی شرط سلطان ہے

ولا يجوز اقامتها الا للسلطان او لمن امره السلطان لانها تقام بجمع عظيم وقد تقع المنازعة في التقدم والتقديم وقد تقع في غيره فلابد منه تتميما لامرها

ترجمہ...... اور جمعہ قائم کرنا جائز نہیں مگر خلیفہ کے لئے یا اس کے لئے جس کو خلیفہ نے اجازت دیدی ہو۔ کیونکہ جمعہ ایک عظیم جماعت کے ساتھ قائم کیا جاتا ہے اور کبھی آگے بڑھنے اور آگے بڑھانے میں جھگڑا واقع ہو جاتا ہے کبھی اس کے علاوہ اور بات میں جھگڑا ہو جاتا ہے تو جمعہ کا کام پورا کرنے کے لئے خلیفہ یا اس کے نائب کا ہونا ضروری ہے۔

تشریح...... اداجمعہ کے لئے سلطان کا ہونا بھی شرط ہے۔ سلطان وہ والی ہوتا ہے جس کے اوپر کوئی دوسرا والی نہ ہو۔ جیسے خلیفہ یا وہ شخص ہو جس کو سلطان نے حکم اور اجازت دیدی ہو۔ جیسے امیر قاضی یا خطیب بشرطیکہ ان کو جمعہ قائم کرنے کی اجازت ہو۔ حضرت امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ اداجمعہ کے لئے سلطان یا اس کے نائب کا ہونا شرط نہیں ہے۔ (عنایہ) امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ جس زمانے میں خلیفہ

ہم حضرت عثمان غنیؓ بلوائیوں کے گھیرے میں اپنے مکان کے اندر مدینہ منورہ میں محصور تھے تو حضرت علیؓ نے لوگوں کو جمعہ کی نماز پڑھائی اور یہ مروی نہیں ہے کہ عثمان غنیؓ کے حکم سے پڑھائی ہے۔ حالانکہ اس وقت خلافت حضرت عثمانؓ کے ہاتھ میں تھی اس سے معلوم ہوا کہ ادا جمعہ کے لئے سلطان یا اس کے نائب کا ہونا شرط نہیں ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ جمعہ ایک عظیم جماعت کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے کیونکہ وہ جامع الجماعات ہے۔ اور حال یہ ہے کہ کبھی جھگڑا واقع ہوتا ہے آگے ہونے میں ایک کہتا ہے کہ میں امامت کروں گا اور دوسرا کہتا ہے کہ میں امامت کروں گا اور کبھی آگے کرنے میں جھگڑا واقع ہوتا ہے ایک گروہ کہتا ہے کہ ہم فلاں بزرگ کو امام کریں گے اور دوسرا گروہ کہتا ہے کہ نہیں بلکہ فلاں کو امام کریں گے۔ اور کبھی تقدیم اور تقدم کے علاوہ دوسری بات میں جھگڑا ہوتا ہے مثلاً کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری مسجد میں جمعہ ادا کیا جائے اور کچھ کی رائے اس کے خلاف ہے کچھ کہتے ہیں کہ جلدی ادا کیا جائے اور کچھ دیر میں چاہتے ہیں پس مجمع عظیم کے اس اختلاف سے شیطان کو فتنہ پردازی کا خوب موقع ملے گا۔ اس لئے ہم نے کہا کہ ادا جمعہ کے لئے خلیفہ یا اس کے نائب کا ہونا ضروری ہے خلیفہ عادل ہو یا ظالم ہو۔ امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے حکم سے جمعہ کی نماز پڑھائی ہو۔ اور اگر تسلیم کرلیں کہ حضرت عثمانؓ نے حکم نہیں دیا تھا تو ہم جواب دیں گے کہ جب لوگ حضرت علیؓ کے پاس جمع ہو گئے اور لوگ اقامت جمعہ کے محتاج بھی تھے تو حضرت علیؓ کے لئے جمعہ پڑھانا جائز ہو گیا کیونکہ جب خلیفہ سے اجازت حاصل کرنا متعذر ہو گیا تو جس پر لوگ اتفاق کریں وہ پڑھائے۔

شرائطِ ادا میں سے ایک شرط وقت ہے

ومن شرائطها الوقت فتصح في وقت الظهر ولا تصح بعده لقوله عليه السلام اذا مالت الشمس فصل بالناس الجمعة ولو خرج الوقت وهو فيها استقبل الظهر ولا يبنيه عليها لاختلافهما

ترجمہ...... اور جمعہ کی شرائط میں سے وقت ہے پس جمعہ وقت ظہر میں صحیح ہوگا اور وقت ظہر کے بعد صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے جب آفتاب ڈھل جائے لوگوں کو جمعہ پڑھانا اور اگر یہ وقت نکل گیا حالانکہ مصلی نماز جمعہ میں ہے تو از سر نو ظہر پڑھے اور ظہر کو جمعہ پر بنا نہ کرے کیونکہ جمعہ اور ظہر دونوں میں اختلاف ہے۔

تشریح...... جمعہ کے شرائط میں سے وقت بھی ہے یعنی جمعہ کی نماز ظہر کے وقت میں صحیح ہے اس کے بعد صحیح نہیں۔ دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مصعب بن عمیر کو جب مدینہ منورہ بھیجا تو فرمایا تھا اذا مالت الشمس فصل بالناس الجمعة یعنی جب سورج ڈھل جائے تو لوگوں کو جمعہ کی نماز پڑھانا‘ بخاری کی روایت ہے عن انس كان النبي صلى الله عليه وسلم يصلي الجمعة حين تميل الشمس ‘حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت آفتاب ڈھل جاتا جمعہ کی نماز پڑھتے۔ مسلم میں ہے عن سلمه بن الاكوع رضي الله تعالىٰ عنه كنا نجمع مع رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا زالت الشمس یعنی ہم لوگ جمعہ پڑھتے جب آفتاب ڈھل جاتا تھا۔ صاحب قدوری نے کہا ہے کہ اگر ظہر کی نماز کا وقت اس حال میں نکل گیا کہ امام نماز جمعہ میں مشغول ہے تو جمعہ کی نماز فاسد ہو گئی۔ اب از سر نو ظہر کی نماز ادا کرے گا۔ جمعہ پر ظہر کی بناء کرنا جائز نہ ہوگا۔ امام شافعیؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک بناء کرنا جائز ہے ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ جمعہ، ظہر کی قصر نماز ہے چنانچہ جو وقت ظہر کا ہے وہی جمعہ کا ہے پس جب جمعہ ظہر ہی ہے تو جمعہ

کی نماز پر ظہر کی بناء کرنا درست ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ جمعہ اور ظہر کے درمیان اسماءً کماً کیفاً اور شرائط کے اعتبار سے اختلاف اور تغایر ہے۔ اسماً تو اس لئے کہ ایک کا نام جمعہ ہے اور دوسرے کا نام ظہر ہے کماً اس لئے کہ ظہر کی چار رکعت ہیں اور جمعہ کی دو رکعتیں ہیں۔ کیفاً اس لئے کہ جمعہ کی قرأت جہری ہے اور ظہر کے اندر سری اور شرائط کے اعتبار سے اس لئے اختلاف ہے کہ ادا جمعہ کے واسطے کچھ شرائط مخصوص ہیں جو ظہر کی نہیں ہیں۔ بہر حال جمعہ اور ظہر کے درمیان تغایر اور اختلاف ہے اور تغایر بناء کو روکتا ہے۔ جیسے اقتداء کو روکتا ہے۔ اس لئے ہم نے کہا کہ ظہر کی بناء جمعہ پر کرنا درست نہیں ہے۔

تیسری شرط خطبہ ہے

ومنها الخطبة لان النبی ﷺ ماصلاها بدون الخطبة فی عمره وهی قبل الصلوٰة بعد الزوال به وردت السنة ویخطب خطبتین یفصل بینهما بقعدة به جری التوارث

ترجمہ ...... اور شرائط جمعہ میں سے خطبہ ہے کیونکہ حضور ﷺ نے عمر بھر بغیر خطبہ کے کوئی جمعہ نہیں پڑھا۔ اور خطبہ نماز جمعہ سے پہلے اور زوال کے بعد شرط ہے اسی کے ساتھ سنت وارد ہوئی ہے اور دو خطبہ پڑھے دونوں کے درمیان بیٹھک سے جدائی کر دے اسی کے ساتھ توارث جاری ہوا۔

تشریح ...... جمعہ کی ایک شرط خطبہ ہے چنانچہ خطبہ کے بغیر نماز جمعہ ادا نہ ہوگی۔ دلیل یہ ہے کہ بانی شریعت مطہرہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں کوئی جمعہ بغیر خطبہ کے نہیں پڑھا۔ اگر خطبہ شرائط جمعہ میں سے نہ ہوتا تو بیان جواز کے لئے ایک مرتبہ آپ خطبہ ضرور ترک فرماتے۔ جمعہ کا خطبہ نماز جمعہ سے پہلے اور زوال کے بعد واجب ہے۔ چنانچہ اگر جمعہ کی نماز کے بعد پڑھا یا زوال سے پہلے پڑھا تو جائز نہیں ہے۔ دلیل یہ ہے کہ جمعہ ظہر کے قائم مقام خلاف قیاس ہے۔ اور سنت اسی طور سے وارد ہوئی کہ جمعہ خطبہ کے ساتھ مقید ہو جیسا کہ حدیث آ چکی کہ رسول خدا نے کوئی جمعہ بغیر خطبہ کے نہیں پڑھا اور قاعدہ ہے کہ جو چیز خلاف قیاس ثابت ہو وہ اپنے مورد کے ساتھ خاص ہوتی ہے پس جمعہ کی مشروعیت اسی طور پر ہوگی خطبہ نماز سے پہلے پڑھا جائے امام قدوریؒ نے کہا ہے کہ دو خطبہ واجب ہیں۔ دونوں کے درمیان تین آیات کی مقدار بیٹھک سے فصل کرے۔ اسی کے ساتھ توارث جاری ہوا ہے۔ یعنی بزرگوں سے نسلاً بعد نسل یوں ہی چلا آ رہا منقول ہے۔ ہمارے نزدیک یہ قعدہ شرط نہیں ہے بلکہ استراحت کے لئے ہے اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ شرط ہے حتی کہ ان کے نزدیک ایک خطبہ پر اکتفا کرنا جائز نہیں ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل روا رث ہے۔ ہماری دلیل جابر بن سمرہ کی حدیث ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یخطب قائما خطبة واحدة فلما اسن جعلها خطبتین بجلس بینهما جلسة یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر ایک خطبہ پڑھتے تھے پس جب آپ کبر سنی کو پہنچ گئے تو آپ دو خطبہ پڑھنے لگے ان دونوں کے درمیان جلسہ فرمایا کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک خطبہ پر اکتفاء کرنا جائز ہے۔

کھڑے ہو کر خطبہ دینے کا حکم

ویخطب قائما علی الطهارة لان القیام فیها متوارث ثم هی شرط الصلوٰة فیستحب فیها الطهارة کالاذان و لو خطب قاعدا او علی غیر طهارة جاز لحصول المقصود الا انه یکره لمخالفة التوارث وللفصل بینها وبین الصلوٰة

ترجمہ...... اور خطبہ طہارت کے ساتھ کھڑے ہو کر پڑھے کیونکہ خطبہ میں کھڑا ہونا تو متوارث ہے پھر خطبہ نماز جمعہ کی شرط ہے تو خطبہ میں طہارت مستحب ہے۔ جیسے اذان میں اور اگر بیٹھ کر خطبہ پڑھا یا بغیر طہارت کے تو بھی جائز ہے کیونکہ مقصود حاصل ہو گیا مگر یہ مکروہ ہے توارث کی مخالفت کی وجہ سے اور نماز اور خطبہ کے درمیان فاصلہ واقع ہونے کی وجہ سے۔

تشریح...... صاحب قدوری نے کہا ہے کہ خطبہ کھڑے ہو کر طہارت کے ساتھ پڑھا جائے خطبہ کے اندر قیام ہمارے نزدیک سنت ہے۔ اور امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ بیٹھ کر خطبہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اور ایک روایت کے مطابق امام مالکؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ اور یہی امام احمدؒ کا قول ہے خطبہ کے وقت طہارت کا ہونا ہمارے نزدیک تو سنت ہے لیکن امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک شرط ہے حتیٰ کہ ان کے نزدیک بغیر طہارت کے خطبہ پڑھنا جائز نہ ہوگا خطبہ کے اندر قیام پر توارث دلیل ہے یعنی بزرگوں سے خطبہ جمعہ کھڑے ہو کر پڑھنا متوارثا چلا آ رہا ہے مروی ہے کہ عبد اللہ بن مسعودؓ سے اس بارے میں دریافت کیا گیا تو آپؓ نے فرمایا الست تتلو قوله تعالیٰ وَتَرَكُوكَ قَائِمًا ایک بار حضور ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ دے رہے تھے کہ اسی اثناء میں ایک تجارتی قافلہ آ گیا تو لوگ حضور ﷺ کو چھوڑ کر اس کی طرف چل دیئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَ تَرَكُوكَ قَائِمًا یعنی جب انہوں نے دیکھا کسی تجارت کو یا لہو کو تو چل دیئے اس کی جانب کو اور تجھے کھڑا چھوڑ گئے اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے۔

صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ خطبہ چونکہ نماز کی شرط ہے اس لئے خطبہ پڑھنے میں طہارت مستحب ہے، جیسے اذان میں ہے، صاحب کتاب نے خطبہ کو اذان کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وجہ شبہ شرط ہونا ہے یعنی جس طرح خطبہ، نماز جمعہ کی شرط ہے اسی طرح اذان بھی شرط ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے اذان کا نماز کی مشرط ہونا قطعاً غلط ہے۔

صاحب عنایہ نے فرمایا ہے کہ کالا اذان کا تعلق فیستحب الطهارة سے کہے نہ کہ وہی شرط للصلوٰة سے اب مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح اذان کے لئے طہارت مستحب ہے۔ اسی طرح خطبہ کے لئے بھی طہارت مستحب ہے۔ علامۃ الہند مولانا عبد الحئی صاحبؒ نے حاشیہ ہدایہ میں لکھا ہے کہ وجہ تشبیہ یہ ہے کہ جس طرح اذان دخول وقت کے بعد ہے اسی طرح خطبہ بھی دخول وقت کے بعد ہے۔

امام قدوری نے فرمایا کہ اگر خطبہ بیٹھ کر پڑھا یا بغیر طہارت کے پڑھا تو جائز ہے البتہ مکروہ ہے جائز تو اس لئے ہے کہ مقصود خطبہ یعنی وعظ و تذکیر حاصل ہو گیا اور بیٹھ کر خطبہ دینا مکروہ اس لئے ہے کہ توارث کے خلاف ہے۔ اور بغیر طہارت اس لئے مکروہ ہے کہ اس صورت میں نماز اور خطبہ کے درمیان فصل ہو جائے گا کیونکہ بغیر طہارت دینے کی صورت میں خطبہ کے بعد طہارت حاصل کرے گا پھر نماز شروع کرے گا۔ اس طرح یقیناً فصل ہو جائے گا۔

امام شافعیؒ کی دلیل ان کے اس قول پر کہ بیٹھ کر خطبہ پڑھنا جائز نہیں ہے یہ ہے کہ خطبہ دو رکعت کے قائم مقام ہے پس جس طرح نماز

کے لئے قیام شرط ہے اسی طرح خطبہ کے لئے بھی قیام شرط ہوگا۔

امام ابو یوسف اور امام شافعی کی دلیل اس بات پر کہ طہارت خطبہ کے لئے شرط ہے یہ ہے کہ خطبہ نصف نماز کے مرتبہ میں ہے چنانچہ مروی ہے کہ ان ابن عمر وعائشہ قالا انما قصر الجمعة لمكان الخطبة پس جس طرح نماز کے واسطے طہارت شرط ہے اسی طرح خطبہ کے لئے بھی شرط ہے۔

خطبہ میں ذکر پر اکتفاء جائز ہے یا نہیں، اقوالِ فقہاء

فان اقتصر على ذكر الله جاز عند ابي حنيفة وقالا لابد من ذكر طويل يسمى خطبة لان الخطبة هي الواجبة والتسبيحة والتحميدة لاتسمى خطبة وقال الشافعي لا يجوز حتى يخطب خطبتين اعتبار اللمتعارف وله قوله تعالىٰ فاسعوا الى ذكر الله من غير فصل وعن عثمانؓ انه قال الحمدلله فارتج عليه فنزل وصلى

ترجمہ ...... پس اگر خطیب نے ذکر اللہ پر اکتفاء کیا تو ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ طویل ذکر جس کا نام خطبہ رکھا جاتا ہے ضروری ہے کیونکہ واجب تو خطبہ ہے اور ایک تسبیح یا ایک تحمید خطبہ نہیں ہوتا۔ اور امام شافعیؒ نے کہا جائز نہیں ہے یہاں تک کہ دو خطبہ پڑھے عادت کا اعتبار کرتے ہوئے۔ اور ابو حنیفہؒ کی دلیل باری تعالیٰ کا قول فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ ہے بغیر تفصیل کے۔ اور حضرت عثمانؓ کا حال مروی ہے کہ آپ نے الحمدللہ کہا آپ کی زبان رک گئی تو آپ منبر سے اترے اور نماز پڑھائی۔

تشریح ...... خطبہ کی مقدار میں خود علماء احناف مختلف ہیں۔ چنانچہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگر خطبہ کے ارادہ سے فقط الحمد للہ یا یا سبحان اللہ کہا یا لا الہ الا اللہ کہا تو جائز ہے اور اگر چھینکنے کی وجہ سے خطیب نے الحمد للہ کہا یا تعجب کی وجہ سے سبحان اللہ کہا تو بالاتفاق خطبہ جائز نہ ہوگا۔ صاحبین نے فرمایا کہ اس قدر طویل کا ہونا ضروری ہے جس کو عرفاً خطبہ کہا جاسکے۔ متعارف خطبہ یہ ہے کہ خطیب اللہ کی حمد بیان کرے، رسول اللہؐ پر درود بھیجے اور تمام مسلمانوں کے لئے خیر کی دعا کرے۔ امام کرخیؒ کے نزدیک متعارف خطبہ کی مقدار تین آیات ہیں! اور بعض کے نزدیک تشہد کی مقدار ہے یعنی التحیات سے عبدہ و رسولہ تک۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ واجب تو وہ ہے جس کو خطبہ کہا جاسکے اور الحمد للہ کہنا یا سبحان اللہ کہنا یا لا الہ الا اللہ کہنا اس کا نام خطبہ نہیں ہے پس اگر خطیب نے فقط یہ کلمہ کہا تو خطبہ واجبہ ادا نہ ہوگا۔ امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ دو خطبہ واجب ہیں پہلا خطبہ اللہ کی حمد، صلوٰۃ علی النبی، تقویٰ کی وصیت اور کم از کم ایک آیت پر مشتمل ہو۔ اور دوسرے خطبہ میں آیت کی جگہ مسلمان مردوں اور عورتوں کے لئے دعا ہو۔ امام شافعیؒ کی دلیل عرف اور عادۃ الناس ہے یعنی اس سے کم کو لوگوں کی عادت اور عرف میں خطبہ نہیں کہا جاتا اور بالعموم خطیب حضرات اس سے کم خطبہ نہیں دیتے۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل باری تعالیٰ کا قول فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ ہے بایں طور کہ تمام مفسرین کے نزدیک ذکر اللہ سے خطبہ مراد ہے اور اس میں قلیل و کثیر کی کوئی تفصیل بھی نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مطلقاً ذکر اللہ سے خواہ قلیل ہو یا کثیر ہو خطبہ واجبہ ادا ہو جائے گا۔ حضرت عثمانؓ کا حال مروی ہے کہ خلیفہ ہونے کے بعد جب پہلی بار خطبہ جمعہ پڑھنے کے لئے منبر پر چڑھے اور الحمد للہ کہا تو آپ کی زبان بند ہوگئی۔ آپ منبر سے اتر گئے۔ اور لوگوں کو جمعہ کی نماز پڑھائی۔ اس وقت علماء صحابہؓ بھی موجود تھے مگر کسی نے حضرت عثمانؓ کے اس فعل پر نکیر نہیں فرمائی۔ پس صحابہؓ کے اجماع سے بھی ثابت ہوگیا کہ اللہ کے ذکر پر اکتفاء کرنے سے خطبہ جائز ہو جائے گا۔ رہا صاحبین کا یہ کہنا کہ لفظ الحمد للہ کو عرفاً خطبہ نہیں کہا جاتا۔ بلاشبہ اس کو عرفاً خطبہ نہیں کہا جاتا مگر لغۃً خطبہ کہا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضورﷺ نے اس شخص سے

جس نے من یطع اللّٰہ ورسولہ فقد رشد ومن یعصیھما فقد غوی کہا تھا بئس الخطیب انت فرمایا۔ دیکھئے اتنی سی مقدار کلام کرنے پر اس کو خطیب کہا۔ اس سے معلوم ہوا کہ خطبہ کے لئے طویل ذکر کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ (فتح القدیر)

شرائط جمعہ میں سے ایک شرط جماعت ہے، جمعہ کے لئے تعداد افراد

ومن شرائطها الجماعة لان الجمعة مشتقة منها واقلهم عند ابی حنيفةؒ ثلثة سوى الامام وقالا اثنان سواه قال والاصح ان هذا قول ابی يوسفؒ وحده له ان فی المثنى معنى الاجتماع وهی منبئة عنه ولهما ان الجمع الصحيح انما هو الثلاث لانه جمع تسمية ومعنى والجماعة شرط على حدة وكذا الامام فلايعتبر منهم

ترجمہ ...... اور جمعہ کی شرائط میں جماعت ہے کیونکہ جمعہ، جماعت ہی سے مشتق ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کمتر جماعت علاوہ امام کے تین آدمی ہیں۔ اور صاحبین نے کہا کہ امام کے علاوہ دو ہوں مصنف نے کہا کہ اصح یہ ہے کہ یہ قول فقط امام ابویوسفؒ کا ہے۔ ابویوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ دو میں اجتماع کے معنی ہیں اور جمعہ اسی کی خبر دیتا ہے۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ جمع صحیح تو تین ہی ہیں کیونکہ تین نام اور معنی دونوں طرح سے جمع ہے اور جماعت علیحدہ شرط ہے۔ اور ایسا ہی امام کا ہونا علاوہ شرط ہے اس لئے امام ان میں سے شمار نہ ہوگا۔

تشریح ...... جماعت، بالاتفاق جمعہ کی شرط ہے، البتہ افراد کی تعداد میں اختلاف ہے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک امام کے علاوہ کم از کم تین آدمیوں کا ہونا ضروری ہے۔ یہی امام زفر کا قول ہے اور صاحبین کے نزدیک امام کے علاوہ کم از کم تین آدمیوں کا ہونا ضروری ہے۔ یہی امام زفرؒ کا قول ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک امام کے علاوہ دو بھی کافی ہیں۔ یہ تو صاحب قدوری کے بیان کے مطابق ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ سچی بات یہ ہے کہ امام کے علاوہ دو مقتدیوں کا ہونا فقط امام ابویوسفؒ کا قول ہے۔ اور رہے امام محمدؒ تو ان کا قول امام صاحبؒ کے قول کے موافق ہے۔ صاحب ہدایہ کے بیان کے مطابق حاصل یہ ہوا کہ طرفین کے نزدیک جماعت جمعہ کے لئے امام کے علاوہ تین آدمیوں کا ہونا شرط ہے۔ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک امام کے علاوہ دو آدمی بھی کافی ہے۔ جمعہ کے لئے جماعت کی شرط اس لئے ہے کہ جمعہ جماعت ہی سے مشتق ہے۔ لہذا جمعہ بغیر جماعت کے متحقق نہیں ہوگا۔ جیسے ضارب ضرب سے مشتق ہے تو ضارب بغیر ضرب کے متحقق نہ ہوگا۔

عدد جماعت کے بارے میں امام ابویوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ جمعہ کے لغوی معنی جمع ہونے کے ہیں اور دو میں اجتماع کے معنی موجود ہیں بایں طور کہ اس میں ایک کا دوسرے کے ساتھ اجتماع ہوتا ہے۔ پس جب جمعہ کے لغوی معنی دو کے عدد سے متحقق ہوگئے تو امام کے علاوہ دو آدمیوں کا ہونا جواز جمعہ کے لئے کافی ہے۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ بلاشبہ جمعہ اجتماع کے معنی پر دلالت کرتا ہے لیکن باری تعالیٰ کے قول فاسعوا الی ذکر اللّٰہ میں فاسعوا کے ذریعہ خطاب جمع سے ہے، یعنی خطاب کے لئے جمع کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے۔ اور جمع صحیح کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہے کیونکہ تین کا عدد نام اور معنی دونوں اعتبار سے جمع ہے۔ اس لئے ہم نے کہا کہ امام کے علاوہ کم از کم تین آدمیوں کا ہونا ضروری ہے۔

والجماعۃ شرط علی حدۃ سے ایک سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ امام ابویوسفؒ کے قول کے مطابق بھی امام کے ساتھ مل کر تین ہوجاتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جماعت علیحدہ شرط ہے اور امام کا ہونا علیحدہ شرط ہے۔ اس لئے کہ باری تعالیٰ کا قول فاسعوا

صیغہ جمع تین افراد کا متقاضی ہے اور انی ذکر اللہ ایک ذاکر (امام) کا متقاضی ہے۔ پس آیت سے چار آدمیوں کا ہونا ثابت ہوا۔ یعنی ایک امام ہو اور اس کے علاوہ تین مقتدی ہوں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ امام کا شمار ان تین میں نہیں ہوگا بلکہ امام کے علاوہ تین آدمیوں کی جماعت کا ہونا شرط جمعہ ہے۔

امام کے رکوع اور سجدہ سے پہلے لوگ چل دیئے اور صرف عورتیں اور بچے رہ گئے تو ظہر کی نماز کا کیا حکم ہے .... اقوال فقہاء

وان نفر الناس قبل ان یرکع الامام ویسجد الا النساء والصبیان استقبل الظھر عند ابی حنیفۃؒ وقالا اذا نفروا عنہ بعد ما افتتح الصلٰوۃ صلی الجمعۃ فان نفروا عنہ بعد ما رکع وسجد سجدۃ بنی علی الجمعۃ خلافا لزفر ھو یقول انہ شرط فلابد من دوامہ کالوقت ولھما ان الجماعۃ شرط الانعقاد فلایشترط دوامھا کالخطبۃ ولابی حنیفۃ ان الانعقاد بالشروع فی الصلاۃ ولایتم ذلک الا بتمام الرکعۃ لان مادونھا لیس بصلٰوۃ فلابد من دوامھا الیھا بخلاف الخطبۃ فانھا تنافی الصلٰوۃ فلایشترط دوامھا ولامعتبر ببقاء النسوان وکذا الصبیان لانہ لاتنعقد بھم الجمعۃ فلا تتم بھم الجماعۃ

ترجمہ ...... اور اگر امام کے رکوع اور سجدہ کرنے سے پہلے لوگ چل دیئے علاوہ عورتوں اور بچوں کے تو ابو حنیفہؒ کے نزدیک امام از سر نو ظہر پڑھے اور صاحبینؒ نے فرمایا ہے کہ اگر امام کے نماز جمعہ شروع کرنے کے بعد لوگ امام کو چھوڑ کر بھاگ گئے تو امام جمعہ پڑھے اور اگر رکوع اور ایک سجدہ کرنے کے بعد امام کو چھوڑ بھاگے تو امام جمعہ پر بناء کرے برخلاف امام زفرؒ کے امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ جماعت تو شرط ہے لہذا اس کا آخر تک برابر رہنا ضروری ہے جیسے وقت۔ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ جماعت انعقاد جمعہ کی شرط ہے۔ اس لئے جماعت کا آخر تک رہنا شرط نہیں ہے جیسے خطبہ، اور ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ جمعہ کا انعقاد نماز شروع کر کے ہوتا ہے اور انعقاد پورا نہیں ہوگا مگر ایک رکعت پوری کرنے سے کیونکہ ایک رکعت سے کم تو نماز ہی نہیں ہے اس لئے ایک رکعت تک جماعت کا دوام ضروری ہے۔ برخلاف خطبہ کے کیونکہ خطبہ تو نماز کے منافی ہے پس خطبہ کا رکعت تک دوام شرط نہیں ہوا اور عورتوں اور بچوں کے باقی رہ جانے کا کچھ اعتبار نہیں۔ اس لئے کہ عورتوں اور بچوں کے ساتھ جمعہ منعقد نہیں ہوتا۔ پس ان کے ساتھ جماعت (کی شرط بھی) پوری نہ ہوگی۔

تشریح ...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر نماز جمعہ شروع کرنے سے پہلے لوگ امام کو تنہا چھوڑ کر فرار ہو گئے تو بالاجماع امام ظہر کی نماز پڑھے، جمعہ کی نماز پڑھنے کی اجازت نہ ہوگی۔ اور اگر نماز جمعہ شروع کرنے کے بعد امام کے رکوع اور سجدہ کرنے سے پہلے لوگ امام کو چھوڑ کر چلے گئے تو حضرت امام صاحبؒ کے نزدیک امام اس صورت میں بھی از سر نو ظہر پڑھے اور صاحبینؒ کے نزدیک امام جمعہ پر بناء کرے یعنی جمعہ ہی کی نماز پڑھے ظہر پڑھنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ اور اگر امام کے رکوع اور ایک سجدہ کرنے کے بعد لوگ امام کو چھوڑ کر بھاگ گئے تو ائمہ ثلاثہ (ابو حنیفہ، صاحبین) کے نزدیک جمعہ پر بناء کرے۔ یعنی جمعہ کی نماز پوری کرے۔ اور امام زفرؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی ظہر پڑھے۔ امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ جماعت ادا جمعہ کی شرط ہے جیسے وقت شرط ادا ہے پس جس طرح وقت کا اول تا آخر پایا جانا ضروری ہے اسی طرح اول تحریمہ سے آخر تک جماعت کا پایا جانا ضروری ہے مذکورہ صورت میں چونکہ اول تا آخر جماعت نہیں پائی گئی بلکہ درمیان میں

جماعت فوت ہوگئی۔ اس لئے جمعہ فاسد ہو جائے گا امام پر ظہر پڑھنا لازم ہوگا۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ جماعت کا ہونا ادائے جمعہ کی شرط نہیں ہے بلکہ جمعہ منعقد ہونے کی شرط ہے جیسے خطبہ انعقاد جمعہ کی شرط ہے۔ اور شرط انعقاد کا اول تا آخر پایا جانا ضروری نہیں ہوتا بلکہ منعقد ہونے کی حد تک پایا جانا ضروری ہے۔ اس کے بعد ضروری نہیں۔ پس جب تحریمہ کے وقت جماعت پائی گئی تو جمعہ منعقد ہو گیا۔ اس کے بعد جماعت کا باقی رہنا شرط نہیں ہے۔ لہذا انعقاد جمعہ کے بعد جماعت کے فوت ہونے سے جمعہ فوت نہیں ہوگا۔ اور جب جمعہ فوت نہیں ہوا تو امام اسی کو پورا کرے ظہر کی نماز نہ پڑھے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ بلاشبہ جماعت انعقاد جمعہ کی شرط ہے جیسا کہ تم بھی کہتے ہو، لیکن نماز کا انعقاد نماز شروع کرنے سے ہوتا ہے اور نماز کا اطلاق ایک رکعت مکمل ہونے سے ہوگا کیونکہ ایک رکعت سے کم کو نماز نہیں کہا جاتا' یہی وجہ ہے کہ ایک رکعت سے کم کو اگر چھوڑ دیا گیا تو وہ لا تبطلوا اعمالکم کے تحت نہیں آتا۔ پس ثابت ہوا کہ نماز کا اطلاق کم از کم ایک رکعت پر ہوگا۔ حاصل یہ ہوا کہ جماعت انعقاد جمعہ کی شرط ہے اور جمعہ منعقد ہوتا ہے نماز جمعہ شروع ہونے سے اور نماز کا اطلاق کم از کم ایک رکعت پر ہوتا ہے تو گویا نماز جمعہ ایک رکعت پوری ہونے سے شروع ہوگی۔ پس ایک رکعت پوری ہونے تک جماعت کا پایا جانا شرط ہوگا۔ اور رکعت پوری ہوتی ہے رکوع اور سجدہ سے تو پہلی رکعت کے رکوع سجدہ تک اگر جماعت پائی گئی تو جمعہ منعقد ہو گیا۔ اب اگر امام کے رکوع سجدہ کرنے کے بعد لوگ بھاگ گئے۔ اور جماعت فوت ہوگئی تو جمعہ فوت نہیں ہوگا۔ اور اگر اس سے پہلے بھاگ گئے تو جماعت فوت ہو جائے گی تو چونکہ نماز جمعہ منعقد ہونے سے پہلے شرط انعقاد یعنی جماعت ہوگئی اس لئے جمعہ فاسد ہو جائے گا اور امام پر ظہر پڑھنا واجب ہوگا۔ رہا یہ کہ خطبہ جمعہ بھی انعقاد جمعہ کی شرط ہے لیکن ایک رکعت پوری ہونے تک اس کا پایا جانا ضروری نہیں ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ خطبہ جمعہ انعقاد جمعہ کی شرط ہے مگر چونکہ خطبہ نماز کے منافی ہے۔ اگر نماز میں خطبہ پڑھا دیا تو نماز ہی فاسد ہو جائے گی۔ اس لئے ایک رکعت پوری ہونے تک اس کی بقاء شرط قرار نہیں دی گئی۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ اگر نماز جمعہ کو چھوڑ کر لوگ فرار ہو گئے اور عورتیں اور بچے باقی رہ گئے تو ان کا اعتبار نہ ہوگا۔ کیونکہ تنہا عورتوں اور بچوں سے جب جمعہ منعقد نہیں ہوتا تو ان کے ساتھ شرط جماعت بھی پوری نہ ہوگی۔

فوائد..... امام صاحبؒ کی دلیل پر ایک اشکال ہوسکتا ہے وہ یہ کہ جب ایک رکعت سے کم سے نماز منعقد نہیں ہوتی تو نفل شروع کرکے توڑنے سے قضاء واجب نہ ہونی چاہئے۔ جب تک کہ رکعت تک پڑھ کر نہ توڑے۔

جواب..... رکعت سے کم نماز میں دو حالت ہیں۔ اول یہ کہ تحریمہ پایا گیا پس اس جہت سے تو وہ نماز ہے اور چونکہ نماز نام قرأت و رکوع و سجود کا ہے یہ نہیں پایا گیا تو اس جہت سے نماز نہیں پھر نفل توڑنے کے مسئلہ میں ہم نے احتیاط پر عمل کرتے ہوئے اول جہت کا اعتبار کرکے قضاء واجب کی کہ اس میں بالیقین قصور سے بچ گیا۔ اور جمعہ کے مسئلہ میں ہم نے دوسری جہت کا اعتبار کیا۔ کیونکہ ظہر پڑھنے سے بالیقین فرض ادا ہوگا۔

کن افراد پر جمعہ فرض نہیں

ولایجب الجمعة علی مسافر ولا امرأة ولا مریض ولا عبد ولا اعمی لان المسافر یحرج فی الحضور وكذا

المریض والاعمی والعبد مشغول بخدمة المولی والمرأة بخدمة الزوج فعذروا دفعاللحرج والضرر

ترجمہ...... اور جمعہ واجب نہیں کسی مسافر پر اور نہ عورت پر اور نہ بیمار پر اور نہ غلام پر اور نہ اندھے پر کیونکہ مسافر کو حاضری جمعہ میں حرج لاحق ہوگا۔ اور یہی بیمار اور اندھے میں ہے اور غلام اپنے آقا کی خدمت میں مشغول ہے اور عورت اپنے شوہر کی خدمت میں مشغول ہے پس یہ لوگ حرج اور ضرر کو دور کرنے کے واسطے معذور قرار دیئے گئے۔

تشریح...... ادا جمعہ نہ مسافر پر واجب ہے نہ عورت پر نہ بیمار پر نہ غلام پر اور نہ نابینا پر دلیل یہ ہے کہ مسافر بیمار اور نابینا کو جمعہ میں حاضر ہونے سے حرج لاحق ہوگا اور غلام اپنے آقا کی خدمت میں اور عورت اپنے شوہر کی خدمت میں مشغول ہے۔ پس حرج اور ضرر کو دور کرنے کے لئے ان حضرات کو حاضری جمعہ سے معذور قرار دیا گیا۔

جن پر جمعہ فرض نہیں اگر انہوں نے جمعہ پڑھا تو وقتی فرض ادا ہو جائے گا

فان حضروا فصلوا مع الناس اجزأهم عن فرض الوقت لانهم تحملوه فصاروا کالمسافر اذا صام

ترجمہ...... پھر یہ لوگ حاضر ہوئے اور انہوں نے لوگوں کے ساتھ جمعہ پڑھا تو اس وقت کے فرض سے ان کو جمعہ کافی ہو گیا۔ کیونکہ انہوں نے حرج اور مشقت کو برداشت کیا تو ایسے مسافر کے مانند ہو گئے جس نے روزہ رکھا۔

تشریح...... جن لوگوں کو ادا جمعہ سے معذور قرار دیا گیا ہے اگر انہوں نے جمعہ میں حاضر ہو کر لوگوں کے ساتھ نماز جمعہ ادا کی تو ان کا فریضہ وقت ادا ہو گیا۔ دلیل یہ ہے کہ ان لوگوں سے جمعہ کا ساقط ہونا کسی ایسے معنی کی وجہ سے نہیں تھا جو نماز میں پایا جائے بلکہ ان سے حرج اور ضرر کو دور کرنے کے لئے فرضیت جمعہ ان سے اٹھالی گئی ہے۔ لیکن جب ان لوگوں نے حرج اور مشقت کو برداشت کیا اور ہمت کر کے نماز جمعہ ادا کر لی تو یہ لوگ اس مسافر کے مانند ہو گئے جس نے حالت سفر میں روزہ رکھا۔ حالانکہ بنظر مشقت مسافر کو رمضان المبارک میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے لیکن اگر اس نے روزہ رکھ لیا تو جائز ہے بلکہ افضل ہے کیونکہ اس نے مقیم کی بہ نسبت زیادہ مشقت اٹھائی۔ اسی طرح اگر ان لوگوں نے مشقت اٹھا کر جمعہ کی نماز پڑھی تو جائز ہے۔

کون کون جمعہ کی امامت کرا سکتا ہے

ویجوز للمسافر والعبد والمریض ان یؤم فی الجمعة وقال زفر لایجزیه لانه لافرض علیه فاشبه الصبی والمرأة ولنا ان هذه رخصة فاذا حضروا یقع فرضا علی ما بینا اما الصبی فمسلوب الاهلیة والمرأة لاتصلح لامامة الرجال وتنعقدبهم الجمعة لانهم صلحوا للامامة فیصلحون للاقتداء بطریق الاولی

ترجمہ...... اور مسافر، غلام اور بیمار کے لئے جمعہ میں امام بننا جائز ہے۔ اور امام زفرؒ نے کہا ہے کہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس پر جمعہ فرض نہیں ہے۔ پس (ہر ایک) بچہ اور عورت کے مشابہ ہو گیا اور ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ فرض نہ ہونا رخصت ہے۔ لیکن جب یہ لوگ حاضر ہو گئے تو یہ نماز فرض واقع ہوگی جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ رہا بچہ تو (اس میں) امامت کی اہلیت نہیں ہے۔ اور عورت، مردوں کی امامت کی اہلیت نہیں رکھتی۔ اور مسافر، غلام، بیمار کے ساتھ جمعہ منعقد ہو جاتا ہے کیونکہ یہ لوگ امامت کے لائق ہیں پس اقتداء کے واسطے

طریق اولی لائق ہوں گے۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ مسافر، بیمار اور غلام پر اگرچہ جمعہ فرض نہیں ہے لیکن ان کو جمعہ میں امام بنانا جائز ہے۔ امام شافعیؒ کا اصح قول بھی یہی ہے۔ امام زفرؒ نے فرمایا ہے کہ ان میں سے کسی کا امام جمعہ ہونا جائز نہیں ہے۔ امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ جمعہ فرض نہ ہونے میں یہ تینوں نابالغ بچہ اور عورت کے مشابہ ہیں پس جس طرح بچہ اور عورت کی امامت جمعہ جائز نہیں ہے اسی طرح ان کی امامت بھی جائز نہ ہوگی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ مسافر، غلام اور بیمار پر جمعہ کا فرض نہ ہونا بطور رخصت ہے یعنی جمعہ تو ہر ایک پر فرض عین ہے کیونکہ خطاب اذانُودِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ عام ہے لیکن مسافر وغیرہ کو حرج دور کرنے کے لئے جمعہ میں حاضر نہ ہونے کی اجازت دیدی گئی ہے۔ مگر جب یہ لوگ ادا جمعہ کے لئے حاضر ہو گئے اور حرج ضرر کی مشقت برداشت کر لی تو یہ نماز فرض ہوگی نہ کہ نفل جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ پس جب مسافر وغیرہ کی نماز جمعہ فرض واقع ہوئی تو ان کو امام بنانا بھی جائز ہوگا۔ رہا بچہ اور عورت پر قیاس تو وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ نابالغ بچہ میں امامت کی اہلیت ہی نہیں ہے۔ اور امامت کی اہلیت اس لئے نہیں کہ خطاب باری اس کو شامل نہیں ہے پس جب بچہ امامت کی اہلیت ہی نہیں رکھتا تو اس کو امام بنانا کیسے درست ہوگا۔ اور رہی عورت تو اس میں عورتوں کی امامت کی اہلیت تو ہے مگر مردوں کی امامت کی اہلیت نہیں ہے۔ اور جب مردوں کی امامت کی اہلیت نہیں تو عورت کو مردوں کی امامت کا حکم جواز بھی حاصل نہ ہوگا۔ حضرت امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ مسافر، غلام اور بیمار کی امامت جمعہ تو درست ہے لیکن اگر جمعہ منعقد کرنے کے لئے فقط یہ لوگ اس تعداد کے مطابق بھی ہوں جس تعداد سے جمعہ منعقد ہو جاتا ہے۔ تو جمعہ منعقد نہیں ہوگا۔ صاحب ہدایہ نے امام شافعیؒ کے اس قول کو رد کرتے ہوئے فرمایا کہ مسافر، غلام اور بیمار کے جمع ہونے سے جماعت جمعہ منعقد ہو جائے گی۔ دلیل یہ ہے کہ جب یہ لوگ امامت کے لائق ہیں تو اقتداء کے لائق بدرجہ اولی ہوں گے۔

کسی نے جمعہ کے دن ظہر کی نماز امام سے پہلے پڑھ لی اور کوئی عذر مانع بھی نہیں تھا تو ایسا کرنا مکروہ ہے آیا ظہر کی نماز ہوئی یا نہیں، اقوالِ فقہاء

ومن صلی الظهر فی منزله یوم الجمعة قبل صلوٰة الامام ولا عذر له کره له ذٰلک وجازت صلاته وقال زفرؒ لایجزیه لان عنده الجمعة هی الفریضة اصالة والظهر کالبدل عنها ولامصیر الی البدل مع القدرة علی الاصل ولنا اصل الفرض هو الظهر فی حق الکافة هذا هو الظاهر الاانه مامور باسقاطه باداء الجمعة وهذا لانه یتمکن من اداء الظهر بنفسه دون الجمعة لتوقفها علی شرائط لا تتم به وحده وعلی التمکن یدور التکلیف

ترجمہ...... اور جس شخص نے جمعہ کے روز اپنے مقام پر امام کی نماز سے پہلے ظہر پڑھ لی حالانکہ اس کو کوئی عذر بھی نہیں ہے تو اس کے حق میں یہ مکروہ ہے۔ اور نماز جائز ہوگئی۔ اور امام زفرؒ نے کہا ہے کہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ امام زفرؒ کے نزدیک اصلی فرض تو جمعہ اور ظہر اس کے بدل کے مانند ہے اور اصل پر قدرت کرتے رہتے ہوئے بدل کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ تمام کے حق میں

فرض اصلی تو ظہر ہے۔ یہی ظاہر ہے مگر جمعہ ادا کر کے اس کو ساقط کر دینے کا حکم دیا گیا ہے اور ظہر کا اصل ہونا اس لئے ہے کہ ہر شخص ظہر ادا کرنے پر بذات خود قادر ہے نہ کہ ادائے جمعہ پر کیونکہ جمعہ ایسی شرائط پر موقوف ہے جو تنہا آدمی کے ساتھ پوری نہیں ہوتیں۔ حالانکہ قدرت ہی پر مکلف ہونے کا مدار ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے جمعہ کے دن امام کے نماز جمعہ پڑھانے سے پہلے اپنے گھر میں نماز ظہر پڑھی۔ حالانکہ اس کو کوئی عذر بھی نہیں ہے تو اس کی یہ نماز جائز تو ہو گئی لیکن مکروہ ہے۔ اور امام زفرؒ نے فرمایا ہے کہ جائز نہیں ہوئی یہی امام مالک اور امام شافعی کا قول ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ جمعہ کے دن نماز جمعہ ہی اصلاً فرض ہے۔ اور ظہر اس کا بدل ہے کیونکہ نماز جمعہ کی طرف سعی کا امر کیا گیا ہے اور جب تک جمعہ فوت نہ ہو جائے ظہر پڑھنے سے منع کیا گیا ہے پس نماز جمعہ کا مامور بالاداء ہونا اور ظہر کا ممنوع ہونا نماز جمعہ کے فرض اصلی ہونے کی دلیل ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ جب تک اصل پر قدرت ہو تو بدل کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا۔ لہٰذا نماز جمعہ پر قادر ہونے کی صورت میں ظہر کا ادا کرنا درست نہ ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ جمعہ کے دن اصلاً تو ظہر فرض ہے جیسا کہ دوسرے ایام میں ظہر فرض ہے۔ دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اول وقت الظہر حین تزول الشمس ہے۔ بایں طور کہ حدیث مطلق ہے کسی دن کی تخصیص نہیں ہے۔ لہٰذا زوال شمس کے بعد تمام ایام میں بلا استثناء ظہر کا وقت ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ تکلیف بحسب القدرت ہوتی ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا اور اس وقت کے اندر نماز کا مکلف بذات خود ظہر ادا کرنے پر قادر ہے نہ کہ جمعہ ادا کرنے پر کیونکہ جمعہ ایسی شرائط پر موقوف ہے جو تنہا ایک آدمی کے ساتھ پوری نہیں ہوتیں مثلاً امام کا ہونا جماعت کا ہونا وغیرہ پس جمعہ کا مکلف بنانا تکلیف مالا یطاق کے قبیل سے ہوگا۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ جمعہ کے دن جمعہ ادا کر کے ظہر کی نماز ساقط کرنے کا حکم دیا گیا ہے پس قدرت کے باوجود جمعہ سے اعراض کر کے ظہر ادا کرنا جائز مگر مکروہ ہوگا۔

ظہر پڑھنے والا جمعہ کی طرف چل پڑے تو ظہر باطل ہو جائے گی یا نہیں، اقوالِ فقہاء

فان بدا له ان يحضرها فتوجه اليها و الامام فيها بطل ظهره عند ابي حنيفة بالسعي و قالا لايبطل حتى يدخل مع الامام لان السعي دون الظهر فلا ينقضه بعد تمامه و الجمعة فوقها فينقضها و صار كما اذا توجه بعد فراغ الامام وله ان السعي الى الجمعة من خصائص الجمعة فينزل منزلتها في حق ارتفاض الظهر احتياطا بخلاف مابعد الفراغ منها لانه ليس بسعي اليها

ترجمہ..... پھر اگر اس کی رائے میں ظاہر ہوا کہ جمعہ میں حاضر ہو جائے پس جمعہ کی طرف متوجہ ہوا حال یہ کہ امام نماز جمعہ میں ہے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک چلنے کے ساتھ ہی اس کی ظہر باطل ہو جائے گی اور صاحبینؒ نے فرمایا ہے کہ ظہر باطل نہ ہوگی یہاں تک کہ امام کے ساتھ داخل ہو جائے کیونکہ سعی ظہر سے کمتر ہے تو ظہر مکمل ہونے کے بعد سعی اس کو نہ توڑے گی۔ اور جمعہ ظہر سے بڑھ کر ہے۔ لہٰذا جمعہ ظہر کو توڑ دے گا اور ایسا ہو گیا جیسے امام کے فارغ ہونے کے بعد جمعہ کی طرف متوجہ ہوا۔ اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ سعی الی الجمعہ جمعہ کی خصوصیات میں سے ہے پس ظہر توڑنے کے حق میں احتیاطاً سعی کو جمعہ کے مرتبہ میں اتار لیا جائے گا برخلاف اس کے کہ امام جو

سے فارغ ہو گیا ہے اس لئے کہ یہ جمعہ کی طرف سعی کرنا نہیں ہے۔

تشریح ...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص جس نے جمعہ کے دن اپنے گھر میں ظہر پڑھی درانحالیکہ ابھی تک نماز جمعہ ادا نہیں کی گئی ہے پھر اس کو خیال آیا کہ نماز جمعہ میں شرکت کرنی چاہئے۔ اس ارادہ کے ساتھ یہ شخص جامع مسجد کی طرف چل دیا تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو یہ امام کی ساتھ نماز جمعہ میں شریک ہو جائے گا یا شریک نہ ہو سکے گا۔ اگر اس نے امام کے ساتھ نماز جمعہ کو پالیا تو اس کی نماز ظہر باطل ہو جائے گی اور نفل میں تبدیل ہو جائے گی۔ اور اگر یہ شخص جمعہ کے لئے روانہ تو اس وقت ہوا تھا جبکہ امام نماز جمعہ میں تھا لیکن اس کے پہنچتے پہنچتے امام نماز جمعہ سے فارغ ہو گیا اور یہ شخص نماز جمعہ کو امام کے ساتھ نہیں پا سکا تو اس بارے میں امام الہمام قدوۃ الانام امام اعظمؒ کا مذہب یہ ہے کہ گھر سے چلنے کے ساتھ ہی اس کی نماز ظہر باطل ہو گئی اب چونکہ اس کو نماز جمعہ تو مل نہیں سکی اور ادا کی ہوئی ظہر باطل ہو گئی اس لئے نماز ظہر اعادہ کرے۔ اور صاحبینؒ کا مذہب یہ ہے کہ محض چلنے سے ظہر باطل نہ ہو گی بلکہ نماز جمعہ میں شرکت کرنے سے باطل ہو گی۔ یعنی اس شخص کے پہنچنے سے پہلے ہی اگر امام نماز جمعہ سے فارغ ہو گیا تو اس کی ظہر باطل نہ ہو گی۔ ہاں اگر امام کے ساتھ نماز جمعہ کے کسی حصہ میں شریک ہو گیا تو اس کی ظہر باطل ہو جائے گی۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ سعی الی الجمعہ چونکہ بذاتہ مقصود نہیں ہے بلکہ ادا جمعہ کا وسیلہ ہے اور ظہر فرض مقصود ہے۔ اس لئے سعی الی الجمعہ بہ نسبت ظہر کے ادنیٰ اور کمتر ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ اعلیٰ ادنیٰ کی وجہ سے باطل نہیں ہوتا اسلئے محض سعی الی الجمعہ سے ظہر باطل نہیں ہو گی اور جمعہ چونکہ ظہر سے اعلیٰ اور برتر ہے اس لئے جمعہ کی نماز ظہر کو باطل کر دے گی۔ رہا یہ کہ جمعہ اعلیٰ کیوں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم کو شریعت اسلام نے یہ حکم دیا ہے کہ جمعہ کے دن ظہر کو ساقط کر کے جمعہ ادا کیا جائے پس جمعہ کی وجہ سے ظہر کا ساقط ہونا جمعہ کے اعلیٰ اور برتر ہونے کی دلیل ہے۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ یہ ایسا ہو گیا جیسے امام کے نماز جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد جمعہ کی طرف متوجہ ہوا کہ اس صورت میں بالاتفاق سعی ظہر کو باطل نہیں کرتی۔ کیونکہ یہ بیکار سعی ہے اسی طرح سعی الی الجمعہ ظہر کو اس صورت میں باطل نہیں کرے گی جبکہ سعی الی الجمعہ کرتے وقت امام نماز جمعہ میں تھا لیکن اس کے پہنچنے تک امام نماز جمعہ سے فارغ ہو گیا۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ سعی یعنی جمعہ کے لئے چلنا جمعہ کے خصائص میں سے ہے۔ کیونکہ جمعہ ایسی نماز ہے جس کو ہر جگہ ادا نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کے واسطے مخصوص مکان کا ہونا ضروری ہے لہذا بغیر سعی الی الجمعہ کے جمعہ کا ادا کرنا ممکن نہیں ہو گا۔ پس ثابت ہو گیا کہ سعی الی الجمعہ، جمعہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور جب سعی جمعہ کے خصائص میں سے ہے تو سعی الی الجمعہ، جمعہ کے مرتبہ میں ہو گی۔ پس جس طرح ظہر ادا کرنے کے بعد نماز جمعہ میں شریک ہونا ظہر کو باطل کر دیتا ہے۔ اسی طرح نماز جمعہ کی طرف سعی کرنا بھی ظہر کو باطل کر دے گا۔ بشرطیکہ جس وقت سعی کی ہے اس وقت امام نماز جمعہ میں ہو۔ اس کے برخلاف اگر امام کے نماز جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد سعی کی تو یہ سعی ظہر کو باطل نہیں کرے گی۔ کیونکہ یہ سعی جمعہ کے مرتبہ میں نہیں ہے اور جمعہ کے مرتبہ میں اس لئے نہیں کہ یہ جمعہ کی طرف سعی نہیں ہے۔

امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کے درمیان ثمرۂ اختلاف اس مثال میں ظاہر ہو گا کہ ایک شخص اپنے گھر میں ظہر ادا کرنے کے بعد جمعہ کے لئے اس وقت چلا جبکہ امام نماز جمعہ میں مشغول ہے لیکن اس کے پہونچنے تک امام نماز جمعہ سے فارغ ہو گیا۔ تو امام صاحب کے نزدیک چونکہ سعی الی الجمعہ سے ظہر باطل ہو گئی ہے اس لئے ظہر کا اعادہ کرے اور صاحبین کے نزدیک چونکہ ظہر باطل نہیں ہوئی اس لئے

ظہر کا اعادہ نہ کرے۔

معذورین کے لئے جمعہ کے دن شہر میں ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنے کا حکم

ویکرہ ان یصلی المعذورون الظهر بجماعة یوم الجمعة فی المصر و کذا اهل السجن لمافیه من الاخلال بالجمعة اذهی جامعة للجماعات والمعذور قد یقتدی به غیره بخلاف اهل السواد لانه لا جمعة علیهم ولو صلی قوم اجزأهم لاستجماع شرائطه

ترجمہ..... اور معذور لوگوں کا جمعہ کے دن شہر کے اندر جماعت کے ساتھ ظہر ادا کرنا مکروہ ہے اسی طرح قیدیوں کا۔ کیونکہ اس عمل میں جمعہ کے اندر خلل پیدا کرنا ہے۔ کیونکہ جمعہ تو تمام جماعتوں کو جمع کرنے والا ہے۔ اور معذور کے ساتھ کبھی غیر معذور بھی اقتدا کر لیتا ہے۔ برخلاف گاؤں والوں کے کہ ان پر جمعہ نہیں ہے اور اگر کسی قوم نے اس دن ظہر جماعت سے پڑھ لی تو ان کو کافی ہو گی۔ کیونکہ اس کی تمام شرطیں جمع ہو گئیں۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ معذور لوگ مثلاً غلام، مسافر، بیمار جمعہ کے دن شہر کے اندر جمعہ کی نماز سے پہلے یا بعد میں اگر باجماعت ظہر ادا کر لیں تو یہ عمل مکروہ ہے۔ یوں ہی قیدیوں کا جمعہ کے دن باجماعت ظہر ادا کرنا مکروہ ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اس عمل میں جمعہ کے اندر خلل واقع ہوگا۔ خلل یہ ہے کہ جمعہ تمام جماعتوں کا جامع ہے پس جب کچھ لوگوں نے ظہر کو جماعت کے ساتھ ادا کیا تو جمعہ جامعۃ الجماعات نہ رہا۔ اس دلیل۔ سے معلوم ہوا کہ ایک شہر میں متعدد جمعے جائز نہیں ہیں۔ حالانکہ ایک شہر میں کئی جگہ جمعہ ادا کرنا امام صاحبؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز ہے۔ پس صاحب ہدایہ کا کراہت جماعت کی دلیل میں اخلال بالجمعہ بیان کرنا غیر معقول ہے۔ مناسب یہ ہے کہ کراہت کی دلیل یہ بیان کی جائے کہ جمعہ کے دن ظہر کو باجماعت ادا کرنے میں ظاہری صورت میں جمعہ کا معارضہ اور مقابلہ معلوم ہوتا ہے۔

والمعذور الخ سے سوال کا جواب ہے۔ سوال: یہ ہے کہ جب معذورین پر جمعہ فرض نہیں ہے تو ان کے ظہر کو باجماعت ادا کرنے میں جمعہ کے اندر خلل کا کیا سوال ہے۔ جواب: معذور کے ساتھ کبھی غیر معذور بھی اقتدا کر لیتا ہے لہٰذا غیر معذور کے اقتدا کرنے سے جمعہ میں خلل ہوگا۔ اس کے برخلاف گاؤں کے لوگ اگر باجماعت ظہر ادا کریں تو اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ کیونکہ گاؤں والوں پر سرے سے جمعہ فرض نہیں ہوا ہے اور معذور پر جمعہ فرض تھا مگر عذر کی وجہ سے ساقط ہو گیا۔ صاحب قدوری کہتے ہیں کہ جمعہ کے دن ظہر کی جماعت مکروہ ہونے کے باوجود اگر کچھ لوگوں نے ظہر کو جماعت کے ساتھ ادا کر لیا تو یہ جائز ہے کیونکہ نماز اپنی شرطوں کے ساتھ پائی گئی۔ رہی کراہت تو وہ اس کی ذات سے خارج حق جمعہ کی وجہ سے تھی سو وہ اب بھی ہے۔

جس نے امام کو جمعہ کی نماز میں پالیا نماز پڑھے اور جمعہ کی بنا کرے

ومن ادرک الامام یوم الجمعة صلی معه ما ادرکه وبنی علیها الجمعة لقوله علیه السلام ما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاقضوا

ترجمہ..... اور جس شخص نے امام کو جمعہ کے دن پایا تو اس کے ساتھ اس کو پڑھے جس کو اس نے پایا ہے اور اسی پر جمعہ کی بناء کرے۔ کیونکہ

حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم جس قدر پاؤ اس کو پڑھ لو اور جو فوت ہوگئی اس کو قضاء کرلو۔

تشریح ..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے جمعہ کے دن امام کو نماز جمعہ میں پایا اور دوسری رکعت کے رکوع میں امام کے ساتھ شریک ہوگیا تو بالاتفاق یہ شخص امام کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرے اور ایک رکعت جو فوت ہوگئی اس کو امام کے سلام پھیرنے کے بعد پورا کرے اس کی یہ نماز، جمعہ کی نماز شمار ہوگی نہ کی ظہر کی۔ دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا، ما ادر کتم فصلوا وما فاتکم فاقضوا۔ حدیث کے اندر صاحب حدیث کی مراد ہے مافاتکم من صلوٰۃ الامام۔ کیونکہ ماادر کتم فصلوا کے معنی ہیں من صلوٰۃ الامام یعنی امام کی نماز کا جو حصہ پالیا اس کو پڑھ لو۔ اور جو حصہ فوت ہوگیا اس کو قضاء کرلو۔ یعنی امام کے سلام پھیرنے کے بعد پڑھ لو یہ بات ظاہر ہے کہ امام کی نماز کا جو حصہ فوت ہوگیا ہے وہ جمعہ ہے۔ لہٰذا مقتدی جمعہ ہی پڑھے گا نہ کہ اور کوئی نماز۔

اگر امام کو تشہد یا سجدۂ سہو میں پایا تو جمعہ کی بنا درست ہے یا نہیں، اقوالِ فقہاء

وان کان ادرکہ فی التشھد اوفی سجود السھو بنی علیھا الجمعۃ عندھما وقال محمدؒ ان ادرک معہ اکثر الرکعۃ الثانیۃ بنی علیھا الجمعۃ وان ادرک اقلھا بنی علیھا الظھر لانہ جمعۃ من وجہ ظھر من وجہ لفوات بعض الشرائط فی حقہ فیصلی اربعا اعتبارا للظھر ویقعد لا محالۃ علی رأس الرکعتین اعتبارا للجمعۃ ویقرأفی الاخریین لا حتمال النفلیۃ ولھما انہ مدرک للجمعۃ فی ھٰذہ الحالۃ حتی یشترط نیۃ الجمعۃ وھی رکعتان ولاوجہ لماذکر لانھما مختلفان فلایبنی احدھما علی تحریمۃ الآخر

ترجمہ ..... اور اگر امام کو تشہد یا سجدۂ سہو میں پایا تو شیخین کے نزدیک اس پر جمعہ کی بنا کرے اور امام محمدؒ نے فرمایا ہے کہ اگر امام کے ساتھ دوسری رکعت کا اکثر حصہ پالیا ہے تو اس پر جمعہ کی بناء کرے۔ اور اگر دوسری رکعت کا کم حصہ پایا تو اس پر ظہر کی بناء کرے۔ کیونکہ اس کی یہ نماز من وجہ جمعہ ہے اور من وجہ ظہر ہے۔ کیونکہ اس کے حق میں بعض شرطیں فوت ہوگئیں۔ پس ظہر کا اعتبار کرتے ہوئے چار رکعت پڑھے اور جمعہ کا اعتبار کرتے ہوئے دو رکعت پر بالیقین بیٹھے اور آخر کی دو رکعتوں میں قرأت کرے نفل کا احتمال ہونے کی وجہ سے اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ اس حالت میں وہ جمعہ کا پانے والا ہے حتی کہ اس پر جمعہ کی نیت کرنا شرط قرار دیا گیا ہے۔ اور جمعہ دو ہی رکعت ہے۔ اور جو امام محمدؒ نے ذکر کیا ہے اس کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں نمازیں مختلف ہیں اس لئے ایک کو دوسرے کے تحریمہ پر مبنی نہیں کر سکتے۔

تشریح ..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے امام کو نماز جمعہ کے تشہد میں پایا یا سجدۂ سہو میں پایا تو شیخین کے نزدیک یہ شخص جمعہ کی نماز پوری کرے۔ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر اس نے اکثر رکعت ثانیہ کو پالیا مثلاً دوسری رکعت کے رکوع میں امام کے ساتھ شریک ہوگیا تو جمعہ کی نماز پوری کرے اور اگر دوسری رکعت کا اکثر حصہ نہیں پایا مثلاً رکوع کے بعد امام کے ساتھ شریک ہوا تو ظہر کی نماز پوری کرے۔ یہی قول امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا ہے۔ امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ تشہد یا سجدۂ سہو میں امام کے ساتھ شریک ہونے والے کی یہ نماز من وجہ جمعہ ہے اور من وجہ ظہر ہے جمعہ تو اس لئے ہے کہ جمعہ کی نیت کرنا ضروری ہے اور ظہر اس لئے کہ اس کے حق میں جمعہ کی بعض شرطیں مثلاً جماعت فوت ہو چکی ہے کیونکہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد یہ شخص تنہا نماز جمعہ ادا کرے گا۔ پس اس شخص کی نماز جب ایک اعتبار سے جمعہ ہے اور ایک اعتبار سے ظہر۔ تو ظہر کا اعتبار کرتے ہوئے چار رکعت پڑھے اور جمعہ کا اعتبار کرتے ہوئے دو رکعت پر بالیقین بیٹھے۔ اور

چونکہ آخر کی دو رکعتوں میں نفل ہونے کا احتمال ہے اس لئے ان میں سورۂ فاتحہ کے علاوہ سورت کی قرأت بھی کرے۔ امام محمدؒ کے مذہب کی تائید شارح نقایہ ملا علی قاری کی پیش کردہ حدیث ابو ہریرہؓ سے بھی ہوتی ہے حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔ من ادرک الرکوع من الرکعة الاخیرة یوم الجمعة فلیضف الیها اخری ومن لم یدرک الرکوع من رکعة الاخیرة فلیصل الظهر اربعاً یعنی جس نے جمعہ کے دن دوسری رکعت کا رکوع پالیا تو اس کے ساتھ دوسری رکعت ملالے اور جس نے دوسری رکعت کا رکوع نہیں پایا تو ظہر کی چار رکعت پڑھے۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ یہ شخص اس حالت میں جمعہ کا پانے والا ہے حتی کہ اس کے لئے جمعہ کی نیت کرنا شرط ہے۔ اگر جمعہ کی نیت نہ کی تو اس کی اقتدا صحیح نہ ہوگی۔ حاصل یہ کہ تشہد یا سجدۂ سہو میں امام کے ساتھ شریک ہو کر اس نے جمعہ کو پالیا ہے اور جمعہ پانے والا جمعہ ہی ادا کرے گا نہ کہ ظہر، اور جمعہ کی چونکہ دو رکعت ہیں۔ اس لئے یہ شخص دو رکعت پڑھے گا نہ کہ چار رکعتیں۔ رہا امام محمدؒ کا بنظر احتیاط جمعہ اور ظہر دونوں پر عمل کرنا سو وہ غلط ہے۔ کیونکہ جمعہ اور ظہر دو مختلف نمازیں ہیں۔ لہٰذا ان میں سے ایک کا دوسرے کی تحریمہ پر بنا کرنا کس طرح درست ہوگا۔ شیخین کے مذہب کی تائید ابو ہریرہؓ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اذا اقیمت الصلوٰة فلاتا توها تسعون' وا توها وعلیکم السکینة فما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتمو اوفی لفظ فاقضوا یعنی جب نماز جمعہ قائم کی جائے تو اس کی طرف دوڑ کر مت آؤ بلکہ وقار اور سکون کے ساتھ آؤ پس جو تم نے (امام کے ساتھ) پالیا اس کو پڑھ لو اور جو فوت ہو گیا اس کی قضاء کر لو یعنی امام کے سلام پھیرنے کے بعد اس کو پورا کر لو۔ رہا امام محمدؒ کی طرف سے پیش کردہ حدیث ابو ہریرہؓ کا جواب تو اس کو محدثین نے ضعیف کہا ہے۔ (عنایہ)

امام جب خطبہ کے لئے نکلے تو لوگ نماز اور کلام ترک کریں گے یا نہیں، اقوالِ فقہاء

و اذا خرج الامام یوم الجمعة ترک الناس الصلوٰة والکلام حتیٰ یفرغ من خطبة قالؒ وهذا عند ابی حنیفة و قالا لا بأس بالکلام اذا خرج الامام قبل ان یخطب و اذا نزل قبل ان یکبر لان الکراهة للاخلال بفرض الاستماع ولا استماع هنا بخلاف الصلوٰة لانها قد تمتد ولابی حنیفة قوله علیه السلام اذا خرج الامام فلا صلوٰة و لا کلام من غیر فصل و لان الکلام قد یمتد طبعاً فاشبه الصلوٰة

ترجمہ..... اور جب جمعہ کے روز امام نکلے تو لوگ نماز کو بھی چھوڑ دیں اور کلام کو بھی یہاں تک کہ امام خطبہ سے فارغ ہو مصنف نے کہا کہ یہ ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے۔ اور صاحبین نے کہا ہے کہ جب امام نکل کر باہر آیا تو خطبہ شروع کرنے سے پہلے کلام کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اور جب منبر سے اترے تو تکبیر کہنے سے پہلے (کلام کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے) کیونکہ کراہت تو سننے کے فرض میں خلل پڑنے کی وجہ سے ہے۔ اور یہاں کچھ سننا نہیں ہے۔ برخلاف نماز کے کہ نماز کبھی دراز ہو جاتی ہے۔ اور ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب امام نکلے تو نہ نماز ہے اور نہ کلام بغیر کسی تفصیل کے اور اس لئے کہ کبھی کلام طبعاً دراز ہو جاتا ہے پس نماز کے مشابہ ہو گیا۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جمعہ کے روز امام خطبہ دینے کے لئے جب اپنے حجرہ سے نکلا اور منبر کی طرف چلا تو

لوگ نہ نوافل اور سنتیں پڑھیں اور نہ بات چیت کریں یہاں تک کہ امام خطبہ سے فارغ ہو۔ ہاں قضاء نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ اسی طرح اصح قول کی بناء پر تسبیح پڑھنے کی اجازت ہے۔ بعض نے کہا کہ مطلقاً کلام ممنوع ہے۔ خواہ تسبیح ہو یا غیر تسبیح ہو صاحبین نے فرمایا کہ خطبہ شروع ہونے سے پہلے اور خطبہ کے بعد تکبیر سے پہلے گفتگو اور کلام کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ البتہ ان اوقات میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ کلام فی نفسہ تو مباح ہے۔ لیکن خطبہ کے وقت کلام کرنا خطبہ کے سننے میں خلل پیدا کرے گا۔ حالانکہ خطبہ کا سننا فرض ہے۔ پس چونکہ کلام فرض استماع (سننے) میں خلل پیدا کرتا ہے۔ اس لئے عین خطبہ کے وقت کلام کرنا ممنوع قرار دیا گیا اور چونکہ خطبہ شروع کرنے سے پہلے اور خطبہ ختم کرنے کے بعد تکبیر سے پہلے کسی چیز کا سننا فرض نہیں اس لئے ان دونوں وقتوں میں کلام خلل بھی پیدا نہ کرے گا۔ اور خلل پیدا نہیں ہوا تو ان دونوں اوقات میں کلام کرنا بھی ممنوع نہ ہوگا۔ رہا یہ کہ ان دونوں اوقات میں نماز پڑھنے کی اجازت کیوں نہیں ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز کبھی دراز ہو جاتی ہے مثلاً امام حجرہ سے نکل کر منبر کی طرف چلا کسی نے اس وقت سنتیں پڑھنا شروع کر دیں۔ پس امام نے منبر پر چڑھ کر خطبہ شروع کر دیا اور ان صاحب کی سنتیں ختم نہیں ہوئیں تو اس صورت میں خطبہ سننے میں خلل واقع ہوگا۔ اس لئے ہم نے ان دونوں اوقات میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دی البتہ کلام کرنے کی اجازت دی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ابن عمر اور ابن عباسؓ کی روایت ہے عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم انہ قال اذا خرج الامام فلا صلوٰۃ ولا کلام اس حدیث میں خطبہ سے پہلے اور خطبہ کے بعد کی کوئی تفصیل نہیں ہے۔ اس لئے امام کے خطبہ کے واسطے حجرہ سے نکلنے کے بعد صلوٰۃ وکلام کو ممنوع قرار دیا گیا ہے خطبہ شروع ہونے سے پہلے بھی اور خطبہ ختم ہونے کے بعد تکبیر سے پہلے بھی صلوٰۃ وکلام کی ممانعت کی گئی۔

البتہ ایک دوسری حدیث اس کے معارض ہے وہ یہ ہے کہ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان اذا نزل عن المنبر سأل الناس عن حوائجھم وعن اسعار السوق ثم صلی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب منبر سے اترتے تو لوگوں سے ان کی ضروریات اور بازار کے بھاؤ کے بارے میں دریافت فرماتے پھر نماز پڑھاتے اس حدیث سے خطبہ کے بعد تکبیر سے پہلے کلام کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ جواب یہ اس وقت کی بات ہے جب نماز کے اندر بھی کلام کرنا مباح تھا۔ اور خطبہ کے اندر بھی پھر ان دونوں حالتوں میں کلام کرنے سے منع کر دیا گیا۔ اس وجہ سے یہ حدیث حجت نہ ہوگی۔ صاحبین کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ نماز کی طرح کبھی کلام بھی دراز ہو جاتا ہے پس جس طرح خطبہ شروع ہونے سے پہلے اور خطبہ ختم ہونے کے بعد تکبیر سے پہلے نماز مکروہ ہے۔ اسی طرح ان اوقات میں کلام کرنا بھی مکروہ ہوگا۔

بیع شراء اذان اول پر ختم کر دیں

واذا اذن المؤذنون الاذان الاول ترک الناس البیع والشراء وتوجھوا الی الجمعۃ لقولہ تعالیٰ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ واذا صعد الامام المنبر جلس واذن المؤذنون بین یدی المنبر بذلک جری التوارث ولم یکن علی عہد رسول اللّٰہ ﷺ الا ھٰذا الاذان ولھٰذا قیل ھو المعتبر فی وجوب السعی وحرمۃ البیع والاصح ان المعتبر ھو الاول اذا کان بعد الزوال لحصول الاعلام بہ

ترجمہ...... اور جب مؤذنوں نے پہلی اذان دی تو لوگ خرید وفروخت کو چھوڑ دیں اور جمعہ کی طرف متوجہ ہو جائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ

نے فرمایا ہے اور تم لوگ اللہ کے ذکر کی طرف چلو اور خرید وفروخت کو چھوڑ دو۔ اور جب امام منبر پر چڑھ کر بیٹھا تو موذن لوگ منبر کے سامنے اذان دیں۔ اسی فعل کے ساتھ توارث جاری ہے اور آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں یہی اذان تھی۔ اسی وجہ سے کہا گیا کہ سعی واجب ہونے اور بیع حرام ہونے میں یہی اذان معتبر ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ اذان اول معتبر ہے جبکہ زوال کے بعد ہو۔ اس لئے کہ اعلان اسی کے ساتھ حاصل ہوگا۔

تشریح …… مسئلہ یہ ہے کہ مؤذن لوگ جب پہلی اذان دیں تو لوگ خرید وفروخت کو چھوڑ کر جمعہ کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ دلیل باری تعالیٰ کا قول اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ہے۔ صاحب قدوری نے موذن کو بصیغۂ جمع ذکر کیا ہے کیونکہ اذان جمعہ کے سلسلہ میں عادت یہ تھی کہ بہت سے مؤذن اذان دیتے تا کہ ان کی آوازیں شہر کے اطراف وجوانب میں پہنچ جائیں۔ رہی یہ بات کہ وہ کون سی اذان ہے جس کے بعد بیع حرام اور سعی واجب ہو جاتی ہے سو اس بارے میں اختلاف ہے امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ حرمت بیع اور سعی الی الجمعہ کے واجب ہونے میں وہ اذان معتبر ہے۔ جو امام کے حجرے سے نکلنے کے بعد منبر کے سامنے ہوتی ہے کیونکہ عہد رسول اللہ ﷺ عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں جمعہ کے لئے یہی اذان اصل تھی۔ پس جب خلیفہ سوم حضرت عثمان کے عہد مبارک میں لوگوں کی کثرت ہوگئی تو اذان اول کو ایجاد کیا گیا پس قرآن پاک میں جس ندا کا ذکر کیا گیا ہے اس سے اذان ثانی مراد ہے۔ نہ کہ اذان اول حسن بن زیادؒ امام ابوحنیفہؒ سے روایت کر کے فرماتے ہیں کہ حرمت بیع اور سعی الی الجمعہ میں اذان اول معتبر ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اذان ثانی پر خرید اور فروخت چھوڑ کر سعی الی الجمعہ کرے گا تو جمعہ سے پہلے کی سنتیں فوت ہو جائیں گی خطبہ کا سننا فوت ہو جائے گا۔ اور اگر گھر جامع مسجد سے دور ہو تو جمعہ ہی فوت ہو سکتا ہے۔ اس لئے اذان اول ہی معتبر ہے۔ بشرطیکہ زوال کے بعد دی گئی ہو کیونکہ مقصد اعلان اس سے حاصل ہو گیا ہے واللہ اعلم۔ جمیل احمد عفی اللہ عنہ۔

باب العیدین

ترجمہ …… یہ باب عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے احکام کے بیان میں ہے۔

تشریح …… نماز جمعہ اور نماز عیدین میں مناسبت یہ ہے کہ دونوں دن کی نمازیں ہیں۔ دونوں کو کثیر جماعت کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے دونوں کے اندر جہری قرأت نیز جو شرطیں جمعہ کی ہیں وہی شرطیں عیدین کی ہیں۔ سوائے خطبہ کے، کہ خطبہ نماز جمعہ کے لئے شرط ہے۔ مگر عیدین کے لئے شرط نہیں ہے۔ اور جس پر جمعہ واجب ہے اس پر عیدین کی نماز بھی واجب ہے۔ مگر چونکہ جمعہ فرض ہونے کی وجہ سے قوی ہے۔ اور عیدین کی نماز فرض نہ ہونے کی وجہ سے اس کے مقابلہ میں اضعف ہے۔ اس لئے احکام جمعہ پہلے ذکر کئے گئے اور عیدین کے احکام بعد میں یا یہ کہ جمعہ کثیر الوقوع ہے۔ اس لئے جمعہ کو عیدین کے باب پر مقدم کیا گیا ہے۔

عید کی وجہ تسمیہ:

عید کا نام عید اس لئے رکھا گیا کہ اس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر احسان کا اعادہ فرماتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ کہ عاد یعود کے معنی عود کرنا لوٹنا ہے۔ چونکہ یہ مقدس دن بھی ہر سال عود کرتا ہے اس لئے اسکا نام عید رکھا گیا عید الفطر کی نماز سب سے پہلے ۲ھ میں پڑھی گئی۔ (شرح نقایہ)

مشروعیت عیدین:

عیدین کی نماز مشروع ہونے میں اصل ابوداؤد کی روایت ہے عن انس قال قدم رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم المدینة ولهم یومان یلعبون فیهما فقال ماهذان الیومان قالوا کنا نلعب فیهمافی الجاهلیة فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه

وسلم ان اللّٰہ قد ابدلکم بھما خیرا منھا یوم الاضحیٰ ویوم الفطر انسؓ فرماتے ہیں کہ اہل مدینہ کے لئے دو دن کھیل کود کے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے واسطے ان دونوں سے بہتر دو دن بدل دیئے۔ ایک عید الاضحیٰ اور دوسرا عید الفطر۔

عید الفطر مقرر ہونے کا راز

۱) ہر قوم میں کوئی نہ کوئی دن ایسا ضرور ہوتا ہے جس میں عام طور سے خوشی منائی جاتی ہے۔ بہت عمدہ لباس پہنا جاتا ہے اور عمدہ کھانے کھائے جاتے ہیں چنانچہ حدیث شریف میں ہے لکل قوم عید وھٰذا عیدنا ہر قوم کی ایک عید ہے اور یہ ہماری عید ہے۔

۲) یہ وہ دن ہے جب لوگ اپنے روزوں سے فارغ ہو چکتے ہیں اور ایک طرح کی زکوٰۃ ادا کر چکتے ہیں تو اس دن ان کے لئے دو قسم کی خوشیاں جمع ہو جاتی ہیں طبعی اور عقلی۔ طبعی خوشی تو ان کو اس لئے حاصل ہوتی ہے کہ روزہ کی عبادت شاقہ سے فارغ ہو جاتے ہیں۔ اور محتاجوں کو صدقہ مل جاتا ہے۔ اور عقلی خوشی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے عبادت مفروضہ کے ادا کرنے کی ان کو توفیق عطا فرمائی اور ان کے اہل وعیال کو اس سال تک باقی رکھنے کا ان پر انعام کیا اس لئے ان خوشیوں کے اظہار کا حکم ہوا۔

عید قربان کے مقرر ہونے کی وجہ

عبادات کے اوقات مقرر ہونے میں یہ بھی حکمت ہے کہ اس وقت میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے جو طاقت وعبادت الٰہی کی ہو اور خدا تعالیٰ نے اس کو قبول کر لیا ہو اس وقت کے آنے سے ان کی جاں نثاری یاد دلا کر اس عبادت کی طرف رغبت ہو پس یہ عید الاضحیٰ کا دن وہ دن ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بحکم پروردگار خدا تعالیٰ کے حضور میں ذبح کر کے پیش کرنے کا ارادہ فرمایا تھا اور خدا تعالیٰ نے حضرت اسماعیل کی جان کے بدلہ میں ایک ذبیحہ عظیمہ عنایت کیا اس لئے اس عید میں قربانی اس مصلحت سے مقرر کی گئی کہ اس میں ملت ابراہیمی کے ائمہ (حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام) کے حالات اور ان کے جان ومال کو خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری میں خرچ کرنے اور ان کی غایت درجہ صبر کرنے کی یاد دہانی کر کے لوگوں کو عبرت دلائی گئی ہے اور نیز حاجیوں کے ساتھ تشبیہ اور ان کی عظمت ہے۔ اور جس کام میں وہ حجاج مصروف ہیں۔ اس کی طرف دوسرے لوگوں کو ترغیب ہے۔
(المصالح العقلیہ)

نماز عید کی شرعی حیثیت

وتجب صلوٰۃ العید علی کل من تجب علیہ صلوٰۃ الجمعۃ و فی الجامع الصغیر عیدان اجتمعا فی یوم واحد فالاول سنۃ والثانی فریضۃ ولایترک واحد منھا قال وھذا اتنصیص علی السنۃ والاول علی الوجوب وھو روایۃ عن ابی حنیفۃ وجہ الاول مواظبۃ النبی ﷺ ووجہ الثانی قولہ ﷺ فی حدیث الاعرابی عقیب سؤالہ ھل علی غیرھن قال لا الا ان تطوع والاول اصح وتسمیتہ سنۃ لوجوبہ بالسنۃ

ترجمہ..... اور عید کی نماز واجب ہوتی ہے ہر اس شخص پر جس پر جمعہ کی نماز واجب ہوتی ہے اور جامع صغیر میں ہے کہ ایک روز میں دو عیدیں جمع ہوئیں تو پہلی سنت ہے۔ اور دوسری فرض ہے اور دونوں میں سے کسی کو نہ چھوڑا جائے۔ فاضل مصنف نے کہا کہ یہ عید کی نماز کے سنت ہونے کا صریحی بیان ہے اور اول واجب ہونے کا صریحی بیان ہے اور یہی ابو حنیفہؒ سے روایت ہے۔ قول اول کی وجہ یہ ہے کہ

حضور ﷺ نے اس پر مواظبت فرمائی ہے۔ اور قول ثانی کی وجہ حدیث اعرابی میں اس کے دوال کرنے کے بعد کہ کیا مجھ پر ان کے علاوہ بھی کوئی نماز ہے۔ حضور ﷺ کا یہ قول ہے کہ نہیں مگر یہ کہ اپنی طرف سے نیک کام کے طور پر کرے۔ اور قول اول اصح ہے اور اس کا سنت نام رکھنا اس لئے ہے کہ اس کا وجوب سنت سے ثابت ہے۔

تشریح...... قدوری کے بیان کے مطابق نماز عید واجب ہے کیونکہ قدوری نے فرمایا کہ نماز عید اس شخص پر واجب ہوتی ہے جس پر نماز جمعہ واجب ہوتی ہے جامع صغیر کے بیان کے مطابق عید کی نماز سنت ہے۔ کیونکہ امام محمدؒ نے جامع صغیر میں کہا ہے کہ اگر ایک دن میں دو عیدیں جمع ہو جائیں یعنی جمعہ کے دن عید الفطر یا عید الاضحیٰ کا دن پڑ جائے تو اول یعنی عید کی نماز مسنون اور جمعہ کی نماز فرض ہے۔ شارح نقایہ لاعلی قاری نے تحریر فرمایا ہے کہ اصح قول کے مطابق ہمارے نزدیک عید کی نماز واجب ہے۔ یہی ابوحنیفہؒ سے مروی ہے امام مالکؒ امام شافعی اور بعض احناف کے نزدیک عید کی نماز سنت ہے۔ امام احمدؒ فرض کفایہ کے قائل ہیں۔

صلوٰۃ عیدین کے واجب ہونے کی دلیل

عیدین کی نماز پر...... آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا بغیر ترک کئے مواظبت اور ہمیشگی فرمانا ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی مواظبت دلیل وجوب ہوتی ہے۔ قول ثانی یعنی مسنون ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اہل نجد میں سے ایک اعرابی شخص پریشان حال آیا۔ اس کا مقصد سفر اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنا تھا چنانچہ حضور ﷺ نے اسلام کے ایک جز کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ دن رات میں پانچ نمازیں ہیں۔ یہ سن کر اس نے کہا ھل علی غیرھن کیا مجھ پر ان پانچ نمازوں کے سواء بھی کوئی نماز ہے۔ آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا لا الا ان تطوع نہیں مگر یہ کہ بطور نفل پڑھے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ نمازوں کے علاوہ باقی تمام نمازیں غیر فرض ہیں یعنی نفل ہیں پس عیدین کی نماز کا واجب نہ ہونا ثابت ہو گیا' ہماری طرف سے اس کا جواب تو یہ ہے کہ سائل گاؤں کا باشندہ تھا اور گاؤں والوں پر عید کی نماز واجب نہیں ہوتی اس لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے حسب حال جواب ارشاد فرمایا۔ دوسرا جواب یہ دیا گیا کہ بہت ممکن ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ گفتگو نماز عید کے واجب ہونے سے پہلے کی ہو' نماز عید کے وجوب پر باری تعالےٰ کا قول وَ لِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَاھَدٰاکُم' بھی دلالت کرتا ہے کیونکہ و لتکبر وا اللّٰہ کی تفسیر صلوٰۃ عید کے ساتھ کی گئی ہے اور یہ امر کا صیغہ ہے جس کا موجب وجوب ہے۔ رہا امام محمدؒ کا جامع صغیر میں صلوٰۃ عید کو سنت کہنا' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عید کی نماز کا وجوب سنت سے ثابت ہے' یہ مطلب ہر گز نہیں کہ عید کی نماز سنت ہے۔

عیدین میں مسنون اعمال

ویستحب فی یوم الفطر ان یطعم قبل الخروج الی المصلی ویغتسل ویستاک و یتطیب لما روی انه ﷺ کان یطعم فی یوم الفطر قبل ان یخرج الی المصلی و کان یغتسل فی العیدین و لانه یوم اجتماع فیسن فیه الغسل و التطیب کما فی الجمعة و یلبس احسن ثیابه لان النبی ﷺ کان له جبة فنک او صوف یلبسها فی الاعیاد

ترجمہ...... مستحب یہ ہے کہ عید الفطر کے دن مصلی عید گاہ جانے سے پہلے کچھ کھالے اور غسل کرے' مسواک کرے' خوشبو لگائے'

کیونکہ مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ عیدگاہ جانے سے پہلے عید الفطر کے دن کھاتے تھے اور آپ عیدین کے دن غسل کرتے تھے۔ اور اس لئے کہ عید مجتمع ہونے کا دن ہے اس لئے اس میں بھی غسل کرنا اور خوشبو لگانا مسنون ہوگا۔ جیسے جمعہ میں ہے اور اپنے کپڑوں میں سے اچھے کپڑے پہنے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فنک یا صوف کا جبہ تھا آپ اس کو عیدوں میں پہنا کرتے تھے۔

تشریح..... عید کے دن کے مستحبات میں سے ایک یہ ہے کہ عیدگاہ جانے سے پہلے کوئی میٹھی چیز تناول کرے۔ امام بخاریؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لایغد ویوم الفطر حتی یا کل ثمرات ویا کلھن وترا حضرت انسؓ نے فرمایا ہے کہ رسول صلے اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن (نماز عید کے لئے) تشریف نہ لیجاتے یہاں تک کہ طاق عدد چھوہارے نہ کھالیتے۔ اور ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے ان رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم کان لایخرج یوم الفطر حتی یاکل وکان لایاکل یوم النحر حتی یصلی یعنی عید الفطر کے دن بغیر کچھ کھائے نہ نکلتے۔ اور عید الاضحی کے دن بغیر نماز پڑھے نہ کھاتے تھے۔ دوسرا مستحب عمل غسل ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ نے فاکہہ بن سعد کی حدیث روایت کی ہے۔ ان رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم کان یغتسل یوم الفطر ویوم لنحرو یوم العرفۃ 'یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن عید الاضحیٰ کے دن' اور عرفہ کے دن غسل فرمایا کرتے تھے عقلی دلیل یہ ہے کہ عیدین کا دن لوگوں کے جمع ہونے کا دن ہے' اس لئے اس میں غسل کرنا خوشبو لگانا مسنون ہے' جیسا کہ جمعہ کے دن یہ دونوں عمل مسنون ہیں۔ تیسرا مستحب عمل یہ ہے کہ اپنے موجودہ کپڑوں میں سے جو کپڑے عمدہ اور اچھے ہوں ان کو زیب تن کرے' کیونکہ نبی کریم ﷺ کے پاس فنک یا صوف کا جبہ تھا عید وغیرہ کے موقعہ پر آپ اس کو پہنا کرتے تھے فنک ایک جانور ہے جس کی کھال کی پوستین بہت عمدہ ہوتی ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے عن جابر بن عبد اللّٰہ قال کان للنبی صلے اللّٰہ علیہ وسلم برد احمر یلبسہ فی الجمعۃ والعید جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس سرخ دھاری' دار یمنی چادر تھی جس کو آپ جمعہ اور عید میں پہنتے تھے۔

صدقۃ الفطر کی ادائیگی کا وقت

ویؤدی صدقۃ الفطر اغناء للفقیر لیتفرغ قلبہ للصلوٰۃ ویتوجہ الی المصلی ولایکبر عند ابی حنیفۃ فی طریق المصلی وعندھما یکبر اعتبارا بالاضحی ولہ ان الاصل فی الثناء الاخفاء والشرع ورد بہ فی الاضحی لانہ یوم تکبیر ولا کذٰلک الفطر

ترجمہ..... اور محتاج کو بے نیاز کرنے کے لئے صدقہ فطر ادا کرے تاکہ نماز کے لئے اس کا دل فارغ ہو جائے اور عیدگاہ کی طرف متوجہ ہو۔ اور ابو حنیفہؒ کے نزدیک عیدگاہ کے راستہ میں تکبیر نہ کہے اور صاحبین کے نزدیک عید الاضحی پر قیاس کرتے ہوئے تکبیر کہے۔ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ ثناء اور ذکر میں اصل اخفاء ہے اور جہر کے ساتھ شریعت عید الاضحیٰ میں وارد ہوئی ہے کیونکہ عید الاضحیٰ تکبیر کا دن ہے اور عید الفطر ایسا نہیں ہے۔

تشریح..... نماز عید سے پہلے صدقہ فطر ادا کرنا واجب ہے کیونکہ صحیحین میں ابن عمر کی حدیث ہے۔ ان النبی صلے اللّٰہ علیہ وسلم امر بزکوٰۃ الفطر ان یؤدی قبل خروج الناس الی الصلوٰۃ وکان ھو یؤ دیھاقبل ذالک بیوم اوبیو مین (رواہ ابوداؤد)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ فطر یعنی صدقۃ الفطر کا حکم فرمایا کہ اس کو لوگوں کے نماز کی طرف سے نکلنے سے پہلے ادا کر دیا جائے اور آپ خود عید سے ایک دن یا دو دن پہلے ادا کرتے تھے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اس میں مسارعت الی الخیر اور فقیر کے دل کو فارغ کرنا ہے۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اغنو هم عن المسألة فقراء کو سوال کرنے سے بے نیاز کرو۔ اور یہ اسی وقت ہوگا جبکہ لوگ صدقۃ الفطر وغیرہ ان کو ادا کریں نیز باری تعالیٰ کا فرمان ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ای اعطی زکوۃ الفطر و ذکر اسم ربه تكبير العيد فی الطريق فصلی صلوٰۃ العيد یعنی وہ شخص فلاح یاب ہو گیا جس نے صدقۃ الفطر ادا کیا اور تکبیر عید کہہ کر اپنے رب کا ذکر کیا پھر عید کی نماز پڑھی' صدقۃ الفطر ادا کرنے کے بعد عیدگاہ کی طرف متوجہ ہو جائے۔ واضح ہو کہ عیدگاہ جانے کے لئے پیدل چلنا مستحب ہے۔ کیونکہ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے کہ عیدگاہ کو پیدل جانا سنت ہے اور اگر کچھ لوگ اپنے ضعف کی وجہ سے عیدگاہ جانے سے معذور ہوں تو امام وقت کسی کو مقرر کر دے کہ وہ شہر کے اندر مسجد میں ان کو نماز پڑھائے۔ اس لئے کہ روایت کیا گیا ہے کہ ان علیاً لما قدم الكوفة استخلف من يصلي بالضعيف صلوة العيدين فی الجامع و خرج الى الجبانة مع خمسين شيخا' يمشي و يمشون' یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کوفہ تشریف لائے تو آپ نے ایک ایسے شخص کو خلیفہ مقرر کیا جو کمزور لوگوں کو جامع مسجد میں عیدین کی نماز پڑھائے' اور آپؓ خود بچوں اور بوڑھوں کو لے کر صحراء کی طرف نکلے آپؓ خود بھی پیدل جا رہے تھے' اور وہ پچاس اشخاص بھی پیدل چل رہے تھے۔

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ عید الفطر کے دن عیدگاہ جاتے وقت راستہ میں تکبیر بآواز بلند پڑھے' یا آہستہ سے حضرت امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ بہ آواز بلند نہ پڑھے' اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ بہ آواز بلند پڑھے۔ صاحبین کی دلیل عید الاضحیٰ پر قیاس ہے یعنی جس طرح عید الاضحیٰ میں تکبیر بہ آواز بلند مشروع ہے اسی طرح عید الفطر میں بھی بہ آواز بلند مشروع ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ ذکر کے اندر اصل تو اخفاء ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے خير الذكر الخفي و خير الرزق مايكفي 'عمدہ ذکر' ذکر خفی ہے' اور عمدہ رزق بقدر کفایت ہے نہ ضرورت سے زائد اور نہ کم ہو ایک اردو شاعر کہتا ہے' مجھے جو بھی دے وہ قبول ہے مگر التجا یہ ضرور ہے میرے ظرف سے بھی سوا نہ دے میری آرزو سے بھی کم نہ دے بہر حال ذکر کے اندر اصل اخفاء ہے مگر عید الاضحیٰ کے ایام میں بالجہر تکبیر پر خلاف قیاس نص وارد ہوئی ہے اللہ نے فرمایا۔ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدَاتٍ' مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں عید قرباں کے ایام میں تکبیر جہری مراد ہے اور عید الفطر عید الاضحیٰ کے ہم معنی بھی نہیں کیونکہ عید الاضحیٰ ارکان حج میں سے ایک رکن کے ساتھ مخصوص ہے' یعنی اس دن میں بعض ارکان حج ادا کئے جاتے ہیں اور عید الفطر میں یہ بات نہیں پائی جاتی پس جب عید الفطر عید الاضحیٰ کے معنی میں نہیں ہے۔ تو عید الفطر کو عید الاضحیٰ پر قیاس کرنا بھی مناسب نہ ہوگا۔ اس جگہ ایک اعتراض کیا جا سکتا ہے وہ یہ کہ حضرت امام صاحب کا یہ فرمانا کہ عید الفطر میں تکبیر جہری پر شریعت وارد نہیں ہوئی یہ بات تسلیم نہیں ہے اس لئے کہ خدائے لم یزل و لایزال نے فرمایا ہے وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰكُمْ' اس آیت میں رمضان المبارک کے روزے پورے کر لینے کے بعد تکبیر کی خبر دی ہے اور تکبیر کا علم اس وقت ہوگا جب کہ بہ آواز بلند تکبیر کہی جائے۔ اور ابن عمرؓ سے مروی ہے ان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان يخرج يوم الفطر ويوم الاضحىٰ رافعا صوته' بالتكبير یعنی رسول خدا ﷺ عید الفطر اور عید قربان کے دن تکبیر کے ساتھ اپنی آواز کو بلند کرتے ہوئے نکلتے تھے پس ثابت ہو گیا کہ عید الفطر کے دن بھی تکبیر

جہری پر نص موجود ہے۔

جواب...... آیت میں نماز کے اندر کی تکبیر مراد ہے آیت کے معنی یہ ہوں گے صلوا صلوٰۃ العید و کبروا اللّٰہ فیھا ' یعنی عید الفطر کی نماز ادا کرو اور اس میں یہ بآواز بلند تکبیر کہو رہی حدیث ابن عمرؓ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں ولید بن محمد عن الزہری ہے۔ اور ولید متروک الحدیث ہے۔ اس لئے یہ حدیث قابل استدلال نہ ہوگی۔

عیدگاہ میں عید کی نماز سے پہلے نفل پڑھنے کا حکم

ولایتنفل فی المصلی قبل صلوٰۃ العید لان النبی ﷺ لم یفعل ذلک مع حرصہ علی الصلوٰۃ ثم قیل الکراھۃ فی المصلی خاصۃ و قیل فیہ وفی غیرہ عامۃ لانہ ﷺ لم یفعلہ

ترجمہ...... اور عید کی نماز سے پہلے عیدگاہ میں نفل نہ پڑھے کیونکہ حضور ﷺ نے ایسا نہیں کیا باوجودیکہ آپ نماز کے حریص تھے پھر کہا گیا کہ کراہت مخصوص طور پر عیدگاہ میں ہے۔ اور کہا گیا کہ عیدگاہ اور اس کے علاوہ میں عام ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نہیں کیا ہے۔

تشریح...... مسئلہ، نماز عید سے پہلے نفل پڑھنا مکروہ ہے عیدگاہ میں بھی اور عیدگاہ کے علاوہ بھی، امام کے واسطے بھی مکروہ ہے اور مقتدی کے واسطے بھی ابن عباسؓ کا قول ہے ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خرج فصلی بھم العید لم یصل قبلھا ولا بعدھا ' یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر سے نکل کر لوگوں کو عید کی نماز پڑھائی' آپ نے نہ عید سے پہلے کوئی نفل نماز پڑھی اور نہ عید کے بعد حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی بے پناہ حرص تھی۔ اگر عید سے پہلے یا بعد میں نفل پڑھنے کی اجازت ہوتی تو اللہ کے رسول ضرور پڑھتے۔

صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ بعض مشائخ کے نزدیک عیدگاہ اور گھر دونوں جگہ کراہت عام ہے اور بعض نے فرمایا کہ عید کی نماز کے بعد عیدگاہ کے اندر بلاشبہ نفل پڑھنا مکروہ ہے۔ لیکن گھر آ کر نفل پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔ ابو سعید خدری کی حدیث ہے قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لایصلی قبل العید شیئاً فاذا رجع الی منزلہ صلی رکعتین۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید سے پہلے کچھ نہیں پڑھتے تھے۔ لیکن جب اپنے گھر واپس آجاتے تو دو رکعت نفل ادا کرتے۔

نماز عید کا وقت

واذا حلت الصلوٰۃ بارتفاع الشمس دخل وقتھا الی الزوال واذا زالت الشمس خرج وقتھا لان النبی ﷺ کان یصلی العید والشمس علی قید رمح او رمحین ولما شھدوا بالھلال بعد الزوال امر بالخروج الی المصلی من الغد

ترجمہ...... اور جب سورج کے بلند ہونے سے نماز حلال ہوگئی تو نماز عید کا وقت داخل ہوگیا زوال آفتاب تک' اور جب سورج ڈھل گیا تو عید کی نماز کا وقت نکل گیا۔ اس لئے حضور ﷺ عید کی نماز اس وقت پڑھتے جب سورج ایک نیزہ یا دو نیزہ بلند ہوتا۔ اور جب زوال کے

بعد چاند دیکھنے کی گواہی دی تو آپ نے اگلے دن عیدگاہ کی طرف نکلنے کا حکم کیا۔

تشریح ...... اس عبارت میں نماز عید کے وقت کی ابتداء اور انتہا بیان کی گئی ہے چنانچہ امام ابوالحسن قدوری نے فرمایا ہے کہ عید کی نماز کا وقت یکم شوال کو آفتاب کے ایک نیزہ یا دو نیزہ بلند ہونے سے شروع ہو جاتا ہے اور زوال آفتاب تک باقی رہتا ہے ابتداء وقت پر دلیل یہ حدیث ہے کہ حضور ﷺ کی نماز اس وقت پڑھا کرتے تھے جب سورج ایک نیزہ یا دو نیزہ کی مقدار بلند ہو جاتا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ عین طلوع کے وقت نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے اس لئے سورج کے بلند ہونے کی شرط لگائی گئی ہے منتہی وقت پر دلیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ ۲۹ رمضان کو چاند نظر نہ آیا۔ اور اگلے دن زوال کے بعد کچھ اہل شہادت حضرات نے چاند دیکھنے کی گواہی دی۔ تو اللہ کے پاک رسول ﷺ نے اگلے دن یعنی ۲ سوال کو نماز عید ادا کرنے کا امر فرمایا ہے۔ اگر زوال کے بعد بھی نماز عید ادا کرنا درست ہوتا تو آنحضرت ﷺ اگلے دن تک مؤخر نہ فرماتے پس معلوم ہوا کہ عید کی نماز کا وقت زوال تک رہتا ہے۔

عید کی نماز کا طریقہ

و يصلى الامام بالناس ركعتين يكبر فى الاولىٰ للافتتاح و ثلثا بعدها ثم يقرأ الفاتحة و سورة ويكبر تكبيرة يركع بها ثم يبتدى فى الركعة الثانية بالقرأة ثم يكبر ثلثا بعدها ويكبر رابعة يركع بها و هذا قول ابن مسعودؓ وهو قولنا و قال ابن عباسؓ يكبر فى الاولىٰ للافتتاح و خمسا بعدها و فى الثانية يكبر خمسا ثم يقرأ و فى رواية يكبر اربعاً وظهر عمل العامة اليوم بقول ابن عباسؓ لامر بنيه الخلفاء فاما المذهب فالقول الاول لان التكبير ورفع الايدى خلاف المعهود فكان الاخذ بالاقل اولىٰ ثم التكبيرات من اعلام الدين حتى يجربها فكان الاصل فيها الجمع و فى الركعة الاولىٰ يجب الحاقها بتكبيرة الافتتاح لقوتها من حيث الفرضية والسبق و فى الثانية لم يوجد الاتكبيرة الركوع فوجب الضم اليها والشافعى اخذ بقول ابن عباسؓ الا انه حمل المروى كله على الزوائد فصارت التكبيرات عنده خمسة عشر اوستة عشر

ترجمہ ...... اور امام لوگوں کے ساتھ دو رکعت پڑھے۔ پہلی رکعت میں افتتاح کے لئے ایک تکبیر کہے اور اس کے بعد تین تکبیریں کہے۔ پھر فاتحہ اور سورت پڑھے اور ایک تکبیر کہے جس کے ساتھ رکوع کرے۔ پھر دوسری رکعت کی ابتداء قرات سے کرے پھر اس کے بعد تین تکبیریں کہے۔ اور چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع کرے۔ یہ قول ابن مسعودؓ کا ہے اور یہی ہمارا قول ہے اور ابن عباسؓ نے فرمایا کہ پہلی رکعت میں افتتاح کے واسطے تکبیر کہے اور پانچ اس کے بعد اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں کہے پھر قرأت کرے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ چار تکبیریں کہے۔ اور آج کل عام لوگوں کا عمل ابن عباسؓ کے قول پر ظاہر ہوا اس لئے ابن عباس کی اولاد جو خلفاء ہیں انہوں نے لوگوں کو اس پر عمل کا حکم دیا ہے۔ رہا مذہب تو وہ پہلا قول ہے۔ کیونکہ تکبیر اور ہاتھ اٹھانا خلاف معہود ہے۔ لہذا اقل کو لینا اولیٰ ہے۔ پھر تکبیرات دین کے اعلام سے ہیں حتیٰ کہ ان میں جہر کیا جاتا ہے پس اصل ان تکبیرات میں یکجائی ہے۔ اور پہلی رکعت میں ان تکبیروں کا الحاق تکبیر تحریمہ سے واجب ہے کیونکہ فرض ہونے اور سبقت کی وجہ سے تکبیر تحریمہ قوی ہے اور دوسری رکعت میں نہیں پائی گئی' مگر رکوع کی تکبیر تو اس کے ساتھ ان تکبیرات کا ملانا واجب ہوا۔ اور امام شافعیؒ نے ابن عباسؓ کا قول لیا ہے مگر جو تعداد مروی ہے۔ سب کو زائد پر محمول کیا ہے پس امام شافعیؒ کے نزدیک جملہ تکبیرات پندرہ یا سولہ ہو گئیں۔

تشریح ...... صاحب قدوری نے نماز عید کی کیفیت اس طرح بیان کی ہے۔ کہ امام لوگوں کو دو رکعت بایں طور پڑھائے کہ پہلے تکبیر تحریمہ کہے' پھر ثناء پڑھ کر تین زائد تکبیریں کہے' پھر قرأت فاتحہ اور ضم سورت کرے' پھر تکبیر رکوع کہہ کر رکوع کرے' اور سجدہ کرے' اس طرح رکعت اولی پوری ہو جائے گی' دوسری رکعت میں پہلے قرأتِ فاتحہ اور ضم سورت کرے پھر تین زائد تکبیریں کہے' اور رکوع کی تکبیر کہہ کر رکوع کرے اس تفصیل کے مطابق دونوں رکعتوں میں نو تکبیریں ہوئیں چھ زائد دو تکبیرات رکوع اور ایک تکبیر تحریمہ' صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ ابن مسعودؓ کا قول ہے گویا' ابن مسعودؓ کے نزدیک عید کی دونوں رکعتوں میں کل ۹ تکبیریں ہیں' یہی علماء احناف کا مذہب ہے۔ ابن مسعودؓ کا قول اس لئے ہے کہ روایت کیا گیا ہے کان ابن مسعود جالساً وعنده حذيفة وابو موسى الاشعرى فسالهم سعيد بن العاص عن التكبير افى صلوة العيد فقال حذيفة سل لاشعرى فقال الاشعرى سل عبدالله فانه اقدمنا واعلمنا فسأله' فقال ابن مسعود يكبر اربعاً ثم يقرأ ثم يكبر فيركع ثم يقوم فى الثانيه فيقرأ ثم يكبر اربعا بعد القراءة یعنی ابن مسعود، حذیفہ اور ابو موسیٰ اشعری تشریف فرما تھے کہ ان سے سعید بن العاص نے نماز عید کی تکبیروں کے بارے میں دریافت کیا' حذیفہ نے کہا' اشعری سے پوچھو اشعری نے کہا کہ عبداللہ سے پوچھ لو اس لئے عبداللہ ہم میں قدیم العہد بھی ہیں اور صاحب علم بھی چنانچہ ابن مسعودؓ سے دریافت کیا تو ابن مسعودؓ نے کہا کہ چار تکبیروں کہے پھر قرأت کرے' پھر تکبیر وں کہہ کر رکوع کرے۔ پھر دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے اور قرأت کرے پھر قرأت کے بعد چار تکبیریں کہے پہلی رکعت میں جن چار تکبیروں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں ایک تکبیر تحریمہ اور زمین زوائد ہیں' اور دوسری رکعت میں چار تکبیروں میں سے ایک تکبیر ورکوع اور تین زوائد ہیں بہر حال بن مسعودؓ کے اس قول سے ۹ تکبیروں کا ثبوت ملتا ہے نیز مسروق سے مروی ہے قال عبدالله بن مسعود يعلمنا التكبير فى العيدين تسع تكبيرات خمس فى الاولى واربع فى الاخيرة ويوالى بين القراء تين یعنی ابن مسعود ہم کو عیدین میں ۹ تکبیروں کی تعلیم دیتے تھے پانچ پہلی رکعت میں اور چار دوسری دکرت میں اور دونوں قرأتوں کے درمیان وصل کرتے تھے۔ روایت میں پانچ تکبیروں سے مراد تکبیر تحریمہ تکبیر رکوع اور تین زوائد ہیں۔ اور چار سے مراد تین زوائد اور ایک تکبیر رکوع ہے۔ اس اثر سے بھی تکبیرات عید کا ۹ ہونا ثابت ہوتا ہے چھ زوائد اور تین تکبیرات نماز (شرح نقایہ) حاصل یہ کہ احناف کے مذہب کی بنیاد عبداللہ بن مسعودؓ کے قول پر ہے۔ صاحب ہدایہ کے بیان کے مطابق ابن عباسؓ نے فرمایا کہ پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کہے اور پانچ تکبیر اس کے بعد کہے اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیر کہے پھر قرأت کرے اور ایک روایت میں ہے کہ دوسری رکعت میں چار تکبیریں کہے۔

پس ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ کے قول کے درمیان دو جگہ اختلاف ہوا ایک تکبیرات زوائد کی تعداد میں دوم ان کے محل میں۔ چنانچہ ابن مسعودؓ کے نزدیک تکبیر زوائد چھ ہیں۔ تین رکعت اولی میں اور تین رکعت ثانیہ میں اور بن عباسؓ کے نزدیک ایک روایت کے مطابق دس ۱۰ زوائد تکبیریں ہیں پانچ رکعت اولی۔ ں اور پانچ رکعت ثانیہ میں اور ایک روایت کے مطابق تکبیرات زوائد نو ہیں۔ پانچ رکعت اولی میں اور چار رکعت ثانیہ میں دوسری بات کے بارے میں اختلاف یہ ہے کہ ابن مسعود کے نزدیک دوسری رکعت میں تکبیر زوائد کا محل قرأت سے فراغت کے بعد ہے اور ابن عباسؓ کے نزدیک قرأت سے پہلے ہے۔ فاضل مصنف علامہ برہان الدین اپنے زمانہ کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آج کل عام لوگوں کا عمل حضرت ابن عباسؓ کے قول پر ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ زمانہ خلفاء بنوعباسؓ کے عروج کا زمانہ ہے۔ خلفاء بنوعباس تکبیرات عید کے سلسلہ میں اپنے جدامجد حضرت ابن عباسؓ کے قول پر عمل کرنے کا امر کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے

کہ ایک بار حضرت امام ابو یوسفؒ نے بغداد میں لوگوں کو عید کی نماز پڑھائی اور تکبیروں کے سلسلہ میں ابن عباسؓ کے قول پر عمل کیا۔ کیونکہ خلیفہ ہارون رشید عباسی آپ کا مقتدی تھا اس نے آپ کو اس کا حکم کیا تھا اسی طرح امام محمدؒ سے ابن عباسؓ کے قول پر عمل کرنا مروی ہے لیکن یہ عمل مذہبًا اور اعتقادًا نہیں تھا بلکہ خلفاء بنو عباس کے حکم کے پیش نظر تھا ورنہ مذہب قول اول یعنی عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہی ہے۔ صاحب ہدایہ نے قول اول کے مذہب ہونے کی عقلی دلیل یہ پیش کی ہے کہ تکبیر اور ہاتھوں کا اٹھانا مجموعہ من حیث المجموعہ نمازوں کے اندر خلاف معہود ہے۔ اس لئے اقل کو اختیار کرنا اولی اور افضل ہوگا۔ کیونکہ اقل اور کمتر کا ثبوت بالیقین ہوتا ہے۔

ثم التکبیرات الخ سے تکبیرات زوائد کے محل وقوع پر بالدلیل کلام کیا گیا ہے چنانچہ فرمایا کہ تکبیرات دین کے اعلام اور علامتوں سے ہیں حتی کہ ان میں جہر کیا جاتا ہے تاکہ دین کا جھنڈا بلند ہو اور ان تکبیرات زوائد میں اصل یہ ہے کہ اصلی تکبیرات کے ساتھ مجتمع ہوں پس رکعت اولی میں تکبیرات زوائد کو تکبیر تحریمہ کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے اور تکبیر رکوع کے ساتھ لاحق نہیں کیا گیا' کیونکہ تکبیر تحریمہ فرض ہونے کی وجہ سے قوی بھی ہے اور تکبیر رکوع سے مقدم بھی اور چونکہ دوسری رکعت میں تکبیر رکوع کے سوا کوئی تکبیر نہیں ہے۔ اس لئے دوسری رکعت میں تکبیر رکوع کے ساتھ لاحق کرنا واجب ہو گیا۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ امام شافعیؒ نے حضرت ابن عباسؓ کے قول کو اختیار کیا ہے اور ابن عباسؓ کے قول میں تکبیرات کی جو تعداد روایت کی گئی ہے ان کو زوائد پر محمول کیا ہے اس طرح امام شافعیؒ کے نزدیک تکبیرات کل پندرہ ہوں گی یا سولہ ہوں گی۔

مصنفؒ کی عبارت الا انہ حمل المروی کلہ علی الزوائد میں قدرے اشتباہ ہے وہ یہ کہ المروی سے مراد یا تو وہ ہے جو ہدایہ میں ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے وقال ابن عباسؓ یکبر فی الاولیٰ للافتتاح وخمساہ بعدھا وفی الثانیہ یکبر خمسا ثم یقرأ وفی روایۃ یکبرا ربعا اور یا اس کے علاوہ مراد ہے اگر ثانی ہے تو کلام میں تعقید ہوگی کیونکہ جو چیز کتاب میں مذکور نہیں ہے اس کا حوالہ دے کر خواہ مخواہ قارئین کو پریشان کیا گیا ہے اور اگر اول ہے تو تکبیرات اس مقدار کو نہیں پہنچتیں۔ کیونکہ مذکورہ روایت کے مطابق زوائد نو ہیں یا دس ہیں۔ اور تین اصلی تکبیروں (تکبیر تحریمہ' رکعت اولی کے رکوع کی تکبیر اور رکعت ثانیہ کے رکوع کی تکبیر) کے ساتھ مل کر بارہ ہوں گی یا تیرہ ہوں گی۔

نیز صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے وظھر عمل العامۃ الیوم بقول ابن عباسؓ پھر کہا' والشافعی اخذ بقول ابن عباس یہ عبارت تقاضا کرتی ہے کہ صاحب ہدایہ کے زمانے میں عام لوگوں کا عمل پندرہ تکبیروں پر تھا یا سولہ پر حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس زمانے میں تیرہ تکبیروں پر یا بارہ تکبیروں پر عمل تھا اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ ابن عباسؓ سے دو روایتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ عیدین میں بارہ تکبیریں ہیں۔ دوم یہ کہ تیرہ تکبیریں ہیں۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ نے کہا کہ بارہ یا تیرہ اصلی تین تکبیروں کے ساتھ مل کر ہیں یعنی تکبیر تحریمہ اور دونوں رکعتوں کی تکبیر رکوع کے ساتھ مل کر بارہ یا تیرہ ہیں۔ بایں طور کہ پہلی اور دوسری رکعت میں پانچ' پانچ تکبیریں زائد اور تکبیر تحریمہ اور دونوں رکعتوں کے رکوع کی دو تکبیریں اس طرح کل تکبیریں تیرہ ہوئیں اور دوسری روایت کے مطابق پہلی رکعت میں پانچ زوائد اور دوسری رکعت میں چار زوائد اور تین اصلی تکبیریں' تو اب کل تکبیریں بارہ ہوں گی۔ ابن عباسؓ کی انہیں روایات پر اس زمانہ میں عام لوگوں کا عمل تھا۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ یہ بارہ یا تیرہ تمام کی تمام زائد تکبیریں ہیں اب ظاہر ہے کہ جب ان کے ساتھ تین اصلی تکبیریں یعنی تکبیر تحریمہ اور دونوں رکعتوں کے رکوع کی دو تکبیریں ملیں گی تو بارہ تکبیر والی روایت کی صورت میں کل

تکبیریں پندرہ ہوں گی اور تیرہ تکبیر والی روایت کی صورت میں کل تکبیریں سولہ ہوں گی پس مروی سے مراد وہ ہے جو ابن عباسؓ سے روایت کی گئی ہے اب حاصل یہ ہوا کہ احناف کے نزدیک عید کی دونوں رکعتوں میں تکبیرات زوائد چھ ہیں۔ اور امام مالک اور امام احمدؒ کے نزدیک دس ہیں۔ اور امام شافعی کے نزدیک بارہ یا تیرہ ہیں۔ (شرح نقایہ)

احناف کے مذہب کی بنیاد ابن مسعودؓ کے قول پر ہے۔ اور امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے مذہب کی بنیاد ابن عباسؓ کی تیرہ تکبیروں والی روایت پر ہے۔ اس طرح پر کہ دس تکبیریں زائد ہیں اور تین اصلی ہیں اور امام شافعیؒ کے مذہب کی بنیاد ابن عباسؓ کی دونوں روایتوں (بارہ اور تیرہ والی) پر ہے لیکن وہ ان تمام کو زائد قرار دیتے ہیں۔ اصلی تین ان کے علاوہ ہیں۔ واللہ اعلم

تکبیرات عیدین میں رفع یدین کا حکم

قال ویرفع یدیه فی تکبیرات العیدین یرید به ماسوی التکبیر فی الرکوع لقوله صلی ﷺ لا ترفع الایدی الا فی سبع مواطن وذکر من جملتها تکبیرات الاعیاد وعن ابی یوسف انه لایرفع والحجة علیه ماروینا

ترجمہ ...... قدوری نے کہا کہ عیدین کی تکبیروں میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اس سے مراد تکبیر رکوع کے علاوہ ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہاتھ نہ اٹھائے جائیں مگر سات جگہوں میں منجملہ ان میں سے عیدین کی تکبیروں کا ذکر کیا ہے اور ابو یوسف سے مروی ہے کہ ہاتھ نہ اٹھائے جائیں اور امام ابو یوسفؒ پر حجت وہ حدیث ہے جو ہم نے روایت کی ہے۔

تشریح ...... ہمارے نزدیک تکبیرات عیدین میں کانوں تک ہاتھ اٹھائے جائیں گے یہی امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا مذہب ہے۔ دلیل آنحضرت ﷺ کا قول لاترفع الایدی الا فی سبع مواطن ہے۔ ان سات جگہوں میں عیدین کی تکبیرات زوائد بھی ہیں۔ امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ تکبیرات عیدین میں ہاتھ نہ اٹھائے جائیں۔ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ ہاتھوں کا اٹھانا افتتاح کی سنت ہے چونکہ تکبیرات زوائد میں افتتاح صلوٰۃ نہیں اس لئے رفع یدین بھی نہ ہوگا جیسا کہ رکوع کی تکبیر کے اندر رفع یدین نہیں ہے امام ابو یوسفؒ کے خلاف حدیث لاترفع الایدی حجت ہوگی رہی یہ بات کہ تکبیرات زوائد کے درمیان کوئی مسنون ذکر ہے یا نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہؒ سے مروی ہے کہ ہر دو تکبیروں کے درمیان تین تسبیحات کی مقدار سکوت کرے۔ کیونکہ عید کی نماز جم غفیر کے ساتھ ادا کی جاتی ہے اگر تکبیرات کے درمیان موالات اور وصل کیا گیا تو جو لوگ امام سے دور ہوں گے ان پر امام کا حال مشتبہ ہو جائے گا کہ امام کون سی تکبیر کہہ رہا ہے البتہ اتنی مقدار ٹھہرنے سے اشتباہ دور ہو جاتا ہے اس لئے تکبیرات کے درمیان تین تسبیحات کی مقدار خاموش رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

نماز کے بعد عیدین کے خطبے دیئے جائیں

قال ویخطب بعد الصلوٰة خطبتین بذلک ورد النقل المستفیض یعلم الناس فیها صدقة الفطر واحکامها لانها شرعت لا جله

ترجمہ ...... کہا کہ نماز عید کے بعد امام دو خطبہ پڑھے اسی پر نقل جو شائع ہے وارد ہوئی خطبہ عید میں لوگوں کو صدقہ فطر اور اس کے احکام سکھلائے کیونکہ خطبہ اسی وجہ سے مشروع کیا گیا ہے۔

تشریح صاحب کتاب نے کہا کہ نماز عید سے فارغ ہو کر امام دو خطبہ پڑھے گا اسی پر نقل اور عمل شائع ہے۔ چنانچہ بخاری اور مسلم میں حدیث ابن عمرؓ کے الفاظ یہیں کہ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم ابوبکر و عمرر یصلون العیدین قبل الخطبۃ اور ابن عباسؓ کا قول ہے شہدت العید مع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وابی بکر و عمر و عثمان کلھم کانوا یصلون العیدین قبل الخطبۃ (رواہ الشیخان) دونوں حدیثوں کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ اور خلفاء ثلاثہ عیدین کی نماز پہلے اور خطبہ بعد میں پڑھا کرتے تھے۔ البتہ عید کا خطبہ خطبہ جمعہ سے دو باتوں میں مخالف ہے اول یہ کہ جمعہ بغیر خطبہ کے جائز نہیں ہے۔ اور عید کی نماز بغیر خطبہ کے جائز ہے۔ دوم یہ کہ جمعہ کا خطبہ نماز جمعہ پر مقدم ہے اور عیدین کا خطبہ نماز سے مؤخر ہے۔ لیکن اگر عید کا خطبہ نماز سے مقدم کر دیا گیا تو بھی جائز ہے۔ نماز عید کے بعد اعادہ کی ضرورت نہیں۔ واضح ہو کر عید الفطر کے خطبہ میں صدقۃ الفطر اور اس کے احکام کی تعلیم دیجائے گی کیونکہ یہ خطبہ اسی مقصد کے پیش نظر مشروع ہوا ہے۔

منفرد کے لئے عید کی نماز قضاء کرنے کا حکم

و من فاتته صلوٰة العید مع الامام لم یقضها لان الصلوٰة بهذه الصفة لم تعرف قربة الا بشرائط لاتتم بالمنفرد

ترجمہ...... اور وہ شخص جس کی نماز عید امام کے ساتھ فوت ہوگئی تو وہ اس کی قضاء نہیں کرے گا کیونکہ نماز عید کا اس صفت کے ساتھ عبادت ہونا معلوم نہیں ہوا مگر ایسی شرطوں کے ساتھ جو تنہا آدمی سے پوری نہیں ہوتیں۔

تشریح...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ امام اگر عید کی نماز ادا کر چکا اور ایک آدمی باقی رہ گیا۔ اس نے عید کی نماز ادا نہیں کی ہے تو اس کو قضاء کرنے کی اجازت نہیں ہے یہی امام مالکؒ کا قول ہے امام شافعیؒ نے فرمایا کہ یہ شخص تنہا نماز عید پڑھ سکتا ہے کیونکہ امام شافعیؒ کے نزدیک جواز عیدین کے لئے نہ جماعت شرط ہے اور نہ سلطان کا ہونا۔ اس لئے ان کے نزدیک نماز عید کی قضاء کرنا مستحب ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ نماز عید قائم کرنے کے لئے کچھ ایسی شرطیں ہیں جو تنہا آدمی سے پوری نہیں ہو سکتیں۔ مثلاً جماعت، سلطان وقت پس چونکہ منفرد میں یہ شرطیں نہیں پائی جاتیں اس لئے اس کے واسطے تنہا نماز عید پڑھنا بھی جائز نہ ہوگا۔

چاند ابر میں چھپ گیا دوسرے دن زوال کے بعد امام کے سامنے چاند دیکھنے کی گواہی دی گئی تو نمازِ عید کا حکم

فان غم الهلال و شهدوا عند الامام برؤية الهلال بعد الزوال، صلی العید من الغد لان هذا تاخیر بعذر، وقد ورد فیه الحدیث، فان حدث عذر یمنع من الصلوٰة فی الیوم الثانی لم یصلها بعده، لان الاصل فیها ان لا تقضی کالجمعة الا انا ترکناه بالحدیث وقد ورد بالتاخیر الی الیوم الثانی عند العذر

ترجمہ...... پھر اگر چاند ابر میں چھپ گیا اور لوگوں نے زوال کے بعد امام کے سامنے چاند دیکھنے کی گواہی دی تو امام دوسرے دن نماز عید پڑھے۔ کیونکہ یہ تاخیر عذر کی وجہ سے ہے۔ اور اس میں حدیث وارد ہوئی ہے۔ اور اگر ایسا عذر پیدا ہوا جو دوسرے دن بھی نماز عید سے روکتا ہے تو اس کے بعد یہ نماز نہیں پڑھے گا۔ کیونکہ نماز عید میں اصل تو یہی ہے کہ اس کی قضاء کی جائے مگر ہم نے اس اصل کو حدیث کی وجہ سے ترک کر دیا، اور عذر کے وقت دوسرے دن تک مؤخر کرنے پر حدیث کا درود ہوا ہے۔

تشریح...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ۲۹ رمضان کو اگر چاند ابر میں چھپ گیا اور ۳۰ رمضان کو زوال کے بعد لوگوں نے امام کے سامنے چاند

دیکھنے کی گواہی دی اور امام نے ان کی گواہی قبول بھی کر لی تو روزہ توڑ دیں اور امام دوسرے دن لوگوں کو نماز پڑھائے۔ دلیل یہ ہے کہ یہ تاخیر عذر کی وجہ سے ہے اس لئے اس تاخیر میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور اس تاخیر کے سلسلہ میں حدیث بھی موجود ہے چنانچہ ہدایہ کے گذشتہ صفحہ پر یہ حدیث اس طرح ذکر کی گئی ہے ولما شهد وابالهلال بعد الزوال امر بالخروج الى المصلى من الغد۔

اور اگر دو شوال کو بھی کوئی ایسا عذر پایا گیا جو نماز عید کے لئے مانع ہو تو اب اس کے بعد ۳ شوال کو نماز عید پڑھنے کی اجازت نہ ہوگی کیونکہ نماز عید میں اصل تو یہی کہ اس کی قضاء نہ کی جائے جیسے جمعہ فوت ہونے کی صورت میں اس کی قضاء نہیں کی جاتی لیکن عذر کی وجہ سے دوسرے دن تک مؤخر کرنے میں حدیث مذکور کی وجہ سے اس اصل کو ترک کر دیا گیا ہے پس چونکہ حدیث کے اندر فقط دوسرے دن تک مؤخر کرنے کی تصریح کی گئی ہے اس لئے ۲ شوال تک نماز عید مؤخر کرنے کی اجازت ہوگی اس کے بعد اجازت نہ ہوگی۔

عید الاضحیٰ کے مستحبات

ویستحب فی یوم الاضحی ان یغتسل ویتطیب لماذکرناه ویؤخر الاکل حتی یفرغ من الصلوٰة لما روی ان النبی ﷺ کان لا یطعم فی یوم النحر حتی یرجع فیاکل من اضحیته

ترجمہ..... اور بقرعید کے دن غسل کرنا اور خوشبو لگانا مستحب ہے۔ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کی ہے۔ اور کھانے کو مؤخر کرے یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو جائے' کیونکہ مروی ہے حضور ﷺ بقرعید کے دن کھاتے نہ تھے یہاں تک کہ نماز سے واپس ہوتے پھر اپنی قربانی سے کھاتے تھے۔

تشریح..... صاحب قدوری نے کہا ہے کہ بقرعید کے دن غسل کرنا اور خوشبو لگانا مستحب ہے۔ دلیل سابق میں گذر چکی ہے اور یہ بھی مسنون ہے کہ کھانا نماز کے بعد کھائے اور اپنی قربانی سے کھائے۔ دلیل آنحضرت ﷺ کا عمل ہے کہ آپ بقرعید کے دن نماز عید کے بعد کھانا تناول فرماتے تھے اور اپنی قربانی سے تناول فرماتے تھے اگر کسی نے قربانی نہیں کی تب بھی نماز عید سے پہلے نہ کھائی کیونکہ عید سے پہلے نہ کھانا الگ سنت ہے اور اپنی قربانی سے کھانا الگ سنت ہے ہاں گاؤں والوں کے لئے جائز ہے کیونکہ وہاں نماز واجب نہیں ہے۔

راستہ میں جہراً تکبیر کہنے کا حکم

ویتوجه الی المصلی وهو یکبر لانه ﷺ کان یکبر فی الطریق ویصلی رکعتین کالفطر کذٰلک نقل ویخطب بعدها خطبتین لانه ﷺ کذٰلک فعل ویعلم الناس فیها الاضحیة و تکبیر التشریق لانه مشروع الوقت والخطبة ماشرعت الالتعلیمه

ترجمہ..... اور عید گاہ جائے درانحالیکہ تکبیر کہتا ہو کیونکہ حضور ﷺ راہ میں تکبیر کہتے تھے اور امام عید الفطر کی طرح دو رکعت پڑھے۔ ایسا ہی نقل کیا گیا ہے اور نماز کے بعد دو خطبہ پڑھے کیونکہ مدنی آقا نے ایسا ہی کیا ہے اور دونوں خطبوں میں قربانی اور تکبیر تشریق کی تعلیم کرے کیونکہ اس وقت کس مشروع یہی ہے۔ اور خطبہ نہیں مشروع ہوا مگر اسی تعلیم کے واسطے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ عید گاہ جاتے ہوئے راستہ میں با آواز بلند تکبیر کہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ عمل فرمایا کرتے تھے

اور عید قربان عید الفطر کی طرح دو رکعت ہیں۔ امام صاحب سے یہی منقول ہے۔ نماز کے بعد دو خطبہ کے احکام سکھائے جائیں کیونکہ ان ایام میں یہی چیزیں مشروع ہیں اور خطبہ انہیں چیزوں کی تعلیم کے لئے مشروع ہوا ہے۔

کسی مانع کی وجہ سے پہلے دن عید نہیں پڑھی، دوسرے دن یا پھر تیسرے دن پڑھ لیں

فان کان عذر یمنع من الصلوٰة فی یوم الاضحی صلاها من الغدو بعد الغدو لا یصلیها بعد ذلک لان الصلوٰة موقتة بوقت الاضحیة فیقدر بایامها لکنه مسیئ فی التاخیر من غیر عذر لمخالفة المنقول

ترجمہ ...... پس اگر کوئی عذر ایسا ہو جو دسویں ذی الحجہ کو نماز عید پڑھنے سے مانع ہو تو دوسری یا تیسرے روز نماز پڑھے اور اس کے بعد نہ پڑھے کیونکہ بقر عید کی نماز ایام اضحیہ کے ساتھ مقید ہے لہذا اس کا وقت بھی اضحیہ کے ایام کے ساتھ مقید ہوگا لیکن بغیر عذر تاخیر کرنے میں وہ گنہگار ہوگا کیونکہ منقول سے مخالفت کی ہے۔

تشریح ...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر ذی الحجہ کی دسویں تاریخ میں مانع صلوٰۃ عذر پایا گیا تو گیارہویں تاریخ میں نماز پڑھے اور اگر گیارہویں تاریخ میں بھی عذر باقی رہا تو بارہویں میں نماز عید پڑھے۔ اور اگر اس میں بھی عذر موجود ہے تو اس کے بعد تاخیر کی اجازت نہیں ہے دلیل یہ ہے کہ بقر عید کی نماز اضحیہ (قربانی) کے ساتھ مقید ہے اس لئے نماز کا وقت بھی اضحیہ کے ایام تک مقید ہوگا۔ پس قربانی کے تین روز تک ہر روز آفتاب بلند ہونے کے بعد زوال تک نماز عید کا وقت رہے گا اور اگر تاخیر کرنا بغیر عذر ہوا تو بھی نماز جائز ہے۔ لیکن بغیر عذر تاخیر کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا کیونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین سے ایسی تاخیر منقول نہیں ہے یہ خیال رہے کہ یہ نماز باوجود تاخیر کے ادا ہے نہ کہ قضاء کیونکہ اپنے وقت میں میں واقع ہوئی ہے۔

اہل عرفہ کے ساتھ مشابہت کا حکم

والتعریف الذی یصنعه الناس لیس بشیٔ وهو ان یجمع الناس یوم عرفة فی بعض المواضع تشبیها بالواقفین بعرفة لان الوقوف عرف عبادة مختصة بمکان مخصوص فلایکون عبادة دونه کسائر المناسک

ترجمہ ...... اور وہ تعریف جس کو لوگ کہتے ہیں کچھ نہیں اور وہ یہ ہے کہ عرفہ کے روز لوگ ایک میدان میں جمع ہوتے ہیں ان لوگوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرتے ہوئے جو عرفہ کے روز عرفات میں کھڑے ہوتے ہیں کیونکہ وقوع عرفہ ایک مخصوص مکان کے ساتھ مخصوص عبادت ہے پس بغیر اس مکان مخصوص کے کھڑا ہونا عبادت نہ ہوگا جیسے باقی مناسک حج میں۔

تشریح ...... تعریف اہل عرفہ کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا ہے یعنی عرفہ کے دن لوگ کسی میدان میں جمع ہو کر حاجیوں کی طرح دعا کریں اور تضرع کریں۔ صاحب قدوری نے کہا کہ یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر ثواب مرتب ہو کیونکہ وقوع عرفہ ایک مخصوص مکان یعنی عرفات کے ساتھ مخصوص عبادت ہے۔ اس لئے بعر میدان عرفات کے دوسری کسی جگہ کھڑا ہونا عبادت کیسے ہو سکتا ہے جیسے باقی مناسک حج دوسرے مقامات پر ادا نہیں کئے جا سکتے، صاحب کفایہ نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اگر بیت اللہ کے علاوہ کسی دوسری مسجد کا چکر لگایا تو اس کے بارے میں کفر کا خوف ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ حضرت ابن عباسؓ نے بصرہ کے اندر ایک میدان میں عرفات کے دن

لوگ جمع کر کے ایسا کیا ہے تو ہماری طرف سے جواب یہ ہوگا کہ ابن عباسؓ کا یہ عمل بغرض دعا تھا نہ کہ اہل عرفہ کے ساتھ تشبیہ کے طور پر واللہ اعلم جمیل عفی عنہ۔

فصل فی تکبیرات التشریق

(یہ) فصل تکبیرات تشریق (کے بیان میں) ہے

تکبیراتِ تشریق کا بیان...... تکبیر تشریق کا آغاز کب ہوگا اور اختتام کب ہوگا

و یبدأ بتکبیر التشریق بعد صلوة الفجر من یوم عرفة ویختم عقیب صلوة العصر من یوم النحر عند ابی حنیفة وقالا یختم عقیب صلوة العصر من اخر ایام التشریق والمسألة مختلفة بین الصحابة فاخذا بقول علی اخذا بالاکثر اذهو الاحتیاط فی العبادات واخذ بقول ابن مسعودؓ اخذا بالاقل لان الجهر با لتکبیر بدعة والتکبیر ان یقول مرة واحدة الله اکبر الله اکبر لا الـٰه الا الله والله اکبر الله اکبر و لله الحمد هٰذا هو الماثور عن الخلیل صلوات الله علیه

ترجمہ...... اور عرفہ کے دن نماز فجر کے بعد تکبیر تشریق شروع کرے اور یوم نحر کو نماز عصر کے بعد ختم کرے (یہ حکم) ابوحنیفہ کے نزدیک ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ آخری ایام تشریق کو عصر کی نماز کے بعد ختم کرے امام صاحب کے درمیان مختلف پایا گیا ہے پس صاحبین نے اکثر کو اختیار کرتے ہوئے حضرت علیؓ کے قول کو لیا ہے کیونکہ عبادت میں یہی احتیاط ہے اور ابوحنیفہؒ نے اقل کو اختیار کرتے ہوئی ابن مسعودؓ کے قول کو لیا ہی کیونکہ جہر کے ساتھ تکبیر کرنا بدعت ہی اور تکبیر یہ ہے کہ ایک بار کہے اللہ اکبر، اللہ اکبر لاالٰہ الااللہ، واللہ اکبر اللہ اکبر، وللہ الحمد یہی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منقول ہے۔

تشریح...... تشریق خود تکبیر ہی تو اب معنی یہ ہوں گے کہ ان تکبیرات کے بیان میں جن کا نام تشریق ہے عنایہ میں ہے کہ تکبیر تشریق چونکہ ایام اضحیہ کیساتھ مخصوص ہے اس لئے علیحدہ فصل میں ذکر کیا ہے کفایہ میں ہے کہ تکبیرات کی اضافت تشریف کی طرف صاحبین کے قول پر درست ہے کیونکہ ان کے نزدیک بعض تکبیریں ایام تشریق یعنی گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں تاریخ میں بھی واقع ہوتی ہیں۔ لیکن ابوحنیفہؒ کے نزدیک یوم نحر یعنی دسویں ذی الحجہ کی عصر کی نماز کے بعد تکبیر ختم ہوجاتی ہے حالانکہ ایام تشریق کا آغاز گیارہویں ذی الحجہ سے ہوتا ہے جیسا کہ خلاصہ کے حوالہ سے صاحب عنایہ نے تحریر فرمایا ہے کہ ایام نحر تین ہیں۔ اور ایام تشریق بھی تین ہیں اس طرح پر کہ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ خاص طور پر یوم نحر ہے اور تیرہویں تاریخ خاص طور پر یوم تشریق ہے اور گیارہویں اور بارہویں نحر اور تشریق دونوں کے لئے ہیں ابوحنیفہؒ کے نزدیک تکبیرات تشریق کا عنوان کس طرح درست ہوگا اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ دسویں ذی الحجہ اگرچہ یوم نحر ہے۔ یوم تشریق نہیں ہے۔ مگر یوم تشریق یعنی گیارہویں ذی الحجہ سے قریب ہے۔ اس قرب کی وجہ سے تشریق کی طرف تکبیرات کی اضافت کی گئی ہے جیسا کہ جامع صغیر میں ہے قال یعقوب صلیت بهم المغرب یوم عرفة یعقوب نے کہا ہے کہ میں نے ان کو عرفہ کے دن مغرب کی نماز پڑھائی حالانکہ آفتاب غروب ہوتے ہی عرفہ کا دم ختم ہوگیا مگر چونکہ مغرب کا وقت عرفہ کے دن سے قریب ہے اس لئے یوم عرفہ کہہ دیا گیا۔ دوسرا جواب یہی کہ تشریق سے مراد عید الاضحی کی نماز ہے جیسا کہ حدیث میں ہے لا جمعة ولا تشریق الافی مصر جامع اور دوسری حدیث میں ہے لاذبح الا بعد التشریق دونوں حدیثوں میں تشریق سے مراد نماز عید ہے پس اس صورت میں

بالاتفاق اضافت درست ہوگی رہی یہ بات کہ تکبیر تشریق واجب ہے یا سنت ہے تو اکثر علماء وجوب کے قائل ہیں اور بعض مسنون ہونے کے قائل ہیں دلیل وجوب باری تعالیٰ کا قول واذ کروا اللہ فی ایام معدودات ہے اور سنیت کے قائلین نے اس پر حضور ﷺ کی مداومت اور ہمیشگی فرمانے کی دلیل بنایا ہے۔

تکبیرات تشریق کی ابتداء اور انتہا میں چونکہ صحابہؓ کا اختلاف ہے اس لئے ائمہ کے درمیان بھی یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے کبار صحابہ مثلاً حضرت عمر، علی، ابن مسعود رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ تکبیرات تشریق کی ابتداء عرفہ کے دن یعنی ذی الحجہ کی نویں تاریخ سے کی جائے گی اس کو بالاتفاق علماء احناف نے اختیار کیا ہے اور صغار صحابہ مثلاً عبداللہ بن عباس عبداللہ بن عمر زید بن ثابت نے کہا کہ یوم نحر یعنی بقر عید کے دن کی ظہر سے تکبیرات کا آغاز کیا جائے گا انتہا کے سلسلہ میں عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے کہ ایام نحر کا پہلا دن یعنی دسویں ذی الحجہ کی نماز عصر ہے۔ مطلب یہ کہ دسویں ذی الحجہ کی عصر کی نماز کے بعد تکبیرات کہہ کر ختم کردے پس عبداللہ بن مسعودؓ کے نزدیک کل آٹھ نمازوں کے بعد یعنی نویں ذی الحجہ کی فجر سے دسویں کی عصر تک تکبیر تشریق پڑھی جائے گی۔ یہی مذہب حضرت امام ابوحنیفہؒ کا ہے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ تکبیر تشریق ایام تشریق کے آخری دن یعنی تیرہویں ذی الحجہ کی عصر کی نماز پر ختم کی جائے گی۔ پس حضرت علیؓ کے نزدیک کل ۲۳ نمازوں کے بعد یعنی نویں ذی الحجہ کی فجر سے تیرہویں کی عصر تک تکبیر پڑھی جائے گی اسی قول کو حضرات صاحبین نے اختیار کیا ہے۔

صاحبین نے اکثر کو اختیار کرتے ہوئے حضرت علیؓ کے قول پر اعتماد کیا ہے کیونکہ تکبیر بھی عبادت ہے اور عبادات کے اندر احتیاط اسی میں ہے کہ اکثر کو لیا جائے امام ابوحنیفہؒ کا کمتر اور اقل کو اختیار کرنا اس وجہ سے ہے کہ بآواز بلند تکبیر کہنا بدعت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعاً وَّخِيفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ اور حدیث ہے راى النبي صلى الله عليه وسلم اقواما يرفعون اصواتهم عند الدعا فقال انكم لن تدعوا اصم ولا غائبا یعنی رسول اللہ نے ایک قوم کو دیکھا کہ دعا کے وقت وہ لوگ اپنی آوازوں کو بلند کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگ نہ تو بہرے کو پکار رہے ہو اور نہ غائب کو آپ کی مراد یہ ہے کہ اللہ جس کو تم پکار رہے ہو نہ تو وہ بہرہ ہے اور نہ غائب ہے بلکہ سمیع (بہت سننے والا) ہے اور ہر جگہ موجود ہے اس لئے بآواز بلند اس کو پکارنے کی قطعاً ضرورت نہیں اس آیت اور روایت سے معلوم ہوا کہ دعا اور ذکر میں اصل اخفاء اور جہر خلاف اصل اور بدعت ہے امام صاحب کی دوسری دلیل یہ ہے کہ تکبیر کی ابتداء ایسے دن میں کی جاتی ہے جس کے اندر حج کا ایک رکن یعنی وقوع عرفہ ادا کیا جاتا ہے۔ پس اس کو منقطع کرنا بھی اس یوم نحر میں مناسب ہوگا جس میں حج کا دوسرا رکن یعنی طواف زیارت ادا کیا جاتا ہے تاکہ تکبیر کی ابتداء اور انتہاء دونوں برابر ہو جائیں یہ یاد رہے کہ عمل اور فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ تکبیر مذکور کلمات اللہ اکبر اللہ اکبر الخ کا ایک مرتبہ کہنا ہے امام شافعی نے فرمایا کہ تین بار کہے یا پانچ بار یا سات بار کہے۔ یہ کلمات سیدنا ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام سے منقول ہیں ان کلمات کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ جب بار خداوندی ابراہیم نے اپنے لخت جگر اسماعیل کو ذبح کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں باندھ کر زمین پر پیشانی کے بل لٹادیا اور چھری

پالی مگر گا نہ نادھر جبرائیل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اسماعیل کی جگہ وہ دنبہ لے جا کر رکھدو جس کو ہابیل نے نذر اللہ پہاڑ پر رکھا تھا اور وہ قبول ہوا کہ اب تک جنت میں چرتا پھر رہا تھا جبرئیل نے جب دیکھا کہ ابراہیم اطاعت باری کے لئے ذبح میں بہت عجلت فرما رہے ہیں تو فرمایا اللہ اکبر اللہ اکبر ابراہیم نے گردن اٹھا کر دیکھا اور جبریل کی آواز کو سنا تو بے ساختہ زبان سے نکلا لا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر ذبیح اللہ کو جب معلوم ہوا اور والد بزرگوار اور جبرئیل کے کلمات کو سنا تو حمد باری کے لئے ان کی زبان گویا ہوگئی اور کہنے لگے اللّٰہ اکبر وللّٰہ الحمد یہ کلمات قیامت تک کے لئے ایک صالح بیٹے اور عشق خدا میں سرمست باپ کی یاد دلاتے رہیں گے۔

قرآن حکیم کس قدر بلیغ انداز میں کہتا ہے کہ،

وقال انی ذاهب الی ربی سیهدین. رب هب لی من لصالحین. فبشر نٰه بغلام حلیم. فلما بلغ معه السعی قال یبنی انی اری فی المنام انی اذبحک فانظر ماذاتری قال یا ابت افعل ما تؤ مر ستجدنی ان شاء اللّٰه من الصابرین. فلما اسلماء وتلهٗ للجبین .ونادینٰه ان یا ابراهیم. قدصدقت الرء یا انا کذلک نجزی المحسنین. ان هٰذا لهوا لبلؤا المبین. وفدینٰه بذبح عظیم. وترکنا علیه فی الأخرین

تکبیر تشریق کہنے کا وقت

وهو عقیب الصلٰوة المفروضات علی المقیمین فی الامصار فی الجماعات المستحبة عند ابی حنیفة ولیس علی جماعات النساء اذا لم یکن معهن رجلا ولاعلی جماعة المسافرین اذا لم یکن معهم مقیم و قالا هو علی کل من صلی المکتوبة لانه تبع للمکتوبة وله ما روینا من قبل والتشریق هو الجهر بالتکبیر کذا نقل عن الخلیل بن احمد ولان الجهر بالتکبیر خلاف السنة والشرع ورد به عند استجماع هٰذه الشرائط لا انه یجب علی النساء اذا اقتدین بالرحل و علی المسافرین عند اقتدائهم بالمقیم بطریق التبعیة قال یعقوب صلیت بهم الإغرب یوم عرفة فسهوت ان اکبر فکبر ابو حنیفة دلّ ان الامام و ان ترک التکبیر لا یترکه المقتدی و هٰذا لانه لا یؤدی فی حرمة الصلٰوة فلم یکن الامام فیه حتما و انما هو مستحب

ترجمہ...... یہ تکبیر ابو حنیفہؒ کے نزدیک مستحب جماعتوں میں شہر کے اندر مقیم لوگوں پر فرض نمازوں کے بعد ہے۔ اور عورتوں کی جماعتوں پر تکبیر نہیں ہے جبکہ ان عورتوں کے ساتھ کوئی مرد نہ ہو اور مسافروں کی جماعت پر تکبیر نہیں اگر ان کے ساتھ کوئی مقیم نہ ہو۔ اور صاحبین نے کہا کہ تکبیر ہر ایسے شخص پر ہے جو فرض نماز پڑھے کیونکہ تکبیر فرض نماز کے تابع ہے اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل وہ حدیث ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اور تشریق تکبیر کے ساتھ جہر کرنا ہے ایسا ہی خلیل بن احمد سے منقول ہے اور اس لئے کہ تکبیر کے ساتھ جہر کرنا سنت کے خلاف ہے اور شریعت ان شرطوں کے جمع ہونے کے وقت وارد ہوئی ہے مگر یہ تکبیر عورتوں پر واجب ہو جائے گی جبکہ وہ کسی مرد کی اقتداء کریں اور مسافروں پر واجب ہوگی ان کے مقیم کی اقتداء کرنے کے وقت بطریق تبعیت' یعقوب نے بیان کیا ہے کہ میں نے عرفہ کے روز ان کو مغرب کی نماز پڑھائی پس میں تکبیر تشریق کہنا بھول گیا تو ابو حنیفہؒ نے تکبیر کہی یہ قصہ دلالت کرتا ہے کہ امام نے اگر تکبیر چھوڑ دی تو مقتدی اس کو نہیں چھوڑے گا کیونکہ یہ تکبیر تحریمہ نماز کے اندر ادا نہیں کی جاتی پس تکبیر کہنے میں امام کا ہونا واجب نہیں بلکہ فقط مستحب ہے۔

تشریح ... حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہر مرض نماز کے بعد تکبیر پڑھنا واجب ہے بشرطیکہ وہ لوگ مقیم ہوں شہر کے اندر ہوں اور مستحب طریقہ پر جماعت کے ساتھ نماز پڑھی گئی ہے۔ حضرت امام صاحب نے عقیب الفرض کی قید اس لئے لگائی کہ اگر فرض نماز کے بعد کوئی دوسرا عمل پایا گیا مثلاً مسجد سے نکل گیا یا باتوں میں مشغول ہو گیا تو یہ شخص تکبیر نہ پڑھے اور مفروضات کی قید سے نماز جنازہ وتر نماز عید اور نفل نکل گئے۔ بایں معنی کہ ان کے بعد تکبیر تشریق واجب نہیں ہے مقیمین کی قید سے مسافر خارج ہو گیا کیونکہ مسافر پر بھی تکبیر نہیں ہے فی الامصار کی قید سے دیہات کے اندر تکبیر تشریق کا عدم وجوب ثابت ہو گیا جماعت کی قید سے منفرد خارج ہو گیا اور مستحبہ کی قید سے تنہا عورتوں کی جماعت خارج ہو گئی یعنی اگر خالی عورتوں نے جماعت کی تو ان پر بھی تکبیر نہیں ہاں اگر عورتوں کا امام مرد ہو اور مسافروں کا امام مقیم ہو تو ان عورتوں اور مسافروں پر تکبیر واجب ہو گی۔ صاحبین نے فرمایا ہے کہ ہر اس شخص پر تکبیر واجب ہے جو فرض نماز پڑھے خواہ شہری ہو یا دیہاتی، مسافر ہو یا مقیم جماعت ہو یا منفرد، مرد ہو یا عورت ہو یہی قول امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا ہے ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ تکبیر فرض نماز کے تابع ہے لہذا جو فرض پڑھے گا وہ تکبیر کہے گا۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں یعنی لا جمعة و لا تشریق و لا فطر و لا اضحیٰ الا فی مصر جامع اس حدیث سے تکبیر تشریق کے لئے شہر کا شرط ہونا معلوم ہوا امام لغت خلیل بن احمد سے منقول ہے کہ تشریق جہری تکبیر کا نام ہے دوسری دلیل یہ ہے کہ تکبیر کو بآواز بلند کہنا خلاف سنت یعنی بدعت ہے باستثناء اس جگہ کے جہاں شریعت وارد ہوئی ہے اور جہری تکبیر کے سلسلہ میں شریعت کا ورود اس صورت میں ہوا ہے جس میں یہ تمام شرطیں جمع ہوں۔ یعنی شہر، جماعت مستحبہ، اقامت وغیرہ، ہاں اگر عورتیں کسی مرد کی اقتداء کر لیں یا مسافر مقیم کی اقتداء کر لیں تو عورتوں اور مسافروں پر بھی تکبیر واجب ہو جائے گی یہ وجوب بطریق تبعیت ہو گا یعنی امام جو کہ متبوع ہے چونکہ اس پر تکبیر واجب ہے لہذا اس کے تابع پر بھی واجب ہو گی جیسے مقیم کی اقتداء کرنے سے مسافر پر چار رکعت لازم ہوتی ہیں۔

صاحب ہدایہ نے ایک واقعہ کے ذریعہ تنبیہ فرمائی ہے کہ اگر امام تکبیر کہنا بھول گیا تو مقتدی تکبیر نہ چھوڑے بلکہ بآواز بلند تکبیر کہہ کر امام کو بھی باخبر کر دے۔ اس کے برخلاف اگر امام نے سجدہ سہو چھوڑ دیا تو مقتدی بھی اس کو ترک کر دے۔ وجہ یہ ہے کہ سجدۂ سہو درمیان نماز ادا کیا جاتا ہے اس لئے سجدۂ سہو کرنے یاد کرنے میں امام کا اتباع ضروری ہو گا اور تکبیر درمیان نماز ادا نہیں کی جاتی بلکہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد پڑھی جاتی ہے اس لئے تکبیر کہنے میں امام کا موجود ہونا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے پس اگر امام نہ بھی تکبیر کہے تو مقتدی ضرور کہے۔ واقعہ یہ ہے کہ امام ابو یوسف (یعقوب) نے بیان کیا کہ ایک بار میں نے لوگوں کو عرفہ کے دن مغرب کی نماز پڑھائی اتفاق سے میں تکبیر تشریق کہنا بھول گیا تو استاذ مکرم حضرت امام ابوحنیفہؒ نے پیچھے سے تکبیر کہہ کر مجھے متنبہ کیا تب میں نے تکبیر کہی۔ اس واقعہ سے امام ابو یوسفؒ کی قدر و منزلت کا پتہ چلتا ہے کہ حضرت امام صاحب نے آپ کو امام بنایا اور خود اقتداء کی واللہ اعلم جمیل احمد غفرلہٗ۔

باب صلوٰة الکسوف

ترجمہ ..... یہ باب سورج گہن کی نماز کے بیان میں ہے۔

تشریح ..... نماز عید نماز کسوف اور نماز استسقاء تینوں نمازوں میں مناسبت ظاہر ہے اس طور پر کہ تینوں نمازیں دن میں بغیر اذان و

اقامت کے ادا کی جاتی ہیں ان میں سے عید کی نماز چونکہ واجب ہے اور نماز کسوف جمہور کے نزدیک مسنون ہے اور نماز استسقاء کا مسنون ہونا مختلف فیہ ہے اس لئے تینوں ابواب کے مناسب ترتیب ظاہر ہوگئی۔ کسوف کے معنی ہیں آفتاب کا سیاہی کی طرف مائل ہونا۔ اس میں ایک لغت خسوف ہے امام منذری نے کہا ہے کہ حدیث کسوف ۱۹ اشخاص نے روایت کی ہے بعض نے کاف کے ساتھ کسوف اور بعض نے خاء کے ساتھ خسوف' معلوم ہوا کہ یہ دونوں لفظ مترادف ہیں یا کسوف آفتاب کے ساتھ مخصوص ہے اور خسوف عام ہے آفتاب و ماہتاب دونوں میں بعض نے کہا کہ سورج گہن کے لئے کسوف اور چاند گہن کے لئے خسوف بولا جاتا ہے فقہاء کی یہی اصطلاح ہے اسی کی تائید باری تعالیٰ کا قول فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ' کرتا ہے نماز کسوف کا سبب کسوف یعنی سورج کا گہن ہونا ہے اور اس کی شرطیں وہی ہیں جو دوسری نمازوں کی ہیں۔ نماز کسوف کے مشروع ہونے پر پوری امت کا اجماع ہے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔

سورج گرہن کی نماز کا طریقہ

قال اذا انكسفت الشمس صلى الامام بالناس ركعتين كهياة النافلة فى كل ركعة ركوع واحد و قال الشافعى ركوعان له ماروت عائشة ولنا رواية ابن عمر والحال اكشف على الرجال لقربهم فكان الترجيح لرواية

ترجمہ...... جب سورج گہن ہو تو امام لوگوں کو نفل کی طرح دو رکعت نماز پڑھائے ہر رکعت میں ایک رکوع ہے اور امام شافعیؒ نے کہا کہ دو رکوع ہیں۔ امام شافعیؒ کی دلیل وہ حدیث ہے جو ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے روایت فرمائی ہے اور ہماری دلیل عبد اللہ بن عمرو بن العاص کی روایت ہے اور نماز کا حال مردوں پر زیادہ واضح ہے کیونکہ وہ قریب ہوتے ہیں پس ترجیح عبد اللہ بن عمرو بن العاص کی روایت کو ہوئی۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر سورج گہن ہو گیا تو امام جمعہ جامع مسجد یا عید گاہ میں لوگوں کو نفل کے مانند دو رکعت نماز پڑھائے یعنی جس طرح نفل بلا اذان و اقامت ہوتا ہے اسی طرح بلا اذان اقامت نماز کسوف ادا کی جائے گی ایک رکعت میں ایک رکوع ہے۔ اور امام مالکؒ و امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ نماز کسوف کی ایک رکعت میں دو رکوع ہیں۔ ان کی دلیل حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے الفاظ حدیث اس طرح ہیں قالت خسفت الشمس فى حياة رسول الله صلى الله عليه وسلم فخرج الى المسجد فقام وصف الناس دراره فكبر فقرأ قراءة طويلة ثم كبر فيركع ركوعا طويلا ثم رفع راسه فقال سمع الله لمن حمده ربنا ولك الحمد ثم قام فقرأ قراءة طويلة هى ادنىٰ من القراءة الاولىٰ ثم كبر فركع ركوعا طويلا ثم رفع راسه فقال سمع الله لمن حمد ربنا ولك الحمد ثم سجده فعل فى الركعة الا خرى مثل ذلك فاستكمل اربع ركعات باربع سجدات وانجلت الشمس قبل ان ينصرف ثم قام مخطب الناس فاثنى على الله بما هوا هله' ثم قال ان الشمس والقمر آيتان من آيات الله تعالىٰ لاينخسفان لموت احد ولا لحياته فاذراء يتم ذلك فافزعوا الى الصلوٰة یعنی عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات میں ایک بار سورج گہن ہو گیا تو آپ مسجد تشریف لے گئے اور کھڑے ہو کر اپنے پیچھے لوگوں کی صف بندی فرمائی پھر تکبیر تحریمہ کہہ کر طویل قرأت فرمائی پھر تکبیر کہہ کر طویل رکوع کیا پھر اپنا سر رکوع سے اٹھایا اور سمع الله لمن حمد ربنا ولك الحمد کہا پھر آپ کھڑے ہو گئے اور ایک طویل قرأت کی لیکن یہ قرأت قرأت اولیٰ سے کم تھی پھر تکبیر کہہ کر ایک طویل رکوع کیا لیکن یہ رکوع پہلے

رکوع سے کمتر تھا پھر آپ نے سر اٹھاتے ہوئے سمع اللہ لمن حمدہ ربنا ولک الحمد کہا پھر سجدہ کیا اور دوسری رکعت میں یہی عمل کیا پس آپ نے چار رکعات (رکوعات) چار سجدوں کے ساتھ پورے کئے اور آپ کی فراغت سے پہلے سورج روشن ہو گیا پھر کھڑے ہو کر لوگوں کو خطبہ سنایا پس حمد و ثناء اللہ کی شان کے مناسب بیان کر کے فرمایا کہ آفتاب و ماہتاب تو اللہ کی آیات میں سے دو نشانیاں ہیں ان کو کسی کے مرجانے یا کسی کے پیدا ہونے پر گہن نہیں لگتا ہے پھر جب تم اس کو دیکھو تو نماز کی طرف مبادرت کرو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے نماز کسوف کے اندر ایک رکعت میں دو رکوع کئے ہیں۔

ہماری دلیل عبداللہ بن عمرو بن العاص کی روایت ہے قال انکسفت الشمس علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم یکد یرکع ثم رکع فلم یکد یر فع ذم رفع فلم یکد یسجد ثم سجد فلم یکد یرفع ثم رفع فلم یکدیسجد ثم سجد فلم یکدیرف ثم رفع دفعل فی الرکعة الاخری ثل ذالک یعنی عہد رسالت میں آفتاب گہن ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اتنا طویل قیام فرمایا کہ لگتا تھا کہ آپ رکوع نہیں کریں گے پھر آپ نے اس قدر طویل رکوع کیا کہ معلوم ہوتا تھا آپ سر نہیں اٹھائیں گے پھر سر اٹھایا تو لگتا تھا کہ آپ سجدہ نہیں کریں گے پھر سجدہ کیا تو سجدہ سے سر اٹھانے میں امکان نظر نہیں آتا تھا پھر سر اٹھایا تو دوسرے سجدہ کا امکان نظر نہیں آ رہا تھا پھر آپ نے سجدہ کیا تو ایسا لگتا تھا آپ سر نہیں اٹھائیں گے لیکن آپ نے سر اٹھایا یہی عمل آپ نے دوسری رکعت میں کیا ہے۔ اس حدیث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ آپ نے ایک رکعت میں ایک ہی رکوع کیا ہے اگرچہ رکوع اور سجدہ انتہائی طویل تھا۔

اب حدیث عائشہ اور حدیث عبداللہ بن عمرو بن العاص متعارض ہوگئیں ہیں تو ابن عمرو کی روایت کی ترجیح ہوگی کیونکہ مرد چونکہ امام سے قریب ہوتے ہیں اس لئے ان پر امام کا حال زیادہ واضح ہوگا۔

امام محمدؒ نے حدیث عائشہ کی تاویل یہ کی ہے کہ آنحضرتؐ نے ممکن ہے کہ رکوع بہت طویل کر دیا ہو جس کی وجہ سے پہلی صف کے لوگوں نے یہ گمان کر کے اپنا سر رکوع سے اٹھالیا ہو تو اب جو لوگ صف اولیٰ کے پیچھے تھے ان کو دیکھ کر انہوں بھی اپنا سر اٹھالیا ہو۔ پھر جب صف اولیٰ کے لوگوں نے دیکھا کہ حضور ﷺ تو ابھی تک رکوع ہی میں ہیں تو یہ بھی رکوع میں چلے گئے اور جو لوگ ان کے پیچھے تھے وہ بھی دوبارہ رکوع میں چلے گئے پس صف اولیٰ سے پیچھے لوگوں نے خیال کیا کہ آپ نے دو رکوع کئے ہیں اسی کو روایت کرنا شروع کر دیا۔ اب آپ اندازہ لگائیے کہ عائشہ تو بالکل پیچھے عورتوں کی صف میں ہوں گی ان پر معاملہ کا مشتبہ ہونا تو ایک امر بدیہی ہے اس لئے حدیث عائشہ کی طرح حجت ہو سکتی ہے۔

لمبی اور سراً قرأت کرنے کا حکم

و یطول القراءة فیھما و یخفی عند ابی حنیفة وقالا یجھر وعن محمد مثل قول ابی حنیفة اما التطویل فی القراءة فبیان الافضل ویخفف ان شاء لان المسنون استیعاب الوقت بالصلوٰة والدعاء فاذا اخفف احدھما طول الاخر واما الاخفاء والجھر فلھما روایة عائشة انه ﷺ جھر فیھا ولابی حنیفة روایة ابن عباس و سمرة ابن جندب و الترجیح قدمر من قبل کیف و انھا صلوٰة النھار و ھی عجماء

ترجمہ...... اور دونوں رکعتوں میں قرأت کو دراز کرے اور ابوحنیفہؒ کے نزدیک اخفاء کرے اور صاحبینؒ نے کہا ہے کہ جہر کرے اور امام محمدؒ سے ابوحنیفہؒ کے قول کے مثل ہے۔ بہرحال قرأت میں طول دینا تو فضیلت کا بیان ہے اور اگر چاہے تو قرأت میں تخفیف کرے کیونکہ مسنون تو وقت کسوف کو نماز اور دعا کے ساتھ گھیرنا ہے پس جب ان دونوں میں ایک کو ہلکا کیا تو دوسرے کو طول دے دیئے رہا اخفاء اور جہر تو صاحبینؒ کی دلیل ابن عباسؓ اور سمرہ بن جندبؓ کی روایت ہے اور ترجیح پہلے گذر چکی ہے کیونکہ اخفاء متعین نہ ہوگا حالانکہ نماز کسوف دن کی نماز ہے اور دن کی نماز عجماً بلا قرأت مسموعہ کے ہوتی ہے۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ نماز کسوف کی دونوں رکعتوں میں طویل قرأت کرے چنانچہ بعض احادیث میں اول رکعت بقدر سورۂ بقرہ اور دوسری رکعت بقدر آل عمران ہاں اس میں اختلاف ہے کہ قرأت جہری کرے یا سری چنانچہ حضرت امام صاحب نے فرمایا کہ نماز کسوف میں سری قرأت کرے اسی کے قائل امام مالکؒ امام شافعیؒ اور جمہور فقہاء ہیں۔ اور صاحبین نے فرمایا کہ جہری کرے یہی قول امام احمد کا ہے اسی کو امام طحاویؒ نے اختیار کیا ہے صاحب ہدایہؒ کہتے ہیں کہ امام محمدؒ سے ایک روایت امام ابوحنیفہؒ کے مانند ہے اس صورت میں طرفین اخفاء اور سری قرأت کے قائل ہوں گے اور ابو یوسفؒ جہری قرأت کے قائل ہوں گے حاصل یہ کہ یہاں دو باتیں ہیں قرأت میں طول دینا اور قرأت میں جہر یا اخفاء کرنا سو قرأت کو طویل دینا تو افضل ہے کیونکہ یہ ثابت ہی کہ رکعت اولیٰ میں رسول اللہ کا قیام بقدر بقرہ اور رکعت ثانیہ میں بقدر آل عمران ہوتا تھا پس قرأت کو طول دینے میں رسول اکرم ﷺ کی متابعت ہے اور جی چاہے تو قرأت میں تخفیف کرے یعنی قرأت مختصر کرے کیونکہ مسنون تو یہ ہے کہ گہن کا وقت نماز اور دعا میں گھر جائے لہذا اگر ایک کو تخفیف کرے تو دوسرے کو طویل دیدے علامہ ابن الہمامؒ نے فرمایا ہے والحق ان السنة التطويل فالمندوب مجرد استيعاب الوقت یعنی حق یہ ہے کہ قرأت کو طول دینا مسنون ہے اور وقت کسوف کا استیعاب کرنا مستحب ہے جیسا کہ حدیث مغیرہ بن شعبہ میں ہے فاذا رايتمو هافادعوا الله وصلوا حتى تنجلى (صحیحین) پھر جب تم ان چیزوں کو دیکھو (کسوف وغیرہ کو) تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اور نماز پڑھو یہاں تک کہ وہ روشن ہو جائے دیکھئے سورج روشن ہونے تک نماز کو طول دینے کا حکم کیا گیا ہے اور اسی وقت ہوگا جب کہ قرأت کو طویل دیا جائے پس معلوم ہوا کہ قرأت کو طول دینا مسنون ہے۔

قرأت کے جہری ہونے پر صاحبین یا فقط امام ابو یوسفؒ کی دلیل حدیث عائشہ ہے قالت جهر النبى صلى الله عليه وسلم فى صلوة الخسوف بقراته (صحیحین) عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے نماز کسوف میں بالجہر قرأت کی۔ امام ابوحنیفہ یا طرفین کی دلیل ابن عباسؓ اور سمرہ بن جندبؓ کی حدیث ہے۔ ابن عباس کی حدیث کے الفاظ تو یہ ہیں عن ابن عباس صليت مع النبى صلى الله عليه وسلم الكسوف فلم اسمع منه حرفا من القراة یعنی ابن عباسؓ نے کہا کہ میں نے نبی علیہ السلام کے ساتھ کسوف کی نماز پڑھی ہے لیکن میں نے آپ کی قرأت سے کوئی حرف نہیں سنا اسی کے ہم معنی سمرہ بن جندب کی حدیث ہے صلى بنافى كسوف الشمس لانسمع به صوتا یعنی ہم کو کسوف شمس کی حالت میں نماز پڑھائی اور ہم نے آپ کی آواز نہیں سنی۔ صاحب ہدایہؒ نے قرأت کے جہری اور سری ہونے میں تعارض حدیث کو اس طرح دور کیا ہے کہ ابن عباسؓ اور سمرہ بن جندبؓ کی روایت کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت پر ترجیح دی ہے اور وجہ ترجیح یہ ہے کہ نماز کے اندر مرد چونکہ امام سے قریب ہوتے ہیں اس لئے عورتوں کی بہ نسبت ان کا حال زیادہ واضح ہوگا اور امام کی کیفیت نماز اور قرأت کے بالجہر اور بالاخفاء ہونے میں مردوں کا ہی قول

راجح ہوگا صاحب ہدایہ امام صاحب کے مذہب کو مضبوط کرنے کے لئے زوردار الفاظ فرماتے ہیں کہ نماز کسوف میں اخفاء قرأت کیسے نہیں ہوگا حالانکہ نماز کسوف دن کی نماز ہے اور دن کی نمازوں کے بارے میں رحمت دو عالم ﷺ نے فرمایا ہے صلوٰۃ النھار عجماء یعنی دن کی نماز گونگی ہے مراد یہ ہے کہ دن کی نمازوں میں قرأت آہستہ کی جاتی ہے نہ کہ بآواز بلند۔

نماز کے بعد دعا کا حکم

ویدعو بعدھا حتی تنجلی الشمس لقولہ ﷺ اذا رائتم من ھٰذہ الافزاع شیئا فارغبوا الی اللہ بالدعاء والسنۃ فیالادعیۃ تاخیرھا عن الصلوٰۃ

ترجمہ...... اور نماز کے بعد دعا کرے یہاں تک کہ آفتاب روشن ہو جائے کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب تم ان گھبرا دینے والی چیزوں میں سے کچھ دیکھو تو دعا کے ساتھ اللہ کی طرف رغبت کرو۔ اور دعاؤں میں سنت یہ ہے کہ نماز کے بعد ہو۔

تشریح...... فرمایا ہے کہ نماز کسوف کے بعد آفتاب روشن ہونے تک دعا کی جائے دعا قبلہ رخ بیٹھ کر کرے یا کھڑے ہو کر کرے خواہ لوگوں کی طرف منہ کر کے دعا کرے اور لوگ قبلہ رخ بیٹھیں اور امام کی دعا پر آمین کہتے رہیں۔ دلیل حضور ﷺ کا یہ قول ہے اذا رأیتم من ھذا الافذاع شیئاً فارغبوا الی اللہ بالدعاء صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ دعاؤں میں مسنون یہ ہے کہ نماز کے بعد ہو۔ ابو امامہ سے مروی ہے قیل یا رسول اللہ ای الدعا اسمع قال جوف اللیل الاخیر ودبر الصلوٰۃ المکتوبۃ آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کون سی دعا زیادہ مقبول ہے فرمایا کہ آخری رات کا درمیانی حصہ اور فرض نماز کے بعد اس حدیث سے فقط فرض نماز کے بعد دعا کا مسنون ہونا معلوم ہوا۔ اس کے علاوہ مغیرہ بن شعبہ نے کہا کہ حضور ﷺ نماز کے بعد دعا کرتے تھے۔ (بخاری فی التاریخ الاوسط)

امام جمعہ صلوٰۃ الکسوف کی امامت کرے

و یصلی بھم الامام الذی یصلی بھم الجمعۃ و ان لم یحضر صلی الناس فرادی تحرزا عن الفتنۃ

ترجمہ...... اور نماز کسوف لوگوں کو وہ امام پڑھائے جو ان کو جمعہ پڑھاتا ہے اور اگر امام حاضر نہ ہوا تو لوگ تنہا نماز پڑھیں تاکہ فتنہ پیدا ہونے سے بچاؤ ہے۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ نماز کسوف میں اس کو امام مقرر کیا جائے جو لوگوں کو جمعہ اور عیدین کی نماز پڑھاتا ہے اور اگر امام جمعہ موجود نہ ہو تو لوگ تنہا تنہا نماز ادا کریں کیونکہ اس میں فتنہ کا امکان نہیں ہے اور جماعت کی صورت میں فتنہ کا غالب امکان ہے بایں طور کہ ہر شخص امام بننے کی کوشش کرے گا یا اپنی حسب منشاء امام کو آگے بڑھائے گا۔ اس خلفشار سے بہتر یہی ہے کہ فرادی فرادی نماز کسوف ادا کریں۔

چاند گرہن میں جماعت کا حکم

ولیس فی خسوف القمر جماعۃ لتعذر الاجتماع فی اللیل أو لخوف الفتنۃ وانما یصلی کل واحد بنفسہ لقولہ ﷺ اذا رأیتم شیئا من ھذہ الاھوال فافزعوا الی الصلوۃ ولیس فی الکسوف خطبۃ لانہ لم ینقل

ترجمہ ...... اور چاند کے گہن میں جماعت نہیں ہے یا تو اس وجہ سے کہ رات میں لوگوں کا جمع ہونا معتذر ہے یا اس وجہ سے کہ فتنہ کا خوف ہے اور ہر آدمی بذات خود اپنی نماز پڑھے گا۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب تم ان ہولناک چیزوں میں سے کچھ دیکھو تو گھبرا کر نماز کی طرف جاؤ اور کسوف میں خطبہ نہیں ہے کیونکہ خطبہ پڑھنا منقول نہیں ہوا۔

تشریح ...... مسئلہ چاند گہن کی صورت میں اگر نماز پڑھائی تو اس میں جماعت نہیں ہے یا تو اس لئے کہ رات میں لوگوں کا اکٹھا ہونا معتذر ہے یا اس وجہ سے کہ رات میں فتنہ کا خوف ہے پس ہر آدمی بذات خود اکیلا اکیلا نماز پڑھے' دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اذا رأیتم شیئا من ھذہ الا ھوال فافزعوا الی الصلوۃ ہے وجہ استدلال یہ ہے کہ حدیث میں جماعت کی تصریح نہیں کی گئی ہے اور اصل عدم جماعت ہے اس لئے کہا گیا ہے کہ خسوف قمر میں جماعت نہیں ہے یہاں ایک سوال ہے وہ یہ کہ فافزعوا الی الصلوۃ امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کے لئے آتا ہے اس لئے مناسب ہوگا کہ نماز کسوف کو واجب قرار دیا جائے جواب چونکہ نماز کسوف شعائر اسلام میں سے نہیں ہے بلکہ عارض کسوف کی وجہ سے ہے اس لئے نماز کسوف واجب نہ ہوگی لیکن چونکہ مدنی آقا ﷺ نے پڑھی ہے اس لئے مسنون ہوگی اور حدیث کے اندر امر کا صیغہ ندب کے لئے ہے نہ کہ وجوب کے لئے۔

امام ابوالحسن قدوری نے کہا کہ کسوف اور خسوف کی نماز میں خطبہ نہیں ہے امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ سلام کے بعد عیدین کی طرح دو خطبہ ہیں اور دلیل میں حدیث عائشہ کو پیش کیا انھا قالت کسفت الشمس علی عھد رسول اللہ ﷺ فصلی ثم خطب فحمد اللہ واثنی علیہ ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ خطبہ دو باتوں میں سے ایک کے لئے مشروع کیا گیا ہے یا تو خطبہ جواز صلوٰۃ کی شرط ہے جیسے نماز جمعہ میں ہے یا تعلیم احکام کے لئے ہے جیسے عیدین کی نماز میں ہے نماز کسوف کے اندر دونوں باتوں میں سے کوئی نہیں ہے اس لئے نماز کسوف کے لئے خطبہ مشروع نہ ہوگا اور حدیث عائشہ کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں کسوف آفتاب سے لوگوں کو یہ وہم ہو گیا تھا کہ یہ حادثہ صاحبزادہ ومحترم حضرت ابراہیم کے سانحہ ارتحال کی وجہ سے پیش آیا ہے پس نماز کسوف کے بعد خطبہ کے ذریعہ آپ ﷺ نے اس وہم کا ازالہ فرمایا اور کہاان الشمس والقمر آیتان من آیات اللہ تعالیٰ لاینکسفان لموت احد ولالحیاتہ یعنی چاند اور سورج اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں یہ کسی کے مرنے اور جینے سے گہن نہیں ہوتے۔

صاحب کفایہ نے کہا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے قول خطب کے معنی دعا کے ہیں۔ کیونکہ دعا کو بھی خطبہ کہا جاتا ہے صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ بطریق شہرت حدیث خطبہ منقول نہیں ہے اس لئے حدیث عائشہ قابل استدلال نہ ہوگی' جمیل عفی عنہ۔

بـــاب الاستـســقـــاء

ترجمہ ...... (یہ) باب استقاء (کے احکام میں) ہے

تشریح ...... مصنفؒ نے باب صلوٰۃ الاستقاء نہیں کہا ہے جیسا کہ گذشتہ ابواب میں مصنفؒ کی عادت رہی ہے وجہ یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک اس میں نماز مسنون نہیں ہے اسلئے عنوان میں صلوٰۃ کا لفظ ذکر نہیں کیا۔ استقاء سیرابی چاہنا واضح ہو کہ استقاء ایسے مقام پر ہوتا ہے جہاں دریا جھیل اور چشمہ وغیرہ نہ ہوں جن سے خود پانی پئیں اور اپنے جانوروں کو پلائیں یا یہ چیزیں ہوں مگر ان کی ضرورت کو کافی نہ ہوں۔ اور اگر یہ چیزیں کافی نہ ہوں تو لوگ استقاء کے لئے نہیں نکلیں گے۔ کیونکہ استقا شدت ضرورت کے وقت ہوتا ہے پھر جب

استسقاء کا ارادہ ہو تو مستحب یہ ہے کہ امام ان کو تین روزہ تک روزہ رکھنے اور توبہ کرنے کا حکم کرے پھر چوتھے روز ان کو لے کر نکلے۔

نماز استسقاء کی جماعت کا حکم

قال ابو حنيفةؒ ليس في الاستسقاء صلوة مسنونة في جماعة فان صلى الناس وحدانا جاز و انما الاستسقاء الدعاء والاستغفار لقوله تعالىٰ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا الاية و رسول الله ﷺ استسقى ولم ترو عنه الصلوٰة

ترجمہ...... امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ استسقاء میں جماعت کے ساتھ کوئی نماز مسنون نہیں ہے پھر اگر لوگوں نے اکیلے اکیلے نماز پڑھی تو جائز ہے اور استسقاء تو فقط دعا اور استغفار ہے کیونکہ باری تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے کہا کہ تم رب سے مغفرت مانگو وہ تو غفار ہے اور اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استسقاء کیا حالانکہ آپ سے نماز مروی نہیں ہے۔

تشریح...... اس بارے میں اختلاف ہے کہ استسقاء کیا چیز ہے صاحب قدوری نے کہا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک استسقاء فقط دعا اور استغفار کا نام ہے استسقاء میں جماعت کے ساتھ کوئی نماز مسنون نہیں ہے ہاں اگر تنہا تنہا نماز پڑھ لی جائے تو جائز ہے۔ دلیل باری تعالیٰ کا قول فقلت استغفروا ربكم انه كان غفارا يرسل السماء عليكم مدرارا ہے ترجمہ تو میں نے کہا کہ اپنے رب سے معافی مانگو بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے تم پر بھیج دیگا آسمان سے موسلا دھار بارش وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بارش کا ترنا استغفار پر معلق کیا ہے نہ کہ نماز پر پس معلوم ہوا کہ استسقاء (سیرابی چاہئے) میں اصل دعا اور استغفار ہے دوسری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے استسقاء کیا ہے مگر آپ ﷺ سے نماز مروی نہیں ہے چنانچہ بخاری اور مسلم میں حدیث انسؓ ہے ان رجلا دخل المسجد في يوم الجمعة و رسول الله ﷺ قائم يخطب فقال يا رسول الله هلكت الاموال وانقطعت السبل فادع الله يغيثنا فقال فرفع رسول الله صلى الله عليه وسلم يديه ثم قال اللهم اغثنا اللهم اغثنا (شرح نقایہ) یعنی ایک شخص جمعہ کے روز مسجد میں داخل ہوا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے تھے اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول مال ہلاک ہو گیا اور راستے بند ہو گئے آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ ہم کو باران رحمت عطا فرمائے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر فرمایا۔ اللّٰھم اغثنا، اللّٰھم اغثنا اس روایت سے بھی استسقا. میں دعا کا ثبوت ملتا ہے نہ کہ نماز کا نیز یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ نے استسقاء کیا مگر نماز نہیں پڑھی۔

صاحبینؒ کا نقطہ نظر

وقالا يصلى الامام ركعتين لماروى ان النبى ﷺ صلى فيه ركعتين كصلوٰة العيد رواه ابن عباس قلنا فعله مرة وتركه اخرى فلم يكن سنة وقد ذكر في الاصل قول محمد وحده

ترجمہ...... اور صاحبین نے کہا ہے کہ امام دو رکعت پڑھے کیونکہ مروی ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے استسقاء میں عید کی طرح دو رکعت پڑھی ہیں۔ اس کو ابن عباسؓ نے روایت کیا ہے ہم کہتے ہیں کہ کبھی کیا اور کبھی چھوڑا تو نماز پڑھنا سنت نہ ہوا۔ اور مبسوط میں فقط امام

مد کا قول مذکور ہے۔

تشریح ... استسقاء میں صاحبین کا مذہب یہ ہے کہ امام لوگوں کو دو رکعت پڑھائے یہی قول امام مالکؒ امام شافعی اور امام احمدؒ کا ہے۔ دلیل ابن عباسؓ کا قول ہے خرج رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم متبذلا متواضعا متضر عاحتی اتی المصلی فلم یخطب خطبتکم ھذہ ولکن لم یزل فی الدعا والتضرع والتکبیر وصلی رکعتین کما یصلی فی العیدین (رواہ اصحاب السنن) یعنی رسول اللہ انتہائی عاجزی اور انکساری کے ساتھ نکل کر عیدگاہ تشریف لے گئے لیکن آپ نے خطبہ نہیں پڑھا اور برابر دعا اور گریہ وزاری میں لگے رہے اور آپ نے دو رکعت نماز پڑھی جیسا کہ عیدین میں پڑھی جاتی ہے دوسری روایت عبداللہ بن زید بن عاصم کی ہے ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خرج بالناس یستسقی بھم فصلی بھم رکعتین وحول رداءہ ورفع یدیہ فدعا واستسقی واستقبل القبلۃ (متفق علیہ) یعنی رسول اللہ لوگوں کو لے کر استسقاء کے لئے نکلے پھر ان کو دو رکعت پڑھائی اور اپنی چادر کو الٹ دیا۔ اور دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور استسقاء کیا' اور استقبال قبلہ کیا۔ ان دونوں روایتوں سے استسقاء کے لئے نماز پڑھنا ثابت ہوتا ہے۔ ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ آپ نے استسقاء میں کبھی نماز پڑھی ہے اور کبھی اس کو ترک کر دیا ہے۔ اس لئے اس سے نمازِ استسقاء کا جواز تو ثابت ہوسکتا ہے لیکن مسنون ہونا ثابت نہ ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ جواز کا ہم بھی انکار نہیں کرتے بلکہ کلام نماز استسقاء کے مسنون ہونے اور نہ ہونے میں ہے۔ اور سنت وہ ہے جس پر نبی کریم ﷺ نے ہمیشگی فرمائی ہو۔ سوال: اس جگہ مصنف کی عبارت پر یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ مصنف نے پہلے کہا لم تروعنہ الصلوٰۃ اور پھر فرمایا لماروی' ظاہر ہے کہ ان دونوں عبارتوں میں تناقض ہے۔ جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے استسقاء میں نماز کی روایت چونکہ شاذ اور نادر ہے اس لئے النادر کالمعدوم کے قاعدہ سے اس مروی کو بھی غیر مروی قرار دیدیا ہے پس اب کوئی تعارض نہ ہوگا۔ صاحبِ ہدایہ کہتے ہیں کہ استسقاء میں نماز کا مسنون ہونا فقط امام محمدؒ کا قول ہے اور امام ابو یوسفؒ امام صاحب کے ساتھ ہیں اسی طرح مبسوط میں ذکر کیا گیا ہے۔

جہراً قرأت کا حکم

ویجھر فیھما بالقرأۃ اعتبارا بصلوٰۃ العید ثم یخطب لماروی ان النبی ﷺ خطب ثم ھی کخطبۃ العید عند محمد وعند ابی یوسفؒ خطبۃ واحدۃ

ترجمہ ...... اور صاحبین نے کہا کہ دونوں رکعت میں جہر سے قرأت کرے عید کی نماز پر قیاس کرتے ہوئے پھر خطبہ پڑھے کیونکہ روایت ہے کہ اللہ کے نبی علیہ السلام نے خطبہ پڑھا ہے پھر یہ خطبہ عید کے خطبہ کے مانند ہے۔ امام محمد کے نزدیک اور ابو یوسف کے نزدیک ایک ہی خطبہ ہے۔

تشریح ...... صاحبین نے کہا کہ نماز عید کی طرح استسقاء کی دونوں رکعتوں میں قرأت بالجہر کرے پھر خطبہ پڑھے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ سے خطبہ پڑھنا ثابت ہوا ہے لیکن امام محمدؒ کے نزدیک عید کی طرح دو خطبہ ہیں دونوں کے درمیان بیٹھ کر فصل کرے۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایک ہی خطبہ ہے زمین پر کھڑے ہو کر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر پڑھے۔

نماز استسقاء میں خطبہ کا حکم

ولا خطبة عند ابی حنیفة لانها تبع للجماعة ولا جماعة عنده

ترجمہ...... اور ابوحنیفہؒ کے نزدیک خطبہ نہیں ہے کیونکہ خطبہ جماعت کے تابع ہے اور امام صاحب کے نزدیک جماعت نہیں ہے۔

تشریح...... عبارت واضح اور ناقابل تشریح ہے۔

قبلہ رخ ہو کر دعا کرنے کا حکم

ویستقبل القبلة بالدعا لما روی انه صلی الله علیه وسلم استقبل القبلة و حول رداءه ویقلب رداءه روینا قال هٰذا قول محمد اما عند ابی حنیفة فلا یقلب رداءه لانه دعاء فیعتبر بسائر الادعیة وما رواه کان تفاؤلا ولا یقلب القوم اردیتهم لانه لم ینقل انه امرهم بذلک ولا یحضر اهل الذمة الاستسقاء لانه لاستنزال الرحمة وانما تنزل علیهم اللعنة

ترجمہ...... اور دعا کیساتھ قبلہ کی طرف متوجہ ہو کیونکہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے قبلہ کا استقبال کیا اور اپنی چادر کو الٹ دی اور منقلب کرے اپنی چادر کو اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی ہے مصنف نے کہا ہے کہ یہ امام محمدؒ کا قول ہے رہا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو وہ قلب ردا نہیں کرے گا کیونکہ یہ دعا ہے لہذا اس کو باقی دعاؤں پر قیاس کیا جائے گا۔ اور جس کو روایت کیا وہ بطور فال نیک کے تھا اور قوم اپنی چادریں منقلب نہ کریں کیونکہ یہ منقول نہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو اس کا حکم کیا ہے اور استسقاء میں ذمی لوگ حاضر نہ ہوں کیونکہ استسقاء تو نزول رحمت کو طلب کرنے کی دعا ہے اور ذمیوں پر لعنت اتاری جاتی ہے۔

تشریح...... استسقاء کی دعا میں مستحب طریقہ یہ ہے کہ قبلہ کی طرف رخ کرے کیونکہ حضور ﷺ سے دعا میں استقبال قبلہ اور تحویل مروی ہے صاحب قدوری نے کہا کہ اپنی چادر الٹ دے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ رداء اگر چکور ہے تو اوپر کا حصہ نیچے کر دے اور نیچے کا حصہ اوپر کر دے اور اگر مدور ہے جیسے جبہ تو دایاں حصہ بائیں طرف کر دے اور بائیں حصہ دائیں طرف کر دے' اور بایاں حصہ دایاں حصہ کی طرف کر دے قلب رداء پر دلیل مذکورۃ الصدر روایت ہے صاحب ہدایہ کہتے ہیں قلب رداء کا حکم امام محمدؒ کا مذہب ہی اسی کے قائل امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ ہیں رہا امام ابوحنیفہؒ کا مذہب تو ان کے نزدیک قلب رداء نہ کرے یہی امام ابو یوسفؒ کا مذہب ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ دعا ہے لہذا اس کو دوسری دعاؤں پر قیاس کیا جائے گا اور ان میں قلب ردا نہیں ہے اس لئے دعا استسقاء میں بھی قلب رداء نہ ہوگا۔ اور اس روایت کا جواب جس میں تحویل ردا مروی ہے یہ ہے کہ یہ تفاؤلا تھا یا یہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ آسمان کے حال کا متغیر ہونا قلب رداء کے وقت معلوم ہو گیا ہوگا اس لئے آپؐ نے قلب ردا فرمایا ہے۔

صاحب قدوری نے کہا ہے کہ لوگ اپنی چادروں کا قلب نہ کریں کیونکہ آنحضرت ﷺ نے قلب ردا فرمایا تو لوگوں نے بھی آپ کو دیکھ کر قلب رداء فرمایا تھا اور آپ ﷺ نے

پر انکار نہیں فرمایا اس لئے ثابت ہوگا کہ لوگ قلب رداء کریں جواب اس موقع پر لوگوں کا قلب رداء کرنا ایسا تھا جیسا کہ حضور ﷺ کو نماز میں حالت میں جوتے نکالتے دیکھ کر صحابہ نے اپنے جوتے اتار دیئے تھے تو وہاں جوتے اتارنا حجت نہیں تھا پس اسی طرح یہاں بھی قلب رداء حجت نہ ہوگا اور آپ نے انکار اس لئے نہیں فرمایا کہ قلب رداء بالاتفاق حرام نہیں ہے بلکہ کلام اس کے مسنون ہونے میں ہے۔

صاحب قدوری نے کہا ہے کہ استسقاء میں ذمی لوگ حاضر نہ ہوں کیونکہ مسلمانوں کا نکلنا نزول رحمت کی دعا کے لئے ہے اور کفار کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَا دُعَآءُ الْكَافِرِيْنَ اِلَّا فِیْ ضَلَالٍ یعنی کفار کی دعا ضائع اور خسران ہے۔ امام مالکؒ امام شافعی اور امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ ذمیوں کو استسقاء کے واسطے نکلنے کا حکم نہ دیا جائے اور اگر وہ از خود نکلیں تو منع بھی نہ کیا جائے لیکن یہ بات ملحوظ رکھی جائے کہ ذمی لوگ کسی ایک تن تنہا نہ نکلیں بلکہ جب وہ نکلیں تو کچھ مسلمان ان کے ساتھ ضرور نکلیں کیونکہ استسقاء کے ذریعہ طلب رزق مقصود ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ مومن اور کافر سب کو رزق دیتا ہے پس اگر کفار کسی دن تنہا نکلیں اور بارگاہ ایزدی میں دعا کی اور اتفاق سے اس روز بارش ہوگئی تو بڑا فتنہ برپا ہوگا۔ واللہ اعلم، جمیل احمد عفی عنہ۔

باب صلوۃ الخوف

ترجمہ...... یہ باب نماز خوف کے بیان میں ہے۔

تشریح...... استسقاء اور خوف کی نماز کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ دونوں کی مشروعیت عارض خوف کی وجہ سے ہے مگر اتنا فرق ہی کہ استسقاء میں عارضی یعنی بارش کا منقطع ہو جانا سماوی اور غیر اختیاری ہے اور نماز خوف میں عارض اختیاری ہے یعنی جہاد جس کا سبب کافر کا کفر اور ظالم کا ظلم ہے پس چونکہ غیر اختیاری چیز اقوی ہوتی ہے اس لئے استسقاء کو مقدم کیا گیا۔

صلوۃ الخوف پڑھنے کا طریقہ

اذا اشتد الخوف جعل الامام الناس طائفتين طائفة على وجه العدود و طائفة خلفه فيصلى بهذة الطائفة ركعة و سجدتين فاذا رفع رأسه من السجدة الثانية مضت هذة الطائفة الى وجه العدو وجائت تلك الطائفة فيصلى بهم الامام ركعة وسجدتين و تشهد وسلم ولم يسلموا وذهبوا الى وجه العدو وجاء ت الطائفة الاولى فصلوا ركعة وسجدتين وحدانا بغير قراء ة لانهم لاحقون وتشهد واوسلموا ومضوا الى وجه العدو وجاء ت الطائفة الاخرى وصلوا ركعة وسجدتين بقراء ة لانهم مسبوقون وتشهدوا وسلموا والاصل فيه رواية ابن مسعود ان البنى عليه السلام صلى صلوة الخوف على الصفة التى قلنا و ابويوسف وان انكر مشروعيتها فى زماننا فهو محجوج عليه بما روينا

ترجمہ...... جب خوف بڑھ جائے تو امام لوگوں کو دو گروہ کر دے ایک گروہ کو دشمن کے سامنے چھوڑے اور ایک گروہ کو اپنے پیچھے کرے۔ پس اس گروہ کو ایک رکعت اور دو سجدے نماز پڑھائے۔ پس جب اس نے دوسرے سجدہ سے اپنا سر اٹھا لیا تو یہ گروہ دشمن کے مقابلہ پر چلا جائے اور وہ گروہ آئے پس امام ان کو ایک رکعت اور دو سجدے پڑھائے اور تشہد۔ پڑھ کر سلام پھیر دے اور اس گروہ کے لوگ سلام نہ پھیریں (بلکہ اسی حالت میں) دشمن کے روبرو چلے جائیں اور پہلا گروہ آ جائے۔ اس گروہ کے لوگ ایک رکعت اور دو سجدے تنہا تنہا بغیر

قرأت پڑھیں۔ کیونکہ یہ لوگ لاحق ہیں اور تشہد پڑھ کر سلام پھیر کر دشمن کے مقابلے میں چلے جائیں اور دوسرا گروہ آئے اور ایک رکعت اور دو سجدے قرأت کے ساتھ پڑھیں۔ کیونکہ یہ لوگ مسبوق ہیں۔ اور تشہد پڑھ کر سلام پھیر دیں۔ اور اصل اس میں عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے نماز خوف کو اسی صفت پر پڑھا جو ہم نے بیان کی ہے اور ابو یوسفؒ نے اگرچہ ہمارے زمانے میں مذکور کی مشروعیت سے انکار کیا ہے مگر ابو یوسفؒ پر حجت ان روایات سے قائم ہے جو ہم نے روایت کیں۔

تشریح..... قدوری کی عبارت اذا اشتد الخوف سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ نماز خوف کے جواز کے لئے اشتدادِ خوف شرط ہے حالانکہ عامۃ المشائخ کے نزدیک اشتداد خوف شرط نہیں ہے بلکہ صلوٰۃ خوف کے جواز کے لئے دشمن کا نفس قرب کافی ہے اسی وجہ سے مبسوط میں کہا گیا کہ بعض لوگوں کے نزدیک خوف سے حقیقۃً خوف مراد نہیں ہے بلکہ دشمن کا حاضر ہونا مراد ہے پس دشمن کا موجود ہونا خوف کے قائم مقام ہے جیسے نفس سفر مشقت کے قائم مقام ہو کر رخصت صلوٰۃ اور رخصت افطار وغیرہ کا سبب ہے نماز خوف کا طریقہ یہ ہے کہ امام وقت لوگوں کو دو گروہوں میں تقسیم کر دے ایک گروہ کو دشمن کے روبرو کھڑا کر دے اور ایک گروہ کو ایک رکعت پڑھائے۔ پس جب امام نے اس رکعت کے دوسرے سجدے سے سر اٹھالیا تو یہ گروہ پیدل چل کر دشمن کے مقابلہ پر چلا جائے۔ اور وہ گروہ جو دشمن کے روبرو تھا وہ امام کے پیچھے کھڑا ہو جائے، امام ان کو ایک رکعت پڑھا کر سلام پھیر دے لیکن یہ لوگ سلام نہ پھیریں بلکہ دشمن کے مقابلہ پر چلے جائیں، اب پہلا گروہ آ کر تنہا تنہا اپنی ایک رکعت پڑھ لیں۔ یہ رکعت بغیر قرأت کے ہوئی، کیونکہ یہ لوگ تحریمہ سے امام کے ساتھ شریک ہونے کی وجہ سے لاحق ہیں اور لاحق پر قرأت نہیں ہے اس گروہ کی نماز پوری ہوگئی ہے۔ لہٰذا یہ گروہ سلام پھیر کر دشمن کے مقابلہ پر چلا جائے اور دوسرا گروہ وہ اپنی ایک رکعت پوری کر کے سلام پھیر دے۔ ان کی یہ رکعت قرأت کے ساتھ ہے کیونکہ یہ لوگ پہلی رکعت میں امام کے ساتھ شریک نہ ہونے کی وجہ سے مسبوق ہیں اور مسبوق پر قرأت کرنا واجب ہوتا ہے اس لئے یہ لوگ قرأت کریں گے، صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ صلوٰۃ خوف کے اندر اصل عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے الفاظ حدیث یہ ہیں۔

عن ابن مسعودؓ صلی رسول اللہ ﷺ صلوٰۃ الخوف فقاموا صفا خلفہ و صفا مستقبل العد وفصلی بھم ﷺ رکعۃ ثم جاء الآخرون فقاموا فی مقامھم و استقبل ھؤلاء العدو فصلی بھم ﷺ رکعۃ ثم سلم فقام ھؤلاء العدو فصلو لانفسھم رکعۃ و سلموا، ثم ذھبوا، فقاموا مقام اولئک مستقبلی العدو، و رجع اولئک الی مقامھم فصلوا لانفسم رکعۃ ثم سلموا

ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز خوف پڑھی پس ایک گروہ آپ کے پیچھے کھڑا ہوا اور ایک دشمن کے مقابلہ میں، آپ ﷺ نے ان کو ایک رکعت پڑھائی۔ پھر دوسرا گروہ ان کی جگہ آ کر کھڑا ہو گیا، اور یہ دشمن کے مقابلے پر چلے گئے، آپ ﷺ نے ان کو بھی ایک رکعت پڑھائی پھر آپ ﷺ نے سلام پھیر دیا، پھر ان لوگوں نے خود ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا، اور جا کر ان کی جگہ دشمن کے مقابلہ میں کھڑے ہوگئے اور وہ ان کی جگہ آئے، اور تنہا تنہا ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا۔

صاحب عنایہ نے تحریر فرمایا ہے کہ اس طرح نماز خوف کی اجازت اس وقت ہے جب کہ ایک امام ہو، اس کے علاوہ کے پیچھے لوگ نماز پڑھنے کو تیار نہ ہوں لیکن اگر چند امام ہیں اور ان پر کسی کو اختلاف بھی نہیں ہے تو افضل یہ ہے کہ ایک امام ایک گروہ کو پوری نماز پڑھا دے، اور ان کو دشمن کے مقابلہ میں بھیج دے اور دوسرا گروہ جو دشمن کے مقابلہ پر تھا ان میں سے ایک شخص کو حکم دے کہ وہ ان کو

پوری نماز پڑھائے۔

کیا حضورؐ کے وصال کے بعد صلوٰۃ خوف مشروع ہے

بقول صاحب ہدایہ کے حضرت امام ابو یوسفؒ نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد نماز خوف کی مشروعیت کا انکار کیا ہے امام ابو یوسف ابتداءً میں طرفین کی طرح نماز خوف کے مشروع ہونے کے قائل تھے، پھر اپنے اس قول سے رجوع فرما کر کہنے لگے تھے کہ نماز خوف کا مشروع ہونا حیات نبی کے ساتھ خاص ہے، اور دلیل یہ ہے کہ نماز خوف کے بارے میں خداوند قدوس نے فرمایا ہے وَاِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ (الآیہ) پ۵ ع۱۲) اس آیت میں خاص طور سے رسول اللہ ﷺ کو نماز خوف قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے پس جب آپ امام ہونگے تو ہر گروہ آپکے پیچھے نماز پڑھنے کی فضیلت کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ آپ کی وفات کے بعد یہ جھگڑا مرتفع ہوگیا اور ہر گروہ علاوہ امام کے ساتھ پوری نماز ادا کرنے پر قادر ہے لہذا آمد و رفت کی صفت کے ساتھ ایک ایک رکعت ادا کرنا جائز نہ ہوگا۔ صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ عبداللہ بن مسعود کی روایت امام ابو یوسفؒ کے خلاف حجت ہے کیونکہ ابن مسعود کی روایت جو اوپر گذر چکی ہے اس میں بالتفصیل رسول اللہ ﷺ کا نماز خوف پڑھنا ذکر کیا گیا ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ امام ابو یوسفؒ نے رسول اللہ کی حیات میں نماز خوف کے مشروع ہونے کا کہاں انکار کیا ہے۔ امام ابو یوسفؒ تو آپ کی حیات میں نماز خوف کے مشروع ہونے کے قائل ہیں البتہ وفات کے بعد کے قائل نہیں ہیں۔ پس جب ابو یوسفؒ رسولؐ اللہ کے زمانے میں نماز خوف مشروع ہونے کے قائل ہیں تو رسولؐ اللہ کا صلوٰۃ خوف پڑھانا ابو یوسفؒ کے خلاف کیسے حجت ہوسکتا ہے اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ ابن مسعود کی روایت من حیث العبارت اگر ابو یوسفؒ کے خلاف حجت نہیں ہے مگر من حیث الدلالت حجت ہے۔ بایں طور کہ نماز خوف کا سبب خوف ہے اور خوف جس طرح آنحضرت ﷺ کی حیات میں متحقق ہے اسی طرح آپ کی وفات کے بعد بھی متحقق ہے پس جس طرح رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں خوف کی وجہ سے نماز خوف مشروع تھی اسی سبب کی وجہ سے آپؐ کے بعد بھی مشروع ہوگی دوسرا جواب یہ ہے حضور ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کا نماز خوف پڑھنا ثابت ہے چنانچہ سعد بن ابی وقاص، ابو عبیدہ بن الجراح اور ابو موسیٰ اشعری نے اصفہان میں نماز خوف پڑھی ہے نیز سعد بن ابی وقاص نے طبرستان میں مجوسیوں سے جنگ کی اور آپ کے ساتھ حسن بن علی، حذیفہ بن اسحاق اور عبداللہ بن عمرو بن العاص تھے تو سعید بن ابی العاص نے ان حضرات صحابہ کو نماز خوف پڑھائی، اور کسی نے اس پر انکار نہیں کیا۔ پس یہ عدم انکار بمنزلہ اجماع کے ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد نماز خوف کے جواز پر صحابہ کے اجماع کر لینے کے بعد حضرت امام ابو یوسف کا نماز خوف کی مشروعیت سے انکار کرنا اچھا سا نہیں لگتا۔

امام مقیم ہوتو نماز کا کیا طریقہ ہے

فان كان الامام مقيما صلى بالطائفة الاولى ركعتين و بالطائفة الثانية ركعتين كما روى انه صلى ﷺ الظهر بالطائفتين ركعتين ركعتين ويصلى بالطائفة الاولى من المغرب ركعتين وبالثانية ركعة واحدة لان تنصيف الركعة الواحدة غير ممكن فجعلها فى الاولىٰ اولىٰ بحكم السبق

ترجمہ...... پھر اگر امام مقیم ہو تو پہلے گروہ کے ساتھ دو رکعت اور دوسرے گروہ کے ساتھ دو رکعت پڑھے کیونکہ مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ظہر کی نماز دونوں گروہوں کے ساتھ دو دو رکعت پڑھی ہے اور پہلے گروہ کے ساتھ مغرب کی دو رکعت اور دوسرے گروہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھے۔ کیونکہ ایک ایک رکعت کو آدھا آدھا کرنا ممکن نہیں ہے۔ اور پہلے گروہ کے سابق ہونے کی وجہ سے اس ایک رکعت کو اس

کے حصہ میں کر دینا اولیٰ ہے۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ امام اگر مقیم ہو تو وہ دونوں گروہوں کو دو دو رکعت پڑھائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے بحالت اقامت ظہر کی نماز اسی طرح پڑھائی ہے اور مغرب کی نماز کو اس طرح پورا کرے کہ پہلے گروہ کو دو رکعت پڑھائے اور دوسرے گروہ کو ایک رکعت پڑھائے کیونکہ نماز خوف میں حکم یہ ہے کہ امام ہر گروہ کو نصف نماز پڑھائے۔ اور مغرب کی نماز کا نصف ایک پوری رکعت اور نصف رکعت ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ ایک رکعت کو آدھا نہیں کیا جا سکتا۔ تو ہم نے کہا کہ پہلے گروہ کو تقدم کی وجہ سے دو رکعت پڑھائے اور دوسرے گروہ کو ایک رکعت پڑھائے۔ حضرت امام نوویؒ نے کہا کہ اس کا برعکس کرے یعنی پہلے گروہ کو ایک رکعت اور دوسرے گروہ کو دو رکعت پڑھائے۔ اور وجہ یہ ذکر کی کہ پہلی دو رکعتوں میں قرأت فرض ہے اور مناسب یہ ہے کہ ہر گروہ کو اس میں سے حصہ ملے۔ اس لئے کہا گیا کہ پہلے گروہ کو ایک رکعت اور دوسرے گروہ کو دو رکعت پڑھائے تا کہ دونوں گروہ فرض قرأت میں امام کے ساتھ شریک ہو جائیں۔

حالت نماز میں قتال کا حکم

ولا یقاتلون فی حال الصلوٰۃ فان فعلوا بطلت صلوتھم لانہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم شغل عن اربع صلوات یوم الخندق، ولو جاز الاداء مع القتال لما ترکھا

ترجمہ...... اور کسی گروہ کے لوگ نماز کی حالت میں قتال نہ کریں پس اگر انہوں نے قتال کیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ حضور ﷺ خندق کے دن چار نمازوں سے مشغول کر دیئے گئے اگر قتال کے ساتھ ادا کرنا جائز ہوتا تو آپ ان نمازوں کو نہ چھوڑتے۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک نماز کی حالت میں کوئی گروہ قتال نہ کرے، اگر قتال کر لیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ از سرِ نو پڑھنا لازم ہوگا۔ امام مالکؒ کی دلیل باری تعالیٰ کا قول۔ ولیا خذوا حذرھم و اسلحتھم ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ آیت میں نماز کے اندر ہتھیار رکھنے کا امر کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ نماز کی حالت میں ہتھیار لینا قتال ہی کے واسطے ہو سکتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ نماز کی حالت میں قتال کرنا جائز ہے ہماری دلیل یہ ہے کہ غزوۂ احزاب کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی چار رکعتیں فوت ہو گئیں تھیں، جنکو آپ نے بعد میں قضاء کیا ہے اگر نماز کی حالت میں قتال جائز ہوتا تو آپ ﷺ ان نمازوں کو ان کے اوقات میں ادا کرنا نہ چھوڑتے، معلوم ہوا کہ نماز کی حالت میں قتال کرنا جائز نہیں ہے۔ امام مالکؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ نماز کی حالت میں ہتھیار ساتھ رکھنے کا امر اس لئے کیا گیا کہ تا کہ کفار مسلمانوں کو غیر مستعد جان کر ان پر حملہ آور نہ ہوں یا اگر قتال کی ضرورت پیش آ جائے تو قتال کریں اور نماز کا اعادہ کر لیں۔

سواری پر نماز پڑھنے کا حکم

فان اشتد الخوف صلوا رکبانا فرادی یؤمون بالرکوع والسجود الی ای جھۃ شاء وا اذا لم یقدروا علی التوجہ الی القبلۃ لقولہ تعالیٰ فان خفتم فرجالا او رکبانا وسقط التوجہ للضرورۃ وعن محمد انھم یصلون بجماعۃ و لیس صحیح لانعدام الاتحاد المکان

ترجمہ...... پھر اگر خوف میں شدت ہو تو سواری کی حالت میں تنہا تنہا نماز پڑھیں، رکوع اور سجدہ کا اشارہ کریں، جس طرف ممکن ہو، جبکہ قبلہ

کی طرف متوجہ ہونے پر قادر نہ ہوں کیونکہ باری تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر تم کو خوف ہو تو پیادہ نماز پڑھو۔ یا سوار ہو کر، اور قبلہ کی جانب متوجہ ہونا ضرورت کی وجہ سے ساقط ہو گیا اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں، اور یہ روایت صحیح نہیں ہے کیونکہ اتحاد مکانی معدوم ہے۔

تشریح ...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر دشمن کا خوف اس قدر شدید ہو گیا کہ وہ مسلمانوں کو سواری سے اتر کر نماز پڑھنے کا موقع نہیں دیتے تو اس صورت میں مسلمانوں کے لئے سواری ہی پر بیٹھے بیٹھے رکوع اور سجدہ کے اشارے کے ساتھ تنہا تنہا نماز ادا کرنا جائز ہے اور استقبال قبلہ کے سلسلہ میں حکم یہ ہے کہ اگر قبلہ کی طرف رخ کرنا ممکن نہ ہو تو جس طرف چاہیں رخ کر لیں۔ دلیل باری تعالیٰ کا قول ،فان خفتم فرجالا او رکبانا ہے اور استقبال قبلہ ضرورت کی وجہ سے ساقط ہو گیا ہے، امام محمدؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ سواری پر رہ کر باجماعت نماز پڑھنا مستحسن ہے اس کے قائل امام شافعیؒ ہیں لیکن یہ حکم صحیح نہیں ہے کیونکہ صحت اقتداء کے لئے مکان کا متحد ہونا شرط ہے اور وہ اس حالت میں معدوم ہے ہاں اگر کوئی آدمی امام کے ساتھ اس کی سواری پر ہو تو اس کی اقتداء کرنا صحیح ہے،

باب الجنائز

ترجمہ ...... یہ باب جنازوں کے احکام کے بیان میں ہے

تشریح ...... جنائز، جنائزہ کی جمع ہے جنازہ جیم کے فتحہ کے ساتھ میت کے لئے مستعمل ہے اور کسرہ کے ساتھ اس تخت کے لئے مستعمل ہے جس پر میت کو رکھا جاتا ہے موت چونکہ آخری عارض ہے اس لئے نماز جنازہ کو سب سے آخر میں بیان کیا ہے لیکن اگر کوئی یہ کہہ دے کہ صلوۃ فی الکعبہ کو اس سے پہلے ذکر کرنا چاہئے تھا۔ حالانکہ اس کے بعد ذکر کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ صلوۃ فی الکعبہ کو کتاب الصلوۃ کے آخر میں اس لئے ذکر کیا گیا ہے تا کہ کتاب الصلوۃ کا خاتمہ ایسی چیز سے ہو جسکے ساتھ حالا اور مکانا تبرک حاصل کیا جاتا ہے۔

میت پر نماز جنازہ پڑھنے کی وجہ

عقل کا تقاضا ہے کہ جب کسی انسان کو بہت سے آدمیوں کا گروہ کسی عالیشان حاکم کے آگے لے جا کر اس کے لئے سفارش کریں اور اس کی معافی کی درخواست کریں اور اس کے لئے گڑگڑا کر التجاء کریں تو بالآخر اس کا قصور معاف ہو جاتا ہے۔ یہی نماز جنازہ کا راز ہے یعنی نماز جنازہ اس لئے مقرر کی گئی ہے کہ مومنین کے ایک گروہ کا میت کی سفارش میں شریک ہونا اس پر رحمت الٰہی کے نازل ہونے میں بڑا کامل اثر رکھتا ہے، آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں "مامن مسلم یموت فیقوم علی جنازیہ ، اربعون رجلا لایشر کون باللہ شیأ الا شفعھم اللہ فیہ، یعنی کوئی آدمی مسلمان ایسا نہیں مرتا ہے کہ اس کے جنازہ پر چالیس آدمی کھڑے ہوں جو خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتے ہوں مگر اس میت کے حق میں ان کی سفارش قبول کرتا ہے شرح اس کی یہ ہے کہ جب آدمی کی روح بدن کو چھوڑتی ہے تو اس کی حس مشترک وغیرہ کو حس اور ادراک باقی رہتا ہے اور جو خیالات اور علوم اس کے ساتھ تھے مرنے کے بعد اس کے ہمراہ رہتے ہیں اور پھر عالم بالا سے اور علوم کا اس پر ترشح ہوتا ہے جن کی وجہ سے بہت کو عذاب یا ثواب ہوتا ہے پس خدا تعالیٰ کے نیک بندوں کی ہمتیں جب عالم قدس تک پہنچتی ہیں اور اس میت کے لئے وہ گڑگڑا کر دعا کرتے ہیں یا میت کے لئے بہت کچھ صدقہ دیتے ہیں تو حکم الٰہی سے میت کے حق میں وہ نافع پڑتا ہے۔

نماز جنازہ کے فرض علی الکفایہ ہونے کا راز

بعض فرائض اس قسم کے مقرر کئے گئے ہیں کہ ایک مقام کے بعض افراد اس کو اداء کریں وہ سب کی طرف سے ادا ہو جائیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ سب ان کو متفقہ طور پر کرنے لگیں تو انتظام معاش درہم برہم ہو جائے، ان کی تدابیر نافعہ معطل ہو جائیں پس ایسے امور کے لئے ایک ایک شخص کافی ہے، چنانچہ بیماروں کا عیادت جنازہ کی نماز اسی طور پر مشروع ہوتی ہیں کہ بیماروں اور مردوں کی تفضیح بھی نہ ہو اور بعض لوگ اگر اس کو پورا کردیں تو مقصد بھی حاصل ہو جائے۔ (احکام اسلام عقل کی نظر میں)

قریب المرگ کو کس ہیئت پر لٹایا جائے

اذا احتضر الرجل وجه الی القبلة علی شقه الایمن اعتبارا بحال الوضع فی القبر لانه اشرف علیه والمختار فی بلادنا الاستلقاء لانه ایسر لخروج الروح والاول هو السنة ولقن الشهادتین لقوله ﷺ لقنوا موتاکم شهادة ان لا اله الا الله والمراد الذی قرب من الموت فاذا مات شد لحیاه وغمض عیناه بذلک جری التوارث ثم فیه تحسینة فیستحسن

ترجمہ...... جب آدمی قریب المرگ ہو گیا تو اس کی دائیں کروٹ پر قبلہ کی طرف متوجہ کر دیا جائے قبر میں رکھے جانے کی ہیئت پر قیاس کر کے، کیونکہ یہ شخص اس کے قریب لگ گیا ہے اور ہمارے دیار میں چت لٹانا اختیار کیا گیا ہے کیونکہ یہ روح نکلنے کے واسطے بہت آسان ہیئت ہے آسان تو اوّل ہی صورت ہے اور اس کو شہادتین کی تلقین کی جائے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے مردوں کو شہادت ان لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو۔ اور حدیث میں مردوں سے مراد وہ ہے جو موت کے قریب ہو گیا۔ پھر جب مر گیا تو اس کے جبڑے باندھ دیئے جائیں۔ اور اس کی آنکھیں بند کر دی جائیں۔ اسی کے ساتھ توارث جاری ہے پھر اس میں مردے کی صورت کو اچھا بنانا ہو الہذا ایہ کرنا بہتر ہوگا۔

تشریح...... قدوری نے قرب موت کو تعبیر کرنے کے لئے احتضر الرجل کا لفظ بولا ہے۔ یعنی مرنے والے شخص کو محتضر کہا ہے۔ یا تو اس لئے کہ موت اس کے پاس حاضر ہوتی ہے یا ملائکہ موت حاضر ہوتے ہیں علامات موت یہ ہیں کہ قریب المرگ کے دونوں قدم ڈھیلے ہو جاتے ہیں کھڑے نہیں ہو پاتے ناک ٹیڑھی ہو جاتی ہے اور خصیہ کی کھال دراز ہو جاتی ہے۔ بہر حال قرب موت کا عمل یہ ہے کہ مرنے والے کو دائیں کروٹ پر قبلہ رو کر دیا جائے کیونکہ مردے کو قبر میں رکھنے کی یہی کیفیت مسنون ہے لہذا اس پر قیاس کر کے قریب المرگ کو بھی اسی کیفیت پر رکھا جائے اس لئے کہ یہ شخص قبر کے قریب ہی لگ گیا ہے صاحب ہدایہ کہتے ہیں ہمارے دیار ماوراء النہر وغیرہ میں چت لٹانا مختار سمجھا گیا ہے۔ کیونکہ یہ کیفیت روح نکلنے کے واسطے بہت آسان ہے۔ اِس صورت میں مرنے والے کے سر کے نیچے تکیہ وغیرہ کوئی اونچی چیز رکھدی جائے تاکہ اس کا چہرہ قبلہ کی طرف ہو، آسمان کی طرف نہ ہو لیکن اس کیفیت میں کوئی نص نہیں ہے صرف اٹکل ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اسی وجہ سے مصنف نے کہا کہ اول سنت ہے یعنی کروٹ پر لٹانا مسنون ہے۔

دوسرا عمل یہ ہے کہ مرنے والے کو شہادتیں کی تلقین کرے۔ یعنی اس کے پاس بیٹھ کر باواز بلند اشهد ان لا الله الا الله واشهد ان محمد رسول الله پڑھے۔ مرنے والے کو اس کلمہ کے پڑھنے کا حکم نہ دے۔ اس لئے کہ اس پر یہ انتہائی سختی کا وقت ہے نعوذ باللہ اگر

سانس نکال رہا ہو تو کفر پر خاتمہ ہوگا۔دلیل آنحضرت ﷺ کا قول لقنوا موتا کم شهادة ان لا اله الا الله ہے۔اور موتی سے مراد وہ ہے جو موت کے قریب آ لگا۔ بالکل مردہ مراد نہیں ہے۔ کیونکہ تلقین اس کے حق میں کارآمد ثابت نہ ہوگی۔

تیسرا عمل یہ ہے کہ میت کے جبڑوں کو کپڑے وغیرہ سے باندھ دیا جائے۔اور اس کی دونوں آنکھیں بند کر دیں جائیں۔یہی طریقہ متوارث ہے اور اس طرح کرنے میں مردے کی تحسین اور تزئین بھی ہے اس لئے یہ عمل مستحسن اور مندوب ہوگا۔

فصل فی الغسل

ترجمہ......یہ فصل میت کو غسل دینے کے احکام کے بیان میں ہے

تشریح......مصنف ہدایہ نے میت کے احوال کے چند فصلوں پر ذکر کئے ہیں سب سے پہلے غسل کو بیان کیا ہے کہ کیونکہ مرنے کے بعد سب سے پہلے اسی کی ضرورت پیش آتی ہے۔ غسل میت کے سبب میں اختلاف ہے بعض نے کہا کہ غسل میت کا سبب وہ حدیث ہے جو استرخا ءمفاصل کی وجہ سے میت کے اندر حلول کر گیا ہے کیونکہ موت کی وجہ سے انسان ناپاک نہیں ہوتا ہے رہا یہ کہ غسل میت کا سبب جب حدث ہے تو اعضاء وضو کے دھونے پر اکتفاء کیوں نہیں کیا گیا درانحالیکہ حدث کی صورت میں اعضاء وضو کے دھونے پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ جواب زندگی میں حدث کی وجہ سے اعضاء وضو پر اکتفاء کرنا دفع حرج کے لئے تھا اس لئے کہ حدث ہر روز پیش آتا ہے بلکہ ایک دن میں کئی بار پیش آتا ہے پس اگر زندگی میں اعضاء وضو کے دھونے پر اکتفانہ کیا جاتا بلکہ پورے بدن کا غسل ضروری ہوتا ہے تو لوگ حرج اور ضرر میں مبتلا ہو جاتے۔اس لئے زندگی میں حدث کی وجہ سے اعضاء وضو دھونے پر اکتفاء کرنے کا حکم کیا گیا ہے اور رہا وہ حدث جو میت کی وجہ سے لاحق ہوتا ہے تو وہ مکرر نہیں ہوتا بلکہ ایک ہی بار پیش آتا ہے پس چونکہ موت کی وجہ سے حدث ایک بار پیش آنے کی وجہ سے حرج اور ضرر کا احتمال نہیں ہے۔اس لئے اس صورت میں پورے بدن کے دھونے کا حکم کیا گیا ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ غسل میت کا سبب میت کا موت کی وجہ سے نجس اور ناپاک ہونا ہے جیسے دوسرے حیوانات موت کی وجہ سے نجس ہو جاتے ہیں۔دلیل یہ ہے کہ اگر کسی نے مردہ انسان کو اپنے بدن پر لاد کر نماز پڑھی تو اس کی نماز جائز نہ ہوگی۔اور اگر کسی محدث کو لاد کر پڑھی تو اس کی نماز جائز ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ مردہ انسان نجس ہے اور نجاست کا زوال غسل سے ہوتا ہے اس لئے غسل میت کو لازم قرار دیا گیا ہے یہ دھیان رہے کہ مردہ جانور کو اگر غسل دیدیا گیا تو وہ پاک نہیں ہوگا کیونکہ مردہ انسان کا غسل کی وجہ سے پاک ہو جانا محض اس کی تکریم اور تعظیم کی وجہ سے ہے۔

غسل میت زندہ لوگوں پر بالاتفاق فرض علی الکفایہ ہے۔چنانچہ اگر کوئی مردہ آدمی پانی میں پایا گیا تو اس کو بھی غسل دیا جائے گا۔اور اگر پھول پھٹ گیا تو اس پر پانی بہا دیا جائے گا۔ واللہ علم۔جمیل احمد عفی عنہ

میت کو غسل دینے کا طریقہ

فاذا ارادوا غسله وضعوه على سرير لينصب الماء عنه وجعلوا على عورته خرقة اقامة لواجب الستر و يكتفى بستر العورة الغليظة هو الصحيح تيسيرا ونزعوا ثيابه ليمكنهم التنظيف ووضؤه من غير مضمضة واستنشاق لان الوضوء سنة الاغتسال غير ان اخراج الماء منه متعذر فيتركان ثم يفيضون الماء عليه اعتبارا بحال الحيوة ويجمر سريره وترا لما فيه من تعظيم الميت وانما يوتر لقوله ﷺ ان الله وتر يحب الوتر،

ڈال کو جوش دے لیا جائے۔ کیونکہ تنظیف اور تطہیر میں یہ زیادہ کارآمد ثابت ہوگا۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ غسل میت کے لئے ٹھنڈا پانی استعمال کرنا افضل ہے۔ کیونکہ گرم پانی سے اعضاءِ بدن ڈھیلے ہوں گے اور اس کی وجہ سے نجاست خارج ہوگی اور کفن کو ناپاک کرے گی۔ پس اس سے بچنے کے لئے ٹھنڈے پانی کا استعمال کرنا افضل ہے لیکن ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ غسل میت تنظیف کے لئے مشروع ہوا ہے اور گرم پانی تنظیف میں ابلغ ہے۔ اس لئے گرم پانی سے غسل دینا افضل ہوگا اور زر ہا یہ کہ گرم پانی بدن کے اعضاء کو ڈھیلا کر دیتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ بات تو مقصود یعنی تنظیف کے لئے معین ثابت ہوگی۔ اس طور پر کہ اعضاءِ بدن کے ڈھیلے ہونے کی وجہ سے جو کچھ پیٹ سے نکلنا ہوگا غسل کے وقت وہ نکل جائے گا۔ غسل سے فراغت کے بعد کفن وغیرہ کے ناپاک ہونے کا احتمال باقی نہ رہے گا اور اگر جوش دیا ہوا پانی میسر نہ ہو تو پھر خالص پانی ہی استعمال کر دیا جائے پانی کی یہ ترتیب شمس الائمہ سرخسی کے نزدیک ہے۔ شیخ الاسلام اور صاحبِ محیط نے کہا کہ اولاً خالص پانی سے غسل دیا جائے پھر وہ پانی استعمال کیا جائے جس میں بیری کے پتے ڈال کر جوش دیا گیا ہے اور تیسری بار کافور ملا ہوا پانی استعمال کیا جائے یونہی ابن مسعودؓ سے مروی ہے۔ **قال يبدأ اولاً بالماء القراح ثم بالماء والسدر ثم بالماء و شیء من الكافور و انما يبدأ اولاً بالماء القراح حتى يبتل ما عليه من الدرن والنجاسة ثم بماء السدر حتىٰ يزول ما به من الدرن والنجاسة فان السدر ابلغ فى التنظيف ثم بماء الكافور تطيباً لبدن الميت كذا فعلت الملائكة عليهم السلام بآدم عليه السلام حين غسلوه** عبداللہ بن مسعود نے کہا کہ میت کو غسل دیتے وقت خالص پانی سے ابتداء کیجائے پھر بیری کے پتوں سے جوش دیا ہوا پانی پھر کافور ملا ہوا پانی استعمال کیا جائے۔ اولاً خالص پانی تو اس لئے استعمال کرے تاکہ بدن کا میل اور نجاست وغیر بھیگ کر گل جائے پھر جوش دیا ہوا پانی اس لئے استعمال کرے کہ میل کچیل دور ہو جائے گا کیونکہ بیری کے پتے ابلغ فى التنظيف ہیں پھر کافور کا پانی بدنِ میت کو معطر اور خوشبودار کرنے کے لئے استعمال کیا جائے۔ یہی عمل ملائکہ نے آدمؑ کو غسل دیتے وقت کیا تھا قدوری نے کہا کہ میت کے سر اور اس کی داڑھی کو خطمی سے دھویا جائے کیونکہ خطمی صابن کی طرح بدن کو نظیف کرنے والی ہے۔ ان سب کاموں سے فراغت کے بعد میت کو اسکے بائیں پہلو پر لٹا کر جوش دیتے ہوئے پانی سے دھویا جائے اور اسقدر پانی ڈالا جائے کہ نیچے کا حصہ تو تختہ سے ملا ہوا ہے۔ اس تک پانی پہنچ جائے پھر یہ ترتیب اس لئے رکھی ہے تاکہ غسل کا دائیں پہلو سے شروع کرنا پایا جائے کیونکہ سنت ابتداء بالیمین ہے۔

پھر غسل دینے والا میت کو اپنے بدن سے ٹیک لگا کر بٹھلائے اور نرم انداز سے میت کے پیٹ کو ملے یہ ملنا اس لئے ہے کہ میت کے پیٹ میں اگر کوئی چیز ہو تو نکل آئے بعد میں کفن کو آلودہ نہ کرے۔ اس سلسلہ میں اصل یہ روایت ہے **ان علياً لما غسل رسول الله ﷺ مسح بطنه بيده رفيقاً طلب منه ما يطلب من الميت فلم ير شيئاً فقال طبت حياً و ميتاً** ۔یعنی حضرت علیؓ نے جب رسول اللہ ﷺ کو غسل دیا تو اپنے ہاتھ سے آہستہ آہستہ آپ کا پیٹ ملا۔ اور مقصود اس چیز کو طلب کرنا تھا جو میت سے طلب کی جاتی ہے۔ یعنی حضرت علیؓ کا منشاء یہ تھا کہ شاید آپ ﷺ کے پیٹ سے کوئی چیز نکل آئے لیکن کوئی چیز نہیں نکلی۔ پھر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ آپ ﷺ تو جیتے بھی پاک ہیں اور مرتے بھی طیب ہیں۔

پیٹ ملنے کے بعد اگر میت کے پیٹ سے کوئی چیز نکل آئی تو اس کو دھو ڈالے اور غسل کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے اور نہ وضو کے اعادہ کی ضرورت ہے۔ کیونکہ غسل میت کو ہم نے نص سے پہچانا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں۔ ان میں سے ایک غسل میت ہے۔ بہرحال غسل میت جو واجب ہے ایک مرتبہ غسل دینے سے حاصل ہو گیا ہے۔ اب دوبارہ غسل دینے کی ضرورت نہیں رہی۔ غسل سے فراغت کے بعد میت کے بدن کو پاک کپڑے سے صاف کر دیا جائے تاکہ کفن نہ بھیگے۔

اعضاء سجدہ میں خوشبو لگانے کا حکم، میت کو کنگھی کرنے، ناخن اور بال کاٹنے کا حکم

ویجعلہ ای المیت فی اکفانہ ویجعل الحنوط علی رأسہ ولحیتہ والکافور علی مساجدہ لان التطیب سنۃ والمساجد اولیٰ بزیادۃ الکرامۃ ولایسرح شعر المیت ولالحیتہ ولایقص ظفرہ ولاشعرہ لقول عائشۃ علام تنصون میتکم ولان ھذہ الاشیاء للزینۃ وقد استغنی المیت عنھا وفی الحی کان تنظیفا لاجتماع الوسخ تحتۃ وصار کالختان

ترجمہ..... اور میت کو اس کے کفن کے کپڑوں میں رکھ دے۔ اور میت کے سر اور داڑھی پر حنوط لگا دے اور اس کے اعضاءِ سجدہ پر کافور لگایا جائے کیونکہ خوشبودار کرنا سنت ہے۔ اور اعضاءِ سجود زیادتی کرامت کے زیادہ لائق ہیں اور میت کے بال اور اس کی داڑھی میں کنگھی نہ کی جائے اور نہ اس کے ناخن کاٹے جائیں اور نہ بال کاٹے جائیں۔ کیونکہ حضرت اعائشہؓ نے فرمایا ہے کہ کس وجہ سے تم اپنے مردے کی پیشانی پکڑ کر کھینچتے ہو اور اس لئے کہ یہ چیزیں تو زینت کے واسطے ہیں۔ اور میت زینت سے بے پرواہ ہو چکا اور زندہ کے اندر نظافت تھی کیونکہ اس کے نیچے میل کچیل جمع ہو جاتا ہے اور یہ ختنہ کرنے کے مانند ہو گیا۔

تشریح..... میت کو غسل دینے کے بعد اس کو کفن پہنایا جائے اور میت کے سر اور داڑھی پر حنوط لگا دے۔ حنوط چند خوشبودار چیزوں سے مرکب عطر کا نام ہے اور جو اعضاء سجدہ میں زمین پر ٹکتے ہیں (پیشانی، ناک، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے، دونوں قدم) ان پر کافور لگایا جائے دلیل یہ ہے کہ میت کے بدن کو خوشبودار کرنا سنت ہے۔ اور چونکہ مذکورہ اعضاء پر سجدہ کیا جاتا ہے اس لئے اعضاءِ سجود کرامت کے زیادہ لائق ہیں۔ اور سنت ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کان آدم النبی رجلاً اشعر طوالاً کانۂ نخلۃ سحوق فلما حضرہ الموت نزلت الملائکۃ بحنوط و کفن من الجنۃ فلما مات علیہ السلام غسلوہ بالماء والسدر ثلاثاً و جعلوہ فی الثالثۃ کافوراً و کفنوہ فی و ترمن الثیاب و حفروا لہٗ لحداً و صلوا علیہ و قالوا ھذہ سنۃ ولد آدم من بعدہ و فی روایۃ قالوا یا بنی آدم ھذہ سنتکم من بعدہ بکذا لکم فافعلوا انہ رواہ الحاکم (شرح نقایہ) حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ آدم گھنے بالوں والے لانبے قد والے انسان تھے۔ گویا ایک بہت لانبا کھجور کا درخت ہے۔ پس جب موت کا وقت آیا تو فرشتے خوشبو اور جنت سے کفن لے کر اترے۔ پس جب آدمؑ مر گئے تو فرشتوں نے آدمؑ کو بیر کے پتوں سے جوش دیئے ہوئے پانی سے تین بار غسل دیا اور تیسری مرتبہ میں کافور لگایا اور تین کپڑوں میں کفن دیا۔ اور ان کے لئے لحد (قبر) کھودی اور ان پر نمازِ جنازہ پڑھی اور کہا کہ آدمؑ کے بعد یہ اولادِ آدم کی سنت ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ فرشتوں نے کہا کہ اے اولادِ آدم، آدمؑ کے بعد یہ تمہاری سنت ہے اسی طرح تم بھی کرنا اور ام عطیہ کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے واجعلن فی الآخرۃ کافوراً او شیئاً من کافورٍ یعنی آخر میں میت کے بدن کو کافور لگاؤ۔

امام قدوری نے کہا کہ میت کے نہ بالوں میں کنگھی کی جائے اور نہ داڑھی میں۔ اور نہ اس کے ناخن کاٹے جائیں اور نہ بال، دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ سے میت کے بالوں اور کنگھی کرنے کے سلسلہ میں دریافت کیا گیا تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا علام تنصون میتکم۔ لفظ علام اصل میں علی ما ہے یعنی مااستفہامیہ پر علیٰ حرف جر داخل کیا گیا ہے پھر اس کا الف گرا دیا گیا۔ جیسے باری تعالیٰ کے قول

جو یستا لون میں ہے۔ نصا ینصو نصوا معنی ہیں پیشانی پکڑ کر کھینچنا، بہر حال حضرت عائشہؓ نے جواب میں فرمایا کہ تم اپنے مردہ کی پیشانی پکڑ کر کیوں کھینچتے ہو۔ گویا حضرت عائشہؓ نے مردے کے بالوں میں کنگھی کرنے پر ناراضگی اور ناگواری کا اظہار فرمایا ہے اور کنگھی کرنے کو پیشانی پکڑ کر کھینچنے کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ تمام باتیں زینت کے لئے ہیں اور مردہ زیب و زینت سے بے پرواہ ہو چکا ہے۔ اس لئے ان چیزوں کی قطعاً ضرورت نہیں اور رہا زندہ لوگوں کا ان چیزوں پر عمل پیرا ہونا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ناخن اور بال وغیرہ کے نیچے میل کچیل جمع ہونے کی وجہ سے ازراہ نظافت ان کو اس کی اجازت دی گئی ہے اور یہ ختنہ کے مانند ہو گیا ہے چنانچہ زندہ آدمی کا ختنہ مسنون ہے اور مردہ اگر بغیر ختنہ تھا، تو ہمارے اور امام شافعیؒ کے نزدیک بالاتفاق ختنہ نہیں کیا جائے گا، واللہ اعلم۔ جمیل احمد عفی عنہ

فصل فی التکفین

ترجمہ ...... (یہ) فصل کفن دینے کے بیان میں ہے

تشریح ...... مسلمانوں پر کفن دینا فرض علی الکفایہ ہے اس لئے فرض پر مقدم ہوتا ہے۔ پس میت اگر مالدار ہو تو اسی کے مال سے واجب ہے۔ ورنہ جس پر اس کا نفقہ ہو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بیوی کا کفن شوہر پر ہے اگرچہ عورت مالدار ہو۔ اور اسی پر فتویٰ ہے اور مالدار بیوی پر شوہر مفلس کا کفن نہیں ہے۔

مرد کے لئے مسنون کفن

السنة ان يكفن الرجل في ثلثة اثواب ازار و قميص ولفافة لماروى انه ﷺ كفن في ثلثة اثواب بيض سحولية ولانه اكثر ما يلبسه عادة في حياته فكذا بعد مماته

ترجمہ ...... سنت یہ ہے کہ مرد کو تین کپڑوں ازار، قمیص اور لفافہ میں کفنایا جائے۔ کیونکہ روایت کیا گیا ہے کہ حضور ﷺ کو سحولیہ کے تین سفید کپڑوں میں کفن دیا گیا ہے۔ اور اس وجہ سے کہ ازراہ عادت یہ مقدار اس کی زندگی میں پہننے کی اکثری ہے۔ تو موت کے بعد بھی ایسا ہی ہو گا۔

تشریح ...... کفن تین قسم کا ہوتا ہے۔ کفن مسنون، کفن کفایہ، کفن ضرورت، اس عبارت میں کفن سنت کا بیان ہے۔ کفن سنت مردوں کے حق میں تین کپڑے ہیں۔

۱) ازار یعنی تہہ بند، لیکن سر سے پیر تک مراد ہے۔ ۲) کرتہ گردن سے قدم تک بغیر آستین اور کلی کے۔

۳) لفافہ سر سے پیر تک اوپر سے لپیٹا جاتا ہے۔

تین کپڑوں کے مسنون ہونے پر دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ کو سحولیہ کے سفید تین کپڑوں میں کفنایا گیا ہے۔ سحول سین کے فتحہ یا ضمہ کے ساتھ یمن کے ایک گاؤں کا نام ہے۔ ابوداؤد میں حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا ہے۔ ایک تو وہ کرتہ تھا جس میں آپ ﷺ کی وفات ہوئی اور ایک نجرانی حلہ اور حلہ دو کپڑوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور جابر بن سمرہ نے کہا ہے کفن

رسول اللہ ﷺ فی ثلاثة اثواب قمیص و ازار و لفافة ۔بہر حال ان احادیث سے آپ کے کفن میں تین کپڑوں کا ہونا ثابت ہوتا ہے۔ دوسری دلیل یہ کہ انسان زندگی میں بالعموم تین کپڑے پہنتا ہے۔ لہٰذا مرنے کے بعد بھی اس کو تین کپڑے دیئے جائیں گے۔

دو کپڑوں پر اکتفاء کرنے کا حکم

فان اقتصروا علی ثوبین جاز والثوبان ازار ولفافة وھذا کفن الکفایة لقول ابی بکر اغسلوا ثوبی ھذین وکفنونی فیھما ولانه ادنیٰ لباس الاحیاء والازار من القرن الی القدم واللفافة کذلک والقمیص من اصل العنق الی القدم

ترجمہ...... پھر اگر انہوں نے دو کپڑوں پر اکتفاء کیا تو جائز ہے اور یہ دو کپڑے ازار اور لفافہ ہوں گے۔ اور یہ کفن کفایہ ہے۔ کیونکہ صدیق اکبرؓ نے فرمایا ہے کہ میرے ان دو کپڑوں کو دھو کر مجھے انہیں میں کفن دینا۔ اور اس لئے کہ یہ زندوں کا ادنیٰ لباس ہے۔ اور ازار سر سے قدم تک ہوتا ہے اور لفافہ ایسا ہی ہوتا ہے اور کرتہ گردن سے قدم تک ہوتا ہے۔

تشریح...... اس عبارت میں مرد کے کفن کفایہ کا بیان ہے۔ مرد کے حق میں کفن کفایہ دو کپڑے ہیں ایک ازار دوسرا لفافہ۔ کفن کفایہ پر صدیق اکبر کے قول سے استدلال کیا گیا ہے۔ چنانچہ مصنف ابن عبدالرزاق میں ہے عن عائشة قالتقال ابو بکر لثوبیه الذین کان یمرض فیھما اغسلوھما و کفنونی فیھما فقالت عائشة الا نشتری لک جدیداً فقال لا الحی احوج الی الجدید من المیت ۔حضرت عائشہؓ نے کہا کہ والد محترم ابو بکرؓ نے فرمایا اپنے ان دو کپڑوں کے بارے میں جن میں آپؓ بیمار تھے کہ ان دونوں کو دھو ڈالنا اور مجھ کو ان دونوں کپڑوں میں کفن دینا۔ عائشہؓ نے کہا کہ کیا ہم آپ کے لئے نیا کپڑا نہ خرید لیں۔ فرمایا نہیں۔ زندہ آدمی نئے کپڑے کا زیادہ مستحق ہے بہ نسبت مردہ کے۔ (فتح القدیر) دوسری دلیل حدیث ابن عباس ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص جو حالت احرام میں تھا وہ اونٹنی سے گر کر مر گیا تو آپ ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا کہ و کفنوہ فی ثوبین یعنی اس کو دو کپڑوں میں کفن دے دو۔ عقلی دلیل یہ ہے کہ زندوں کا ادنیٰ لباس دو کپڑے ہیں لہٰذا مرنے کے بعد بھی دو کپڑوں پر اکتفاء کرنا جائز ہوگا۔ صاحب ہدایہ نے ان تینوں کی تفصیل بیان کی ہے کہ ازار سر سے قدم تک ہوتا ہے اور لفافہ بھی اسی کے بقدر ہوتا ہے۔ اور کرتہ گردن سے قدم تک ہوتا ہے۔ لیکن اس میں نہ جیب ہوتی ہے نہ کلی اور نہ آستین۔

کفن لپیٹنے کا طریقہ

واذا ارادوا لف الکفن ابتدأوا بجانبه الایسر فلفوه علیه ثم بالایمن کما فی حال الحیٰوة وبسطه ان تبسط اللفافة اولا ثم یبسط علیھا الازار ثم یقمص المیت ویوضع علی الازار ثم یعطف الازار من قبل الیسار ثم من قبل الیمین ثم اللفافة کذلک وان خافوا ان ینتشر الکفن عنه عقدوه بخرقة صیانة عن الکشف

ترجمہ...... اور جب کفن لپیٹنا چاہیں تو اس کی بائیں جانب سے شروع کریں۔ پس بائیں کو میت پر لپیٹ دیں پھر دائیں کو لپیٹیں۔ جیسا

کہ زندگی کی حالت میں کیا جاتا ہے اور کفن بچھانے کی صورت یہ ہے کہ پہلے لفافہ بچھایا جائے پھر اس پر تہہ بند بچھایا جائے پھر میت کو قمیص پہنا کر ازار پر رکھا جائے پھر بائیں طرف سے ازار کو موڑا جائے پھر دائیں طرف سے پھر اسی طرح لفافہ کو کیا جائے اور میت سے کفن منتشر ہونے کا خوف ہو تو اس کو پٹی سے باندھ دیں۔ تاکہ کھلنے سے محفوظ رہے۔

تشریح...... میت پر کفن لپیٹنے کی کیفیت یہ ہے کہ پہلے لفافہ بچھائیں اس کے اوپر ازار بچھائیں اور میت کو کرتہ پہنا کر ازار پر لٹا دیں پھر ازار کی بائیں جانب کو لپیٹیں پھر دائیں جانب کو تا کہ دایاں حصہ اوپر رہے۔ اسی طرح لفافہ کو لپیٹا جائے۔ صاحب ہدایہ نے مرد کے کفن کے کپڑوں میں عمامہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ کیونکہ بعض حضرات نے کفن میں عمامہ کو شامل کرنا مکروہ قرار دیا ہے اس لئے کہ عمامہ شامل کرنے کی صورت میں کفن کے کپڑے جفت عدد ہو جائیں گے۔ حالانکہ مسنون طاق عدد یعنی تین ہیں اور بعض نے عمامہ کو مستحسن قرار دیا ہے اور دلیل میں کہا ہے کہ ابن عمر میت کو عمامہ پہنایا کرتے تھے اور اس کا شملہ میت کے چہرے پر ڈال دیتے تھے۔ لیکن یہ قول حضرت عائشہؓ کے قول کُفِنَ رسول اللّٰہ ﷺ فی ثلاثة اثواب بیض کے خلاف ہوگا۔

فائدہ...... کفن کے لئے سوتی سفید کپڑے کا استعمال افضل ہے کیونکہ رسول پاک ﷺ کا ارشاد لابسوا من البیاض فانه من خیر ثیابکم و کفنوا فیها موتاکم رواه ابوداؤد۔ یعنی فرمایا ہے سفید کپڑے پہنو اس لئے کہ یہ بہترین کپڑے ہیں اور انہیں میں اپنے مردوں کو کفن دو۔

عورت کا مسنون کفن

و تکفن المرأة فی خمسة اثواب درع وازار و خمار ولفافة وخرقة تربط فوق ثدییها لحدیث ام عطیة ان النبی ﷺ اعطی اللواتی غسلن ابنته خمسة اثواب ولانها تخرج فیها حالة الحیوة فکذا بعد ممات ثم هٰذا بیان کفن السنة وان اقتصروا علی ثلثة اثواب جاز وهی ثوبان وخمار وهو کفن الکفایة ویکره اقل من ذلک وفی الرجل یکره الاقتصار علی ثوب واحد الا فی حالة الضرورة لان مصعب بن عمیر حین استشهد کفن فی ثوب واحد وهذا کفن الضرورة

ترجمہ...... اور عورت کو پانچ کپڑوں میں کفن دیا جائے گا۔ کرتی، ازار، اوڑھنی، لفافہ اور ایک پٹی جو اس کی چھاتیوں پر باندھی جائے، دلیل ابن عطیہ کی حدیث ہے کہ جن عورتوں نے حضور ﷺ کی صاحبزادی کو غسل دیا، ان کو آپ ﷺ نے کفن کے لئے پانچ کپڑے دیئے ہیں اور اس لئے کہ عورت زندگی کے اندر ان پانچ کپڑوں میں نکلتی ہے۔ تو یونہی مرنے کے بعد بھی، پھر یہ کفن سنت کا بیان ہے اور اگر اکتفاء کیا تین کپڑوں پر تو بھی جائز ہے اور وہ دو کپڑے ازار اور لفافہ ہیں اور اوڑھنی ہے اور یہ کفن کفایہ ہے اور اس سے کم مکروہ ہے اور مرد کے حق میں ایک کپڑے پر اکتفاء کرنا مکروہ ہے۔ مگر ضرورت کی حالت میں کیونکہ مصعب بن عمیرؓ جب شہید ہوئے ہیں تو ایک ہی کپڑے میں کفن دیئے گئے اور یہ کفن ضرورت ہے۔

تشریح...... اس عبارت میں عورت کے کفن سنت کا بیان ہے چنانچہ فرمایا کہ عورت کا مسنون کفن پانچ کپڑے ہیں:-

۱) کرتی، ۲) ازار ۳) اوڑھنی، ۴) لفافہ

۵) کپڑے کی وہ پٹی جس سے اس کی چھاتیوں کو باندھا جائے، یعنی پستان بند

دلیل ام عطیہ کی حدیث ہے کہ جب حضور ﷺ کی صاحبزادی زینبؓ کی وفات ہوئی تو جن عورتوں نے ان کو غسل دیا۔ حضور ﷺ نے ان کو کفن کے لئے یہی پانچ کپڑے عنایت فرماتے تھے۔ عقلی دلیل یہ ہے کہ زندگی میں بالعموم عورت پانچ کپڑوں میں رہتی ہے۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے مرنے کے بعد بھی اس کو پانچ کپڑے دیئے گئے ہیں۔ و ان اقتصروا علی ثلثة اثواب میں عورت کے کفن کفایہ کا ذکر ہے۔

عورت کا کفن کفایہ: عورت کا کفن کفایہ تین کپڑے ہیں:

۱) ازار ، ۲) لفافہ ، ۳) اوڑھنی

تین سے کم کپڑوں میں عورت کو کفنانا اگر بلا ضرورت ہے تو مکروہ ہے ورنہ جائز ہے اور یہ کفن ضرورت کہلائے گا اسی طرح مرد کے کفن میں ایک کپڑے پر اکتفاء کرنا مکروہ ہے لیکن اگر ضرورت کی وجہ سے ہے تو جائز ہے اور ایک کپڑا مرد کا کفن ضرورت ہے۔ دلیل خباب ابن ارت کی حدیث ہے قال ھاجرنا مع النبی ﷺ مزید وجه الله تعالیٰ فوقع اجرنا علی الله فمنا من مضیٰ و لم یأخذ من اجره سیئاً منھم مصعب بن عمیر قتل یوم احد و ترک نمرة فکنا اذا غطینا بھا رأسه بدت رجلاہ، و اذا غطینا بھا رجلیه بدأ راسه فامرنا رسول الله ﷺ ان نغطی رأسه و ان نجعل علی رجلیه شیئاً من الاذخر۔ خباب بن ارت نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محض اللہ کی خوشنودی کے لئے ہجرت کی پس ہمارا اجر اللہ پر ہے، ہم میں سے جو لوگ گذر گئے اور انہوں نے دنیا میں کچھ بھی اجر نہیں لیا ان میں سے مصعب بن عمیرؓ ہیں، جو احد کے دن شہید ہو گئے؛ انہوں نے ایک دھاری دار چادر چھوڑی، پس جب ہم اس سے اس کا سر ڈھکتے تو پیر کھل جاتے اور جب پیر ڈھکتے تو سر کھل جاتا ہم کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم مصعب کے سر کو ڈھک دیں اور پیروں پر اذخر گھاس ڈال دیں۔

کفن پہنانے کا طریقہ

و تلبس المرأة الدرع اولا ثم یجعل شعرھا ضفیرتین علی صدرھا فوق الدرع ثم الخمار فوق ذلک ثم الازار تحت اللفافة

ترجمہ..... اور جو عورت کو اولاً کرتی پہنائی جائے پھر اس کے بالوں کو دو مینڈھیوں میں کر کے کرتی کے اوپر اور سینہ پر رکھ دیئے جائیں۔ پھر اس کے اوپر اوڑھنی پھر لفافہ کے نیچے ازار پہنایا جائے۔

تشریح..... عبارت واضح ہے۔

کفن کو خوشبو لگانے کا حکم

قال و تجمر الاکفان قبل ان یدرج فیھا المیت وترا لانه ﷺ امر باجمار اکفان ابنته وترا والاجمار ھو التطیب فاذا فرغوا منه صلوا علیه لانھا فریضة

ترجمہ..... کہا کہ میت کو کفنوں میں میت داخل کرنے سے پہلے کفنوں کو طاق بار دھونی دی جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی کے کفنوں کو طاق بار دھونی دینے کا امر کیا ہے اور اجمار، خوشبودار کرنا ہے۔ پس جب اس سے فارغ ہو گئے تو میت پر نماز پڑھیں، کیونکہ نماز

جنازہ فرض ہے۔

تشریح ...... اس عبارت میں کفنوں کی دھونی دینے کا حکم مذکور ہے۔ اجمار (دھونی) خوشبودار کرنا ہے۔ دھونی طاق بار دینا مسنون ہے۔ جیسا کہ اس پر حدیث شاہد ہے۔ کفن دے کر فراغت کے بعد اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے۔ کیونکہ نماز جنازہ فرض علی الکفایہ ہے۔

فصل فی الصلوٰۃ علی المیت

ترجمہ ...... (یہ) فصل میت پر نماز کے بیان میں ہے۔

تشریح ...... نماز جنازہ کے مشروع ہونے پر باری تعالیٰ کا قول و صل علیهم ان صلاتک سکن لهم دلیل ہے اور حضور ﷺ کا قول صلوا علیٰ کل بر و فاجر ہے اور اجماع امت ہے (کفایہ) نمازِ جنازہ فرض علی الکفایہ ہے۔ فرض تو اس لئے ہے کہ صلِ اور رسول اللہ ﷺ کے قول میں صلوا امر کے صیغے ہیں۔ اور امر کا موجب وجوب (فرض) ہے اور علی الکفایہ اس لئے ہے کہ تمام لوگوں پر واجب کرنا یا تو محال ہے اور یا اس میں حرج واقع ہوگا۔ اس لئے بعض پر اکتفاء کیا ہے جیسا کہ جہاد میں ہے۔

نمازِ جنازہ کے واجب ہونے کا سبب میت ہے۔ اور اس کے جواز کی شرط میت کا مسلمان ہونا ہے کیونکہ کافر پر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے و لا تصل علی احد منهم مات ابدا ولا تقم علیٰ قبره انهم کفروا باللّٰه اور دوسری شرط میت کا پاک ہونا ہے۔ چنانچہ اگر غسل دینے سے پہلے میت پر نماز پڑھ لی گئی تو غسل کے بعد نماز کا اعادہ کیا جائے گا۔ تیسری شرط یہ ہے کہ جنازہ مصلی کے سامنے ہو چنانچہ غائب پر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح اگر جنازہ مصلی کے پیچھے ہو تو جائز نہیں ہے۔

میت کی نماز جنازہ پڑھانے کا حقدار کون ہے

واولیٰ الناس بالصلوٰۃ علی المیت السلطان ان حضر لان فی التقدیم علیه ازدراء به فان لم یحضر فالقاضی لانه صاحب ولایة فان لم یحضر فیستحب تقدیم امام الحی لانه رضیه فی حال حیاته قال ثم الولی والاولیاء علی الترتیب المذکور فی النکاح

ترجمہ ...... اور میت پر نماز پڑھنے کے واسطے سب سے اولیٰ سلطان ہے اگر جنازہ پر حاضر ہوا کیونکہ سلطان سے آگے بڑھنے میں سلطان کے حق میں خفت ہے۔ پس اگر سلطان نہ آیا تو قاضی اولیٰ ہے۔ کیونکہ وہ صاحب ولادیت ہے اور اگر قاضی بھی نہ آیا تو محلّہ کا امام اولیٰ ہے کیونکہ میت زندگی میں اس کے امام ہونے پر راضی تھا۔ کہا کہ پھر میت کا ولی بہتر ہے اور میت کے اولیاء اسی ترتیب پر ہوں گے جو نکاح میں مذکور ہے۔

تشریح ...... نماز جنازہ کے مستحق امامت ہونے میں ترتیب یہ ہے کہ اگر سلطان غاضر ہو گیا تو جنازہ کی امامت کا سب سے زیادہ مستحق وہ ہوگا۔ کیونکہ سلطان کی موجودگی میں کسی اور کو امام بنانا سلطان کی توہین ہے۔ حالانکہ سلطان ظل اللہ ہے۔ پس جو اس کی عزت کرے گا اللہ اس کی عزت کرے گا اور جو اس کی اہانت کرے گا اللہ اس کی اہانت کرے گا اور اگر سلطان نہ آیا تو پھر قاضی مستحق امامت ہوگا۔ کیونکہ قاضی کو سب پر ولادتِ عامہ حاصل ہے اگرچہ سلطان کے مقرر کرنے سے ہے۔ ان دونوں کی تقدیم تو واجب ہے پھر اگر قاضی بھی حاضر نہ

ہوا تو محلہ کے امام کو آگے بڑھانا مستحب ہے۔ کیونکہ میت اپنی زندگی میں اس کے امام ہونے پر راضی تھا تو مرنے کے بعد بھی اسی کی پسند کا امام بہتر ہے جبکہ شریعت کے مخالف بھی نہیں ہے۔ پھر ولی مستحق امامت ہے اور میت کے اولیاء امامت کے حق میں اسی ترتیب پر ہوں گے جو ترتیب نکاح میں مذکور ہے۔ لیکن نکاح میں عورت کا بیٹا عورت کے باپ پر مقدم ہے۔ اور یہاں باپ اولی بالامامت ہے اور اگر میت کے برابر کے دو ولی ہوں مثلاً اس کے سگے دو بھائی ہوں تو ان میں جس کی عمر زیادہ ہو وہ مقدم ہوگا لیکن اس کو یہ اختیار نہیں کہ اپنی جگہ کسی اجنبی کو کردے مگر یہ کہ دوسرا بھی راضی ہو۔ صاحب عنایہ کے بیان کے مطابق حسن بن زیاد نے ابوحنیفہؒ سے ترتیب اس طرح نقل کی ہے۔ اول سلطان یعنی خلیفہ پھر جو اس شہر کا سلطان ہے پھر قاضی پھر محتسب حاکم پھر محلہ کا امام پھر ولی میت۔ اس ترتیب کو اکثر مشائخ نے اختیار کیا ہے۔ ترتیب میں ولی کا سب سے آخر میں ہونا طرفین کا قول ہے۔ ورنہ امام ابو یوسفؒ کا قول یہ ہے کہ ولی ہر حال میں میت کی نماز کا مستحق ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **و اولوا الارحام بعضهم اولی ببعض فی کتاب اللّٰه** اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ حسن بن علیؓ کی جب وفات ہوگئی تو نمازِ جنازہ کے لئے حسین اور لوگ آئے۔ پس سیدنا حسینؓ نے امامت کے لئے سعید بن العاص کو آگے بڑھایا جو اس زمانہ میں حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے مدینہ منورہ کے حاکم تھے۔ سعید بن العاصؓ نے آگے بڑھنے سے انکار کیا تو حسینؓ نے ان سے کہا کہ آگے بڑھئے یہی سنت ہے۔ اگر یہ سنت نہ ہوتا تو میں آپؓ کو آگے نہ بڑھاتا۔ امام ابو یوسفؒ کی پیش کردہ آیت اولو الارحام الآیۃ میراث اور نکاح کی ولایت پر محمول ہے۔ یعنی نکاح کی ولایت صرف اولیاء کو حاصل ہے سلطان وغیرہ کو حاصل نہیں ہے۔

غیر ولی نے نماز جنازہ پڑھائی تو ولی اعادہ کرسکتا ہے

فان صلی غیر الولی او السطان اعاد الولی یعنی ان شاء لما ذکرنا ان الحق للاولیاء وان صلی الولی لم یجز لاحد ان یصلی بعده لان الفرض یتادی بالاول والنفل بها غیر مشروع ولهذا رأینا الناس ترکوا عن اخرهم الصلوٰة علی قبر النبی ﷺ وهو الیوم کما وضع

ترجمہ...... پس اگر ولی یا سلطان کے علاوہ نے نماز پڑھ دی تو ولی اعادہ کرلے یعنی اگر جی چاہے۔ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم ذکر کر چکے کہ حق تو میت کے اولیاء کا ہے۔ اور اگر ولی نے میت پر نماز پڑھی تو اس کے بعد کسی کو میت پرنماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ فرض تو پہلے کے پڑھنے سے ادا ہو چکا اور اس نماز کے ساتھ نفل پڑھنا مشروع نہیں ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے لوگوں کو دیکھا کہ انہوں نے اول تا آخر حضور ﷺ کی قبر پرنماز پڑھنا چھوڑ دیا ہے حالانکہ حضور ﷺ آج بھی ایسے ہی ہیں جیسے (قبر میں) رکھے گئے تھے۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ میت پر اگر ولی اور سلطان کے علاوہ نے نماز پڑھی تو ولی کو نماز جنازہ کے اعادہ کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ اور اگر سلطان نے نماز پڑھی یا اس شخص نے پڑھی جو نماز جنازہ کی ترتیب امامت میں ولی پر مقدم ہے تو ولی کو اعادہ کرنے کا حق نہ ہوگا۔ اور اگر ولی نے نمازِ جنازہ پڑھی تو اس کے بعد کسی کو میت پر نماز پڑھنے کی اجازت نہ ہوگی۔ دلیل یہ ہے کہ ولی کے نماز پڑھنے سے فرض تو ادا ہو چکا اور نفل اس نماز کے ساتھ مشروع نہیں ہوا ہے۔ اس لئے ولی کے نماز پڑھنے کے بعد کسی کو نماز پڑھنے کا حق نہ ہوگا۔ یہ ہمارا مذہب ہے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ جنازہ پر مرۃ بعد مرۃ نماز کا اعادہ کیا جاسکتا ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ ایک بار حضور ﷺ کا ایک نئی قبر کے پاس سے گذر ہوا آپ ﷺ نے اس کے بارے میں دریافت کیا تو بتلایا گیا کہ فلاں عورت کی قبر ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے نماز کی خبر کیوں نہیں دی تو جواب دیا گیا کہ اللہ کے رسول ﷺ اس عورت کو رات میں دفن کیا گیا ہے، ہم کو ڈر ہوا کہ حشرات الارض آپ ﷺ کو اذیت نہ پہنچادیں۔ اس لئے آپ ﷺ کو خبر نہیں دی۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر اس کی قبر پر نماز پڑھی۔ نیز رسول اللہ ﷺ کے جنازہ پر صحابہؓ کا جوق در جوق آ کر نماز پڑھنا ثابت ہے۔ ان دونوں واقعوں سے ایک مرتبہ کے بعد دوسری اور تیسری بار نماز پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے۔

ہماری دلیل گذر چکی کہ ولی یا سلطان جس نے پہلے نماز پڑھی ہے اسکے پڑھنے سے فرض تو ادا ہو چکا اور نمازِ جنازہ میں نفل مشروع نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ کی قبر مبارک پر تمام لوگوں نے نماز پڑھنا ترک کر دیا ہے۔ اور اگر نمازِ جنازہ میں نفل مشروع ہوتا تو اجتماعی طور پر اس کو ترک نہ کیا جاتا۔ درانحالیکہ رسول اکرم سید الامم ﷺ آج بھی اپنی قبر میں اسی طرح آرام فرما ہیں جس طرح آپ ﷺ کو دفن کیا گیا تھا۔ کیونکہ انبیاءؑ کا گوشت زمین پر حرام ہے۔ انبیاءؑ کے جسم کو زمین کی مٹی متغیر نہیں کر سکتی۔ رہا حضور ﷺ کا اس عورت کی قبر پر نماز پڑھنا تو یہ اس لئے تھا کہ یہ آپ ﷺ کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم** آنحضور ﷺ کے اس حق کو ساقط کرنے کی کسی کو ولادیت حاصل نہیں ہے دوسرے واقعہ کا جواب یہ ہے کہ صدیق اکبرؓ خلیفہ ہونے کی وجہ سے رسول اکرم ﷺ کی نمازِ جنازہ کے زیادہ حقدار تھے لیکن آپؓ معاملات کی درستگی اور فتنہ کو فرو کرنے میں مشغول ہو گئے اور لوگ آپؓ کی تشریف آوری سے پہلے ہی آ کر نماز پڑھنے لگے جب آپؓ مسئلہ خلافت سے فارغ ہو چکے تو آپؓ نے نماز پڑھی پھر آپ کے بعد رسولِ اکرم ﷺ کے جنازہ پر کسی نے نماز نہیں پڑھی ہے۔

جس میت پر نماز جنازہ نہ پڑھی گئی ہو قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

وان دفن المیت ولم یصل علیه ﷺ علی قبره لان النبی ﷺ صلی علی قبر امرأة من الانصار ویصلی علیه قبل ان یتفسخ والمعتبر فی معرفة ذلک اکبر الرأی ھو الصحیح لاختلاف الحال والزمان والمکان

ترجمہ...... اور اگر میت اس حال میں دفن کی گئی کہ اس پر نماز نہیں ہوئی تھی تو اس کی قبر پر نماز پڑھی جائے کیونکہ حضور ﷺ نے ایک انصاری عورت کی قبر پر نماز پڑھی ہے۔ اور قبر پر نماز پڑھی جائے میت کے پھول پھٹنے سے پہلے اور اس کی معرفت میں معتبر غالب رائے ہے یہی صحیح ہے۔ کیونکہ حال، زمانہ اور مکان مختلف ہے۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ میت اگر بغیر نماز کے دفن ہو گئی تو اس کی قبر پر نماز پڑھی جائے دلیل یہ کہ ایک انصاری عورت کو اس حال میں دفن کر دیا گیا تھا کہ حضور ﷺ نے اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی۔ آنحضرت ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو اس کی قبر پر نماز پڑھی۔

صاحب قدوری نے کہا کہ قبر پر نماز پڑھنے کی اجازت میت کے خراب اور متفرق الاجزاء ہونے سے پہلے پہلے ہے پھول پھٹنے کے بعد اجازت نہیں ہے۔ صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ نہ پھول پھٹنے کی شناخت میں غالب رائے معتبر ہے یعنی جب تک غالب گمان یہ ہو کہ نعش پھولی پھٹی نہیں ہے تو قبر پر نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے اور جب پھول پھٹنے کا غالب گمان ہو گیا تو اب یہ اجازت نہ ہوگی۔ یہی صحیح قول ہے۔ امام ابو یوسفؒ نے کہا ہے کہ تدفین کے بعد تین دن تک قبر پر نماز پڑھنا جائز ہے۔ اسکے بعد جائز نہیں ہے۔ قول صحیح کی دلیل یہ ہے کہ نعش کا خراب ہونا میت کے حال کے اختلاف سے مختلف ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ موٹا تازہ بہ نسبت دبلے سوکھے کے جلدی خراب اور ریختہ

ہو جاتا ہے۔ اسی طرح موسم اور مکان کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے۔ حتی کہ گرمی اور برسات کے موسم میں بہ نسبت سردی کے موسم میں جلدی سڑ جاتا ہے اور سیلی اور نمناک زمین میں بہ نسبت خشک زمین کے جلدی خراب ہو جاتا ہے۔ بہر حال جب غالب گمان معتبر ہے تو اگر غالب گمان یہ ہو کہ تین دن سے پہلے ہی نعش گل سڑ گئی ہوگی۔ تو اس پر نماز نہ پڑھی جائے گی اور اگر غالب گمان یہ ہو کہ تین دن کے بعد بھی خراب نہیں ہوتی ہے تو اس پر تین دن کے بعد بھی نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ رہا یہ کہ حضور ﷺ نے آٹھ سال بعد شہداء احد پر نماز پڑھی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے شہداء احد کے لئے دعا کی ہے جس کو لفظ صلّی کے ساتھ تعبیر کر دیا گیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ شہداء کے اجسام بھی چونکہ گلتے سڑتے نہیں ہیں اس لئے ان کی قبروں پر نماز پڑھنے میں کیا مضائقہ ہے۔

نماز پڑھنے کا طریقہ

والصلوٰة ان یکبر تکبیرة یحمد الله عقیبها ثم یکبر تکبیرة ویصلی علی النبی ﷺ ثم یکبر تکبیرة یدعو فیها لنفسه وللمیت وللمسلمین ثم یکبر الرابعة ویسلم لانه ﷺ کبر اربعا فی اٰخر صلوٰة صلاها فنسختْ ما قبلها ولو کبر الامام خمسا لم یتابعه الموتم خلافا لزفر لانه منسوخ لما روینا وینتظر تسلیمة الامام فی روایة وهو المختار والاتیان بالدعوات استغفار للمیت والبدایة بالثناء ثم بالصلوٰة سنة الدعاء ولایستغفر للصبی ولکن یقول اللّٰهم اجعله لنا فرطا واجعله لنا اجرا وذخرا واجعله لنا شافعا ومشفعا ولو کبر الامام تکبیرة او تکبیرتین لایکبر الاتی حتی یکبر اخری بعد حضوره عند ابی حنیفة و محمد و قال ابو یوسف یکبر حین یحضر لان الاولیٰ للافتتاح والمسبوق یاتی به ولهما ان کل تکبیر قائمة مقام رکعة والمسبوق لا یبتدی بما فاته اذهو منسوخ ولو کان حاضرا فلم یکبرْ مع الامام لاینتظر الثانیة بالاتفاق لانه بمنزلة المدرک

ترجمہ...... اور نماز جنازہ کی کیفیت یہ ہے کہ تکبیر کہے اسی تکبیر کے بعد اللہ کی ثناء کرے پھر تکبیر کہے۔ اور رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجے پھر تکبیر کہے اس میں دعا کرے اپنے واسطے، میت کے واسطے اور تمام مسلمانوں کے واسطے پھر چوتھی تکبیر کہے اور سلام پھیر دے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے جو سب سے آخر میں نماز جنازہ پڑھی اس میں چار ہی تکبیرات کہیں۔ تو اس نے سابق کو منسوخ کر دیا ہے۔ اور اگر امام نے پانچ تکبیرات کہیں تو مقتدی (چار سے زائد میں) اس کی پیروی نہ کرے گا۔ امام زفرؒ کا اختلاف ہے کیونکہ مار وینا کی وجہ سے چار سے زائد منسوخ ہے۔ اور ایک روایت میں امام کے سلام پھیرنے کا انتظار کرے۔ یہی مختار ہے اور دعائیں کرنا میت کے لئے مغفرت مانگنا ہوتا ہے اور ثناء کے ساتھ شروع کرنا پھر درود کے ساتھ دعا کی سنت ہے۔ اور بچہ کے لئے استغفار نہ کرے۔ لیکن یوں کہے (الٰہی اس بچہ کو ہمارے واسطے فارط کر دے اور اس کو ہمارے لیئے ثواب اور ذخیرۂ نیکی کر دے اور اس کو ہمارے لئے ایسا شفاعت کرنے والا کر دے جس کی شفاعت قبول ہو۔ اور اگر امام ایک یا دو تکبیریں کہہ چکا تو آنے والا تکبیر نہ کہے یہاں تک کہ امام اس کے آنے کے بعد تکبیر کہے۔ یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے اور ابو یوسفؒ نے کہا کہ حاضر ہوتے ہی چھوٹی ہوئی تکبیریں کہہ لے۔ کیونکہ پہلی تکبیر افتتاح کے واسطے ہے اور مسبوق اس کو ضرور لاتا ہے۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ ہر تکبیر ایک رکعت کے قائم مقام ہے اور مسبوق اس نماز کو ادا کرنا شروع نہیں کرتا جو اس سے چھوٹ گئی ہے۔ کیونکہ یہ منسوخ ہو گیا ہے۔

اور اگر ایک شخص ابتداء سے حاضر تھا مگر امام کے ساتھ تکبیر نہ کہی تو بالاتفاق وہ امام کی دوسری تکبیر کا انتظار نہ کرے گا۔ کیونکہ وہ بمنزلہ مدرک کے ہے۔

تشریح...... اس عبارت میں نماز جنازہ کی کیفیت کا بیان ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ نمازِ جنازہ چار تکبیروں کا نام ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ نیت کے بعد تکبیر افتتاح کہے اور دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائے اس کے بعد اللہ کی ثناء کرے۔ یعنی الحمد للہ اور اس کے مانند کلمات کہے اور بعض نے کہا ہے کہ سبحانک اللھم و بحمدک الخ کہے جیسا کہ دوسری نمازوں میں ہے۔ ہمارے نزدیک پہلی تکبیر کے بعد سورۂ فاتحہ کی قرأت مشروع نہیں ہے۔ حضرت امام شافعیؒ قرأتِ فاتحہ کے قائل ہیں۔ امام شافعیؒ نے نمازِ جنازہ کو دوسری نمازوں پر قیاس کیا ہے۔ پس جس طرح دوسری نمازوں میں قرأت قرآن ضروری ہے اسی طرح نمازِ جنازہ میں بھی قرأت قرآن ضروری ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت نافع سے مروی ہے ان ابن عمر کان لا یقرأ فی الصلوٰۃ علی الجناز ۃ ۔ یعنی نافع کہتے ہیں کہ عبد اللہ ابن عمرؓ نمازِ جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے۔ عقلی دلیل یہ ہے کہ نمازِ جنازہ فقط ایک رکن (قیام) کا نام ہے۔ اور رکن مفرد میں قرأت قرآن مشروع نہیں ہوئی۔ جیسا کہ سجدۂ تلاوت میں رکن مفرد ہونے کی وجہ سے قرأت مشروع نہیں ہے۔ پھر دوسری تکبیر کہہ کر رسول اکرم ﷺ پر درود پڑھے۔ کیونکہ ثناء باری کے بعد صلوٰۃ علی النبی ہی کا درجہ ہے۔ جیسا کہ تشہد میں یہی ترتیب ہے۔ اور اسی ترتیب پر خطبے وضع ہوئے ہیں۔ پھر تیسری تکبیر کہہ کر اپنے لیئے، میت کے لئے اور تمام مسلمانوں کے لیئے دعا کرے اگر یاد ہو تو یہ دعا پڑھے اللھم اغفر لحینا و میتنا الخ اور اگر یہ دعا یاد نہ ہو تو جو دعا یاد ہو پڑھ لے حمد باری تعالیٰ اور صلوٰۃ علی النبی کے بعد دعا اس لئے رکھی گئی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے اذا اراد احدکم ان یدعو فلیحمد اللہ ولیصل علی النبی ثم یدعو ۔ یعنی جب تم میں سے کوئی دعا کا ارادہ کرے تو اللہ کی حمد کرے اور حضور ﷺ پر درود پڑھے پھر دعا پڑھے۔ پھر چوتھی تکبیر کہہ کر سلام پھیر دے، چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیرنا اس لئے ہے کہ حضور ﷺ نے سب سے آخری نمازِ جنازہ میں چار ہی تکبیرات کہی ہیں۔ پس اس سے پہلے کا عمل اگر اس کے مخالف بھی ہو تو وہ منسوخ ہو گیا ہے۔ صاحب عنایہ نے لکھا ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد اور سلام سے پہلے ظاہر الروایۃ کے مطابق کوئی دعا نہیں ہے۔ اور بعض مشائخ نے کہا ہے کہ سلام سے پہلے یہ دعا پڑھے ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃً و فی الآخرۃ حسنۃً و قنا برحمتک عذاب القبر و عذاب النار اور بعض نے فرمایا کہ یہ کہے ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب۔ امام ابوالحسن قدوری نے کہا ہے کہ امام نے اگر پانچویں تکبیر کہی تو مقتدی اس پانچویں تکبیر میں امام کی پیروی نہ کرے کیونکہ چار سے زائد تکبیریں گذشتہ روایت کی وجہ سے منسوخ ہو چکی ہیں۔ امام زفرؒ نے فرمایا ہے کہ اگر امام نے پانچویں تکبیر کہی تو مقتدی اس کی پیروی کرے گا۔ امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ چار تکبیرات سے زائد کا مسئلہ مختلف فیہ ہے چنانچہ مروی ہے کہ حضرت علیؓ نے نمازِ جنازہ میں چار کے بعد پانچویں تکبیر کہی تو مقتدیوں نے حضرت علیؓ کی پیروی کی ہے۔ ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ صحابہؓ نے اس بارے میں مشورہ کیا اور آنحضرت ﷺ کی آخری نماز کی طرف رجوع کیا۔ پس حضرت علیؓ کا پانچویں تکبیر کہنا منسوخ ہو گیا اور منسوخ کی پیروی کرنا غلط اور خطاء ہے۔ رہی یہ بات کہ مقتدی جب پانچویں تکبیر میں امام کی متابعت نہیں کرے گا تو کیا کرے۔ اس میں امام ابوحنیفہؒ سے دو روایتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ مقتدی فوراً سلام پھیر دے تاکہ پانچویں تکبیر میں امام کی مخالفت ثابت ہو۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ مقتدی امام کے سلام پھیرنے کا انتظار کرے۔ تاکہ سلام کے اندر متابعت ہو جائے۔ مصنف ہدایہ کہتے ہیں کہ مختار یہی دوسری روایت ہے۔

صاحب کتاب نے کہا ہے کہ دعائیں کرنا درحقیقت میت کے لئے مغفرت طلب کرنا ہے اور ثناء اور صلوٰۃ علی النبی سے ابتداء کرنا دعا کی سنت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نابالغ بچہ کے لئے استغفار نہ کرے کیونکہ مکلف نہ ہونے کی وجہ سے اس سے گناہ کا صدور نہیں ہوا۔ البتہ یہ دعا پڑھے اللّٰھم اجعله لنا فرطاً واجعله لنا ذخراً واجعله لنا شافعاً و مشفعاً۔

اگر کوئی شخص نمازِ جنازہ میں اس وقت شامل ہوا، جب امام ایک یا دو تکبیریں کہہ چکا تو آنے والا شخص کوئی تکبیر نہ کہے بلکہ اس کے شامل ہونے کے بعد جب امام نے تکبیر کہی تو اس کے ساتھ یہ بھی تکبیر کہے اور فوت شدہ تکبیروں کی قضاء امام کے سلام پھیرنے کے بعد کرے یہ قول طرفین کا ہے۔ امام ابو یوسفؒ نے کہا کہ شامل ہوتے ہی فوت شدہ تکبیر کہہ لے۔ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ پہلی تکبیر یعنی تکبیر افتتاح کے بعد آنے والا مسبوق کے مانند ہے۔ اور مسبوق تکبیر افتتاح شامل ہونے کے بعد ضرور کہتا ہے۔ لہٰذا یہ بھی کہے۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ یہ شخص بلاشبہ مسبوق کے مانند ہے لیکن نمازِ جنازہ کی ہر تکبیر بمنزلہ ایک رکعت کے ہے۔ اسی وجہ سے نمازِ جنازہ کے بارے میں کہا گیا ہے اربع کاربع الظہر۔ اور یہ بات آپ کو معلوم ہے کہ مسبوق فوت شدہ رکعات کی قضا امام کے سلام پھیرنے کے بعد کرتا ہے نہ کہ پہلے کیونکہ سلام سے پہلے قضاء کرنے کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔

اور اگر ایک شخص ابتداء سے حاضر تھا مگر امام کے ساتھ تکبیر نہیں کہی تو یہ امام کی دوسری تکبیر کا بالاتفاق انتظار نہ کرے۔ کیونکہ یہ مدرک کے مرتبہ میں ہے۔

امام میت کے سینے کے برابر کھڑا ہو

ویقوم الذی یصلی علی الرجل والمرأة بحذاء الصدر لانه موضع القلب وفیه نور الایمان فیکون القیام عنده اشارة الی الشفاعة لایمانه وعن ابی حنیفة ان یقوم من الرجل بحذاء راسه ومن المرأة بحذاء وسطها لان انسا فعل کذلک و قال هو السنة قلنا تاویله ان جنازتها لم تکن منعوشة فحال بینها وبینهم

ترجمہ...... اور جو شخص مرد و عورت کی نمازِ جنازہ پڑھتا ہے وہ سینہ کے مقابل کھڑا ہو کیونکہ سینہ دل کی جگہ ہے اور دل میں نور ایمان ہے۔ پس اس کے پاس کھڑا ہونا اشارہ ہوگا کہ شفاعت اس کے ایمان کی وجہ سے ہے۔ ابو حنیفہؒ سے مروی ہے کہ مرد کے جنازہ کے سر کے مقابل کھڑا ہو اور عورت کے وسط میں کھڑا ہو۔ کیونکہ حضرت انسؓ نے اسی طرح کیا ہے اور کہا کہ یہی سنت ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ کے کلام کی تاویل یہ ہے کہ عورت کا جنازہ حضور ﷺ کے زمانہ میں نعش دار نہ ہوتا تھا تو حضور ﷺ عورت کے جنازہ اور لوگوں کے درمیان حائل ہو جایا کرتے تھے۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ جنازہ مرد کا ہو یا عورت کا نماز کے وقت امام میت کے سینہ کے مقابل کھڑا ہو۔ دلیل یہ ہے کہ سینہ قلب کا محل ہے اور قلب کے اندر نور ایمان ہوتا ہے۔ پس سینہ کے پاس کھڑا ہونا اس بات کی طرف اشارہ ہوگا کہ شفاعت اس کے ایمان کی وجہ سے کی گئی ہے امام ابو حنیفہؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ جنازہ اگر مرد کا ہو تو امام اس کے سر کے مقابل کھڑا ہو۔ اور اگر عورت کا ہے تو اس کے وسط میں کھڑا ہو۔ دلیل حدیثِ انس ہے روی عن نافع ابی غالب قال کنت فی سکة المربد فمرت جنازة معها ناس کثیر قالوا جنازة عبد الله بن عمیر فتبعها فاذا انا برجل علیه کساء رقیق علی رأسه خرقة تقیه من الشمس فقلت من

هذا الدهقان قالوا انس بن مالک قال فلما وضعت الجنازة قام انس فصلیٰ علیها و انا خلفهٗ لا یحول بینی و بینه شیء فقام عند رأسه و کبر اربع تکبیرات لم یطل و لم یسرع ثم ذهب یقعد فقالوا یا ابا حمزة المرأة الانصاریة فقربوها و علیها نعش اخضر فقام عند عجیزتها فصلّی علیها نحوصلوٰته علی الرجل ثم جلس فقال العلاء بن زیاد یا ابا حمزة هکذا کان رسول اللّٰه ﷺ یصلی علی الجنائز کصلوٰتک یکبر علیها اربعاً و یقوم عند رأس الرجل و عجیزة المرأة قال نعم۔

یعنی نافع سے مروی ہے کہ نافع نے کہا کہ گلی سے ایک جنازہ جس کے ساتھ بہت سے لوگ تھے، گذرا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ عبداللہ بن عمیر کا جنازہ ہے (نافع کہتے ہیں کہ) میں بھی جنازہ کے ساتھ چل دیا میں نے دیکھا کہ ایک آدمی جس کے بدن پر باریک چادر اور دھوپ سے بچاؤ کے لئے سر پر ایک کپڑا رکھا ہوا ہے۔ میں نے کہا کہ یہ کون دہقانی اور گاؤندی ہے۔ لوگوں نے کہا کہ یہ انس بن مالک ہیں۔ نافع کہتے ہیں کہ جب جنازہ زمین پر رکھ دیا گیا تو انسؓ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھائی اور میں آپ کے پیچھے تھا کہ میرے اور آپ کے درمیان کوئی چیز حائل نہ تھی (پس میں نے دیکھا کہ) آپ جنازہ کے سر کے پاس کھڑے ہوئے اور چار تکبیریں کہیں اس طور پر کہ نہ طویل تھیں اور نہ جلدی کی، پھر آپ بیٹھنے لگے تو لوگوں نے کہا اے ابوحمزہ (انس بن مالک) ایک انصاری عورت کا جنازہ بھی ہے۔ پس لوگوں نے اس کو انس کے قریب کیا اور اس پر ایک سبز رنگ کی نعش (مردہ کی چارپائی جس پر صندوق سا بنا رہتا ہے) تھی آپ اس کے چوتڑوں کے پاس یعنی وسط میں کھڑے ہوئے اور نماز پڑھائی جیسے مرد کی پڑھائی تھی پھر آپ بیٹھ گئے پس علاء بن زیاد نے کہا کہ اے ابو حمزہ کیا رسول اللہ ﷺ بھی جنازوں پر اسی طرح نماز پڑھتے تھے تو انس نے کہا کہ ہاں۔ صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ نے اسی طریقہ کو مسنون قرار دیا ہے۔

صاحب ہدایہ نے اس حدیث کی تاویل کرتے ہوئے فرمایا کہ انصاری عورت کے جنازہ پر نعش نہیں تھی یعنی وہ صندوق نما تابوت نہیں تھا۔ جس سے عورت کا ستر ہوتا ہے۔ پس اس عورت اور لوگوں کے درمیان حائل ہونے کی وجہ سے وسط میں کھڑے ہو گئے۔ لیکن صاحب ہدایہ کی یہ تاویل اس لئے معتبر نہیں ہے کہ حدیث میں بصراحت و علیها نعش اخضر کا لفظ موجود ہے۔

سواری پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

فان صلوا علی جنازة رکبانا اجزأهم فی القیاس لانها دعاء وفی الاستحسان لاتجزیهم لانها صلوٰة من وجه لوجود التحریمة فلا یجوز ترکه من غیر عذر احتیاطا

ترجمہ...... اگر لوگوں نے جنازہ پر سواری کی حالت میں نماز پڑھی تو قیاس کے مطابق ان کی نماز جائز ہوگئی۔ کیونکہ یہ دعا ہے اور استحساناً جائز نہیں ہوئی کیونکہ یہ تحریمہ کے پائے جانے کی وجہ سے من وجہ نماز ہے لہٰذا احتیاطاً بغیر عذر کے اس کا ترک کرنا جائز نہیں ہے۔

تشریح...... سواری پر سوار ہو کر نماز جنازہ پڑھنا قیاساً تو جائز ہے لیکن استحساناً جائز نہیں ہے قیاس کی وجہ یہ ہے کہ نماز جنازہ درحقیقت دعا کا نام ہے یہی وجہ ہے کہ نمازِ جنازہ میں نہ قرأت ہے نہ رکوع اور سجدہ پس جس طرح دوسری دعاؤں کا پڑھنا سواری پر جائز ہے۔ اسی طرح نمازِ جنازہ بھی جائز ہے۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ نمازِ جنازہ من وجہ نماز ہے۔ کیونکہ نمازِ جنازہ کے لئے تحریمہ پایا جاتا ہے اور وقت کے علاوہ

تمام وہ شرطیں ضروری ہیں جو دوسری نمازوں کے لئے ضروری ہیں۔ پس بلا عذر احتیاط اسی میں ہے کہ قیام کو ترک نہ کیا جائے اور سواری پر نماز پڑھنے کی صورت میں چونکہ قیام ترک کرنا پڑتا ہے اس لئے سواری پر نماز جنازہ پڑھنا جائز نہ ہوگا۔

نماز جنازہ کے لئے ولی سے اجازت لینے کا حکم

و لا بـاس بـالاذان فـي صـلٰوة الجنازة لان التقدم حق الولي فيملك ابطاله بتقديم غيره وفي بعض النسخ لاباس بالاذن اي الاعلام وهو ان يعلم بعضهم بعضا ليقضوا حقه

ترجمہ...... اور نماز جنازہ میں اجازت کا مضائقہ نہیں ہے۔ کیونکہ امام کا ہونا ولی کا حق ہے پس وہ دوسرے کو آگے بڑھا کر اپنے حق کو باطل کر سکتا ہے اور بعض نسخوں میں ہے کہ نماز جنازہ میں اذان یعنی اعلان کا کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اور اعلام یہ ہے کہ بعض لوگ دوسرے کو آگاہ کر دیں تا کہ وہ میت کا حق ادا کریں۔

تشریح...... متن کے دو نسخے ہیں۔ ایک تو **لا بـاس بالاذن في صلٰوة الجنازة** دوم **لا بأس بالاذان** ۔ پہلے نسخہ کی بنیاد پر عبارت کے دو مطلب ہوں گے۔ ایک یہ کہ ولی اگر کسی دوسرے کو نماز جنازہ پڑھانے کی اجازت دے دے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ کیونکہ امامت کا حق ولی کو ہے۔ پس ولی میت اگر دوسرے کو امام بنا کر اپنا حق مٹانا چاہے تو مٹا سکتا ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ نماز جنازہ سے فراغت کے بعد ولی اگر لوگوں کو گھر واپس جانے کی اجازت دے دے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ کیونکہ تدفین سے پہلے بغیر ولی کی اجازت کے لوگوں کا گھر واپس جانا درست نہیں ہے۔ اور دوسرے نسخہ کی بنیاد پر عبارت کا حاصل یہ ہوگا کہ نماز جنازہ کی اطلاع دینے اور لوگوں کو باخبر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ قال ﷺ **اذا مات احدكم فآذنوني بالصلٰوة** رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی مرجائے تو مجھ کو نماز کی اطلاع دینا۔ بعض متاخرین نے اس شخص کی نماز جنازہ کے لئے بازاروں میں اعلان کرنے کو مستحسن قرار دیا ہے جس کی نماز کے لئے لوگ راغب ہوں جیسے زاہد اور علماء۔

مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

ولا يصلي على ميت في مسجد جماعة لقول النبي ﷺ من صلى على جنازة في المسجد فلا اجر له ولانه بني لاداء المكتوبات ولانه يحتمل تلويث المسجد وفيما اذا كان الميت خارج المسجد اختلف المشائخ

ترجمہ...... اور کسی میت پر مسجد جماعت میں نماز نہ پڑھی جائے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے مسجد میں جنازہ پر نماز پڑھی اس کے واسطے ثواب نہیں ہے اور اس لئے کہ مسجد تو ادائے فرائض کے لئے بنائی گئی ہے اور اس لئے کہ اس میں مسجد کے آلودہ ہونے کا احتمال ہے اور اس صورت میں جبکہ میت مسجد سے باہر ہو تو مشائخ نے اختلاف کیا ہے۔

تشریح...... صاحب عنایہ نے اس عبارت کو حل کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اگر فقط جنازہ مسجد میں ہو اور امام اور کچھ لوگ مسجد سے باہر ہوں اور باقی مسجد میں ہوں تو بالاتفاق مکروہ نہیں ہے۔ اور اگر فقط جنازہ مسجد سے باہر ہو اور امام اور تمام لوگ مسجد میں ہوں تو مشائخ نے اختلاف کیا ہے۔ بعض کراہت کے قائل ہیں اور بعض عدم کراہت کے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ کسی حال میں مکروہ نہیں ہے یعنی فقط جنازہ اگر

مسجد میں ہو تب بھی اس پر نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب سعد بن ابی وقاص کی وفات ہوئی تو صدیقہ عائشہؓ نے حکم کیا کہ ان کے جنازہ کو مسجد میں داخل کیا جائے حتیٰ کہ اس پر تمام ازواج مطہرات نے نماز پڑھی۔ پھر حضرت عائشہؓ نے اپنے اردگرد کے بعض لوگوں سے کہا کہ کیا لوگوں ہمارے اس فعل پر عیب لگایا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں (لوگوں کو اس پر اعتراض ہے) حضرت عائشہؓ نے کہا کہ لوگ کس قدر جلد فراموش کر گئے کہ رسول اللہ ﷺ نے سہیل بن البیضاء کے جنازہ پر مسجد ہی میں نماز پڑھی تھی۔ اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مسجد کے اندر بھی نماز جنازہ بلا کراہت جائز ہے ورنہ رسول اللہ اور فقیہ امت حضرت عائشہ مسجد کے اندر کیونکر نماز جنازہ جنازہ پڑھتے ہماری دلیل حضرت ابوہریرہ کی حدیث ہے ان رسول اللہ ﷺ قال من صلیٰ علیٰ جنازہ فی المسجد فلا اجر لہ یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے مسجد کے اندر جنازہ پر نماز پڑھی اس کے لئے کوئی ثواب نہیں ہے دوسری دلیل یہ ہے کہ مسجد ادائے فرائض کے لیئے بنائی گئی ہے پس پنج وقتہ نمازوں کے علاوہ کوئی نماز مسجد میں ادا نہ کی جائے تیسری دلیل یہ ہے کہ اگر جنازہ مسجد میں ہو تو اس صورت میں مسجد کے آلودہ ہونے کا احتمال ہے اس لئے بلا عذر مسجد میں میت کا لانا مکرہ ہے۔

حدیث عائشہ کا جواب یہ ہے کہ اس زمانہ میں انصار و مہاجرین موجود تھے انھوں نے حضرت عائشہ کے عمل پر عیب لگایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے اس وقت مسجد کے اندر جنازہ کی نماز کی کراہت معروف تھی اور رہا آنحضرت ﷺ کا سہیل کے جنازہ پر مسجد کے اندر نماز پڑھنا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت آنحضرت ﷺ معتکف تھے آپؐ کے لیئے مسجد سے نکلنا ممکن نہ تھا تو آپ نے جنازہ کو لانے کا حکم دیا پس وہ جنازہ خارج مسجد رکھ دیا گیا اور آپ ﷺ نے مسجد میں رہتے ہوئے نماز پڑھی اور ہمارے نزدیک اگر جنازہ مسجد سے باہر ہو اور لوگ مسجد کے اندر کھڑے ہو کر اس پر نماز پڑھیں تو کراہت نہیں ہے۔ پس اول تو آنحضرت ﷺ کو اعتکاف کا عذر تھا دوسرے یہ کہ جنازہ مسجد میں نہیں تھا بلکہ مسجد سے باہر تھا اس لئے اس حدیث کو استدلال میں پیش کرنا مناسب نہ ہوگا۔

جس بچہ میں پیدائش کے بعد آثار حیات ہوں نام رکھا جائے گا، غسل دیا جائے گا اور نماز جنازہ پڑھی جائے گی

ومن استهل بعد الولادة سمى وغسل وصلى عليه لقوله ﷺ اذا استهل المولود صلى عليه وان لم يستهل لم يصل عليه ولان الاستهلال دلالة الحيٰوة فتحقق فى حقه سنة الموتى ومن لم يستهل ادرج فى خرقة كرامة لبنى آدم ولم يصل عليه لما روينا ويغسل فى غير الظاهر من الرواية لانه نفس من وجه وهو المختار

ترجمہ...... اور جس بچہ نے ولادت کے بعد رونے کی آواز نکالی اس کا نام رکھا جائے اس کو غسل دیا جائے اور اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے جب بچہ رونے کی آواز نکالے تو اس پر نماز پڑھی جائے اور اگر رونے کی آواز نہ نکالی تو اس پر نماز نہ پڑھی جائے اور اس لئے کہ رونا زندہ ہونے کی دلیل ہے لہٰذا اس کے حق میں مردوں کا طریقہ متحقق ہوگا۔ اور جو بچہ نہیں رویا اس کو ایک کپڑے میں داخل کیا جائے اولادِ آدم کی تکریم کے پیش نظر۔ اور اس پر نماز نہ پڑھی جائے اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی ہے۔ اور غیر ظاہر الروایت کے مطابق اس کو غسل بھی دیا جائے۔ کیونکہ وہ من وجہ نفس ہے اور یہی حکم مختار ہے۔

تشریح...... استہلال صبی۔ ولادت کے وقت بچہ کا آواز بلند کرنا لیکن یہاں مراد یہ ہے کہ ایسی چیز پائی جو بچہ کی حیات پر دلالت کرے مثلاً

بچہ کے کسی عضو کا حرکت کرنا یا اس کا رونے کی آواز نکالنا وغیرہ۔

بہر حال بچہ اگر پیدا ہوتے ہی مر گیا یعنی ولادت کے وقت زندگی کی کوئی دلیل پائی گئی پھر مر گیا تو اس بچہ کا نام بھی رکھا جائے۔ اس کو غسل میت بھی دیا جائے۔ اور اس پر نمازِ جنازہ بھی پڑھی جائے۔ دلیل حضور ﷺ کا قول اذا استھل المولود صلی علیہ و ان لم یستھل لم یصل علیہ ہے۔ اور عقلی دلیل یہ ہے کہ استہلال یعنی بچہ کا آواز نکالنا زندہ ہونے کی علامت ہے۔ لہٰذا اس کے حق میں مردوں کا طریقہ متحقق ہوگا۔ اور جس بچہ نے ولادت کے وقت رونے کی آواز نہیں نکالی۔ اور دوسری کوئی زندگی کی علامت بھی نہیں پائی گئی تو اس کو بطور کفن ایک کپڑے میں لپیٹ کر کسی گڈھے میں داب دیا جائے۔ یہ عمل بھی فقط اولادِ آدم کی تکریم کے پیش نظر ہوگا۔ اور اس پر نماز نہ پڑھی جائے۔ دلیل گذشتہ روایت ہے البتہ غیر ظاہر الروایۃ کے مطابق اس کو غسل دیا جائے۔ دلیل یہ ہے کہ یہ من وجہ تو بدن کا ایک جز ہے اور من وجہ نفس ہے۔ پس دونوں کا اعتبار کیا گیا اور کہا کہ چونکہ بدن کا ایک جز اور عضو ہے۔ اس لئے اسپر نماز نہ پڑھی جائے اور چونکہ من وجہ نفس ہے اس لئے اس کو غسل دیا جائے۔ یہی ابو یوسفؒ سے مروی ہے اور یہی مختار قول ہے۔

کوئی بچہ اپنے والدین کے ساتھ قید ہو گیا، پھر مر گیا تو نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی

واذا سبی صبی مع احد ابویہ ومات لم یصل علیہ لانہ تبع لھما الا ان یقر با لاسلام وھو یعقل لانہ صح اسلامہ استحسانا او یسلم احد ابویہ لانہ یتبع خیر الابوین دینا وان لم یسب معہ احد ابویہ صلی علیہ لانہ ظھرت تبعیۃ الدار فحکم بالاسلام کما فی اللقیط

ترجمہ..... اور اگر کوئی بچہ اپنے والدین میں سے کسی کے ساتھ قید ہوا اور مر گیا تو اس پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ کیونکہ وہ اپنے والدین کے تابع ہے مگر یہ کہ وہ اسلام کا اقرار کرے درانحالیکہ وہ سمجھدار ہے کیونکہ استحساناً اس کا اسلام صحیح ہو گیا ہے یا اس کے والدین میں سے کوئی ایک اسلام قبول کر لے۔ کیونکہ وہ دین کے اعتبار سے خیر الابوین کے تابع ہے۔ اور اگر اس بچہ کے ساتھ اس کے والدین میں سے کوئی قید نہیں ہوا تو اس پر نماز پڑھی جائے۔ کیونکہ دار الاسلام کے تابع ہونا اس کے حق میں ظاہر ہوا تو اس کے اسلام کا حکم دیا جائے گا جیسے لقیط میں ہوتا ہے۔

تشریح..... صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی بچہ والدین میں سے کسی ایک کے ساتھ قید ہوا اور مر گیا تو اس پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ کیونکہ بچہ والدین کے تابع ہو کر کافر ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے الولد یتبع خیر الابوین دیناً۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچہ دین میں اپنے والدین کے تابع ہوتا ہے اور چونکہ یہاں والدین کافر ہیں لہٰذا بچہ بھی کافر ہوگا اور کافر پر نمازِ جنازہ پڑھی نہیں جاتی اس لئے اس بچہ پر نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے۔ ہاں اگر وہ بچہ سمجھدار ہو اور اسلام کا اقرار کر لے یا اس کے والدین میں سے کوئی ایک مسلمان ہو گیا تو اس بچہ کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی۔ اسلام کا اقرار کرنے کی صورت میں تو اس لئے کہ استحساناً اس کا مسلمان ہونا صحیح ہے۔ اور احد الابوین کے تابع ہوتا ہے اور دین کے اعتبار سے خیر الابوین وہ ہے جو مسلمان ہو گیا لہٰذا بچہ بھی اس کے تابع ہو کر مسلمان ہوگا۔ اور مسلمان کے جنازہ پر چونکہ نماز پڑھی جاتی ہے اس لئے اس بچہ کے جنازہ پر بھی نماز پڑھی جائے گی۔

اور اگر بچہ قید ہوا مگر اس کے ساتھ اس کے ابوین میں سے کوئی قید نہیں ہوا اور وہ بچہ مر گیا تو اس پر جنازہ کی نماز پڑھی جائے گی۔ کیونکہ

دارالاسلام کے تابع ہو جانا اس کے حق میں ظاہر ہو گیا تو اس کے اسلام کا حکم دیا جائے گا جیسے لقیط میں ہوتا ہے یعنی ایک شخص نے جنگل وغیرہ میں ایک لڑکا پڑا پایا اور اس کا کوئی والی وارث معلوم نہیں ہوتا ہے۔ پس اگر دارالاسلام میں ملا ہو تو وہ اس دار کے تابع ہو کر مسلمان قرار دیا جائے گا۔

کافر کا مسلمان ولی اسے غسل اور کفن دے گا اور دفن کرے گا

واذا مات الكافر وله ولى مسلم فانه يغسله ويكفنه ويدفنه بذلك امر على فى حق ابيه ابى طالب لكن يغسل غسل الثوب النجس ويلف فى خرقة وتحفر حفيرة من غير مراعاة سنة التكفين واللحد ولا يوضع فيه بل يلقى

ترجمہ...... اور جب کوئی کافر مرا اور اس کافر کا کوئی مسلمان وارث ہے تو مسلمان اس میت کافر کو غسل دے، کفن دے اور دفن کر دے۔ حضرت علیؓ کو ان کے باپ ابوطالب کے حق میں اسی طرح کا حکم کیا گیا ہے۔ لیکن اس طرح غسل دیا جائے جس طرح نجس کپڑا دھویا جاتا ہے اور ایک کپڑے میں لپیٹ دیا جائے اور ایک گڈھا کھودے سنت تکفین اور سنت لحد کی رعایت کئے بغیر اور اس میں رکھا نہ جائے بلکہ ڈال دیا جائے۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی کافر مرا اور اس کے کفار اولیاء میں سے وہاں کوئی نہیں ہے البتہ مسلمان ولی ہے یعنی اس کافر کا کوئی قریبی رشتہ دار مسلمان ہے تو یہ مسلمان اس کو نجس کپڑے کی طرح دھو کر ایک کپڑے میں لپیٹ کر کسی گڈھے میں ڈال دے۔ دلیل یہ ہے کہ ابو طالب کے انتقال کی حضرت علیؓ نے جب حضور ﷺ کو اطلاع کی تو آپ ﷺ نے فرمایا اغسله و كفنه و واره ولا تحدث به حدثا حتى تلقانى یعنی اس کو دھو کر کفن دے کر اس کو زمین میں چھپا دے۔ پھر کوئی بات نہ کرنا یہاں تک کہ میرے پاس آنا مراد یہ کہ اس کی نماز نہ پڑھنا۔ حضور ﷺ کی مراد یہ ہے کہ مسنون طریقہ پر تدفین اور تکفین نہ کرنا۔ اسی کو صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ کافر میت کو نجس کپڑے کی طرح دھویا جائے اور یونہی کسی کپڑے میں لپیٹ دیا جائے اور گڈھا کھود کر اس میں ڈال دیا جائے اور اگر کافر میت کے کفار اولیاء موجود ہوں تو مسلمان کو چاہئے کہ وہ کافر میت اور اس کے کافر اولیاء کے درمیان تخلیہ کر دے وہ اس کے ساتھ جو چاہیں معاملہ کریں۔

متن کی عبارت وله ولى مسلم میں ولی سے مراد قریبی رشتہ دار ہے کیونکہ مسلمان اور کافر کے درمیان حقیقی ولایت موجود نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لا تتخذوا اليهود والنصارىٰ اولياء یعنی مسلمانو! تم یہود و نصاریٰ کو اپنا ولی نہ بناؤ۔

فصل فى حمل الجنازة

(یہ) فصل جنازہ اٹھانے کے بیان میں ہے

جنازہ اٹھانے کا بیان...... جنازہ اٹھانے کا طریقہ

واذا حملوا الميت على سريره اخذوا بقوائمه الاربع بذلك وردت السنة وفيه تكثير الجماعة وزيادة الاكرام والصيانة وقال الشافعى السنة ان يحملها رجلان يضعها السابق على اصل عنقه والثانى على صدره لان جنازة سعد بن معاذ هكذا حملت قلنا كان ذلك لازدحام الملائكة عليه ويمشون به مسرعين دون

الـخبب لانـه ﷺ حين سـئـل عـنـه قـال مـادون الـخـبـب

ترجمہ...... جب لوگ میت کو اس کے تخت پر اٹھائیں تو چارپائی کے چاروں پایہ پکڑے ہوں۔ اسی طریقہ کے ساتھ سنت وارد ہوئی ہے۔ اور اس میں تکثیر جماعت ہے اور میت کے اکرام میں زیادتی ہے۔ (اور گرنے سے) حفاظت ہے۔ اور امام شافعیؒ نے کہا کہ سنت یہ ہے کہ جنازہ کو دو مرد اٹھائیں (اس طرح کہ) اگلا شخص جنازہ کو اپنی گردن کی جڑ پر رکھے۔ اور دوسرا شخص اس کو اپنے سینہ پر رکھے۔ کیونکہ سعد بن معاذ کا جنازہ یونہی اٹھایا گیا تھا۔ ہم جواب دیں گے کہ یہ ملائکہ کے ہجوم کی وجہ سے تھا اور جنازہ کو تیزی کے ساتھ لے کر چلیں دوڑ کر نہ چلیں۔ کیونکہ جس وقت اس بارے میں رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا **ما دون الخبب**۔

تشریح...... اس فصل کے اندر جنازہ اٹھانے کی کیفیت کا بیان ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ میت کو تخت یا چارپائی پر اٹھائیں اور چارپائی کے چاروں پایہ پکڑیں یعنی چار آدمی موجود ہوں اور ہر آدمی اس کا پایہ پکڑے۔ مسنون طریقہ یہی ہے عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے **من السنة ان تحمل الجنازة من جوانبها الاربعة**۔ یعنی مسنون یہ ہے کہ جنازہ کو اس کی چاروں جانب سے اٹھایا جائے۔ حضور ﷺ کا قول ہے **من حمل الجنازة من جوانبها الاربعة غفر له مغفرة موجبة** یعنی جس نے جنازہ اس کی چاروں جانب سے اٹھایا تو اس کی مغفرت کر دی جائے گی۔ دوسری بات یہ کہ اس میں تکثیر جماعت بھی ہے کیونکہ اگر جنازہ کے ساتھ کوئی آدمی نہ جائے تو یہ چار حاملین جنازہ تو ضرور ہی ہوں گے اور ظاہر ہے کہ چار آدمیوں کی ایک جماعت ہوتی ہے اور چار آدمیوں کے اٹھانے میں جنازہ کا اکرام بھی ہے۔ بایں طور کہ ایک جماعت اپنی گردنوں پر اٹھائے ہوئے ہے اور جس کو گردنوں پر اٹھایا جاتا ہے اس کے مکرم اور محترم ہونے میں کیا شبہ کیا جا سکتا ہے۔ نیز چار آدمیوں کے اٹھانے کی صورت میں میت کے زمین پر گرنے سے حفاظت بھی ہے۔

حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ مسنون یہ ہے کہ دو آدمی اس طرح اٹھائیں کہ اگلا آدمی جنازہ اپنی گردن کی جڑ پر رکھے اور پچھلا آدمی اس کو اپنے سینہ پر رکھے۔ دلیل یہ ہے کہ سعد بن معاذ کا جنازہ اسی طرح اٹھایا گیا ہے۔ ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ یہ ملائکہ کی بے پناہ بھیڑ کی وجہ سے تھا۔ چنانچہ مروی ہے کہ سعد بن معاذ کی شہادت پر ستر ہزار فرشتے آسمان سے اترے تھے۔ اس سے پہلے کبھی اتنی بڑی تعداد زمین پر نہیں اتری۔

حاصل یہ کہ سعدؓ کے جنازہ کو دو آدمیوں کا اٹھانا راستہ کے تنگ ہونے کی وجہ سے تھا یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ اپنے پنجوں کے بل چل رہے تھے۔

ماتن کہتے ہیں کہ جنازہ کو لے کر تیز رفتاری کے ساتھ چلیں دوڑیں نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے جب جنازہ کے ساتھ چلنے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے **مادون الخبب** فرمایا جب کے معنی دوڑنے کے ہیں یعنی آپ ﷺ نے رفتار میں سرعت کا حکم تو فرمایا ہے۔ لیکن دوڑنے سے منع فرمایا ہے اور سرعت کا حکم اس لئے فرمایا ہے کہ جنازہ اگر نیک میت کا ہے تو اس کو بارگاہِ خداوندی میں جلد پہنچا دو۔ اور اگر برے آدمی کا ہے تو اس بلا کو جلد اپنی گردنوں سے دور کر دو۔ اور دوڑنے سے اس لئے منع کیا ہے کہ اس میں میت کی تحقیر ہے۔

ہمارے نزدیک جنازہ کے پیچھے چلنا مستحب ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک جنازہ کے آگے چلنا افضل ہے امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ جنازہ کے آگے آگے چلتے تھے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سعد بن معاذؓ کے جنازہ کے پیچھے چل رہے تھے۔ اور حضرت علیؓ بھی جنازہ کے پیچھے چلتے تھے۔ اور ابن مسعودؓ نے فرمایا ہے **فضل المشی خلف الجنازة علی المشی امامها کفضل المكتوبة علی النافلة** یعنی جنازہ کے آگے چلنے کی بہ نسبت جنازہ کے پیچھے چلتے تھے۔ حضرت علیؓ سے کسی نے کہا کہ **ان ابا بكر و عمر كانا يمشيان امامها** یعنی ابوبکر اور عمر تو جنازہ کے آگے چلتے تھے حضرت علیؓ نے کہا کہ بلاشبہ یہ دونوں حضرات جنازہ کے آگے چلتے تھے۔ اللہ ان پر رحم کرے ان کو معلوم تھا کہ جنازہ کے پیچھے چلنا افضل ہے۔ لیکن لوگوں کی سہولت کے پیش نظر آگے رہتے تھے۔

قبر میں رکھنے سے پہلے بیٹھنے کا حکم

واذا بلغوا الی قبره يكره ان يجلسوا قبل ان يوضع عن اعناق الرجال لانه قد تقع الحاجة الی التهاون و القيام امكن منه و كيفية الحمل ان تضع مقدم الجنازة علی يمينک ثم مؤخرها علی يمينک ثم مقدمها علی يسارک ثم مؤخرها علی يسارک ايثار اللتيامن وهذا فی حالة التناوب.

ترجمہ...... اور جب اس کی قبر تک پہنچیں تو جنازہ اتارنے سے پہلے بیٹھ جانا مکروہ ہے کیونکہ کبھی جنازہ میں مددگاری کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور کھڑے ہونے میں معاونت پر زیادہ قابو ہے۔ اور جنازہ اٹھانے کی کیفیت یہ ہے کہ جنازہ کے اگلے سرے کو اپنے دائیں...... پر رکھے پھر اس کے پچھلے سرے کو اپنے دائیں پر رکھے پھر اس کے اگلے سرے کو اپنے بائیں پر پھر اس کے پچھلے سرے کو اپنے بائیں پر رکھے، تیامن کو ترجیح دیتے ہوئے اور یہ باری باری کی صورت میں ہے۔

تشریح...... مسئلہ، جب میت کو لے کر اس کی قبر تک پہنچ گئے تو جنازہ زمین پر رکھے جانے سے پہلے لوگوں کا بیٹھنا مکروہ ہے۔ کیونکہ کبھی جنازہ میں لوگوں کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے اور لوگوں کا بروقت مدد کرنا زیادہ ممکن اسی وقت ہے جبکہ وہ کھڑے ہوں۔ اس لئے کہا گیا کہ جنازہ زمین پر اترنے سے لوگوں کا بیٹھنا مکروہ ہے اور جب جنازہ زمین پر رکھ دیا گیا تو اب کھڑا رہنا مکروہ ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ حضورِ جنازہ کے وقت میت کا اکرام مندوب ہے اور جنازہ اتارنے سے پہلے لوگوں کے بیٹھ جانے میں میت کا اذدراء اور تحقیر ہے اس لئے جنازہ اتارنے سے پہلے نہ بیٹھیں۔

صاحبِ ہدایہ نے جنازہ اٹھانے کی کیفیت بیان کی ہے کہ اولاً جنازہ کے اگلے سرے میں سے میت کے دائیں کو اپنے دائیں کندھے پر رکھے پھر اسی طرف کے پچھلے کو اپنے دائیں کندھے پر رکھے۔ پھر جنازہ کے اگلے سرے میں سے میت کے بائیں کو اپنے بائیں کندھے پر رکھے۔ پھر اسی طرف کے پچھلے کو اپنے بائیں پر رکھے۔ دلیل یہ ہے کہ اس صورت میں ابتداء بالیمین متحقق ہو جائے گی اس لئے کہ چارپائی کے اگلے سرے کا بایاں میت کا دایاں ہے۔ کیونکہ میت چارپائی پر گدی کے بل چت رکھی ہوئی ہے۔ پس جب چارپائی کے اگلے سرے کے بائیں کو حامل جنازہ نے اپنے دائیں کندھے پر رکھا تو یہ میت کا بھی دایاں ہوگا اور حامل جنازہ کا بھی دائیں ہوگا۔ کہتے ہیں کہ یہ صورت اس وقت ممکن ہے جبکہ اٹھانے والوں کی باری ہو اور اگر اٹھانے والے فقط چار آدمی ہیں تو ایک ہی حالت میں قبر تک لے جائیں گے۔

فصل فی الدفن

دفن کا بیان......قبر لحد بنائے جائے یا شق

ویحفر القبر ویلحد لقوله ﷺ اللحد لنا والشق لغیرنا ویدخل المیت مما یلی القبلة خلافا للشافعی فان عنده یُسَلُّ سَلًّا لماروی انه ﷺ سُلَّ سَلًّا ولنا ان جانب القبلة معظم فیستحب الادخال منه واضطربت الروایة فی ادخال النبی ﷺ

ترجمہ...... (یہ) فصل میت کو دفن کرنے کے بیان میں ہے اور قبر کھودی جائے اور لحد بنائی جائے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہمارے لیئے لحد ہے اور دوسروں کے لئے شق ہے۔ اور میت اس جہت سے داخل کی جائے جو متصل قبلہ ہے برخلاف امام شافعیؒ کے کیونکہ انکے نزدیک میت کو (پائنتی) کی جانب سے کھینچا جائے گا کیونکہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اسی طرح سل کر کے داخل کئے گئے تھے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ قبلہ کی جانب معظم ہے اس لئے اس طرف سے داخل کرنا مستحب ہوگا اور رسول اللہ ﷺ کو داخل کرنے میں روایات مضطرب ہیں۔

تشریح......لحد یہ ہے کہ قبر کے اندر قبلہ کی طرف گول کر دیا جائے یعنی بغل بنا دی جائے اسی کو بغلی قبر کہتے ہیں۔ اور شق یہ ہے کہ چوڑی قبر کھود کر اس کے اندر ایک پتلی نالی سی بنا کر اس میں مردہ دفن کرتے ہیں۔ (عنایہ)

حاصل یہ کہ ہمارے نزدیک قبر کھود کر لحد بنانا مسنون ہے بشرطیکہ زمین نرم نہ ہو اور اگر زمین ایسی نرم ہو کہ لحد بنانا ممکن نہ ہو تو شق جائز ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک مسنون لحد نہیں بلکہ شق ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل شق پر اہل مدینہ کا توارث ہے یعنی اہل مدینہ سے توارثاً یہی چلا آرہا ہے کہ وہ مسلمان میت کے واسطے شق بناتے تھے نہ کہ لحد۔ ہماری دلیل حضور ﷺ کا قول اللحد لنا والشق لغیرنا ہے اور امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ بقیع (مدینہ منورہ کا قبرستان) کی زمین نرم اور ریتلی ہے کہ اس میں لحد کا بنانا ممکن نہیں اس لئے اہل مدینہ شق بنانے کو اختیار کرتے تھے۔

دوسرا اختلاف یہ ہے کہ ہمارے نزدیک قبر میں اتارنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ میت کو اس جہت سے داخل کیا جائے جو متصل قبلہ ہے یعنی جنازہ قبر سے قبلہ کی جانب رکھا جائے پھر وہاں سے میت کو اٹھا کر لحد میں رکھ دیا جائے اور امام شافعیؒ نے کہا کہ مسنون میت کو اس کی قبر تک کھینچ کر لے جانا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ جنازہ قبر کی پائنتی کی طرف اس طرح رکھا جائے کہ میت کا سر قبر میں اس کے قدموں کی جگہ کے برابر ہو پھر قبر میں داخل کرنے والا شخص میت کے سر کو پکڑ کر قبر میں داخل کرے اور اس کو کھینچتا چلا جائے۔ اور بعض نے کہا کہ اس کی صورت یہ ہے کہ جنازہ قبر کے سرہانے اس طرح رکھا جائے کہ میت کے دونوں پاؤں قبر میں اسکے سر کے محاذی ہوں۔ پھر میت کے دونوں پاؤں پکڑ کر اولاً ان کو قبر میں داخل کرے اور کھینچتا ہوا پوری میت کو قبر میں اتار دے۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ اسی طرح کھینچ کر قبر میں اتارا گیا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ جہت قبلہ معظم اور محترم ہے لہٰذا اسی طرف سے داخل کرنا مستحب ہوگا اور رسول اللہ ﷺ کو قبر میں داخل کرنے کا مسئلہ تو اس سلسلہ میں روایات مضطرب ہیں کسی میں کچھ ہے اور کسی میں کچھ اس لئے یہ روایات قابل استدلال نہ ہوگی۔

قبر میں رکھنے والا کونسی دعا پڑھے اور کیا عمل کرے

فاذا وضع فی لحده یقول واضعه بسم الله وعلی ملة رسول الله کذا قاله رسول الله ﷺ حین وضع ابادجانة فی القبر ویوجه الی القبلة بذلک امر رسول الله ﷺ ویحل العقده لوقوع الامن من الانتشار ویسوی اللبن علی اللحد لانه ﷺ جعل علی قبره اللبن ویسجی قبر المرأة بثوب حتی یجعل اللبن علی اللحد ولایسجی قبر الرجل لان مبنی حالهن علی الستر ومبنی حال الرجل علی الانکشاف

ترجمہ.....پس جب میت کو اس کی لحد میں رکھے تو کہے بسم اللّٰہ و علیٰ ملة رسول اللّٰہ یوں ہی ابو دجانہ کو قبر میں رکھتے وقت رسول اللہ ﷺ نے کہا تھا۔ اور میت کو قبلہ کی جانب متوجہ کر دے اسی کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے۔ اور کفن کی گرہ کھول دے کیونکہ کفن منتشر ہونے کے خوف سے اطمینان ہو چکا اور لحد پر کچی اینٹیں برابر کر دی جائیں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی قبر پر کچی اینٹیں لگائی گئیں تھیں اور عورت کی قبر پر کپڑے سے پردہ کر لیا جائے یہاں تک کہ کچی اینٹیں لحد پر لگائی جائیں اور مرد کی قبر پر پردہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ عورتوں کا حال پردہ پر مبنی ہے اور مرد کا حال کشف پر مبنی ہے۔

تشریح.....مصنف نے فرمایا ہے کہ میت کو لحد میں اتارتے وقت یہ دعا پڑھی جائے بسم اللّٰہ و علیٰ ملة رسول اللّٰہ اور ایک روایت میں بسم اللّٰہ و علیٰ سنة رسول اللّٰہ کے الفاظ مروی ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ حضرت ابو دجانہؓ کی میت کو قبر میں اتارتے وقت رسول اکرم ﷺ نے بسم اللّٰہ و علیٰ ملة رسول اللّٰہ کے الفاظ فرمائے تھے۔ مبسوط اور بدائع میں یہی مذکور ہے۔ صاحب کتاب نے بھی انہی حضرات کی تقلید کی ہے حالانکہ یہ غلط ہے۔ کیونکہ ابو دجانہ انصاری کی وفات رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد صدیق اکبر کی خلافت میں جنگ یمامہ کے موقع پر ہوئی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ذو النجادین (عبد اللہ) کو قبر میں اتارتے وقت یہ دعا پڑھی تھی۔ اسکے علاوہ اس دعا کا ثبوت ابن عمرؓ کی حدیث سے بھی ہوتا ہے۔ حدیث یہ ہے عن ابن عمر کان النبی ﷺ جب میت کو قبر میں داخل فرماتے تو بسم اللّٰہ و علیٰ ملة رسول اللّٰہ۔ ابن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب میت کو قبر میں داخل فرماتے تو بسم اللّٰہ و علی ملة رسول اللّٰہ فرماتے۔ اور حاکم کی روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں اذا وضعتم موتاکم فی قبورھم فقولوا باسم اللّٰہ وعلیٰ ملة رسول اللّٰہ۔ جب تم اپنے مردوں کو قبر میں رکھو تو باسم اللّٰہ و علی ملة رسول اللّٰہ کہا کرو۔ (فتح القدیر)

لحد میں رکھ کر میت کو قبلہ کی طرف متوجہ کر دیا جائے۔ یعنی دائیں پہلو پر لٹا کر قبلہ کی طرف متوجہ کریں۔ دلیل یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے لوگوں کو اس کا حکم دیا ہے۔ عنایہ میں یہ حدیث موجود ہے عن علی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه انه قال مات رجل من بنی عبد المطلب فقال ﷺ یا علی استقبل به القبلة استقبالاً ۔ حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ بنی عبد المطلب کا ایک آدمی مر گیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے علی اس کو قبر کی طرف متوجہ کر دو۔ فرمایا ہے کہ میت کو قبر میں رکھنے کے بعد اس کے کفن کی گرہ کھول دے۔ کیونکہ اب کفن کے منتشر ہونے کا خوف باقی نہیں رہا۔ اس کے بعد لحد پر کچی اینٹیں لگائی گئیں تھیں۔ چنانچہ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کان قبر النبی ﷺ الحد ونصبنا علیه اللبن نصباً و رفع قبره من الارض شبراً یعنی حضور ﷺ لحد میں رکھے گئے اور ہم نے لحد پر کچی اینٹیں نصب کیں اور آپ کی قبر مبارک ایک بالشت کی مقدار زمین سے اونچی کی گئی۔

اور عورت کو لحد میں اتارتے وقت اس کی قبر پر پردہ کرلیا جائے یہاں تک کہ لحد کو کچی اینٹوں سے بند کردیا جائے۔ اور مرد کی قبر پر پردہ نہ کیا جائے۔ دلیل یہ ہے کہ عورتوں کا حال ستر پر مبنی ہے اور مردوں کا حال کشف پر مبنی ہے۔ نیز حضرت فاطمہؓ کو قبر میں اتارتے وقت ان کی قبر پر پردہ کیا گیا تھا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مرد کی قبر پر بھی پردہ کیا جائے اور دلیل میں فرمایا کہ حضور ﷺ نے سعد بن معاذ کو قبر میں اتارتے وقت ان کی قبر پر پردہ کرایا تھا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت علیؓ کا ایک میت کے پاس سے گذر ہوا کہ اس کی قبر پر پردہ ڈالا گیا ہے حضرت علیؓ نے اس کو ہٹا دیا۔ اور فرمایا کہ یہ مرد ہے یعنی مردوں کے حال کی بنیاد کشف پر ہے نہ کہ ستر پر۔ اور امام شافعیؒ کی پیش کردہ حدیث کا جواب یہ ہے کہ سعد بن معاذ کا کفن اتنا چھوٹا تھا کہ ان کا بدن چھپ نہ سکا بلکہ بدن کا کچھ حصہ کھلا رہا تو حضور ﷺ نے ان کی قبر پر پردہ ڈلوادیا تا کہ کوئی شخص ان کے کسی عضو پر مطلع نہ ہوسکے۔

قبر میں پکی اینٹ، لکڑی لگانے کا حکم

ویکره الاجر والخشب لانهما الاحكام البناء والقبر موضع البلى ثم بالاجر اثر النار فيكره تفاؤلا ولا باس بالقصب و فى الجامع الصغير ويستحب اللبن والقصب لانه ﷺ جعل على قبره طن من قصب ثم يهال التراب ويسنم القبر ولايسطح اى لايربع لانه ﷺ نهى عن تربيع القبور ومن شاهد قبره اخبر انه مسنم

ترجمہ...... اور پکی اینٹیں اور لکڑی لگانا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ یہ دونوں چیزیں عمارت کی مضبوطی کے لئے ہیں۔ اور قبر گلنے کی جگہ ہے۔ پھر یہ کہ پکی اینٹ میں آگ کا اثر ہے اس لئے بدنامی کے طور پر بھی مکروہ ہوگا اور بانس کے استعمال میں کچھ مضائقہ نہیں ہے اور جامع صغیر میں ہے کہ کچی اینٹ اور بانس کا استعمال مستحب ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ کی قبر پر بانس کا ایک گٹھا استعمال ہوا۔ پھر مٹی ڈالی جائے اور قبر کو کوہان نما بنایا جائے اور مسطح نہ بنائی جائے۔ یعنی چوکور نہ ہو۔ کیونکہ حضور ﷺ نے قبروں کو چوکور بنانے سے منع فرمایا ہے اور جس نے آنحضرت ﷺ کی قبر کو دیکھا اس نے خبر دی کہ وہ مسنم (کوہان نما) ہے۔

تشریح...... قبر میں پکی اینٹیں اور لکڑی لگانا مکروہ ہے۔ دلیل یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں عمارت کو مضبوط کرنے کے لئے ہوتی ہیں اور قبر گل کر برباد ہونے کی جگہ ہے پس ایسی جگہ میں وہ چیز صرف کرنا جو رائیگاں ہو اسراف مکروہ ہے۔ پکی اینٹ لگانے میں وجہ کراہت یہ بھی ہے کہ پکی اینٹ میں آگ کا اثر ہے لہٰذا تفاؤلاً مکروہ ہے گویا اس کا آخرت کا گھر آگ کی معاونت سے تیار ہوا۔ نرکل اور بانس کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ جامع صغیر میں ہے کہ کچی اینٹ اور بانس کا لگانا مستحب ہے۔ قدوری کی عبارت استحباب پر دلالت نہیں کرتی۔ اور جامع صغیر کی عبارت ان دو چیزوں کے استحباب پر دلالت کرتی ہے۔ دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر پر نرکل کا ایک گٹھا لگایا گیا تھا۔ پھر قبر پر مٹی ڈالی جائے اور قبر کو کوہان نما بنایا جائے۔ یعنی زمین سے ایک بالشت یا کچھ زائد اونچی بنایا جائے۔ قبر کو مسطح یعنی چوکور نہ بنایا جائے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک مسنون قبر کا مربع یعنی چوکور ہونا ہے نہ کہ مسنم یعنی کوہان نما۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم کی وفات ہوئی تو حضور ﷺ نے ان کی قبر چوکور مسطح بنائی نہ کہ مسنم۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے قبروں کو چوکور بنانے سے منع فرمایا ہے۔ ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ جس آدمی نے رسول اکرم ﷺ کی قبر کو دیکھا اور شیخین یعنی ابوبکر اور عمرؓ کی قبر کو دیکھا اس نے مجھے بتلایا کہ ان حضرات کی قبریں مسنم یعنی کوہان نما ہیں اور امام شافعیؒ کی بیان کردہ دلیل کا جواب یہ ہے کہ ابراہیم بن محمد ﷺ کی قبر اوا!

تو سطح بنائی گئی لیکن پھر اس کو مسنم کر دیا گیا تھا۔ مبسوط اور محیط میں یہی مذکور ہے۔ واللہ اعلم۔ جمیل احمد عفی عنہ۔

باب الشہید

ترجمہ...... (یہ) باب شہید کے بیان میں ہے

تشریح...... مقتول کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ وہ میت باجلہ ہے یعنی اس کی موت وقت پر آئی ہے وقت سے پہلے واقع نہیں ہوئی۔ رہی یہ بات کہ مقتول جب میت باجلہ ہے تو پھر قاتل پر قصاص یا دیت کیوں واجب ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قاتل نے چونکہ سبب قتل اختیار کرنے کی وجہ سے نظامِ عالم کو خراب کیا ہے اس لئے نظامِ عالم کو برقرار رکھنے کے لئے قاتل کے واسطے یہ سزا تجویز کی گئی ہے۔

شہید کے احکام علیحدہ باب میں اس لئے ذکر کئے گئے ہیں کہ شہید کی موت دوسری اموات سے ہزار ہا درجہ افضل ہے۔ حتیٰ کہ شہید فی سبیل اللہ کو مردہ تک کہنے سے منع کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد باری ہے: و لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللّٰہ اموات بل احیاءٌ ولٰکن لا تشعرون ۔ جنائز کے بعد شہید کا ذکر خاص بعد العام کے قبیلہ سے ہے جیسے قرآن پاک میں ملائکہ کے بعد جبریل اور میکائیل کا ذکر خاص طور پر کیا جاتا ہے۔ مثلاً فرمانِ باری تعالیٰ ہے من کان عدوا للّٰہ و ملائکتہٖ و رسلہٖ و جبریل و میکٰل فان اللّٰہ عدو للکافرین۔

شہید کا نام شہید اس لئے ہے کہ ملائکہ تکریم اور تعظیم کی خاطر اس کی موت کی شہادت دیتے ہیں۔ پس یہ مشہود کے معنیٰ میں ہوگا۔ جیسے فعیل مفعول کے معنیٰ میں آتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مقتول فی سبیل اللہ چونکہ مشھود لہٗ بالجنۃ ہے یعنی اسکے جنتی ہونے کا وعدہ ہے۔ اس لئے اس کو شہید کہا گیا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ مقتول فی سبیل اللہ چونکہ زندہ ہے اور خدا کے پاس موجود ہے اس لئے اس کو شہید کہا گیا ہے۔ کیونکہ شہید کے معنیٰ بھی موجود اور حاضر کے ہیں۔ فقہاء کی اصطلاح میں شہید وہ ہے جس کو مشرکین نے قتل کر ڈالا یا معرکۂ جنگ میں پڑا ہوا پایا گیا اور اس کے بدن پر قتل کا اثر ہے یا اس کو مسلمانوں نے ظلماً قتل کیا اور اس کے قتل کی وجہ سے دیت واجب نہیں ہوئی۔

شہادت کی دو قسمیں ہیں ایک وہ کہ احکام آخرت میں شہید ہے اگرچہ دنیاوی احکام میں اس کو غسل وغیرہ دیا جائے۔ دوم یہ کہ دنیا و آخرت دونوں میں شہید ہے۔ حتیٰ کہ اس کو غسل نہیں دیا جائے گا۔

شہید کی تعریف

الشھید من قتلہ المشرکون او وجد فی المعرکۃ وبہ اثر اوقتلہ المسلمون ظلما ولم یجب بقتلہ دیۃ فیکفن ویصلی علیہ ولا یغسل لانہ فی معنی شھداء احد و قال صلی اللہ علیہ وسلم فیھم زملوھم بکلو مھم ودما ئھم ولا تغسلواھم فکل من قتل بالحدید ظلما وھو طاھر بالغ ولم یجب بہ عوض مالی فھو فی معناہ فیلحق بھم والمراد بالاثر الجراحۃ لانھا دلالۃ القتل و کذا خروج الدم من موضع غیر معتاد کالعین ونحوہ والشافعی یخالفنا فی الصلوۃ ویقول السیف محاء للذنوب فاغنی عن الشفاعۃ ونحن نقول الصلوۃ علی المیت لاظھار کرامتہ والشھید اولیٰ بھا والطاھر عن الذنوب لایستغنی عن الدعاء کالنبی والصبی

ترجمہ...... شہید وہ ہے جس کو مشرکین نے قتل کیا یا معرکہ میں ملا درانحالیکہ اس پر اثر ہے یا اس کو مسلمانوں نے قتل کیا ظلماً اور اس قتل کی وجہ سے دیت واجب نہ ہوئی ہو تو اس کو کفن دیا جائے اور اس پر نماز پڑھی جائے اور اس کو غسل نہ دیا جائے۔ کیونکہ ایسا مقتول شہداء احد کے معنی میں ہے۔ اور حضور ﷺ نے شہداءِ احد کے بارے میں فرمایا ہے کہ ان کو لپیٹ دو ان کے زخموں اور خونوں کے ساتھ اور ان کو غسل مت دو۔ پس جو شخص قتل کیا گیا دھاردار آلہ سے ظلماً اور یہ پاک اور بالغ ہو اور اس قتل کی وجہ سے عوض مالی بھی واجب نہ ہوا ہو تو وہ بھی شہداءِ احد کے معنیٰ میں ہے تو انہیں کے ساتھ لاحق کیا جائے گا۔ اور اثر سے مراد زخم ہے کیونکہ زخم دلیلِ قتل ہے اور اسی طرح عادت کے خلاف جگہ سے خون نکلنا جیسے آنکھ اور اس کے مانند۔ اور امام شافعیؒ نماز میں ہمارے مخالف ہیں اور امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ تلوار گناہوں کو محو کرنے والی ہے۔ پس اس نے شفاعت سے مستغنی کر دیا اور ہم کہتے ہیں کہ میت پر نماز پڑھنا اس کی کراہت ظاہر کرنے کے لئے ہے اور شہید اس کا زیادہ مستحق ہے اور جو کوئی گناہوں سے پاک ہو وہ دعا سے مستغنی نہیں ہو جاتا جیسے نبی اور بچہ۔

تشریح...... صاحب قدوری نے کہا ہے کہ شہید کی چند صورتیں ہیں:

۱) کسی مسلمان کو مشرکین نے قتل کر دیا خواہ کسی آلہ سے یا لکڑی وغیرہ سے

۲) کوئی مسلمان میدانِ جنگ میں اس حال میں پایا گیا کہ اس کے بدن پر زخم وغیرہ کا اثر ہے۔

۳) کسی مسلمان کو مسلمانوں نے ظلماً قتل کیا اور اس قتل کی وجہ سے دیت واجب نہ ہوئی ہو۔ ان تینوں صورتوں میں حکم یہ ہے کہ بالاتفاق کفن دیا جائے اور جب شہداء احد کے معنیٰ میں ہو تو اس کو بالاتفاق غسل نہ دیا جائے البتہ نماز میں اختلاف ہے۔ چنانچہ ہمارے نزدیک شہیدوں کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی اور امام شافعیؒ کے نزدیک نہیں پڑھی جائے گی۔ شہید کو کفن تو اس لئے دیا جائے گا کہ کفن دینا بنو آدم کے مردوں میں سنت ہے۔ پس اگر شہید کے بدن پر کپڑے ہوں تو ان کو اتارا نہ جائے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے زملوهم بكلومهم و دمائهم اور ایک روایت میں ہے بثيابهم یعنی ان کو لپیٹ دو ان کے زخموں ان کے خونوں اور ان کے کپڑوں کے ساتھ، شہید کے بدن پر اگر ٹوپی، موزہ اور ہتھیار وغیرہ ہوں تو ان کو اتار دیا جائے، اس لئے کہ یہ چیزیں کفن کی جنس سے شمار نہیں ہوتیں۔ ہاں اگر کفن کے کپڑوں میں کمی ہو تو ان کا اضافہ کر دیا جائے اور شہیدوں کو غسل نہ دینا اس لئے ہے کہ شہید، شہداء احد کے حکم میں ہوتا ہے۔ اور شہداء احد کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے **ولا تغسلوهم** ان کو غسل مت دو، ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے راستے میں اگر کوئی زخم لگ گیا تو کل قیامت کے دن اللہ کے حضور میں اس حال میں پیش کیا جائے گا کہ اس کا رنگ تو خون جیسا ہوگا مگر خوشبو مشک جیسی ہوگی۔

صاحبِ ہدایہ کہتے ہیں کہ جس شخص کو آلۂ دھار سے ظلماً قتل کیا گیا ہو اور وہ پاک اور بالغ ہو اور اس قتل کی وجہ سے عوض مالی واجب نہ ہوا ہو تو وہ بھی شہداءِ احد کے معنیٰ میں ہے۔ لہٰذا اس کو بھی شہداء احد کے ساتھ لاحق کیا جائے گا۔

شہید کی نماز میں ہمارا اور امام شافعی کا اختلاف ہے، چنانچہ ہمارے نزدیک شہید کی نمازِ جنازہ بھی فرض علی الكفايہ ہے اور امام شافعیؒ شہید کی نماز کے قائل نہیں ہیں، امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ نمازِ جنازہ درحقیقت میت کے لئے سفارش اور دعا ہے اور تلوار جو شہید پر چلائی گئی ہے وہ اس کے گناہوں کو مٹا دیتی ہے پس جب تلوار نے شہید کے گناہوں کو مٹا دیا تو اس کے لئے سفارش اور دعا کی کوئی ضرورت

نہیں رہی۔اس لئے کہا گیا کہ شہید پر نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے۔

ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ میت پر نمازِ جنازہ فقط دعا کے طور پر نہیں ہے۔ بلکہ دعا کے علاوہ میت کی تکریم و تعظیم کا ظاہر کرنا بھی ہوتا ہے اور شہید تکریم کا زیادہ مستحق ہوتا ہے۔اس لئے دیگر موتی کی طرح شہید کی بھی نماز پڑھی جائے گی اور امام شافعیؒ کا یہ کہنا کہ جو شخص گناہوں سے پاک ہو وہ دعا سے مستغنی ہوتا ہے غلط ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ پاک کون ہوگا اور نابالغ بچہ بھی گناہوں سے پاک ہوتا ہے۔اس کے باوجود دونوں پر نماز پڑھنا فرض ہے۔پس جب نبی اور صبی پر نماز پڑھنا فرض ہے تو شہید پر بھی نماز پڑھنا فرض ہوگا۔

حربیوں، باغیوں اور ڈاکوؤں کے ہاتھوں قتل ہونے والے کا حکم

ومن قتله اهل الحرب او اهل البغى اوقطاع الطريق فباى شىء قتلوه لم يغسل لان شهداء احد ما كان كلهم قتيل السيف والسلاح

ترجمہ ...... اور جس کو حربیوں نے قتل کیا ہو یا باغیوں نے یا ڈاکوؤں نے کسی بھی چیز سے قتل کیا ہو اس کو غسل نہ دیا جائے کیونکہ شہداءِ احد سب کے سب تلوار ہتھیار ہی سے قتل نہیں کئے گئے تھے۔

تشریح ...... مسئلہ، اگر کسی مسلمان کو دار الحرب کے کافروں نے قتل کر دیا یا دار الاسلام کے باغیوں نے قتل کیا یا ڈاکوؤں نے قتل کیا کسی بھی چیز سے قتل کیا ہو مقتول شہید کہلائے گا اور اس کو غسل نہیں دیا جائے گا۔دلیل یہ ہے کہ شہداءِ احد سب کے سب تلوار اور ہتھیار سے مقتول نہ تھے۔بلکہ بعض کو ان کے سر میں پتھر مار کر ہلاک کیا گیا تھا اور بعض کو ڈنڈے سے ہلاک کیا گیا تھا۔پس یہ معلوم ہوا کہ شہید ہونے کے لئے لوہے کے آلہ سے مقتول ہونا شرط نہیں ہے۔لیکن یہ اعتراض اپنی جگہ ہے کہ اہل اسلام میں سے ڈاکو یا باغی کا مقتول شہداءِ احد کے معنی میں نہیں ہے۔لہٰذا ان کے ہاتھوں مقتول مسلمان کو شہید نہ کہنا چاہئے۔جواب ہم کو جس طرح حربیوں سے قتال کا امر کیا گیا ہے۔اسی طرح باغیوں سے بھی قتال کا حکم کیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد باری ہے فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتّٰى تَفِيءَ إِلٰى أَمْرِ اللّٰهِ یعنی جو جماعت بغاوت کرے اس سے قتال کرو یہاں تک کہ اللہ کے امر کی طرف رجوع کرے۔پس جو شخص باغی کے ہاتھوں قتل ہوا اس نے بھی اللہ کی خوشنودی کے لئے اپنی جان دیدی، پس کفار کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے مارا جانا اور باغیوں کے ہاتھوں مقتول ہونا دونوں برابر ہیں۔اسی طرح ڈاکوؤں کے ہاتھوں سے مقتول ہونا بھی اللہ کی خوشنودی کے لئے جان دینا ہے اس لئے کہ ڈاکوؤں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ اللہ تعالیٰ نے ڈاکوؤں کو اللہ اور رسول ﷺ کے ساتھ محاربہ کرنے والا فرمایا ہے۔اب جو ڈاکوؤں کے ساتھ محاربہ کرے گا اور ان کے ہاتھوں مقتول ہوگا تو گویا اس نے اللہ اور رسول کی طرف سے جنگ کی اور مارا گیا اور جو شخص اللہ اور رسول ﷺ کی طرف سے ان کو راضی کرنے کے لئے جنگ کرے گا اور قتل ہو جائے گا تو وہ بھی محاربہ کفار میں مقتول کے مانند ہے، اور جو مسلمان محاربہ کفار میں مقتول ہو گیا وہ بلاشبہ شہید ہے۔لہٰذا باغیوں اور ڈاکوؤں کے ہاتھ سے مقتول بھی اسی کے مانند شہید ہوگا۔

جنبی شہید کو غسل دینے کا حکم، اقوالِ فقہاء

واذا استشهد الجنب غسل عند ابى حنيفة وقالا لايغسل لان ما وجب بالجنابة سقط بالموت والثانى لم

يجب للشهادة ولابي حنيفة ان الشهادة عرفت مانعة غير رافعة فلا ترفع الجنابة وقد صح ان حنظلة لما استشهد جنبا غسله الملئكة وعلى هذا الخلاف الحائض والنفساء اذا طهرتا وكذا قبل الانقطاع فى الصحيح من الرواية وعلى هذا الخلاف الصبى لهما ان الصبى احق بهذه الكرامة وله ان السيف كفى عن الغسل فى حق شهداء احد بوصف كونه طهارة ولاذنب عن الصبى فلم يكن فى معناهم

ترجمہ......اور اگر حالت جنابت میں شہید ہوا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کو غسل دیا جائے گا اور صاحبین نے کہا کہ اس کو غسل نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ جو غسل جنابت کی وجہ سے واجب ہوا وہ موت سے ساقط ہو گیا۔ اور دوسرا غسل شہادت کی وجہ سے واجب نہیں ہے۔ اور ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ شہادت تو اس طرح پہچانی گئی کہ وہ غسل میت کے واجب ہونے سے مانع ہے نہ کہ غسل واجب کو رفع کرنے والی۔ پس وہ جنابت کو دور نہ کرے گی۔ اور یہ صحیح ہے کہ حنظلہ جب جنابت کی حالت میں شہید ہوئے تو ان کو ملائکہ نے غسل دیا تھا اور اسی اختلاف پر حیض والی اور نفاس والی عورت ہے۔ جبکہ وہ پاک ہو جائیں اور یونہی انقطاع سے پہلے ہے صحیح روایت کے مطابق اور اسی اختلاف پر بچہ ہے۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ بچہ اس کرامت کا زیادہ مستحق ہے اور ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ شہداءِ احد کے حق میں غسل سے تلوار کافی ہوگئی اس وصف کے ساتھ کہ تلوار گناہوں سے پاک کرنے والی ہے اور بچہ پر کوئی گناہ نہیں ہے تو بچہ شہداءِ احد کے معنیٰ میں نہ ہوا۔

تشریح......مسئلہ، جنبی مسلمان اگر شہید ہو گیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کو غسل دیا جائے یہی امام احمدؒ کا قول ہے اور صاحبین کے نزدیک غسل نہ دیا جائے۔ اسی کے قائل امام شافعیؒ ہیں۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ جو غسل جنابت کی وجہ سے واجب ہوا تھا وہ موت سے ساقط ہو گیا کیونکہ موت کی وجہ سے وہ غسل جنابت کا مکلف ہونے سے نکل گیا ہے اور دوسرا غسل یعنی غسل میت شہادت کی وجہ سے واجب نہیں ہوا کیونکہ شہادت وجوب غسل سے مانع ہے اس لئے کہ شہداء کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا ہے زملوهم بكلومهم ولا تغلسوهم حدیث میں اس کی کوئی تفصیل نہیں کہ شہید جنبی ہو یا غیر جنبی ہو۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ شہادت، غسل میت واجب ہونے سے مانع تو ہے لیکن اگر پہلے سے غسل واجب ہو تو اس کو رفع کرنے والی نہیں ہے۔ چنانچہ شہید کے کپڑے پر اگر نجاست لگی ہو تو اس کو دھونا ضروری ہے۔ لیکن اس کے بدن کے خون کو دھونا ضروری نہیں ہے۔ پس شہادت چونکہ رافع نہیں ہے اس لئے شہادت جنابت کو بھی دور نہ کرے گی۔ اور جب جنابت کو دور نہیں کیا تو جنبی شہید کو غسل جنابت دینا واجب ہو گا۔ اس کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت حنظلہؓ جب شہید ہو گئے تو فرشتوں نے ان کو غسل دیا تھا۔ حضور ﷺ نے ان کے گھر والوں سے دریافت فرمایا کہ حنظلہ کس حال میں تھے ان کی بیوی نے کہا کہ مجھ سے جماع کیا تھا جب جنگ کا اعلان سنا تو بغیر غسل کئے شریک جنگ ہو کر شہید ہو گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہی سبب ہے۔ یہ اعتراض کیا جائے کہ بندوں کا غسل دینا واجب ہے نہ کہ ملائکہ کا۔ پس اگر شہید جنبی کو غسل دینا واجب ہوتا تو حضور ﷺ حنظلہ کو دوبارہ غسل دینے کا حکم فرماتے۔ جواب واجب تو فقط غسل دینا ہے۔ غسل دینے والا کوئی بھی ہو چنانچہ آپ ملاحظہ فرمائیں کہ جب ملائکہ نے آدم کو غسل دیا تو واجب ادا ہو گیا۔ اولادِ آدم نے آدم کے غسل کا اعادہ نہیں کیا۔ اگر ملائکہ کا دیا ہوا غسل ناکافی ہوتا تو اولادِ آدم، آدم کے غسل کا اعادہ کرتی اور رسول اکرم ﷺ حضرت حنظلہ کے غسل کا اعادہ فرماتے۔

یہی اختلاف حائضہ اور نفاس والی عورت میں ہے۔ یعنی اگر حیض یا نفاس کا خون منقطع ہو کر پاک ہوگئی اور ابھی غسل نہیں کیا اسی حالت میں شہید ہوگئی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک غسل دیا جائے گا کیونکہ امام صاحبؒ کے نزدیک شہادت مانع وجوب غسل ہے رافع غسل نہیں ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک غسل نہ دیا جائے کیونکہ اول تو موت کی وجہ سے ساقط ہوگیا اور ثانی شہادت کی وجہ سے واجب نہیں ہوا۔ اور ایک روایت کے مطابق اگر خون بند ہونے سے پہلے شہید ہوگئی تو امام صاحب کے نزدیک اس کو غسل نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ خون منقطع ہونے سے پہلے اس پر غسل واجب ہی نہیں ہوا اور دوسری روایت کے مطابق غسل دیا جائے گا۔ یہی صحیح روایت ہے۔ کیونکہ موت کی وجہ سے انقطاع دم حاصل ہوگیا اور دمِ سائل انقطاع کے وقت غسل کو واجب کرتا ہے اور بچہ اگر شہید کر دیا گیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک اس کو غسل دیا جائے گا اور صاحبین کے نزدیک غسل نہ دیا جائے۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ شہید سے غسل کا ساقط ہونا اس لئے ہے تاکہ اس کی مظلومیت کا اثر باقی رہے۔ پس شہید کو غسل نہ دینا اس کے اکرام کے پیش نظر ہے اور بچہ کی مظلومیت زیادہ ہے لہٰذا بچہ اس کرامت کا زیادہ مستحق ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ شہداءِ احد کے حق میں تلوار غسل سے کافی ہوگئی۔ کیونکہ تلوار گناہوں سے پاک کر دیتی ہے۔ یعنی شہداءِ احد کو غسل اس لئے نہیں دیا گیا کہ تلوار نے ان کو گناہوں سے پاک کر دیا ہے اور چونکہ بچہ پر کوئی گناہ نہیں ہے اس لئے بچہ شہداءِ احد کے معنیٰ میں نہ ہوگا۔ اور جب شہداءِ احد کے معنیٰ میں نہ ہوا تو شہداءِ احد کی طرح بچہ سے غسل بھی ساقط نہ ہوگا بلکہ بچہ کو غسل دیا جائے گا۔

شہید سے خون نہ پونچھا جائے اور نہ کپڑے اتارے جائیں، زائد اشیاء اتار لی جائیں

ولایغسل الشهید دمه ولاینزع عنه ثیابه لما روینا وینزع عنه الفرو والحشو والسلاح والخف لانها لیس من جنس الکفن و یزیدون و ینقصون ما شاؤا اتماما للکفن

ترجمہ...... اور شہید سے اس کا خون نہ دھویا جائے اور نہ اس سے اس کے کپڑے اتارے جائیں اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی ہے اور شہید سے جدا کر دی جائے پوستین، روئی وغیرہ سے بھراؤ کی چیز، ہتھیار اور موزے کیونکہ یہ چیزیں کفن کی جنس سے نہیں ہیں اور کفن سنت پورا کرنے کے لئے جو چاہیں گھٹائیں اور بڑھائیں۔

تشریح...... شہید کے بدن پر اگر چمڑے کا کوئی لباس، پوستین وغیرہ ہو یا روئی سے بھراؤ کی کوئی چیز ہو یا ہتھیار اور موزہ ہو تو ان کو اتار دیا جائے۔ یہ علماءِ احناف کا مذہب ہے۔ امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ شہید کے بدن سے کوئی چیز نہ اتاری جائے۔ امام شافعیؒ کی دلیل حضور ﷺ کا قول زملوھم الخ ہے۔ یعنی شہداء کو انکے کپڑوں میں لپیٹ دو۔ اس میں کوئی تفصیل نہیں ہے کہ کس کپڑے میں لپیٹا جائے اور کس کو اتارا جائے۔ اس لئے حدیث کے اطلاق کا مقتضیٰ یہ ہے کہ کوئی کپڑا شہید کے بدن سے نہ اتارا جائے۔ ہماری دلیل حدیث ابن عباس ہے قال امر رسول اللّٰہ ﷺ بقتلی احد ان ینزع عنھم الحدید والجلود و ان یدفنوا بدمائھم و ثیابھم۔ یعنی رسول اللّٰہ ﷺ نے مقتولین احد کے بارے میں حکم دیا کہ ان سے لوہا اور پوستین کو جدا کر دو۔ اور ان کے خون اور کپڑوں میں دفن کر دو۔ بظاہر یہ ہے کہ مذکورہ دونوں حدیثیں متعارض ہیں۔ اس لئے ہم ان دونوں کو چھوڑ کر قیاس کی طرف رجوع کریں گے۔ اور قیاس یہ ہے کہ پوستین وغیرہ کو اتار دیا جائے۔ کیونکہ یہ چیزیں کفن کی جنس سے نہیں۔

شہید کے بدن پر اگر عدد مسنون سے کم کپڑے ہوں تو ان میں اضافہ کر کے عدد مسنون کر دیا جائے اور اگر عدد مسنون سے زائد کپڑے ہوں تو کم کر کے عدد مسنون کو باقی رکھا جائے۔

ارتثاث کی تعریف

ومن ارتث غسل وهو من صار خلقا فی حکم الشهادة لنیل مرافق الحیوة لان بذلک یخفف اثر الظلم فلم یکن فی معنی شهداء احد، والارتثاث ان یاکل او یشرب او ینام او یداوی او ینقل من المعرکة لانه نال بعض مرافق الحیاة، وشهداء احد ماتوا عطاشا والکاس تدار علیهم فلم یقبلوا خوفا من نقصان الشهادة الا اذا حمل من مصرعه کیلا تطأه الخیول لانه ما نال شیئا من الراحة ولو اواه فسطاط اوخیمة کان مرتثا لما بینا ولو بقی حیا حتی مضی وقت صلوة وهو یعقل فهو مرتث لان تلک الصلوة صارت دینا فی ذمته وهو من احکام الاحیاء وقال و هذا مروی عن ابی یوسفؒ ولو اوصی بشئی من امور الاخرة کان ارتثاثا عند ابی یوسفؒ لانها ارتفاق و عند محمد لا یکون لانه من احکام الاموات

ترجمہ...... اور جو شخص ارتثاث پائے اس کو غسل دیا جائے اور یہ وہ ہے کہ جو حکم شہادت میں پرانا ہو گیا منافع زندگی حاصل ہونے کی وجہ سے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے ظلم کا اثر ہلکا ہو جائے گا۔ پس وہ شہداءِ احد کے معنی میں نہ رہا۔ اور ارتثاث یہ ہے کہ کھائے یا پیئے یا سوئے یا اس کی دواء کی جائے یا معرکہ سے منتقل کر لیا جائے۔ اس لئے کہ اس نے زندگی کے کچھ منافع حاصل کر لیئے اور شہداءِ احد تو پیاسے مر گئے حالانکہ پانی کا پیالہ ان پر گھمایا جا رہا تھا لیکن انہوں نے نقصانِ شہادت کے خوف سے اس کو قبول نہ کیا مگر جب مقتل سے اس لئے اٹھا لائے کہ اس کو گھوڑے نہ روند ڈالیں اس لئے کہ اس نے راحت سے کچھ حاصل نہ کیا اور اگر اس کو بڑے یا چھوٹے خیمہ میں جگہ ملی تو اس نے ارتثاث پا لیا۔ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی اور اگر وہ نماز کا وقت گذرنے تک زندہ رہا حالانکہ سمجھ ہے تو وہ بھی ارتثاث حاصل کرنے والا ہے۔ کیونکہ یہ نماز اس کے ذمہ میں دین ہو گئی اور یہ زندوں کے احکام میں سے ہے۔ مصنف نے کہا کہ یہ امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے اور اگر امورِ آخرت میں سے کسی چیز کی وصیت کی تو ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ بھی ارتثاث ہو گا۔ کیونکہ یہ بھی راحت ہے۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ ارتثاث نہیں ہے کیونکہ یہ مردوں کے احکام میں سے ہے۔

تشریح...... ارتثاث کے معنی ہیں پرانا پڑ جانا۔ ثوب رث پرانے کپڑے کو کہتے ہیں۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ مقتول فی سبیل اللہ نے اگر زخم کھانے کے بعد اور مرنے سے پہلے کچھ منافعِ زندگی حاصل کر لیئے تو کہا جائے گا کہ یہ شہید پرانا ہو گیا۔ اور چونکہ منافعِ زندگی حاصل کرنے کی وجہ سے ظلم کا اثر بھی ہلکا ہو گیا ہے۔ اس لئے یہ شہداءِ احد کے معنی میں نہ رہا اور جب شہداءِ احد کے معنی میں نہ رہا تو اس کو غسل دیا جائے گا۔ کیونکہ غسل کا ساقط ہونا اس شہید کے حق میں ہے جو شہداءِ احد کے معنی میں ہو۔

صاحب قدوری کہتے ہیں کہ ارتثاث یہ ہے کہ مقتول فی سبیل اللہ مرنے سے پہلے کچھ کھا لے یا کچھ پی لے۔ یا سو جائے یا اس کا علاج معالجہ کیا جائے معرکہ جنگ سے بغرض راحت منتقل کر دیا جائے کیونکہ اس نے زندگی کے کچھ منافع حاصل کر لئے ہیں۔ حالانکہ شہداءِ احد کا حال یہ تھا کہ پانی ان کو پیش کیا جا رہا ہے مگر انہوں نے نقصانِ شہادت کے خوف سے قبول نہ کیا اور یونہی تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔ ہاں اگر کسی شہید کو مقتل سے اس لئے منتقل کیا گیا کہ مقتل میں اس کو گھوڑے نہ روند ڈالیں، تو یہ ارتثاث نہ ہو گا۔ کیونکہ اس نے کوئی راحت

حاصل نہیں کی ہے اور اگر اس کو بڑے یا چھوٹے خیمہ میں پناہ دی تو وہ ارتثاث پانے والا شمار ہوگا۔ اور اگر شہید ایک نماز کے وقت گذرنے تک زندہ رہا اور اس حال میں زندہ رہا کہ اسکے ہوش وحواس باقی ہیں تو یہ بھی ارتثاث پانے والا ہوگا۔ کیونکہ یہ نماز اس کے ذمہ میں ڈین ہو گئی اور نماز کا کسی کے ذمہ میں ڈین ہونا دنیا کے احکام میں سے ہے۔ صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ یہ امام ابو یوسفؒ کی روایت ہے اور اگر مقتول فی سبیل اللہ نے امرِ آخرت میں سے کسی چیز کی وصیت کی تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ بھی ارتثاث ہے کیونکہ یہ حصول ثواب کی راحت ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ ارتثاث نہیں ہے۔ کیونکہ یہ مردوں کے احکام میں سے ہے۔

شہر میں پائے جانے والے مقتول کے غسل کا حکم

ومن وجد قتيلا فى المصر غسل لان الواجب فيه القسامة والدية فخفف اثر الظلم الا اذا اعلم انه قتل بحديدة ظلما لان الواجب فيه القصاص وهو عقوبة والقاتل لايتخلص عنها ظاهراً اما فى الدنيا واما فى العقبى وعندابى يوسفؒ و محمدؒ مالايلبث كالسيف ويعرف الجنايات ان شاء الله تعالىٰ

ترجمہ...... اور جو شخص شہر کے اندر مقتول پایا گیا اس کو غسل دیا جائے کیونکہ اس قتل میں واجب تو قسامت اور دیت ہے۔ اس لئے ظلم کا اثر ہلکا پڑ گیا۔ مگر جب یہ معلوم ہو کہ یہ دھار دار آلہ سے ظلماً قتل کیا گیا ہے۔ اسلئے کہ اس میں قصاص واجب ہے اور وہ عقوبت ہے اور قاتل بظاہر اس سے چھٹکارا نہ پاسکے گا یا تو دنیا میں یا آخرت میں۔ اور امام ابو یوسف اور امام محمدؒ کے نزدیک جو چیز دیر نہیں کرتی وہ تلوار ہے اور یہ مسئلہ باب الجنایات میں انشاء اللہ معلوم ہوگا۔

تشریح...... مسئلہ، اگر کوئی مقتول شہر کے اندر پایا گیا اور اس کا قاتل معلوم نہیں تو اس کو غسل دیا جائے گا۔ کیونکہ اس صورت میں اہل محلہ پر دیت واجب ہوگی اور اس دیت کا نفع میت کو پہنچے گا۔ چنانچہ مقتول اگر مدیون ہو تو اس سے اس کا ڈین ادا کیا جائے گا۔ بہر حال جب دیت کا نفع مقتول کو حاصل ہوا تو اس پر سے ظلم کا اثر ہلکا پڑ گیا۔ اور جب یہ مقتول کامل مظلوم نہ رہا تو شہداءِ احد کے معنیٰ میں بھی نہیں ہوگا۔ اور شہداءِ احد کی طرح اس سے غسل ساقط نہ ہوگا۔ ہاں اگر یہ معلوم ہے کہ دھار دار آلہ سے مقتول ہوا اور اسکا قاتل بھی معلوم ہے تو اس کو غسل نہ دیا جائے۔ کیونکہ اس صورت میں قصاص واجب ہے۔ اور قصاص عقوبت ہے نہ کہ عوض اور جب قصاص عقوبت ہے عوض نہیں ہے تو ظلم کا اثر بھی ہلکا نہ ہوگا بلکہ مقتول کامل مظلوم ہوگا۔ اور جب مکمل مظلوم ہے تو شہداءِ احد کے معنیٰ میں ہونے کی وجہ سے اس کو غسل بھی نہ دیا جائے گا۔ اور رہا قاتل تو وہ بچ نہیں سکے گا۔ اس لئے کہ اگر قاتل پر قابو پالیا گیا تو دنیا ہی میں اس سزا کو بھگتے گا۔ اور اگر قابو نہ ملا تو آخرت میں بھگتے گا۔ حاصل یہ کہ اگر قتل کی وجہ سے قاتل یا اولیاءِ قاتل یا اس کے عاقلہ پر دیت جب ہوئی تو مقتول دنیا میں شہید نہیں ہوگا۔ عام مردوں کی طرح اس کو بھی غسل دیا جائے گا اور اگر قتل کی وجہ سے قصاص واجب ہوا تو مقتول شہید ہوگا اور اس کو غسل نہیں دیا جائے گا۔

اس جگہ ایک سوال ہوسکتا ہے وہ یہ کہ جس کے قتل کی وجہ سے قصاص واجب ہوا ہے وہ شخص شہداءِ احد کے معنیٰ میں نہیں ہے۔ کیونکہ شہداءِ احد کے قتل کی وجہ سے کوئی چیز واجب نہیں ہوئی تھی اور جو شخص شہداءِ احد کے معنیٰ میں نہ ہو اس کو غسل دیا جاتا ہے۔ لہٰذا اس کو بھی غسل دیا جانا چاہئے جس کے قتل کی وجہ سے قصاص واجب ہوتا ہے۔ جواب قصاص کا فائدہ اولیاءِ مقتول اور جملہ انسانوں کو پہنچتا ہے۔ مقتول کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ پس جس طرح شہداءِ احد کو کوئی نفع حاصل نہیں ہوا۔ اسی طرح اس کو بھی کوئی نفع حاصل نہیں ہوا۔

برخلاف دیت کے کیونکہ دیت کا نفع مقتول کو پہنچتا ہے حتیٰ کہ مال دیت سے اس کا قرض ادا کیا جائے گا اور اگر وصیت کی ہو تو اس کو نافذ کیا جائے گا۔

صاحبین نے کہا ہے کہ جو چیز قتل میں دیر نہیں لگاتی وہ بھی تلوار کے مانند ہے یعنی اگر شہر میں کوئی مقتول پایا گیا اور اس کا قاتل بھی معلوم ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ آلہ دھاردار کے علاوہ کسی بھاری پتھر یا لٹھ وغیرہ سے مارا گیا ہے تو صاحبین کے نزدیک قاتل پر قصاص بھی واجب ہوگا اور چونکہ ظلماً مقتول ہوا اس لئے شہید ہونے کی وجہ سے غسل بھی نہیں دیا جائے گا اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک آلہ دھاردار کے علاوہ کسی بھاری چیز سے قتل کی صورت میں قاتل پر قصاص واجب نہ ہوگا۔ حاصل یہ کہ وجوب قصاص کے لئے امام صاحب کے نزدیک آلہ دھاردار سے قتل کرنا شرط ہے اور صاحبین کے نزدیک شرط نہیں ہے۔ تفصیل کے لئے کتاب الجنایات کو ملاحظہ فرمائیں۔

حد اور قصاص میں قتل ہونے والے کو غسل دینے اور اس پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

و من قتل فی حد او قصاص غسل و صلی علیه انه باذل نفسه لا یفاء حق مستحق علیه و شهداء احد بذلوا انفسهم مرضات الله تعالیٰ فلا یلحق بهم و من قتل من البغاة او قطاع الطریق لم یصل علیه لان علیاً لم یصل علی البغاة

ترجمہ...... اور جو شخص حد یا قصاص میں قتل کیا گیا تو اس کو غسل دیا جائے، اور اس پر نماز پڑھی جائے کیونکہ اس نے ایسا حق ادا کرنے کے لئے اپنی جان کو صرف کیا ہے جو حق اس پر واجب ہے اور شہداءِ احد نے اپنی جانوں کو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے صرف کیا ہے، لہٰذا مقتول فی الحد والقصاص کو شہداء احد کے ساتھ لاحق نہیں کیا جائے گا۔ اور باغیوں یا ڈاکوؤں میں سے اگر کوئی قتل ہوا تو اس پر نماز نہ پڑھی جائے گی، اس لئے کہ حضرت علیؓ نے باغیوں پر نماز نہیں پڑھی ہے۔

تشریح...... اگر کوئی شخص حد یا قصاص میں قتل ہوا تو اس کو غسل بھی دیا جائے اور اس پر جنازہ کی نماز بھی پڑھی جائے، کیونکہ اس نے حق واجب کو ادا کرنے کے لئے جان دی ہے اور شہداء احد نے فقط اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جان دی تھی۔ اس لئے حد یا قصاص میں قتل ہونے والے کو شہداء احد کے ساتھ لاحق نہیں کیا جائے گا۔ نیز مروی ہے کہ حضرت ماعزؓ کو سنگسار کر دیا گیا تو ان کے چچا دربار رسالت میں حاضر ہو کر یوں کہنے لگے قتل ماعز کما یقتل الکلاب فما ذا تامرنی ان اصنع به اللہ کے رسول ﷺ ماعز کو کتوں کی طرح قتل کر دیا گیا۔ فرمائیے! میں اب اس کے ساتھ کیا کروں۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا لا تقل هذا، فقد تاب توبۃً لو قسمت توبتهٗ علیٰ اهل الارض لو سعتهم اذهب و غسله و صل علیه یہ مت کہو، وہ توبہ کر چکا، توبہ بھی ایسی کہ اگر اس کو تمام زمین والوں پر تقسیم کر دیا جائے تو سب کے لئے کافی ہو جائے، جاؤ، ان کو غسل دے کر دے کر ان کی نماز پڑھو۔ (کفایہ)

اور اگر کوئی باغی یا ڈاکو قتل کر دیا گیا تو ہمارے نزدیک اس کی نماز نہ پڑھی جائے اور امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ اس کی نماز پڑھی جائے گی۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ باغی اور ڈاکو مؤمن ہے۔ حق واجب کی وجہ سے مقتل کیا گیا ہے پس یہ اس شخص کی مانند ہو گیا جو رجم یا قصاص میں قتل کیا گیا ہے اور سابقہ سطروں میں گذر چکا کہ مقتول فی رجم وقصاص پر نماز پڑھی جاتی ہے۔ لہٰذا باغی اور ڈاکو مقتول ہوا تو اس کی نماز بھی پڑھی جائے گی۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے خوارج کو نہ غسل دیا تھا، نہ ان کی نماز پڑھی تھی درانحالیکہ خوارج باغی

ہیں، حضرت سے کہا گیا، اہم کفار؟ کیا خوارج کافر ہیں؟ حضرت علیؓ نے فرمایا لا ولکنھم اخواننا بغوا علینا نہیں، لیکن ہمارے بھائی ہیں، ہم پر بغاوت کی ہے، اسلئے معلوم ہوا کہ باغیوں اور ڈاکوؤں کو غسل نہ دینا اور نماز نہ پڑھنا ان کو سزا دینے کے لئے اور دوسروں کو تنبیہ دینے کے لئے جیسے ڈاکو کو تین دن تک سولی پر چھوڑا جائے گا، ظاہر ہے کہ سولی پر چھوڑنا اس کے لئے سزا اور دوسروں کے لئے تنبیہ ہے۔ واللہ اعلم جمیل احمد عفی عنہ

باب الصلوٰۃ فی الکعبۃ

ترجمہ ...... یہ باب کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کے بیان میں ہے

تشریح ...... صلوٰۃ فی الکعبہ کو کتاب الصلوٰۃ کے آخر میں اس لئے ذکر کیا گیا تا کہ کتاب الصلوٰۃ کا اختتام ایک متبرک چیز پر ہو۔ بیت اللہ کا نام کعبہ اس لئے رکھا گیا ہے کہ وہ مکعب یعنی چوکور ہے۔

کعبہ میں فرائض ونوافل ادا کرنے کا حکم، اقوالِ فقہاء

الصلوٰۃ فی الکعبۃ جائزۃ فرضھا و نفلھا خلافا للشافعی فیھما و لمالک فی الفرض لانہ ﷺ صلی فی جوف الکعبۃ یوم الفتح ولانھا صلوٰۃ استجمعت شرائطھا لوجود استقبال القبلۃ لان استیعابھا لیس بشرط

ترجمہ ...... کعبہ میں نماز پڑھنا جائز ہے خواہ فرض ہو یا نفل ہو۔ امام شافعیؒ کا ان دونوں میں اختلاف ہے اور فرض نماز میں امام مالکؒ کا اختلاف ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فتح مکہ کے دن کعبہ کے اندر نماز پڑھی ہے اور اس لئے کہ یہ ایسی نماز ہے جس کی تمام شرطیں جمع ہو گئیں کیونکہ استقبال قبلہ پایا گیا اس لئے کہ تمام قبلہ کا استقبال شرط نہیں ہے۔

تشریح ...... ہمارے نزدیک کعبہ کے اندر فرض نماز اور نفل نماز دونوں جائز ہیں۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں ناجائز ہیں۔ اور امام مالکؒ کے نزدیک نفل تو جائز ہے البتہ فرض جائز نہیں ہے صاحب نہایہ نے لکھا ہے کہ کعبہ کے اندر فرض اور نفل کے عدم جواز کی نسبت امام شافعیؒ کی طرف کرنا کاتب کا سہو ہے۔ اس لئے کہ اصحاب شافعی نے اپنی کتب میں امام شافعی کا مذہب جواز کا لکھا ہے نہ کہ عدم جواز کا جواب اس کا یہ ہے کہ کعبہ کا اگر دروازہ کھلا ہو اور آگے سترہ نہ ہو تو کعبہ کے اندر فرض اور نفل پڑھنا امام شافعیؒ کے نزدیک ناجائز ہے۔ اور اگر کعبہ کا دروازہ بند ہو۔ یا آگے سترہ ہو تو جائز ہے۔ امام مالکؒ نے دلیل بیان کی ہے کہ جو شخص کعبہ کے اندر نماز پڑھتا ہے۔ وہ قبلہ کے ایک حصہ کا استقبال کرتا ہے۔ اور ایک حصہ کا استدبار کرتا ہے پس نماز کی حالت میں استقبال قبلہ کا تقاضا تو یہ ہے کہ نماز صحیح ہو اور استدبار کا تقاضا یہ ہے کہ نماز فاسد ہو۔ پس جانب فساد کو احتیاطاً ترجیح دی گئی ہے۔ قیاس کا تقاضا نفل کے اندر بھی یہی تھا۔ کہ نفل بھی کعبہ کے اندر ناجائز ہو لیکن نفل کے بارے میں چونکہ اثر وارد ہے اس لئے نفل کے اندر قیاس کو ترک کر دیا گیا نیز نفل کی بنیاد نرمی پر ہے۔ چنانچہ قدرعلی القیام کے باوجود بیٹھ کر نفل پڑھنا جائز ہے۔ اور فرض چونکہ نفل کے معنی میں نہیں ہے۔ اس لئے فرض کو نفل کے ساتھ لاحق کر کے کعبہ کے اندر فرض پڑھنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ فتح مکہ کے روز آنحضرت ﷺ نے کعبہ کے اندر دو رکعت نفل نماز ادا کی ہے روایت یہ ہے عن ابن عمر ان

النبی ﷺ دخل الکعبه هو و اسامه و بلال و عثمان بن طلحه و اغلقها علیه ثم مکث فیها قال ابن عمر فسالت بلالاً حین خرج ما صنع رسول الله ﷺ قال جعل عمودین عن یساره و عمودا عن یمینه و ثلاثه اعمده دراءه ثم صلی و کان البیت یومئذٍ علی ستة اعمدة و کان هذا یوم الفتح ۔ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ، اسامہ، بلال اور عثمان بن طلحہ کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور اس کو بند کر لیا پھر اس میں آپ ٹھہرے۔ ابن عمر کہتے ہیں کہ میں نے بلال سے پوچھا جس وقت بلال باہر نکلے کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا کیا ہے بلال نے کہا کہ دو ستون تو آپ نے بائیں جانب کئے ایک دائیں جانب اور تین پیچھے کی جانب کئے پھر آپ نے نماز پڑھی۔ اس زمانہ میں بیت اللہ کے چھ ستون تھے اور یہ فتح مکہ کا دن تھا۔ اگر کعبہ کے اندر نماز پڑھنا ناجائز ہوتا تو رسول خدا ﷺ ہرگز کعبہ کے اندر نماز نہ پڑھتے۔ اور اگر آپ کہیں کہ وہ نفل نماز تھی تو ہم جواب دیں گے کہ جواز کی جو شرطیں نفل کی ہیں وہی فرض کی ہیں۔ اس لئے فرض بھی نفل کے معنیٰ میں ہوگا۔ اور جب فرض نماز نفل کے معنیٰ میں ہے تو نفل کی طرح فرض پڑھنا بھی کعبہ کے اندر جائز ہوگا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ جو نمازِ کعبہ کے اندر پڑھی گئی ہے۔ اس میں تمام شرائط نماز جمع ہیں حتیٰ کہ استقبال کعبہ بھی پایا گیا کیونکہ تمام قبلہ کا استیعاب شرط نہیں ہے اور یہ ممکن بھی نہیں۔

کعبہ میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم

فان صلی الامام بجماعة فیها فجعل بعضهم ظهره الی ظهر الامام جاز لانه متوجه الی القبلة و لایعتقد امامه علی الخطاء بخلاف مسألة التحری و من جعل منهم ظهره الی وجه الامام لم تجز صلاته لتقدمه علی امامه

ترجمہ...... پس اگر امام نے کعبہ کے اندر جماعت سے نماز پڑھی اور مقتدیوں میں سے بعض نے اپنی پشت امام کی پشت کی جانب کی تو جائز ہے۔ کیونکہ یہ مقتدی قبلہ کی طرف متوجہ ہے اور وہ اپنے امام کو بھی خطاء پر نہیں جانتا برخلاف مسئلہ تحری کے۔ اور مقتدیوں میں سے جس نے اپنی پیٹھ کو امام کے منہ کی طرف کر دیا تو اس کی نماز جائز نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے امام سے آگے بڑھ گیا ہے۔

تشریح...... کعبہ کے اندر باجماعت نماز پڑھنے کی چار صورتیں ہیں

۱) مقتدی کا منہ امام کی پشت کی جانب ہو۔ ۲) مقتدی کا منہ امام کے منہ کی جانب ہو۔

۳) مقدی کی پشت امام کی پشت کی جانب ہو۔ ۴) مقتدی کی پشت امام کے منہ کی طرف ہو۔

اول اور سوم تو بلا کراہت جائز ہے۔ اور دوم مع الکراہت جائز ہے اور چہارم قطعاً جائز نہیں ہے پہلی صورت کا جائز ہونا ظاہر ہے۔ اور دوسری صورت اس لئے جائز ہے کہ متابعت امام پائی گئی۔ اور منع یعنی امام سے آگے بڑھنا منتفی ہو گیا اور اس صورت میں کراہت اس لئے ہے کہ جب مقتدی کا منہ امام کے منہ کی طرف ہوگا تو صورت سامنے رکھ کر عبادت کرنے والے کے ساتھ مشابہت ہو جائے گی۔ پس اس صورت میں مقتدی اور امام کے درمیان سترہ رکھنا مناسب ہوگا۔ تاکہ اس مشابہت سے بچاؤ ہو سکے۔ تیسری صورت کے جواز کی وجہ صاحب ہدایہ نے بیان کی ہے کہ مقتدی قبلہ کی طرف بھی متوجہ ہے اور اپنے امام کو غلطی پر بھی نہیں سمجھتا۔ اور اپنے امام سے آگے بھی نہیں ہے۔ اسکے برخلاف مسئلہ تحری ہے۔ یعنی جب تاریک رات میں باجماعت نماز پڑھی اور مقتدی نے امام کی پشت کی طرف اپنی پشت کی اور مقتدی امام کی حالت سے واقف بھی ہے تو مقتدی کی نماز جائز نہیں ہے کیونکہ اس کا اعتقاد یہ ہے کہ اس کا امام غلطی پر ہے۔ چوتھی صورت کے عدم جواز کی وجہ ظاہر ہے۔

کیونکہ اس صورت میں مقتدی اپنے امام سے آگے ہوگا اور ظاہر ہے کہ یہ قطعاً نا جائز ہے۔

فائدہ...... جو مقتدی امام سے دائیں یا بائیں جانب ہوں گے ان کی نماز بھی جائز ہے۔

مسجد حرام میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا طریقہ

واذا صلى الامام في المسجد الحرام فتحلق الناس حول الكعبة و صلوا بصلوة الامام فمن كان منهم اقرب الى الكعبة من الامام جازت صلاته اذا لم يكن في جانب الامام لان التقدم والتاخر انما يظهر عند اتحاد الجانب

ترجمہ...... اور جب امام نے مسجد حرام میں نماز پڑھی۔ اور لوگوں نے کعبہ کے گرد حلقہ باندھا اور امام کی نماز کے ساتھ نماز پڑھی۔ پس جو شخص امام کی بہ نسبت کعبہ سے زیادہ قریب ہو اس کی نماز بھی جائز ہے۔ جبکہ امام کی جانب میں نہ ہو۔ کیونکہ آگے ہونا اور پیچھے ہونا اتحاد جانب کے وقت ظاہر ہوگا۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ امام نے مسجد حرام میں نماز پڑھی۔ لوگوں نے کعبہ کا حلقہ باندھا یعنی کعبہ کے گرد صفیں بنائیں اور امام کی اقتداء میں نماز پڑھی تو جس جانب امام نہ ہو اگر اس طرف مقتدی کعبہ سے زیادہ قریب ہے بہ نسبت امام کے تو اس کی نماز جائز ہے لیکن جس جانب امام ہے اگر مقتدی اس جانب کعبہ سے زیادہ قریب ہو بہ نسبت امام کے تو اس مقتدی کی نماز درست نہ ہوگی۔ کیونکہ تقدم اور تاخر اتحاد جہت کے وقت ظاہر ہوتا ہے۔ پس امام کی جانب میں جو مقتدی دیوار کعبہ سے بہ نسبت امام کے زیادہ قریب ہے وہ امام سے آگے ہے اور جو مقتدی اپنے امام سے آگے ہو اس کی نماز جائز نہیں ہوتی اور جس جانب امام نہیں اس طرف تقدم اور تاخر متحقق نہ ہوگا۔ اس لئے اس طرف کے لوگوں کی نماز درست ہو جائے گی۔

کعبۃ اللہ کی چھت پر نماز پڑھنے کا حکم، امام شافعیؒ کا نقطہ نظر

ومن صلى على ظهر الكعبة جازت صلوته خلافا للشافعيؒ لان الكعبة هي العرصة والهواء الى عنان السماء عندنا دون البناء لانه ينقل الا ترى انه لو صلى على جبل ابي قبيس جاز ولا بناء بين يديه الا انه يكره لما فيه من ترك التعظيم و قد ورد النهي عنه عن النبي ﷺ

ترجمہ...... اور جس نے عمارت کعبہ کی چھت پر نماز پڑھی، تو اس کی نماز جائز ہے، امام شافعیؒ کا اختلاف ہے۔ کیونکہ کعبہ ہمارے نزدیک میدان اور آسمان تک کی فضاء کا نام ہے نہ کہ عمارت کا۔ کیونکہ وہ منتقل ہو سکتی ہے۔ کیا نہیں دیکھتے اگر کسی نے ابو قبیس پہاڑ پر نماز پڑھی تو جائز ہے۔ حالانکہ عمارت اس کے سامنے نہیں ہے۔ مگر مکروہ ہے کیونکہ اس میں ترک تعظیم ہے اور اس سے حضور ﷺ کی طرف سے نہی وارد ہوئی ہے۔

تشریح...... ہمارے نزدیک کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنا جائز ہے اگر چہ اس کے سامنے سترہ نہ ہو۔ اور امام شافعیؒ نے کہا کہ کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر اس کے سامنے سترہ ہو تو جائز ہے۔ بنیادِ اختلاف یہ ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک نماز میں عمارتِ کعبہ کی

طرف متوجہ ہونا ضروری ہے۔ ہمارے نزدیک قبلہ نام ہے کعبہ کا اور کعبہ عمارت کا نام نہیں بلکہ وہ میدان جہاں عمارت کعبہ ہے وہاں سے لے کر آسمان تک پوری فضا کا نام کعبہ ہے۔ عمارت کا نام کعبہ اس لئے نہیں کہ عمارت منتقل ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے ابوقبیس پہاڑ پر کھڑے ہو کر نماز پڑھی تو جائز ہے حالانکہ اس کے سامنے عمارت وغیرہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کعبہ سے بہت اونچی جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھی تو جائز ہے۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ وجہ کراہت یہ ہے کہ کعبہ کی چھت پر چڑھنے میں کعبہ کی تعظیم ختم ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس کو مکروہ قرار دیا گیا۔

نیز کعبہ کی چھت پر نماز ادا کرنے سے حضور ﷺ نے بھی منع فرمایا ہے۔ عن ابی هريرة انه قال نهى النبی ﷺ عن الصلوة فی سبع مواطن المجزرة والمزبلة والمقبرة والحمام وقوارع الطريق و معاطن الابل و فوق ظهر بيت الله تعالیٰ۔

حضور ﷺ نے سات جگہوں پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے:

۱) مذبح ، ۲) کوڑا خانہ ، ۳) قبرستان
۴) حمام ، ۵) درمیانِ راستہ ، ۶) اونٹ باندھنے کی جگہ
۷) بیت اللہ کی چھت

اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَ تُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ؕ

جمیل احمد عفاہ اللہ تعالیٰ عنہ

۱۲/ ذی الحجہ ۱۴۰۵ھ



گرانقدر علمائے کرام کی رائیں (اختصار کے ساتھ)

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب مدظلہم (استاذ حدیث وتفسیر دارالعلوم دیوبند)
"اشرف الہدایہ" ہدایہ کی اردو شرح ہے اور "ہدایہ" آئین کی دنیا میں بین الاقوامی سطح پر ہے "اسلامی آئین" کی صحیح ترین ترجمان قرار دی گئی ہے اس لئے آپ کی "خدمتِ شرح وترجمہ" بھی عالمیت کی حامل بن کر انشاء اللہ دائمی اجر عظیم کا موجب ثابت ہوگی۔

فقیہ امت حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب (ناظم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور)
ہدایہ کی ایک عمدہ وبہترین شرح اشرف الہدایہ ہے۔ میں اگرچہ بالاستیعاب اس کا مطالعہ نہیں کرسکا ہوں مگر چند مقامات دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ موصوف نے کافی محنت وجانفشانی کے ساتھ تحقیق وتشریح کی ہے بالخصوص مقامات مشکل کا حل عمدہ اسلوب کے ساتھ کیا ہے۔ میرے خیال میں یہ شرح صرف طلبہ ہی کے لئے نہیں بلکہ مدرسین کے لئے بھی انشاء اللہ مفید ہوگی۔

حضرت مولانا خورشید عالم صاحب (دامت برکاتہم استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند)
مجھے ابتدائی کتاب کا مسودہ دکھایا گیا جس کو احقر نے مختلف جگہ سے دیکھا، دیکھ کر خوشی ہوئی کہ کتاب کے اصل مضامین کو غیر معمولی شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا گیا اور سیر حاصل بحث کی گئی ہے جو خصوصیت کے ساتھ طلباء اور اہل علم کے لئے مفید ہے نیز علم فقہ کے متعلقات بھی تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔

فقیہ میرٹھ حضرت مولانا حکیم محمد اسلام صاحب مدظلہم (مہتمم جامعہ اسلامیہ نور الاسلام میرٹھ)
راقم الحروف اپنی عدیم الفرصتی کی وجہ سے اشرف الہدایہ کو بالاستیعاب تو نہیں دیکھ سکا البتہ بعض اہم مباحث کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوا کہ مؤلف موصوف نے تشریح، صورت مسئلہ اور نقل مذاہب ائمہ کے سلسلہ میں بڑی جانفشانی کے ساتھ تحقیق کی ہے اور پھر تمام مذاہب کو روایات ودرایات کے زیور سے آراستہ کیا ہے۔

Email: ishaat@cyber.net.pk
ishaat@pk.netsolir.com

اشرف الہدایہ جلد 2

